ذکر رحمت ربک عبدہ زکریا

ذکرِ زکریاؒ

یعنی:

دو روزہ بین الاقوامی مذاکرہ علمی بعنوان:

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنی

میں

پیش کردہ مقالات کا مجموعہ

مرتب:

مولانا فیروز اختر ندوی

مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی
جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی الہند

ذکر رحمت ربک عبدہ زکریا

ذکر زکریا

یعنی

دوروزہ بین الاقوامی مذاکرہ علمی بعنوان:

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنی

میں

پیش کیے گئے مقالات کا مجموعہ

مرتب:

مولانا فیروز اختر ندوی

مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی

جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ یوپی (الہند)

طبع دوم

کتاب: ذکر زکریاؒ

مرتب: مولانا فیروز اختر ندوی

صفحات: ۶۱۶

ناشر: مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی

جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ

تزئین: مشتاق احمد غازیپوری

سن طباعت: ۱۴۲۷ھ ۲۰۰۶ء

قیمت:

ملنے کے پتے:

(۱) جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ

(۲) مکتبہ ندویہ، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

(۳) کتب خانہ یحییٰ سہارنپور، یوپی

(۴) مکتبہ الفرقان، لکھنؤ

(۵) مکتبہ نعمیہ، دیوبند

فہرست مضامین

ابتدائیہ

حضرت شیخ الحدیث-نقوش وتأثرات

علمی خدمات

تصنیفات و تالیفات

دینی خدمات

ادبی خدمات

بعض اہم مسترشدین

اجمالی مرقع

ابتدائیہ

حرف آغاز

فیروز اختر ندوی

جامعہ اسلامیہ، مظفر پور اعظم گڑھ کے بانی و سرپرست حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہ العالی کی دعوت پر بتاریخ ۲/۳ صفر ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۴/۲۵ مارچ ۲۰۰۴ء ایک عظیم الشان دو روزہ بین الاقوامی مذاکرۂ علمی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنیؒ کی علمی و دینی خدمات کے موضوع پر منعقد ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس سیمینار کو ایسی کامیابی عطا فرمائی کہ بڑے بڑے بین الاقوامی سیمیناروں میں شرکت کرنے والے حضرات اور ملک و بیرون ملک کے علماء و فضلاء کا متفقہ تأثر یہی تھا کہ ''یہ سیمینار اپنی نوعیت میں بالکل منفرد اور کئی حیثیتوں سے ممتاز ہے'' اس کی مفصل روداد آپ اسی کتاب کے ابتدائی صفحات پر ''روداد سیمینار'' کے عنوان سے ملاحظہ فرمائیں گے۔

سیمینار میں پیش کئے گئے مقالات کی وقعت و اہمیت کے پیش نظر اسی وقت فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ مقالات کا مجموعہ کتابی شکل میں جلد از جلد شائع کیا جائے گا تاکہ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی علمی و دینی خدمات و کمالات کا جو حسین مرقع مقالات کی شکل میں سامنے آیا ہے وہ دستاویزی طور پر یکجا محفوظ ہو جائے اور اہل علم کے لئے ایک گراں قدر علمی تحفہ ہو، لیکن کچھ ناگزیر اسباب کی بنا پر مجموعۂ مقالات کی طباعت میں تاخیر ہوتی گئی، جس پر مرتب، مقالہ نگار حضرات سے معذرت خواہ ہے اور قارئین سے بھی کہ ان کو استفادہ کا موقع کچھ تاخیر سے مل رہا ہے۔

مقالات کا مجموعہ اب آپ کے ہاتھوں میں ہے، شروع میں سیمینار سے متعلق چند مضامین ہیں، جامعہ اسلامیہ، مظفرپور اعظم گڑھ اور مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی للبحوث و الدراسات الاسلامیة کا تعارف بھی اختصار کے ساتھ پیش کردیا گیا ہے جس کے تحت یہ عظیم الشان سیمینار منعقد ہوا تھا۔

مقالات کی ترتیب میں موضوعات کا لحاظ کیا گیا ہے، بعض مقالات طویل تھے، اختصار کی غرض سے ان کے بعض اجزاء اور لمبے لمبے اقتباسات حذف کردیئے گئے تاہم اس کا خیال رکھا گیا کہ مضامین کے تسلسل میں کوئی فرق نہ آئے، اسی طرح بعض اہل علم کی بعض آراء سے مجلس منتظمہ برائے مذاکرۂ علمی کا اتفاق کرنا مشکل تھا ایسی جگہوں پر حاشیہ میں اشارہ کردیا گیا ہے

اللہ تعالیٰ اس مجموعۂ مقالات کو جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنیؒ کی علمی و دینی خدمات کا ایک مستند جامع اور حسین مرقع ہے، قبول فرمائے اور داعیٔ سیمینار حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری دامت برکاتہم کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے کہ آپ کی ہی مستقل فکرمندی اور مسلسل سرپرستی ونگرانی سے یہ عظیم الشان سیمینار عدیم المثال کامیابی کے ساتھ منعقد ہوسکا اور اب آپ ہی کی توجہ وعنایت سے یہ مجموعۂ مقالات کتابی شکل میں سامنے آرہا ہے۔

حضرت سرپرست محترم کے فرزندار جمند اور جامعہ کے ڈائرکٹر مولانا ڈاکٹر ولی الدین صاحب ندوی سیمینار کی جملہ سرگرمیوں کے روح رواں تھے ہی، مقالات کی ترتیب واشاعت میں بھی آپ کی خصوصی توجہ اور رہنمائی شامل حال رہی، ہم ان کے بیحد ممنون ہیں اور اسی کے ساتھ اپنے ان معاونین اور رفقاء کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں جن کے تعاون ومشورہ سے یہ مجموعہ آپ کے ہاتھوں تک پہونچ رہا ہے، اللہ تعالیٰ سب کی کوششوں کو قبول فرمائے اور اس مجموعۂ مقالات کو قارئین کے لئے نافع بنائے۔

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰہ رب العالمین۔

مقدمہ طبع دوم

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين محمد و آله و صحبه أجمعين، أما بعد!

''ذکر زکریا'' ان مقالات کا مجموعہ ہے جو جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں منعقد ہونے والے ''دوروزہ بین الاقوامی ''مذاکرۂ علمی'' بعنوان: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنیؒ (منعقدہ: ۱؍۲؍صفر ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۴؍۲۵؍مارچ ۲۰۰۴ء) میں پڑھے گئے تھے اور ماشاء اللہ ملک کے مشاہیر علماء و مفکرین اور مختلف یونیورسیٹیوں کے اساتذہ و پروفیسران نے بڑی محنت اور شوق سے یہ مقالات تیار کئے تھے۔

یہ درحقیقت ہمارے استاذ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدنیؒ کی شخصیت، ان کے علمی کارناموں اور ان کی کتابوں کے مطالعے، تجزیے اور تبصرے کا حسین مرقع ہے، الحمدللہ اس کتاب کی توقع سے زائد پذیرائی کی گئی اور بہت جلد اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا، ہند و بیرون ہند، پاکستان و بنگلہ دیش ہر جگہ سے کتاب کا مطالبہ بدستور ہو رہا ہے، خصوصاً حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی مدظلہ صاحبزادۂ گرامی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے جو غیر معمولی اہتمام اس کتاب کے تئیں فرمایا اور جس محبت اور اصرار کے ساتھ اس کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کا مطالبہ کیا اور اس کی ترسیل و تقسیم کی طرف جس طرح توجہ دی اس کے لئے ہم بے حد ممنون و مشکور ہیں۔

اللہ کے فضل وکرم سے پہلی اشاعت کے بعد اب دوبارہ اس کتاب کو شائع کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے، پہلی طباعت میں کچھ غلطیاں رہ گئی تھیں موجودہ اڈیشن میں ان کی تصحیح کردی گئی ہے نیز مزید کچھ اضافوں کے ساتھ اس کتاب کو مفید سے مفید تر بنانے کی بھی کوشش کی گئی ہے، اس سے گرچہ دوسری طباعت میں قدرے تاخیر ہوئی لیکن کتاب بہت سی خوبیوں سے آراستہ ہوگئی ہے، اس سلسلہ میں جامعہ کے اساتذہ عزیزان گرامی مولانا فیروز اختر ندوی، مولانا سید جاوید احمد ندوی اور مولانا محمد نسیم الدین ندوی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے محنت کر کے اسے اور زیادہ خوبصورت اور مفید بنانے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

فقط

والسلام

(حضرت مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی (مدظلہ العالی)

جامعہ اسلامیہ مظفرپور اعظم گڑھ

۲۵ / صفر ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۶ / مارچ ۲۰۰۶ء

مقدمہ

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری
(بانی وسرپرست جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ)

الحمد للّٰه رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين و آله و صحبه أجمعين أما بعد !

ہمارے استاذ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ جو اپنے زمانے میں اسلاف کی یادگار تھے، ان کی جامع شخصیت میں اللہ تعالیٰ نے متعدد غیر معمولی صفات کو جمع فرمادیا تھا، وہ ایک طرف تو حضرت سہارنپوری اور حضرت گنگوہی اور اس سلسلے کے بزرگوں کی روحانی وعلمی یادگار تھے، اپنی اصابت رائے اور تربیت وسلوک میں علمائے متقدمین کی یاد تازہ کررہے تھے، مشرق سے لے کر مغرب تک ان کا فیض جاری تھا، اسلامی ممالک ہوں یا عربی، سب یکساں طور پر مستفید ہورہے تھے، دوسری طرف اپنے علمی کمالات میں منفرد اور یگانۂ روزگار تھے، خاص طور سے علم حدیث میں جو ان کا مقام ہے اور جو یادگاریں انھوں نے چھوڑی ہیں اس کی مثال ماضی کے علماء محدثین میں بھی بہت کم ملے گی، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نے بذل المجہود کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسی جامع کمالات شخصیت علمی اعتبار سے بھی اور روحانی اعتبار سے بھی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد ان

کے سلسلہ میں نظر نہیں آتی ،اور پھر یہی نسبت حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے بقول حضرت شیخ الحدیثؒ کی طرف منتقل ہوگئی تھی، حضرت شیخ الحدیث سے اللہ تعالیٰ نے علم حدیث کے میدان میں جو عظیم الشان کام لیا، اس کو اوران کے دیگر کارناموں کو بتانا اوران کی طرف اہل علم کو متوجہ کرنا یہ ان کے تمام شاگردوں اور خلفاء کی ذمہ داری ہے، ان کے وصال کے بعد سے اس کی ضرورت تھی کہ ان کی علمی وروحانی شخصیت پر کوئی مؤقر علمی مذاکرہ منعقد کیا جائے جس میں ان کی شخصیت اوران کے حدیثی کارناموں اوران کی عظیم مؤلفات کا تعارف کرایا جائے ،لیکن افسوس کہ انتقال کو تقریباً ۲۵ سال کا عرصہ ہورہا ہے کوئی سیمینار نہیں منعقد کیا جاسکا تھا، حضرت کا جو اس ناچیز سے تعلق رہا ہے اور جس کی تفصیلات آگے مقالات میں آئیں گی اس کا تقاضہ تھا کہ کم ازکم ایک علمی مذاکرہ اپنے حدود تک جامعہ اسلامیہ میں منعقد کیا جائے ،ان سطور کے لکھتے وقت حضرت کی ایک کتاب اوجزالمسالک اِلی موطأ امام مالک کے بارے میں شیخ الازہر ڈاکٹر سید محمد طنطاوی کا بیان جو ابوظبی کے اخبارات میں آیا ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے علوم کی اوران کی کتابوں کی عالم اسلامی میں کیا قدروقیمت ہے، انہوں نے اپنے حالیہ ایک خط میں یہ تحریر فرمایا کہ اوجزالمسالک کی اشاعت سے پورے عالم اسلام کے علماء وفضلاء پر آپ نے احسان عظیم کیا، خاص طور سے جامعہ ازھر کی کلیۃ الشریعہ والدراسات الاسلامیہ کے دکاترہ وطلبہ اورازھر کے باحثین اس کتاب کو بہت بڑا قیمتی سرمایہ سمجھتے ہیں، نیز امام شیخ محدث محمد زکریا نے اس کتاب کی تالیف کے ذریعہ اسلامی کتب خانہ میں گراں قدر اضافہ فرمایا ہے۔

اس لئے بہرحال یہ سیمینار جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں منعقد کیا گیا ہے اور حضرت کی برکت سے یہاں علماء وخواص کا غیر معمولی اجتماع ہوگیا، عوامی جلسہ بھی عظیم الشان ہوا جو ہم لوگوں کے تصور سے بالا تھا اس لئے ان تمام مقالات ومضامین کو جو یہاں کے سیمینار میں پڑھے گئے یا اس سلسلے میں تحریر کئے گئے ان کے مجموعہ کو کتابی صورت میں شائع کیا جارہا ہے،

اس میں شامل مضامین بہت قیمتی اور اہم ہیں، انشاء اللہ اس سے اہل علم اور طلبہ کو بڑا فائدہ ہوگا اور بعض مضامین کے بعض آراء سے اتفاق نہیں ہے جس کی طرف حاشیہ میں اشارہ کر دیا گیا ہے، انشاء اللہ بہت جلد ہم ''چودھویں صدی ہجری میں ہندوستان میں علم حدیث'' کے عنوان پر ایک اور مذاکرہ علمی منعقد کرنے جارہے ہیں جس کی تفصیلات رسالہ الشارق سے معلوم ہو جائیں گی۔

یہاں کے علمی مذاکرہ کے انعقاد میں ہمارے مدرسے کے مدرسین اور طلبہ اور ہمارے دوستوں نے بڑی محنت کی اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے، اب ان مقالات کو مرتب کرنے کے لئے عزیز گرامی مولانا فیروز اختر ندوی صاحب نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورہ کر کے پوری مستعدی کا ثبوت دیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے اور اس مجموعۂ مقالات کو قبول فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰه رب العالمين ۔

روداد سیمینار

مولانا عمیر الصدیق ندوی
(رفیق دار المصنفین، اعظم گڑھ)

حضرت شیخ الحدیثؒ سمینار اور "مرکز الشیخ أبی الحسن الندویؒ للبحوث والدراسات الاسلامیة" کے افتتاح کی تاریخوں کے تعین کے بعد سے ہی ملک اور بیرون ملک میں ان جلیل القدر ہستیوں کے عقیدت مندوں اور شیدائیوں کو ۲۴، ۲۵ مارچ ۲۰۰۴ء مطابق ۲، ۳ رصفر ۱۴۲۵ھ کا شدت اور بے صبری سے انتظار تھا، جامعہ اسلامیہ اور بانیٔ جامعہ کے لئے تو گویا ہر آنے والا دن بلکہ ہر آئندہ ساعت، فکر اور شوق کے جذبات میں اضافہ کرتی جاتی تھی، حضرت شیخ الحدیث اور مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی سے انتساب اور مناسبت، مہمانوں اور میزبانوں دونوں کے ذوق وشوق کو ظاہر ہے تیز تر کرنے والی تھی، مہمانوں کے استقبال، ان کے آرام وراحت، شرکاء کی سہولت اور خاطر خواہ انتظامات کی فکر وسعی، جامعہ کے ہر شخص بلکہ مظفر پور اور اعظم گڑھ کے ان تمام لوگوں کو قدرتی طور پر دامن گیر تھی جن کا تعلق کسی نہ کسی شکل میں بانیٔ جامعہ مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری و جامعہ اسلامیہ اور خود حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مفکر اسلام سے تھا، چنانچہ دار العلوم ندوۃ العلماء سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا سید واضح رشید ندوی اور ان کے بعض سرگرم رفقاء اور خود بانیٔ جامعہ ابوظبی سے قریب ڈیڑھ مہینے قبل تشریف لائے اور واپس جا کر بھی برابر بلکہ روزانہ فون کے

ذریعہ ہدایات دیتے رہے، اس عرصے میں جامعہ اسلامیہ نے معزز مہمانوں کی آمد اور قیام کے لئے ہر ممکن کوشش کی تیاری میں خود کو مصروف رکھا، عمارتیں نئے رنگ و روغن سے آراستہ ہوئیں، چمن زاروں کو قدرت نے نئے برگ و بار اور پھولوں اور کلیوں سے سجانے میں بھی کمی نہ کی، مرکز الشیخ أبي الحسن کی نئی عمارت گل رعنا کی شکل میں حسن، دلکشی اور جاذبیت کے ایسے معیاروں سے روشناس ہوئی اور صاحب نسبت کی خوبیوں سے اس طرح نکھری کہ نظریں یہ کہنے پر مجبور ہوئیں کہ ؎

اللہ رے حسن یار کی خوبی کہ خود بخود　　رنگینیوں میں ڈوب گیا پیرہن تمام

مسجد، کتب خانہ، میوزیم، کمپیوٹر روم اور تمام عمارتیں اور چمن کا ہر گوشہ اور ہر روش اس طرح آراستہ ہوئی کہ دامن قلب ونظر ہر گام پر ان کی کشش سے کھنچتا رہا اور احساس یہ کہتا رہا کہ جا ایں جاست

۲۴، ۲۵/ مارچ کی منتظر تاریخوں کے آتے آتے اعظم گڑھ سے بنارس تک شاہ راہوں پر بلند و بالا استقبالی دروازے اپنے مہمانوں کی ترحیب کے لئے صف بہ صف استادہ ہو کر اپنے دامن کو چھو کر گزرنے والے ہر شخص کو یہ احساس اور پیغام دینے لگے کہ ۲۴، ۲۵/ مارچ کو مظفر پور کی یہ دور افتادہ، خاموش اور پُر سکون بستی، علم و عمل کی ہر دو برگزیدہ اور گذشتہ صدی میں ہندوستان بلکہ عالم اسلام کی نمایاں ترین شخصیتوں کے مبارک ذکر اور معطر یادوں سے آباد، سرسبز اور شاد ہوگی، شیراز مشرق کی یہ سرزمین ایک بار پھر ایسے نفوس قدسیہ کے وجود اور ان کے مبارک سانسوں سے زندگی، حرکت اور سرشاری کی نعمتوں سے مالا مال ہوگی جو بے شبہ اس وقت عالم اسلام کی مذہبی وروحانی اور علمی و تحقیقی سرگرمیوں کے مرکز، آبرو اور سرمایہ کی حیثیت کے حامل ہیں، ایک وقت میں ایک جگہ اتنی تعداد میں اہل علم وفضل کا یہ اجتماع اس خطے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عنایات بے پایاں کا ایسا مظہر ہوگا جو جامعہ، بانئ جامعہ اور اس خطہ کے تمام باشندوں کے لئے صرف یادگار ہی نہیں بلکہ حمد وشکر کا سزاوار بھی ہوگا۔

۲۴، ۲۵/ مارچ سے قریب ایک عشرہ قبل حضرت بانیٔ جامعہ ابوظبی سے تشریف لائے اور مذاکرہ علمیہ کے انعقاد کی نوک پلک درست کرنے کا عمل بھی تیز تر ہوگیا، اعظم گڑھ اور اطراف و جوانب کے معززین، ضلع انتظامیہ کے ذمہ داروں، صحافت اور ذرائع ابلاغ کے نمائندوں، سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا، تعاون کے لئے یہ سب حاضر اور مستعد تھے، صاف ظاہر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دو مقبول بندوں سے انتساب اور بانیٔ جامعہ کے اخلاص کو قبولیت کا شرف بخش کر اپنی عنایتوں کا باب کرم وا کر دیا تھا۔

۲۳/ مارچ کو ہرے بھرے کھیتوں اور باغوں کے درمیان جامعہ اسلامیہ کے نہایت خوبصورت اور پُر وقار احاطہ میں چہل پہل شروع ہوگئی اور شام ہوتے ہوتے مولانا عبداللہ کاپودری، اور مولانا شبیر صاحب سالوجی کی آمد سے محسوس ہوا کہ جامعہ کے افق پر علم وتقوی کے ستارے طلوع ہونے لگے، اور جب ۲۴ تاریخ کا خورشید جہاں تاب روشن ہوا تو معلوم ہوا کہ علم وفضل کے سیاروں اور ستاروں سے جامعہ کی زمین رشک فلک بنی ہوئی ہے اور شیدائی اور عقیدت مند جگہ جگہ ہالے بنائے ہوئے اپنے اپنے ستاروں کے محور پر گردش کر رہے ہیں۔

مذاکرہ علمی کا خوبصورت پنڈال اور شاندار اسٹیج یادگار تقریبات کے لئے تیار ہو چکا تھا اور علماء وفضلاء کی دید وشنید کے لئے لوگ پروانوں کی طرح وقت سے پہلے ہی وہاں جمع ہو چکے تھے، قریب دس بجے مرکز الشیخ کی افتتاحی مجلس کی مسند صدارت پر جناب مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی معتمد دارالعلوم ندوۃ العلماء رونق افروز ہوئے، موصوف صرف دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ہی معتمد نہیں بلکہ ان کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا بھی اعتماد کامل حاصل رہا، حضرت مولانا ندویؒ اور ندوۃ العلماء کی دعوت وفکر کے بزرگ ترین سفیر کی حیثیت سے ان کی شہرت ہے، ان کے ساتھ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، اور بانیٔ جامعہ مولانا تقی الدین صاحب ندوی اور جناب مولانا سعید الرحمٰن صاحب

اعظمی ندوی نے بھی شہ نشین کرسیوں کو رونق بخشی ، اس افتتاحی جلسہ کی نظامت نوجوان صالح مولانا فیروز اختر ندوی مدیر مرکز الشیخ الندوی کے سپرد کی گئی جنھوں نے تلاوت قرآن مجید کے لئے جامعہ کے استاد قاری مسعود احمد کو دعوت دی اوراس طرح کلام ربانی سے اس مجلس عرفانی کا بابرکت آغاز ہوا ،اس کے بعد جناب منشی شکیل احمد بستوی صاحب نے مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ کی ، درد وسوز میں ڈوبی ہوئی ایک نظم پیش کی ، پھر تین طالب علموں نے جامعہ کا ترانہ اس طرح پیش کیا کہ ایک سماں بندھ گیا ، خطبہ استقبالیہ بانیٔ جامعہ نے پیش کیا ،لیکن لکھے ہوئے خطبے سے زیادہ مولانا نے زبانی اپنے جذبات کا اظہار کیا ،حضرت شیخ الحدیثؒ اور حضرت مولانا علی میاںؒ کی محبتوں اور عنایتوں کے بیان میں ان کی آنکھیں نم ہوگئیں ، پلکوں پر یہ ستارے قریب پچاس سال کی یادوں کو منور کر گئے ،انہوں نے اس سمینار کے انعقاد کی غرض وغایت بیان کرنے کے ساتھ اعظم گڑھ اور بیرون اعظم گڑھ کے ہر مخلص معاون کے لئے جذبات تشکر کا اظہار کیا ، وقت کی تنگی نے اختصار کے لئے مجبور ضرور کیا لیکن ؎

کبھی فرصت سے سن لینا عجب ہے داستاں میری

نے اس اختصار کو بھی اثر اور جامعیت کے لحاظ سے بڑی کیفیت بخش دی ، خطبہ استقبالیہ کے بعد ناظم جامعہ اور ''الولد سر لابیہ'' کے حقیقی مصداق ڈاکٹر ولی الدین ندوی استاذ حدیث جامعہ دبئی نے جامعہ کی ایک مختصر لیکن نہایت جامع روداد پیش کی ، وہ ایک روز قبل ہی ابوظبی سے آئے اور بجائے گھر جانے کے سیدھے جامعہ پہونچے اور پھر ہمہ تن عمل ہوگئے ،ان کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے تقدیمی کلمات ادا کئے ،مولانا مدظلہ کی تقریر بھی مختصر اور سادہ تھی لیکن حضرت کی سادہ شخصیت کی طرح ان کی تقریر کے متعلق یہی تأثر برحق ہے کہ ؎

بات میں سادہ و آزاد ، معانی میں دقیق

مولانا عبداللہ عباس ندوی کے صدارتی کلمات کی اثر انگیزی بتا رہی تھی کہ ملت کے دو انتہائی قابل

احترام بزرگوں کی روحانی توجہات کا آغاز ہو چکا ہے اوران کے معتقدین کی زبانوں پر بے اختیارایسے مضامین جاری ہورہے ہیں جن کا سرچشمہ محض عالم غیب ہے،اسے القاء کہئے یا الہام ،بات یہی تھی کہ

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں

بانیٔ جامعہ کے اظہارتشکر کے بعدحضرت مولانا سیدمحمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے اپنے دست مبارک سے مرکز الشیخ کی عمارت کا صدر دروازہ کھول کرافتتاح فرمایا،اس طرح مرکزالشیخ کی اس افتتاحی تقریب کی تکمیل ہوئی،شرکاءجلسہ نے اس موقع پر مرکز کی شاندارعمارت اوراس کے وسیع وعریض کتب خانے کی زیارت کی،اورایک مختصرچائے کے وقفہ کے بعدحضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنی ؒ سمینار کی افتتاحی نشست کا باقاعدہ آغاز حضرت مولانا سیدمحمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی صدارت اور جناب مولانا نذرالحفیظ ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی نظامت میں ہوا،قاری عامر صاحب کی تلاوت کے بعدحضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم اورحضرت مولانا سیدمحمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے کتاب ''أوجزالمسالک'' کا اجراءفرمایا،جواٹھارہ جلدوں میں بانیٔ جامعہ کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ بیروت سے شائع ہوئی ہے،اس کے بعد بزرگ شاعراور جامعہ اور''الشارق'' کے خاص قدرداں جناب فاخرجلال پوری کے کلام کے بعد بانیٔ جامعہ مولانا ندوی مظاہری مدظلہ نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا،اوراس موقع پربھی تحریر سے زیادہ ان کی گفتگومؤثر رہی،جس میں حضرت شیخ کی عنایات وتوجہات کا ذکرمحبت وعقیدت کے ایسے لہجہ میں تھا کہ سننے والوں کی تمناتھی کہ کاش یہ لمحات درازتر ہوتے جائیں ، مولانا مدظلہ نے اس موقع پر اپنے مرشدحضرت مولانا محمد احمدصاحب پرتاپ گڑھی ؒ اورحضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، اور حضرت مولاناشاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی کا ذکربھی کیا،بعض کبارعلمائے ہند کے ساتھ شیخ محمد

علوی مالکی، ڈاکٹر نورالدین عتر استاد حدیث دمشق یونیورسیٹی، شیخ محمد عوامہ، مولانا یوسف متالہ خلیفہ حضرت شیخ الحدیث لندن کے خطوط، مقالات اور پیغامات کا ذکر کر کے ان کا شکریہ ادا کیا، اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے صاحبزادہ گرامی حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی اور ان کے ممتاز متوسلین اور صاحبان اجازت وخلافت کا تعارف بھی پیش کیا ان میں شیخ محمد اسماعیل بادات مدینہ منورہ، مولانا شبیر صاحب سالوجی جنوبی افریقہ اور مولانا عبداللہ کاپودری کناڈا، شیخ مفتی محمد اسماعیل کچھولوی لندن جیسی شخصیتیں شامل تھیں، ان حضرات نے بھی اس موقع پر اپنے جذبات واحساسات کے اظہار سے گریز نہیں فرمایا، اخلاص وللّٰہیت اور علم حدیث سے نسبت عالیہ اور فنائیت فی الشیخ کے لحاظ سے یہ حضرات جس مقام بلند پر فائز ہیں، اس کا ایک ہلکا اندازہ ان کے کلمات مبارکہ سے کیا جا سکتا ہے، ان حضرات کی گفتگو اور صاحب معرفت وطریقت مولانا قمرالزماں الہ آبادی کی اس موقع پر مختصر تقریر بھی ان شاء اللہ پردۂ تحریر پر ظاہر ہوگی، صدر نشست اور بانئ جامعہ کے شکریے اور حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند کی دعا پر یہ نشست اختتام کو پہونچی۔

اسی ۲۴ تاریخ کو عصر کی نماز کے بعد طلبائے جامعہ کی تعلیمی وثقافتی سرگرمیوں کی ایک مختصر اور دلچسپ جھلک پیش کی گئی، مسجد کے زیر سایہ وسیع سبزہ زار پر عامر وصاف نے اردو اور صفی اللہ نے عربی میں تقریریں کیں اور ایک دلچسپ عربی مکالمہ "السنة النبوية و حجيتها في الإسلام" کے موضوع پر ہوا، جس میں سید جمشید احمد (متعلم عالیہ ثالثہ شریعہ) نواب عالم (متعلم عالیہ ثانیہ شریعہ) احتشام الحق (متعلم عالیہ اولیٰ شریعہ) زاہد اختر (متعلم عالیہ اولیٰ شریعہ) اور بانئ جامعہ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کے ہونہار حفید فریدالدین (متعلم ثانویہ خامسہ) نے برجستہ بحث ومباحثہ میں عربی زبان میں خیالات کا اظہار بڑے سلیقہ سے کیا، مولانا سید محمد رابع ندوی اور مولانا عبداللہ عباس ندوی نے اس موقع پر بچوں کو نصیحتوں سے سرفراز فرمایا۔

مغرب کی نماز کے بعد سمیناری مقالات کی نشست حضرت شیخ الحدیث کے مخلص وفعال عقیدت مند مولانا عبداللہ کاپودری کی صدارت میں ہوئی، مولانا کاپودری کا ذکر آچکا ہے ان کی شخصیت کی سادگی، دلنوازی بجائے خود بڑی دلکش ہے، اس سمینار کے اکثر حاضرین کو پہلی بار ان کی زیارت کی سعادت حاصل ہورہی تھی، سمینار کے برکات میں یہ زیارت کچھ کم نہیں، نظامت جامعہ ملیہ دہلی کے شعبہ عربی کے پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد خان کے حصہ میں آئی، اس نشست میں کل سات مقالات پیش کئے گئے، مقالات اور مقالہ نگار حضرات کی تفصیل اس طرح ہے۔

مقالہ نگار	عنوان مقالہ
(۱) حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی	حضرت شیخ الحدیث کی لامع الدراری امتیازات وخصوصیات
(۲) حضرت مولانا سعود عالم صاحب قاسمی	حضرت شیخ الحدیث کاعلم حدیث میں مقام
(۳) حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی	حضرت شیخ الحدیث اوران کی فقیہانہ نظر
(۴) حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی	حضرت شیخ الحدیث اوران کے درس کی امتیازی خصوصیات
(۵) حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی	حضرت شیخ الحدیث اور عامۃ المسلمین
(۶) حضرت مولانا عبداللہ معروفی صاحب	فضائل اعمال پرناقدین کےاعتراضات کا جائزہ
(۷) حضرت مولانا سید سلمان حسینی صاحب ندوی	العلامة الكاندهلوی و منهجه فی "أوجزا لمسالك"

اس فہرست سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کس پایہ اور شان کی نشست تھی، ہر مقالہ پُرمغز اور پُر از معلومات، سامعین کی محویت اور استغراق کا یہ عالم کہ ایک لفظ کا چھوٹنا بھی جیسے گوارہ نہیں تھا، تاہم یہ احساس عام تھا کہ مولانا عبداللہ عباس ندوی کے قلم گہر بار نے حضرت شیخ

اور عامۃ المسلمین کے موضوع کو عجب تب و تاب بخش دیا، حضرت شیخ کی شخصیت اور کوثر و تسنیم سے دھلے الفاظ میں ان کا ذکر سننے والوں کو عرصے تک لطف ولذت سے سرشار کرتا رہے گا، مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنارس نے تو مقالہ پیش ہی کیا، انہوں نے بنارس میں سمینار کے مہمانوں کے استقبال اور راحت کی ذمہ داری جس اپنائیت سے پوری کی اس کا اجر اللہ تعالی ہی دے گا، بنارس کی ساری ذمہ داریوں کو انہوں نے اپنے سر لے کر ذمہ داران جامعہ کو گویا فارغ البال کر دیا، اس نشست میں بلکہ ہر نشست میں اگر چہ شہ نشیں سے ایک شخصیت طبیعت کی سادگی اور نمود وظہور سے نفور کی وجہ سے دور رہی تاہم ایک گوشہ میں خاموش اور سر جھکا کر بیٹھنے کی ادا کی وجہ سے وہ ہزاروں نگاہوں کا مرکز رہی، یہ شخصیت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی خلف الرشید حضرت شیخ الحدیثؒ کی تھی، ان کی اس فقیرانہ جمال کا اثر ان کے خاص ہم نشینوں مولانا محمد سلمان صاحب مظاہری ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارنپوری کی شخصیتوں میں محسوس کیا جا رہا تھا، مولانا کاندھلوی مدظلہ کی دعا اور مؤذن کی اذان عشاء پر اس نشست کا اختتام ہوا۔

۲۵ مارچ، سمینار کا دوسرا اور آخری دن تھا، ۱۰ بجے مذاکرہ کی دوسری نشست شروع ہوئی مسند صدارت پر مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی اور کرسی نظامت پر مولوی سید جاوید احمد ندوی متمکن ہوئے، مولوی ابرار حسن کی تلاوت کلام پاک سے کاروائی کی ابتدا ہوئی اور مقالات سے پہلے جناب مولانا احمد دیولا ناظم مدرسہ جامعہ علوم القرآن نے جو جمبوسر گجرات سے آئے تھے، مختصر لفظوں میں حضرت شیخ، بانیٔ جامعہ اور جامعہ کے تعلق سے اظہار خیال کیا، نشست میں کل ۹ مقالات پڑھے گئے جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

مقالہ نگار	عنوان مقالہ
(۱) حضرت مولانا علاء الدین صاحب ندوی	حضرت شیخ کی آپ بیتی کی ادبی و تاریخی اہمیت

(۲) حضرت مولانا نسیم اختر صاحب ندوی — حضرت شیخ اپنی کتاب فضائل حج کے آئینہ میں

(۳) حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی — الکوکب الدری کی اہم خصوصیات

(۴) حضرت مولانا فہیم اختر صاحب ندوی — حضرت شیخ الحدیث ایک نابغۂ روزگار شخصیت

(۵) حضرت مولانا عبید اللہ صاحب اسعدی — الفیض السمائی تعارف وتبصرہ

(۶) حضرت مولانا ڈاکٹر یٰسین مظہر صاحب صدیقی ندوی — حضرت شیخ اور اوجز المسالک

(۷) حضرت مولانا عمیر الصدیق صاحب ندوی — اوجز المسالک کی نئی تحقیق وتعلیق کا تعارف

(۸) حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری — أوجز المسالك مزاياه وخصائصه

(۹) حضرت مولانا جمشید احمد صاحب ندوی — حضرت شیخ الحدیث کی چند اردو تصانیف

عنوانات کے تنوع سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ نشست بھی بڑی مفید اور بیش بہا معلومات سے پر رہی جناب مولانا برہان الدین سنبھلی، ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی ندوی، مولانا عبید اللہ اسعدی وغیرہ کسی بھی سمینار کے وقیع اور کامیاب ہونے کے ضامن ہیں، پنڈال حسب معمول سامعین سے معمور تھا ہمہ تن گوش مجمع کی محویت کو چائے کے وقفہ نے توڑا اور معاً بعد آخری نشست کے آغاز کا اعلان کیا گیا جس کی مسند صدارت کو مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے زینت بخشی، شہ نشیں پر مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند اور بانیٔ جامعہ بھی جلوہ افروز تھے، نظامت کے فرائض کی ذمہ داری مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے پروفیسر مولانا سعود عالم قاسمی نے سنبھالی، حضرت مولانا محمد سالم قاسمی کے کلمات نصائح کے بعد مقالات پیش کئے گئے، یہ کل ۱۰ تھے تلك عشرة كاملة ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

عنوان مقالہ	مقالہ نگار
حضرت شیخ کے مخطوطات اور غیر مطبوعہ رسائل ایک جائزہ	(۱) حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارنپوری

(۲) حضرت مولانا شفیق احمد خان صاحب ندوی — جزء حجۃ الوداع وعمرات النبیؐ پر ایک نظر

(۳) حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی — اوجز المسالک کا شروح موطا میں مقام

(۴) حضرت مولانا عبد القدوس صاحب رومی — حضرت شیخ الحدیث اور ان کی فقہی خدمات

(۵) حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب — رشتہ ذرہ کا ماہتاب سے

(۶) حضرت مولانا یحییٰ صاحب نعمانی — حضرت شیخ الحدیث اور بذل المجہود

(۷) حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب رحمانی — حضرت شیخ کے مکتوبات ایک جائزہ

(مولانا عبد اللہ صاحب معروفی نے پیش کیا)

(۸) حضرت مولانا محمود صاحب حسنی ندوی — حضرت شیخ کے مکتوبات ایک جائزہ

(۹) حضرت مولانا واضح رشید صاحب حسنی ندوی — العلامۃ الکاندھلوی والعشق النبوی

(مولانا فیروز اختر ندوی نے پیش کیا)

(۱۰) حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی — حضرت شیخ الحدیث کی بعض تصانیف اور ندوۃ العلماء

(۱۱) حضرت مولانا نور الحسن صاحب راشد کاندھلوی — حضرت شیخ کا روزنامچہ ایک جائزہ

ہر مقالہ خوب سے خوب تر تھا، مولانا عبد القدوس رومی مفتی شہر آگرہ کا مقالہ ان کی موجودگی میں ان کے صاحبزادے جناب مولانا مجد القدوس نے پیش کیا، جناب مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کے تأثراتی مضمون نے تو الگ ہی سماں باندھا، جناب مولانا واضح رشید ندوی کا مقالہ عربی زبان میں تھا جس کو مولوی فیروز اختر ندوی نے پیش کیا، صدر نشست مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے پہلے تو حضرت شیخ الحدیث کے بارے میں اپنے تعلق اور واقعات کا اظہار کیا پھر اپنے مقالہ کے جستہ جستہ مقامات بھی سنائے، مولانا اعظمی ندوی کا تأثر دوسرے اصحاب کے بارے میں یہ تھا کہ حضرت شیخ کی برکت سے کہنے والوں کے الفاظ میں الہامی تاثیر

پیدا ہوگئی تھی ، خود ان کے تأ ثرات کے متعلق بھی اسی کیفیت کو محسوس کیا گیا ، آخر میں ناظم جامعہ اسلامیہ ڈاکٹر ولی الدین صاحب ندوی نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور ضیافت کی راہ میں آنے والی ہر تکلیف کے لئے معذرت کا اظہار کیا ، انہوں نے سمینار میں پیش کئے گئے خیالات کی روشنی میں واضح کیا کہ حضرت شیخ الحدیث کی کتابوں اور ان کے غیر مطبوعہ کاموں کو اعلیٰ معیار کے ساتھ ''مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی'' کی جانب سے شائع کیا جائے گا ، حضرت شیخ کی عدیم المثال مذہبی وعلمی خدمات کے فروغ کے لئے انہوں نے اس توقع کا بھی اظہار کیا کہ اس قسم کے علمی مجالس کا سلسلہ جاری رہے گا ، مندوبین کی جانب سے ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ، جامعہ ، بانیٔ جامعہ اور تمام منتظمین کے شکریہ کا فریضہ انجام دیا اور بجا طور پر اظہار فرمایا کہ مہمانوں کو ادنی سی تکلیف کا احساس نہ ہونے دینے میں یہ سمینار عدیم المثال رہا۔

پروگرام کے مطابق مغرب کی نماز کے بعد اجلاس عام ہونا تھا ، اس کے لئے جامعہ سے متصل ، جامعہ کے ایک وسیع قطعہ آراضی پر ایک نہایت شاندار شامیانہ سایہ فگن تھا ، جس میں تقریباً ساٹھ ہزار افراد کی نشست کی گنجائش تھی ، یہ پنڈال بھی اس قدر آرام دہ اور خوبصورت تھا کہ کہنے والوں کے مطابق اعظم گڑھ میں اس سے پہلے کبھی اس شان کا پنڈال آراستہ نہیں کیا گیا تھا ، مغرب کی نماز سے پہلے ہی لوگوں کی آمد کا تانتا بندھنے لگا ، "من کل فج عمیق " کی عملی تفسیر سامنے تھی اور جب جلسہ شروع ہوا تو عالم یہ تھا کہ سامعین کی تعداد لاکھ سے بھی تجاوز کرگئی ، حد نظر تک بس ایک خلقت تھی جو ٹوٹی پڑ رہی تھی ، سارے اندازوں کے برخلاف یہ بے مثال مجمع بس یہی ثابت کرر ہا تھا کہ یہ حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مولانا علی میاںؒ کی پاکیزہ نسبتوں اور داعیان جلسہ کی پاک صاف نیت کی برکت اور عنداللہ مقبولیت کا جیتا جاگتا نمونہ ہے اعظم گڑھ ، مئو ، مبارکپور کو تو قرب کی سہولت تھی لیکن گونڈہ ، بستی ، گورکھپور ، پرتاپ گڑھ ، الہ آباد ، سلطان پور ، جونپور ، غازی پور اور بنارس سے آنے والے محبت وعقیدت کی ایک نئی داستاں رقم کر گئے ، مولانا

سجاد نعمانی نے اس سمینار اور جلسہ کو عدیم المثال قرار دیا، اور مولانا سید سلمان حسینی ندوی کی زبان سے بے اختیار یہ سچی بات نکلی کہ یہ جلسہ تاریخی بھی ہے اور تاریخ ساز بھی، الحمد للہ اس مرجعیت و مقبولیت کا اثر اس طرح ظاہر ہوا کہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا محمد ولی رحمانی، مولانا سجاد نعمانی اور مولانا سلمان حسینی کی زبانوں سے معرفت وحقیقت کے چشمے رواں ہو گئے ایسی طاقتور، پُر اثر تقریریں کم کی جاتی اور کم سنی جاتی ہیں، مولانا محمد ولی رحمانی کی صدارت اور مولانا رئیس الشاکری ندوی اور مولانا سید جاوید احمد ندوی استاد جامعہ اسلامیہ کی نظامت میں یہ جلسہ تاریخ ساز کامیابی کی ایک نئی تاریخ لکھ کر ختم ہوا، جس کی یاد ہی مدت تک باقی نہ رہے گی بلکہ یقین ہے کہ اس کے مبارک اثرات بھی دیرپا ثابت ہوں گے، علوم دینیہ سے اشتغال، معاشرے کی اصلاح اور خود اپنی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دینے اور خیر امت کا مثالی کردار نبھانے کی ترغیب اس جلسہ کی روح تھی، امید ہے یہ روح زندہ اور تابندہ ہو کر اس علاقہ میں خاص طور پر اور امت مسلمہ میں عام طور پر احیاء اسلام، تعمیر انسانیت کے لئے سرگرم عمل ہوگی، جلسہ کا اصل مقصد بھی یہی تھا اور جن بزرگان گرامی سے اس کی نسبت تھی ان کی زندگی کی اصل کہانی بھی بس یہی تھی ،سمینار اور جلسہ ختم ہوا، مندوبین اور شرکاء کے کچھ نام اس داستان میں آ گئے لیکن ایسے مندوبین بھی تھے جن کے مقالات وقت کی قلت کی وجہ سے پیش نہیں کئے جا سکے، دار المصنفین، دار العلوم دیوبند، دار العلوم ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح، جامعۃ الفلاح، مظہر العلوم، احیاء العلوم، مدرسہ بیت العلوم، دار العلوم الاسلامیہ بستی وغیرہ تو چند نام ہیں، ورنہ قرب و جوار خصوصا مئو، مبارکپور کے تمام مدارس اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج اعظم گڑھ جیسے اہم تعلیمی مراکز کے نمائندے کثرت سے موجود تھے۔

بہت سے ایسے اسمائے گرامی ہیں جن کے ذکر سے ذہول عین ممکن ہے مولانا عبداللہ حسنی صاحب، مفتی محمد ظہور ندوی، مولانا محمود الازہار، مولانا محمود حسن حسنی ندوی، ڈاکٹر نفیس احمد

چیف پراکٹرمسلم یونیورسیٹی علی گڑھ، ڈاکٹر جاوید عثمانی علی گڑھ، حکیم اسلام اللہ علی گڑھ، ڈاکٹر مسیح الرحمان، ڈاکٹر اصفر فیضان، وکیل وسیم الدین تو چند نام ہیں، حیدرآباد سے پروفیسر محسن عثمانی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور دہلی سے پروفیسر اختر الواسع کا انتظار تھا اول وآخر الذکر کے مقالات دو روز بعد آ گئے اور مولانا خالد سیف اللہ صاحب اپنے مقالے کے ساتھ ۳۰/ مارچ کو تشریف لائے، ذکر تو ان کا بھی ضروری ہے جن کی دن رات کی محنت سے یہ سمینار کامیاب ہو سکا ضلع کی انتظامیہ ہو، اعظم گڑھ کے میئر بلدیہ ہو، ممبران اسمبلی ہوں، صحافت اور ذرائع ابلاغ کے نمائندے ہوں، سماجی کارکن ہوں، اساتذہ جامعہ ہوں، طلبہ ہوں، مطبخ کے منتظمین ہوں ان سب کے نام یقیناً لوح دل پر نقش ہیں ان کے مفصل ذکر کا شاید کاغذ متحمل نہ ہو سکے، لیکن یہ یقین ہے کہ اس سمینار کی برکتوں میں ان سب کا حصہ کم نہ ہوگا اور اصل اجر تو اسی کا ہے جس کے خزانے میں کسی کے لئے کوئی کمی نہیں، قبولیت اور اندراج بس اسی کے دربار کا مطلوب و مقصود ہونا چاہئے۔

خطبۂ استقبالیہ (افتتاح مرکز)

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری

(بانی وسرپرست جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین محمدوعلی آلہ و اصحابہ ومن تبعھم ودعا بدعوتھم اجمعین، امابعد !

محترم صدر، مہمانان گرامی قدر اور معزز حاضرین!

سب سے پہلے میں بارگاہ رب العزت میں نذرانہ حمد وثنا پیش کرتا ہوں جس کے فضل وکرم نے ایک بندہ ناچیز کو یہ توفیق بخشی کہ آج وہ یہاں ایک ایسے منتخب اور چنیدہ مجمع علماء وفضلاء اورمعززین کا استقبال کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے جسے یقیناً علم وفضل کی کہکشاں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، یہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص ہے کہ آج دنیائے علم ودین کی قابل فخر ہستیاں ایک دور افتادہ اور کوردہ خطے کو اپنی موجودگی سے رشک آسماں بنارہی ہیں ، ہم اپنے لائق صداحترام مہمانوں کا خیرمقدم کرتے ہوئے اس وقت جذبات واحساسات کی جن کیفیتوں سے سرشار ہیں ممکن نہیں کہ ان کا اظہار، الفاظ کی حدودوقیود میں سماسکے۔

اس وقت ہم جامعہ اسلامیہ کے دامن میں جمع ہیں، الحمدللہ آج یہ جامعہ ایک وسیع رقبے میں خوبصورت عمارتوں اورچمن زاروں سے آراستہ ہے، سات سو سے زیادہ طلبہ اورسو سے زیادہ اساتذہ اور کارکن اس کا اصل سرمایہ ہیں، خوبصورت مسجد ہے، اقامت گاہیں ہیں، دارالطعام

ہے، درجہ عالمیت تک کی تعلیم ہے، ندوہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی نے اس کی سند کو تسلیم کیا ہے اور امارات یونیورسٹی نے بھی اس کی سند کا اعتراف کیا ہے، شعبۂ حفظ وقرأت کی کارکردگی قابل ذکر ہے جس سے ہر سال پچاسوں کی تعداد میں امت کے نونہال قرآن مجید کے حفظ کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں، کتب خانے میں ہزاروں کتابیں آچکی ہیں، جامعہ کا سہ ماہی ترجمان رسالہ الشارق الحمدللہ پسند کیا جاتا ہے، آج سے تقریباً پندرہ سال قبل، مظفر پور کے اس خاموش اور پُرسکون اور غیر آباد خطہ پر جب ایک مدرسے کے قیام کا خیال ذہن میں آیا تھا تو قطعی اندازہ نہیں تھا کہ چند برسوں میں یہ مدرسہ، جامعہ اسلامیہ کی اس شکل میں ڈھل جائے گا جو اس وقت آپ حضرات کے سامنے ہے، لیکن دل کے نہاں خانوں میں اعتماد اور یقین کی ایک قوت ضرور موجود تھی اور وہ یہ احساس تھا کہ مدرسہ کی تحریک اور قیام میں اس ذات گرامی کا ایماء شامل ہے جس کی دعاؤں اور توجہات کے مبارک سایے اس ناچیز کے زمانۂ طالب علمی سے اب تک ہر گام اور ہر منزل پر ابر کرم کی طرح ساتھ رہے، یہ ذات گرامی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شخصیت تھی۔

اس ادارہ کی طرف حضرت مولانا ندویؒ کی توجہ اور فکر کا یہ عالم تھا کہ آٹھ نو سال کے عرصے میں اپنی تمام مصروفیات کے باوجود بار بار یہاں تشریف لاتے، قیام فرماتے اور مسرت سے فرماتے کہ ہم گویا ندوۃ العلماء میں آگئے ہیں، کئی بار یہ بھی ہوا کہ حضرت، غریب خانے پر بھی تشریف لائے، طلوع بدر کے ان تابدار لمحوں کا نور آج بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے آس پاس جلوہ افروز ہے، مظفر پور کی سرزمین حضرت کے پاک قدموں کی برکت کا خود مشاہدہ کرسکتی ہے۔

امت مسلمہ کی تاریخ دعوت وعزیمت، علم وفضل کے ایسے نفوس قدسیہ سے آباد و روشن ہے جنہوں نے تجدید واصلاحِ ملت کا فریضہ ہر دور میں انجام دیا، ان ائمہ سلف صالحین کے سلسلہ زریں کی ایک عہد ساز کڑی حضرت مولانا ندویؒ کی ذات گرامی تھی، آپ کے اوصاف وصفات

کے بیان کے لئے ایک ہی لفظ ذہن میں آتا ہے اور وہ ہے جامعیت، قرآن وحدیث وفقہ اور تاریخ وادب، تنقید اور تحقیق کا دامن آپ کے گہر بار قلم سے لبریز رہا تو اصلاح معاشرہ تعلیم و تربیت اور ملک وملت کے لئے وہ ہمیشہ سراپا عمل رہے، ان کو سخن کی دل نوازی اور دردمند قلب کی دلسوزی کے ساتھ نگہ بلند کی نعمت بھی حاصل تھی جو زمانے کے تغیرات وانقلابات کی ہر کروٹ کا مشاہدہ اور تجزیہ کرسکتی تھی، ملک وملت کے مسائل کے حل کے لئے آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ اسلوب عطا فرمایا جو زمان ومکان کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے، ہندوستان اور پھر مصر وعرب میں تقریباً تیس سال گذارنے اور اہل علم اور مختلف ارباب حل وعقد سے تبادلۂ خیال کے بعد اب دل کو کامل انشراح ہے کہ حضرت مولانا علی میاںؒ نے فکر اسلامی کی اشاعت کے لئے دعوت کا جو طرز اختیار فرمایا، وہی دور حاضر کے مزاج اور تقاضوں سے ہم آہنگ ہے، اور یہ کیوں نہ ہو؟ ظاہر ہے جس دعوت کا خمیر حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے طریقۂ تبلیغ اور خود حضرت کے خانوادہ کی علمی وروحانی روایات سے تیار کیا گیا ہو، اس کی افادیت کا انکار ہی نہیں کیا جاسکتا، جامعیت اور اعتدال کی ان خوبیوں کی وجہ سے مولانا کا منہج واسلوب اس دور پُرفتن میں برصغیر ہی نہیں عالم عرب اور دنیائے اسلام میں سب سے پُرکشش ثابت ہوا اور مؤثر بھی اور احسان وتزکیہ نفس کا عنوان تو مولانا کی کتاب زندگی کا سب سے نمایاں باب ہے، ایک بار حضرت مولانا نے اپنے استاذ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے متعلق فرمایا تھا کہ ان کے معاصر علماء میں کوئی ایسا نہیں جو عقل وقلب، قدیم و جدید، مشرقیت ومغربیت، دین وادب وفلسفہ کے درمیان جامعیت میں ان کا ہمسر ہو، عجب اتفاق ہے کہ نصف صدی بعد ہندوستان بلکہ عالم اسلام میں اس قول کا صحیح مصداق خود ہمارے حضرتؒ کی ہی شخصیت ہوئی۔

مولاناؒ کی دوسری سب سے بڑی صفت میری نظر میں اعتدال کی تھی، ہندوستان میں اور باہر کی دنیا میں بھی دین کے کام کی جو راہ انہوں نے اپنائی وہ اعتدال وتوازن کی راہ تھی،

ایسا منہج اختیار کیا جس میں نزاع اور اختلاف کی گنجائش نہیں ہے، ایک داعی کی حیثیت سے آپ کی ذات حکمت وموعظت حسنہ اور مباحثہ بطریق احسن کی قرآنی تفسیر کا مظہر تھی، ایک ملاقات کے دوران خود مجھ سے شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود نے کہا کہ ''شیخ ابوالحسن علی حسنی ندوی کی طرح اس دور میں کسی نے بھی اعتدال کی راہ پیش نہیں کی''۔

حضرت مولاناؒ کے فضائل ومحاسن کے بیان کے لئے درحقیقت ایک دفتر بھی ناکافی ہے ؎

سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لئے

حضرت مولاناؒ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو عمر، بیماری اور خود آپ کی بار بار بے اطمینانی کے باوجود یہ وہم بھی نہیں گذرتا تھا کہ یہ حادثہ اتنی جلد پیش آجائے گا، لیکن واقعہ کی حقیقت بہرحال تسلیم کرنی پڑی، ذہن اسی وقت سے تگ ودو میں مصروف رہا کہ حضرت والاؒ کی یاد میں کچھ کیا جائے جس کی نسبت سے خود یہ کہہ سکوں کہ ؎

شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے دارم

واقعہ یہ ہے کہ حضرتؒ کی عنایتوں، نوازشوں اور شفقتوں کا حساب ہی نہیں کرسکتا، تقریباً نصف صدی قبل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نوراللہ مرقدہ کے کچے گھر میں ایک نوعمر طالب علم کا پہلی بار حضرت والاؒ سے تعارف ہوا تھا، وہ لمحہ ایسا مبارک ثابت ہوا کہ قریب پچاس سال کے عرصے پر محیط ہوگیا، مظاہر علوم جانے اور حضرت شیخ الحدیث کے سرچشمہ فیض سے اکتساب نور کی سعادت بھی دوبارہ حضرت مولانا کے ایماء سے حاصل ہوئی، آپ نے بطور خاص ندوۃ العلماء کی جانب سے حضرت شیخ کی خدمت میں درس بخاری اور حدیث شریف میں اختصاص کے لئے اس ناچیز کو سہارنپور بھیجا، حضرت کی غیر معمولی محبت نے خدا جانے کتنی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں، مظاہر علوم سے واپسی پر آپ نے ہی ندوے میں ترمذی شریف اور حدیث شریف کے اسباق کی تدریس کی ذمہ داری سونپی، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء،

پھر بمبئی ، بنارس اور برار کی خانہ بدوشی ، ندوہ کا زمانہ تدریس ، ترکیسر گجرات اور عالم عرب کی سیاحت و ملازمت کیسے کیسے دور آئے اور گذر گئے اس کی داستان کے سننے اور سنانے کا یارا کہاں ہے

کبھی فرصت سے سن لینا عجب ہے داستاں میری

لیکن آج اس موقع پر یہ کہنے سے گریز بھی نہیں کرسکتا کہ اس داستان کا مرکز حضرت شیخ الحدیث کی ذات ستودہ صفات کے علاوہ اگر کوئی ہے تو وہ حضرت کی قدسی صفات ہستی ہے، جن کی توجہ اور شفقت زندگی کے ہر موڑ اور ہمارے حال پر ہمیشہ مرکوز رہی ، یہ باتیں آج بھی دل پر نقش ہیں، فرماتے ہیں کہ تدریس میں پوری محنت و عالی ہمت سے کام کیجئے گا، مدرس کا جو ابتدائی نقش اور اثر طلبہ اور منتظمین پر قائم ہوجاتا ہے وہی آخر تک قائم رہتا ہے، یہ سب مطالعہ اور محنت پر منحصر ہے، کبھی حوصلہ افزائی فرماتے کہ آپ کی سعادت وصلاحیت اور شرافت سے دل مسرور و مطمئن ہے، دعائیں دیتے کہ اللہ تعالیٰ دینی و علمی برکات و ترقیات سے مالا مال فرمائے، کبھی ہدایت فرماتے کہ سہارنپور کے قیام سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور دائمی دولت لے کر آئیں، ایک بار نہایت محبت سے لکھا کہ کئی عزیزوں اور دوستوں کے خطوط دعا کے لئے آئے لیکن جیسی تحریک دعا کرنے کے لئے آپ کے خط سے پیدا ہوئی ویسی شاید کسی کے خط سے نہیں ہوئی، آپ کی سعادت مندی اور مستعدی نے ہم لوگوں کو فارغ کردیا ہے، آپ کے لئے دل سے دعا کیوں نہ نکلے، خورد نوازی اور بے پناہ شفقت کا یہ عالم کہ ایک بار لکھا آپ کی عزت و نیک نامی در حقیقت دارالعلوم اور ہم لوگوں کی عزت اور نیک نامی ہے، اس لئے آپ کی علمی و دینی ترقی اور نیک نامی سے ہم سب کو مسرت ہے، میری ایک کتاب ''فن اسماء الرجال'' مکمل ہوئی تو مقدمہ لکھنے کی درخواست پر فرمایا کہ آپ کی کتاب ''محدثین عظام'' پر مقدمہ لکھ چکا ہوں اس مرتبہ بہتر ہے کہ آپ مولانا محمد منظور نعمانی صاحب یا مولانا سعید احمد اکبرآبادی سے مقدمہ لکھوائیں اس لئے کہ میں تو بالکل گھر کا آدمی ہوں، میرے اصرار پر آخر ہمارے حضرت نے ہی مقدمہ تحریر فرمایا

لیکن میرے لئے تو حاصل یہ جملہ تھا کہ میں تو بالکل گھر کا آدمی ہوں، اللہ اکبر! اس لطف ونوازش کا کیا ٹھکانہ، یہاں یہ ذکر کرنا شاید غیر ضروری نہ ہو کہ تدریس کے علاوہ علم حدیث میں تصنیف و تالیف کا حوصلہ بھی حضرت کی دعاؤں اور حوصلہ افزائیوں کا نتیجہ ہے، محدثین عظام، فن اسماء الرجال اور حدیثی مقالات کی تصنیف حضرت کے مشوروں کی برکت ہے، مولانا نے اس ناچیز کی نو کتابوں پر مقدمے تحریر فرمائے ہیں، جن میں چھ عربی میں ہیں، خوب یاد ہے کہ بذل المجھود کی عربی ٹائپ میں بہت دشواریاں پیش آئیں، بعد میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے اس کی طباعت کے لئے اس ناچیز کو مصر بھیجا اور برابر آپؒ اور حضرت مولانا ندویؒ اس ناچیز کی علمی ودینی نگرانی فرماتے رہے، ابوظبی میں میرے قیام کی مدت قریب انتیس سال کی ہو چکی ہے، اور اس قیام میں حضرت شیخ الحدیثؒ اور حضرت مولاناؒ کی توجہات عالیہ کا فیضان تھا کہ شیخ سلطان بن زاید آل نہیان نائب رئیس مجلس الوزراء اور وہاں کے قاضی القضاۃ کا تعاون اور عنایت وتوجہ میرے شامل حال رہی، دعا ہے کہ یہ آئندہ بھی اسی طرح قائم رہے جن کی وجہ سے عربی زبان میں علم حدیث خصوصا حضرت شیخ کی کتابوں کے طبعِ نو کی راہ آسان ہوئی، تعلیق وتحقیق اور تحشیہ کی یکسوئی حاصل ہوئی ''الامام البخاری'' کے اب تک سولہ ہزار نسخے اور مولانا عبدالحئی فرنگی محلیؒ کی ''التعلیق الممجد'' جو میری تحقیق وتعلیق سے تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے کے نو ہزار سے زیادہ نسخے طبع ہو چکے ہیں اور اس وقت تازہ ایڈیشن کی کوشش ہو رہی ہے، ''الزہد الکبیر'' کو المجمع الثقافی نے تیسری بار شائع کیا، ''ظفر الامانی'' دوبارہ شائع ہو چکی ہے اور ''اوجز المسالک'' کی شاندار طباعت وتحقیق عمل میں آئی، اس کتاب کا ذکر آیا تو یہ عرض کر دوں کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے خلیفہ مولانا محمد اسماعیل بدات نے اس کے لئے غیر معمولی اصرار کیا، ورنہ میں اس مہتم بالشان کام کے لیے اپنے کو آمادہ نہیں پا رہا تھا، مولانا اسماعیل صاحب اس پر بار بار پھوٹ پھوٹ کر روئے، ان کی اس کیفیت نے ناچیز کو ہمت اور قوت بخشی، الحمد للہ پانچ سال کی محنت کے بعد یہ کتاب اعلیٰ معیار پر شائع ہوئی اور آج یہ پورے عالم عرب میں مقبول ہو رہی ہے۔

یادوں کے خدا جانے کتنے چراغ ہیں جن سے اس ناچیز کی دل کی دنیا روشن ہے، یہ چند باتیں بے اختیار زبان پر آگئیں ورنہ مدعا یہ تھا کہ اس جامعہ کے قیام کے بعد تحقیق وتالیف اور تصنیف کا ایسا مرکز بھی قائم کیا جائے جو اس شان کا ہو کہ اس کی نسبت حضرت مولانا کے نام نامی کے ساتھ کی جائے اور دور حاضر کے لئے ارباب علم وفضل نے جس اسلوب کی افادیت اور دلکشی اور تاثیر کی داد دی ہے اسی اسلوب کی توسیع واشاعت یہاں سے بھی ہو، چونکہ حضرت مولانا اور حضرت شیخ الحدیث نے علم حدیث کی خدمت کے لئے اس ناچیز کو تیار کیا تھا اس لئے مرکز کے اہداف ومقاصد میں خدمت علم حدیث کو اولیت دی جائے اور اس میں بھی علمائے ہند کی شاندار خدمات پر خاص توجہ مرکوز کی جائے تاکہ ان علماء کا تعارف پورے عالم اسلام میں شایان شان طور پر ہو سکے اور اس طرح یہ مرکز عرب وہند کے قدیم اور جدید تعلقات کے احیاء وترقی میں معاون بن سکے، اس موقع پر اس کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ متحدہ عرب امارات میں جب ہندوستانی حکومت کے بعض وزراء اور وزیر اعظم آئے اور وہاں ان کو میرے کاموں سے واقف کرایا گیا تو انہوں نے تعریف کرتے ہوئے عرب وہند کے ان تعلقات کی اہمیت کا اقرار کیا۔

بہرحال اس مرکز کے مقاصد اس طرح ہیں کہ ایک عظیم الشان دینی، علمی، تاریخی، ادبی اور ثقافتی کتب خانہ اس کی بنیاد ہو، اس مرکز علمی کے ذریعے علماء ومحققین سے روابط قائم کئے جائیں اور مرکز کی طرف سے مستقل فضلاء ومحققین کے لئے بقدر امکان علمی انہماک کی یکسوئی کے لئے مناسب انتظام کیا جائے، خاص طور پر یہ بھی پیش نظر ہے کہ علوم اسلامیہ کی تدوین وترقی میں علمائے ہند کی خدمات کے تعارف میں ہمارے مولانا کے منہج کی پیروی کی جائے، یعنی دین متین کی سربلندی، اسلام کے پیغام اور اسلامی تہذیب کا فروغ، امت کی علمی وذہنی تربیت اور افراد سازی اور اسلام پر اعتراضات کا رد ودفاع اور انسانیت کی صلاح وفلاح اور اس راہ میں اعتدال وتوازن اس کا اصل مقصد ہو، حضرت مولاناؒ کے فکر وعمل کی توسیع اور اشاعت ہمیشہ اس

کے پیش نظر رہے، یہ خیال برابر اس ناچیز کو بے چین کئے رہا، آخر کار حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء سے مشورے کے بعد اس کی ابتدا ہوئی اور الحمد للہ آج یہ خواب تائید الٰہی سے شرمندۂ تعبیر ہوکر آپ کے سامنے مجسم موجود ہے، یقین کامل ہے کہ حضرت والا کے نام نامی سے وابستگی اس ناچیز کے لئے اور جامعہ اور اس پورے خطے کے لئے باعث خیر و موجب برکت ثابت ہوگی، حضرت کی یادوں کے نام یہ چھوٹا سا نذرانہ ہے لیکن میں تو یہی کہہ سکتا ہوں کہ ؂

اسی میں ہے مرے دل کا تمام افسانہ

مرکز و جامعہ کی خوش نصیبی ہے کہ مرکز کا افتتاح حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دست مبارک سے ہو رہا ہے، جو حضرتؒ کی نسبی و روحانی نسبتوں کے حامل ہیں، آپ خود بھی علم و ادب اور اخلاق و اخلاص، للٰہیت اور تقوی، بیدار مغزی اور روشن ضمیری اور سادگی و بے نیازی کے اونچے مقام پر فائز ہیں، اس ناچیز اور جامعہ اسلامیہ سے آپ کا خاص ربط و تعلق اور رشتۂ الفت و عنایت ہے، ہم صمیم قلب سے آپ کے ممنون و مشکور ہیں کہ آپ نے ہماری خواہش اور درخواست کو قبول فرما کر ہماری اور جامعہ کی قدر و عزت میں اضافہ فرمایا ہے۔

اس موقع پر میں آپ تمام ضیوف کرام کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ کی شرکت اور موجودگی سے یہ تقریب ہمارے لئے زندگی کا ایک ناقابل فراموش لمحہ بن گئی، سفر کی صعوبتوں کو برداشت کر کے اور اپنے معمولات کو قطع کر کے آپ یہاں تشریف لائے آپ کی یہ زحمت اور عنایت جامعہ اور مرکز کی کامیابی اور ترقی کی انشاء اللہ ضامن ہوگی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

خطبۂ صدارت

(افتتاح مرکز)

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی مدظلہ
(معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ، الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ، اما بعد !

حضرات علمائے کرام، مشائخ عظام، اساتذۂ مدارس وجامعات اور مقالہ نگار حضرات !

ہم اس مجمع کو بہت ہی عزت اور شرف کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، ایسے مجامع بہت کم ہوا کرتے ہیں ،جس میں آپ جیسے تمام متنوع قسم کے افراد جمع ہوں، اور یہ سب ہمارے مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری کا کرشمہ اور ان کی خدمت اور ان کی جدوجہد کا نتیجہ ہے، یہ عمارت جس کا افتتاح یا اس کے اندر جو مرکز بنایا گیا ہے اس کا افتتاح ابھی ہوا یا ابھی ہونے والا ہے، آپ اس کی عمارت دیکھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ بہت شاندار ہے، اور میرے جیسے لوگوں نے یہ پہلی مرتبہ آ کر دیکھا تو یہ عرض کیا کہ سفر کی تھکن دور ہوگئی اس عمارت کو دیکھ کر

کے، کہ یہ ایک بڑے سلیقے کے ساتھ، ذوق کے ساتھ ان حضرات نے اس کو بنایا بھی ہے اور بہت حسین مرقع اس شہر میں بلکہ اس صوبے میں قائم ہوا ہے، اب اس سے زائد شاندار بات یہ ہے کہ جس شخص کی ذات سے منسوب ہے وہ زیادہ شاندار تھی، وہ ذات تھی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی، وہ ایک عمارت نہیں، بلکہ ایسی پچاسوں عمارتوں کے بعد بھی ان کی محبوبیت ان کی دل آویزی اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے براہ راست ان کا تعلق، خلق سے بے نیازی اور خالق کے آگے سجدہ ریزی اور ان کی عبادت اور تمام لوگوں کے لیے خیر خواہی کا جذبہ اور یہ توقع کہ لوگ کسی طریقے سے دین کی طرف مائل ہوں، اللہ تبارک وتعالی کی رضا کی طرف مائل ہوں، اور کوئی کام ایسا نہ ہو جس میں اس کی رضا داخل نہ ہو، ایسی شخصیت کی طرف نسبت یہ خود اپنی جگہ بہت شاندار ہے، اور مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب نے اس سے بھی بڑا کمال یہ کیا کہ ایک تو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شاندار شخصیت کو سامنے لائے، اور اس سے بھی اونچی چیز ان کے استاذ و پیر اور ان کے شیخ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کا نام بھی اس میں داخل کیا، اس مناسبت سے یہ جلسہ ہو رہا ہے، تو ماشاء اللہ یہ خود شاندار، عمارت شاندار اور اس کے بعد یہ شخصیتیں جن کے نام پر یہ ہو رہا ہے، یہ سب ایک سلسلہ ہے شاندار چیزوں کا، شاندار شخصیات کا، اور حقیقت یہ ہے کہ ایک سب سے بڑی شاندار ذات "کل یوم ھو فی شأن" اللہ تبارک وتعالی کے سجدۂ عبودیت اور اس کے قرآن سے تعلق اور اس کی ذات سے یکسوئی اس نے ان کو وہ تمام ہنر دیئے، وہ حسن دیا، وہ جمال دیا جس کا آپ عکس دیکھ رہے ہیں، جس کے چند قطرے آپ یہاں دیکھ رہے ہیں، چند چھینٹیں دیکھ رہے ہیں، اور جو خوبی اللہ تبارک وتعالی کی رضا مندی کے طالب کو ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے والے کو خاص طور سے نصیب ہوتی ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی ہے۔

آج حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے نام پر یہاں ایک مرکز قائم ہورہا ہے، ایسا ہی مرکز ایک بھٹکل میں قائم ہے، ایک بمبئی میں قائم ہے، ایک مدراس میں قائم ہے، ایک کلکتے میں قائم ہے، غرض یہ کہ یہاں ملک کے اندر اور ملک کے باہر جہاں بعض قانونی بنیادوں کی بنا پر بعض وجوہ کی بنا پر اور ان کی پابندیوں کی بنا پر نام کے ساتھ تو نہیں لیکن کام وہی ہورہا ہے جو ایک مرکز کا ہونا چاہئے، تو وہ ایک شخصیت جس کے بارے میں ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں ؎

یک چراغیست دراں خانہ کہ از پرتوِ آں — ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

تو یہ تمام انجمنیں جہاں جہاں قائم ہوئی ہیں ان کے نام پر، اور جو ہورہی ہیں اور آئندہ ہوں گی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے اپنی رضامندی اور اپنی خوشنودی کا عطیہ ان کو عطا فرمایا، ورنہ ان کی کتابوں کی جو مقدار ہے اس سے کہیں زیادہ بڑی تعداد میں کتابیں لکھنے والے ہمارے ائمہ میں بھی رہے ہیں اور موجودہ حضرات میں بھی ہیں، دورہ کرنے والے مشرق ومغرب کا ان کو بھی ہم جانتے ہیں، مناسب نہیں ہے کہ کسی کا نام لیا جائے، لیکن وہ جنہوں نے مشرق سے لے کر مغرب تک سات دنیا کا دورہ کیا اور ہر جگہ جا کر اپنی تقریریں کیں، اور اپنا وعظ کیا، ان کو بھی جانتا ہوں، لیکن مولانا کے ہمارے بہت زیادہ سفریات بھی نہیں تھے ایک محدود جگہ پر تھے، وہ تو آخر میں میرے خیال میں جاپان بھی نہیں گئے تھے، تو وہ بہت سے مقامات پر بھی نہیں گئے مگر وہاں ان کی کتابیں پہونچ چکی تھیں، ان کے ترجمے وہاں پہونچ چکے تھے، ان کی شخصیت وہاں متعارف ہوچکی تھی، تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاص طور سے جو خصوصی کرم فرمایا، اس کا مرجع اس کا مصدر اللہ سے تعلق ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ سے رشتۂ عبودیت اور ان لوگوں سے تعلق جن کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی عبودیت کے لیے ہوا کرتا تھا، جن لوگوں نے رائے لی ان کو وہی رائے دی جس میں کہ اس کا فائدہ ہو، ایک چھوٹا سا واقعہ میں عرض کرتا ہوں آپ کا وقت ضائع نہیں کروں گا کہ ملک فیصل مرحوم سے ملاقات کے لئے وقت مقرر

ہوا تھا جدہ میں، اور شیخ محمد نور ولی کے مکان پر مولانا کا قیام تھا اور شملہ جو اُڑھایا گیا تھا تو شملہ سرک جاتا تھا اور جن لوگوں کو عادت نہ ہو ان سے بعض وقت گر بھی جاتا ہے، اس لیے جہاں پر رہنا چاہیے دوش پر سے بار بار سرک جاتا تھا، تو اس حال میں جارہے تھے اور بار بار ہمارے جو اور لوگ تھے وہ سیدھا کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ ان کے سکریٹری، انھوں نے بھی اس خدمت میں حصہ لیا اور بار بار شملہ سیدھا کرتے جاتے مولانا نے کہا کہ اللہ سے دعا کرو کہ اللہ تعالی قبول کر لے، اسی شیروانی میں قبول کر لے بس ٹھیک ہے، اب کہاں ہم اس چکر میں پڑیں گے کہ اس کو دیکھیں کہ کھسک رہا ہے یا آگے جارہا ہے کہ پیچھے جارہا ہے وہ جس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی بات میں اور بڑی سے بڑی بات میں اس کے پیش نظر یہ بات رہا کرتی تھی کہ اللہ تبارک وتعالی کی رضا مندی اس میں حاصل رہے، یہ اسی رضا مندی کا مظہر ہے جو آج آپ اس جلسے میں دیکھ رہے ہیں، اور یہی مظہر ہے جو دوسرے شہروں میں ان کی یادگاریں ہیں، ان کے نام پر مدرسے ہیں، ان کے نام پر مکتب اور ان کے نام پر کتب خانے اور لائبریری کے علاوہ تجارتی مکاتب بھی قائم ہورہے ہیں، مسلسل چل رہے ہیں اور ان شاء اللہ چلتے رہیں گے ان سے لوگوں کو فائدہ ہوگا، اور جو فائدہ ہوگا خدا اس کی توفیق دے گا کہ وہ سمجھیں کہ جس کے نام پر اتنی شہرت اور اتنی عزت حاصل کررہے ہیں ان کو کس بات سے یہ چیز ملی تھی، سب سے زیادہ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان کو یہ مقام کہاں سے ملا خطابت میں، یہاں ایک سے ایک خطیب ہوئے ہیں ہندوستان کے اندر، ایسے ایسے خطیب ہوئے ہیں کہ جن کے متعلق میں نے سنا ہے کہ رات کو اگر شروع کیا عشاء کی نماز کے بعد تو فجر تک ایک منٹ بھی سر کسی نے اٹھایا نہیں اور ان کی تقریریں سنتے رہے، اگر آپ دیکھیں ان لوگوں کو جن لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں، جیسا کہ میں نے کہا کہ امام ابن جوزیؒ نے پہلے کتابیں لکھی تھیں کہ جن کے قلم کی کترن سے غسل دینے کا پانی گرم کیا گیا تھا، اتنے قلم انھوں نے استعمال کیے تھے، تو لکھنے والے ہمارے یہاں متقدمین میں بھی ہیں متاخرین میں بھی ہیں

مگر ایک چیز ہے جو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر عطا کی گئی ہے نوازی گئی ہے وہ دیکھنے کی چیز ہے اور وہ ہے ہمارے عقیدے کے مطابق ہمارے مطالعے کے مطابق ایک تلمیذ اپنے استاذ ایک مسترشد اپنے مرشد اور اپنے شیخ کے سامنے کسی چیز کو دیکھتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ کبھی کبھی بھولے سے بھی نہیں پوچھا ہے کہ فلاں اس بات سے کیا متأثر ہوں گے یا نہیں ہوں گے اس پر کیا اثر پڑے گا کبھی نہیں پوچھا دیکھتا یہ تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کیا مقصد ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے مقصد یہ ہے، اور اس سے یہ حاصل کرنا ہے، بادشاہوں کو بھی خط لکھا اور ان کے شہزادوں کو بھی لکھا اور ان کے وزیروں کو بھی لکھا، اور جو خط بھی لکھا وہ اتفاق سے پڑا ہوا ہے، چھپا ہوا ہے، آپ دیکھ لیں کہیں پر ایک لفظ ایک شوشہ ایک گوشہ پر نہ خوشامد کا ہے، نہ چاپلوسی کا، بلکہ سیدھی اور سپاٹ بات ہے، انھوں نے کبھی ہندوستان کے لیے بھی نہیں کہا کہ آپ ہندوستان میں جو مسلمان ہیں ان کے لیے کچھ کر دیجئے، اپنے معاملات کو ان سے کبھی نہیں کہا، یہاں تک کہ جو صد دل عزیز تھا ان کو۔ ندوۃ العلماء۔ اس کے لیے بھی کر سکتے تھے، مگر کبھی دور سے بھی فرمائش اشارۃً یا کنایۃً کیا ہو کہ صاحب یہ ندوہ کی عمارت ہے اور فلاں جگہ ہے اس کو بنا دیا جائے لیکن کبھی انہوں نے نہیں کہا، بلکہ صاف زبانوں میں اس بات کو کہا اور ایک بار نہیں کہا کئی بار کہا اور وہ چیز چھپ چکی ہے، عربی میں چھپ چکی ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے آج، اس کو پسند کیا لوگوں نے، اور جو لوگ حق پسند نہیں تھے انھوں نے کہا کہ اتنا سخت نہ لکھتے شیخ تو کیا ہوتا۔

بہر حال ایک ایسی شخصیت ہے جس کو اللہ تبارک وتعالی نے قبولیت عطا فرمائی، وہ اپنی عبودیت کی بنا پر اس بنا پر کہ وہ اللہ تعالی کے خالص بندے اللہ کی رضا دیکھنے والے اس کی نیت پر ہمیشہ اپنی نیت کو تولنے والے اس کو جانچنے والے پرکھنے والے کہ ہم جو کر رہے ہیں وہ حقیقتاً اللہ کے لیے کر رہے ہیں یا نہیں، اس جذبے نے ان کو ابوالحسن علی ندوی سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، سماحۃ الشیخ ابوالحسن علی ندوی سب کچھ ان کو بنا دیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے، ان کا لگایا ہوا باغ،

ان کے لگائے ہوئے پودے، آج بھی نمایاں ہیں، یہ ہمارے مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب اسی کے پودے ہیں، مولانا سید محمد رابع بھی اسی کے پودے ہیں، ہم بھی اسی کے خادم ہیں، مطلب یہ کہ ایک بڑا گروہ یہاں ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیلا ہوا ہے اور یہ سیلاب پھیلتا رہے گا، اس لیے کہ اس کا تعلق افراد سے کسی اسکیم سے، اپنے کو کسی دوسرے پر اونچا کرنے کے لیے اور دکھلانے کی نیت سے نہیں تھا بلکہ اللہ کے لئے تھا، اور جو چیز اللہ کے لیے ہوتی ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوتی، ان الفاظ پر میں اپنی عرض داشت ختم کرتا ہوں۔

خطبۂ استقبالیہ

(افتتاح سیمینار)

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری
(بانی وسرپرست جامعہ اسلامیہ، اعظم گڑھ)

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين محمدوعلى آله و أصحابه ومن تبعهم ودعا بدعوتهم أجمعين، أمابعد !

محترم حضرات علمائے کرام، اور حاضرین جلسہ !

دل مسرت اور شکر کے جذبات سے لبریز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آج جامعہ اسلامیہ کے دامن کو علم و فضل اور فکر و دانش کے گراں قدر جواہر سے مالا مال کر دیا ہے، یہ ہماری خوش نصیبی ہے اور اس برگزیدہ ہستی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے جن کی یاد میں ہم سب یہاں جمع ہوئے ہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت اور ان کی زندگی گذشتہ صدی میں اپنے کارناموں کی وجہ سے صرف ہندوستان کے لئے ہی باعث افتخار نہیں تھی بلکہ پورے عالم اسلام میں وہ صحیح معنوں میں بقیۃ السلف اور ائمۂ متقدمین اور اکابر علمائے ہند کی یادگار اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے سلسلہ کی جامع کمالات ہستی تھی، جامعہ اسلامیہ ان کی دعاہائے نیم

شی کی قبولیت کا ایک نمونہ ہے اور جہاں تک اس ناچیز کی زندگی کا تعلق ہے تو بغیر کسی تکلف کے عرض کرسکتا ہوں کہ میری زندگی کی سمت ومنزل کے تعین میں دو ہستیوں کی رہبری ورہنمائی کا دخل ہے، ایک تو حضرت شیخ الحدیثؒ اور دوسرے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ذات گرامی ہے۔

آج ہم جس خطہ پر آپ کے استقبال کی سعادت ومسرت حاصل کررہے ہیں اس کے بارے میں حضرات علم ودانش کے سامنے کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے، افراد اور اداروں کی کثرت، تنوع اور اہمیت کے لحاظ سے سرزمین اعظم گڑھ کو جو یک گونہ امتیاز حاصل ہے، اس کا اعتراف بھی کیا گیا ہے ؎

اس خطۂ اعظم گڑھ پہ مگر فیضان تجلی ہے یکسر

چمنستان علم کی حیثیت سے اس کی خوشبوئے شہرت، اقصائے عالم کو معطر کرگئی لیکن بہت پہلے سے اس خاک کی خمیر میں علم وادب کی خوشبو رچی بسی تھی، اصلاً یہ تمام علاقہ، شیراز ہند جونپور کی عملداری میں تھا، شاہان شرقی کی علم پروری اور علماء نوازی نے اس کو مؤرخین کی زبان میں دارالعلم، دہلی ثانی اور شیراز ہند سے تعبیر کیا، اس وقت یہاں کے چھوٹے چھوٹے قصبے اور گاؤں بھی اہل علم وکمال، صاحبان درس وافتاء اور زہاد وعباد سے معمور تھے، آٹھویں صدی ہجری سے ہی یہاں کی علمی ودینی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے، یہاں سے ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر موضع قلندر پور ہے جو بارہویں صدی ہجری کے ایک بزرگ شاہ فتح علی قلندر کے انفاس قدسیہ سے معمور رہا ہے، اس عہد عروج کی داستان بڑی پُر لطف ہے لیکن اس دور زوال میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس خاک کے ذروں کو جو تابانی عطا فرمائی وہ اس کے نصیبے اور قسمت کو لائق رشک بناتی ہے، اس دیار کے علماء مسلک ومیدان عمل کے اختلاف اور ان کے جدا جدا ہونے کے باوجود علوم اسلامیہ کی خدمت میں تاریخ اسلامی میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں، آج کی اس مجلس کی

مناسبت سے ذکر واعتراف میں سرفہرست مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی، محدث شہیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، اور محدث کبیر مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری شارح مشکوٰۃ کے نام نامی ہیں، جنہوں نے خاص طور پر علم حدیث میں ہندوستان کی قدیم روایات کی قدروقیمت میں بڑا اضافہ فرمایا۔

ہندوستان میں علم حدیث سے تعلق اور اشتغال کی تاریخ مسلمانوں کی آمد کی تاریخ سے جدانہیں ہے، سندھ اور گجرات کی تاریخ اس کی ابتدا اور عروج کی داستانوں سے مزین ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵۹ھ میں ربیع بن صبیح السعدی کے قدوم میمنت لزوم نے گجرات کی خاک کو ہندوستان کے لئے سرمہ بصیرت بنایا، وہ تبع تابعی تھے اور اس سے بڑھ کر ان بزرگوں میں تھے جنہوں نے احادیث کے منتشر اوراق کو یکجا کرنے میں اول اول حصہ لیا تھا، ان کے علاوہ حضرت انس بن مالک اور امام حسن بصری کے بعض شاگرد مثلاً خباب بن فضالہ اور اسرائیل بن موسیٰ جیسے ثقات محدثین کے نام بھی ہیں، دوسری صدی ہجری میں ان حضرات کے بعد سب سے نمایاں نام ابومعشر نجیح سندھی کا ہے جن کو حدیث وسیر میں درجہ امامت حاصل ہے، ان حضرات کے نفوس قدسیہ کی برکت تھی کہ بعد کے ادوار میں امام حسن بن محمد صغانی صاحب مشارق الانوار اور پھر شیخ علی متقی برہان پوری اور ملا محمد بن طاہر پٹنی، شیخ بہلول دہلوی اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی جیسی شخصیتیں ہندوستان میں علم حدیث کی تعلیم وتدریس اور تحقیق وتالیف میں نمایاں ہوتی رہیں اور اس سلسلہ کو حیات نوبخشتی رہیں جس کا اثر بعد میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی شارح مشکوٰۃ اور حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کی بے مثال شخصیتوں کی شکل میں ظاہر ہوا، محدثین عظام کا یہ وہ سلسلہ تھا جس کو اہل نظر نے اہل ہند کے لئے موہبت عظمٰی اور عطیۂ کبریٰ سے تعبیر کیا، خصوصا حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے فیوض وبرکات کے پُرفیض سحاب نے پورے ہندوستان کو علم حدیث کے چمنستان میں بدل دیا، اور علم حدیث کا علَم سارے عالم میں بلند کردیا،

اعظم گڑھ کا یہ خطہ اس سے جس طرح سیراب ہوا اس کی ایک جھلک آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں، یہاں یہ کہنا بھی شاید تحدیث نعمت کے طور پر ضروری ہے کہ گیارہویں صدی ہجری میں شیخ علی متقی کے حلقۂ درس میں ایک اہم نام شاہ محمد بن فضل اللہ کا ملتا ہے جو اتباع سنت میں ایسے کامل تھے کہ نائب رسول اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے، علوم قرآن وفقہ کے ساتھ حدیث کے درس میں مدۃ العمر مشغول رہے، یہ شاہ محمد بن فضل اللہ اسی خطۂ شیراز مشرق کے رہنے والے تھے، اور اس سے بھی بڑھ کر ہمارے اس خطے کے مقام بلند کی دلیل یہ ہے کہ قصبہ زید پور کے سید عبدالاول حسینی کے متعلق محققین کی رائے ہے کہ وہ سب سے پہلے ہندوستانی عالم ہیں جنہوں نے صحیح بخاری کی شرح لکھنے کی عزت حاصل کی اور اس کے حافظ ہوئے، ان کی کتاب ''فیض الباری'' کے نام سے کسی ہندوستانی کی پہلی شرح کا امتیاز خاص بھی اسی جونپور واعظم گڑھ کی سرزمین کو حاصل ہوا۔

اس تمہید کی غرض یہی ہے کہ آج محدث عصر اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی ہستی خصوصاً علم حدیث میں ان کی بے مثال خدمات کے اعتراف میں اس مجلس مذاکرہ کے انعقاد میں جامعہ اسلامیہ مظفر پور کے استحقاق کی کچھ مبارک وجہیں بیان میں آجائیں، حضرت شیخ الحدیث کی باکمال شخصیت کے متعلق میرے محسن ومربی حضرت مولانا علی میاںؒ کا یہ احساس سب سے جامع ہے کہ ان کے حالات صرف عصر حاضر کے ایک باکمال فرد کی سوانح نہیں ایک مردم خیز دور، ایک مردم آفریں معاشرہ، ایک حیات بخش نظام تعلیم وتربیت اور ایک پُرثمر اور شاداب شاخ نہال کی آخری بہار کی کہانی ہے، اس متن کی تشریح کی ایک کوشش یہ مذاکرۂ علمی بھی ہے۔

حضرت شیخ مدۃ العمر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے، اور رشد وہدایت کا سرچشمہ رہے، ان کی زندگی کا مطالعہ اور مشاہدہ کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ غیر

معمولی استعداد، بلند ہمتی، عالی حوصلگی، ایثار و قربانی، زہد و تورع، وقار و سکینت، ضبط و تحمل، اصابت رائے، دوراندیشی، توازن و اعتدال اور قلب و نظر کی وسعت کے جتنے جلوے بیک وقت ان کی ذات میں جمع تھے، اس کی مثال تاریخ میں شاذ ہی ملے گی، لیکن ان سب سے بڑھ کر اور سب سے نمایاں جو صفت تھی وہ جناب رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی، ان کے تمام افعال و اعمال میں بس یہی جذبہ عشق نبویؐ رواں دواں تھا ؎

شاخ گل میں جس طرح شبنم کا نم

علم حدیث سے اس درجہ اشتغال بھی اسی عشق کا ایک ظہور تھا، رسول اکرم ﷺ کی محبت و طاعت سے ان کی زندگی کا ہر لمحہ مبارک اور ہر ساعت سعید تھی، درس حدیث میں ان کے اہتمام کا حال صرف وہی جان اور سمجھ سکتا ہے جس کو خود حاضری کی سعادت نصیب ہوئی ہو ؎

باد صبا آج بہت مشکبار ہے شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلف یار ہے

اس موقع پر اس سعادت کے حصول کی کچھ کیفیت اگر اس ناچیز کی زبان سے بیان ہو جائے تو میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں، تلامذہ، خلفاء اور منتسبین میں بے شمار ایسے ہیں جن کے رتبے اور منزلت کا اندازہ کرنا مشکل ہے، عقیدت اور حضرت سے تعلق کے باب میں کسی موازنہ کی گنجائش ہی نہیں لیکن یہ ناچیز اپنی زندگی کے ہر نقش میں اگر ان کے لطف و کرم اور شفقت و عنایت کا اثر دیکھے تو اس کا انکار بھی کیسے ممکن ہے، تقریباً پچاس سال قبل کا وہ منظر آج بھی نگاہوں کے سامنے ہے جب میں حضرت شیخ کی خدمت میں سہارنپوران کے کچے گھر میں حاضر ہوا، ندوے کے بجائے مظاہر علوم میں داخلہ لینے کی وجہ جب حضرت شیخ نے دریافت فرمائی تو عرض کیا کہ ندوہ میں داخلہ تو آسان تھا لیکن وظیفے کی گنجائش نہیں تھی، اس بات کے جواب میں حضرت شیخ کے الفاظ کی نرمی اور محبت کی گرمی آج بھی دل کے پاس محسوس ہوتی ہے، آہ! ان الفاظ میں چھلکتے ہوئے محبتوں کے انمول قطروں کی ٹھنڈک کیسے فراموش کر سکتا ہوں، فرمایا:

پیارے مُنّے ! میرے یہاں روٹی کا سوال نہیں مگر ہمارا تمہارا جوڑ کیسے بیٹھے گا، اس سوال کی تہہ میں اصلاً میرے ظاہری احوال کی جانب اشارہ تھا کہ میرے سر پر ٹیڑھی ٹوپی تھی اور علی گڑھی پاجامہ اور قمیص میرا لباس تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی، میرے حال پر کرم مقصود تھا، چنانچہ داخلہ ہوا اور جوڑ جیسے بھی بیٹھا لیکن اتنا ضرور ہوا کہ ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را نہ دانم حساب کم و بیش را

اس وقت سے حضرت کے وصال تک کی داستان کے سنانے کی یہاں گنجائش نہیں بس چند باتیں ہی بیان کرسکتا ہوں کہ حضرت کو میری زندگی، میری راحت اور کامیابی کی کیسی فکر رہتی اور وہ کس طرح اس بے مایہ کے لئے سراپا دعا رہتے، مظاہر علوم سے جب ندوہ آیا اور یہاں تعلیمی سلسلہ شروع ہوا تو لکھا حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے اس کو باحسن وجوہ تکمیل کو پہونچائے، غائب از نظر ضرور تھا لیکن حضرت کی توجہات ہمہ وقت شامل حال تھیں، تربیت کا انداز دیکھئے لکھا کہ عیدالاضحیٰ کی تعطیل میں اگر گھر جانا ضروری ہے تب تو وہ مقدم ہے اور وہاں کے علاوہ کسی اور جگہ کا خیال ہو تو نظام الدین یقیناً سہارنپور سے بہرنوع مقدم ہے، ایک بار اپنی خانگی مالی پریشانیوں کا ذکر کیا تو کس محبت سے دعا فرمائی کہ اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے رزق کا دروازہ مفتوح فرمائے اور دارین کی ترقیات سے نوازے، معمولات پر مداومت ترقی کا اقرب ترین راستہ ہے، میرے لئے دنیا وآخرت کی ترقیات کی دعائیں ہمیشہ حضرت کے لب پر رہیں، بار بار وہ یہی دعا فرماتے کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف و کرم سے دارین کی ترقیات سے نوازیں، ایک بار میں نے حصول کمال کی تمنا کا اظہار کیا تو فرمایا کہ یہ تو اصل مقصود ہے، یقین ہی کی پختگی سے ایمان کی پختگی ہے، کام تو جو بھی ہو دین کا یا دنیا کا اس کے لئے مناسب جہد و جہد ہو

اور کمال سیکھنے ہی سے آتا ہے، حدیث پاک کا فن سرسری حیثیت سے انتہائی آسان اور مہارت کی حیثیت سے انتہائی مشکل ہے، اور استاذوں کے سامنے صحاح کا پڑھ لینا تو سرسری کی بھی ابتدا ہے، مہارت کی ابتدا یہ ہے کہ صحاح پڑھ لینے کے بعد کسی واقف فن کی ماتحتی میں اس کے پاس ایک دوسال رہ کر استفادہ کرے، ایک بار میں نے طالبعلمانہ جسارت سے دینی طلبہ کی معاشی حالت کے متعلق اپنے کچھ وسوسوں کا اظہار کیا تو فرمایا کہ اس سے بجائے مسرت کے قلق ہوا میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ بعض عربی پڑھنے والوں کی معاشی حالت ایسی بہتر ہے کہ اگر وہ عربی نہ پڑھتے تو بظاہر احوال ایسی اچھی حالت ان کی معاشی حیثیت سے کہیں بھی نہ ہوتی کہ وہ اپنے ہم جنس رئیسوں سے معاشی حالت میں بہت زیادہ بڑھے ہوں، دوسرے اگر اس کو مان ہی لیا جائے تو یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دینی علوم حاصل کرنے کا موضوع ہی معاشی حالت کا درست کرنا نہیں ہے، احمق اور پاگل ہیں وہ لوگ جو علم دین کو معاشی حالت درست کرنے کے لئے پڑھتے ہیں، اس کا موضوع تو معادی حالت درست کرنا ہے، کسی چیز سے اس کے موضوع کے خلاف کی توقع ہی لغو ہے، یہ سوچنے کی چیز ہے کہ موت ہے جو ہر حال میں آنے والی ہے، کسی حال میں ٹلنے والی نہیں اور معادی حالت اگر خراب ہوگئی تو اس کی ہلاکت اور بربادی دائمی ہے جس کا نہ کوئی حل ہے نہ منتہا، درحقیقت ہم لوگوں کو عموماً یہ خبط سوار ہو جاتا ہے کہ ہم ان پاگلوں کی نگاہ میں ذلیل ہونے کو اہم سمجھنے لگتے ہیں جن کی نگاہ میں ذلت وعزت کا مدار دنیوی ترقی اور فروغ ہے حالانکہ اگر اللہ جل شانہ ہمیں عقل سلیم عطا فرمائے تو ہم اس دنیا میں منہمک لوگوں کو اس سے زیادہ ذلیل سمجھنے لگیں جتنا وہ ہمیں سمجھتے ہیں۔

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار وتمکیں ۔۔۔ وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا

اس کے بعد پھر فرمایا کہ یہ ناکارہ اس کے سوا اور کیا کرسکتا ہے کہ اللہ جل شانہ سے تمہارے لئے دارین کی ترقیات کی دعا کرے، مالک اپنے فضل وکرم سے اپنی رضا اور مرضیات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور نامرضیات سے حفاظت فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے مقبول بندے کی دعاؤں کی قبولیت کے دروا کردیئے اس ناچیز نے اپنی تصنیفی زندگی میں ہمیشہ علم حدیث کی خدمت اور خصوصا حضرت شیخ کی بیش قیمت تالیفات کی اشاعت اور عالم عرب میں خاص طور پر ان کے تعارف کو اپنا فرض اولیں قرار دیا، اس سلسلہ کی کچھ معروضات پہلے پیش کر چکا ہوں، یہاں اوجز المسالک کی اشاعت کا ذکر کردوں کہ بہترین طباعت کے ساتھ اٹھارہ جلدوں میں یہ حال ہی میں شائع ہوئی ہے اور اب بذل المجہود بھی تعلیق وتخریج اور تحقیق کے موجودہ معیار کے ساتھ انشاء اللہ جلد ہی شائع ہوگی، اس موقع پر ناسپاسی ہوگی اگر میں ان کتابوں کی ترتیب وتعلیق اور طباعت واشاعت کے لئے ابوظبی کے نائب وزیر اعظم شیخ سلطان بن زاید آل نہیان کی علم نوازی اور معارف پروری کا شکریہ نہ ادا کروں، انہوں نے ہر مرحلہ پر ہماری ہر ممکن مدد کی اور تعاون دیا، میری ہر طلب کو انہوں نے نہایت اکرام سے منظور فرمایا، ان کے لئے ہم دعا گو ہیں، ہماری یہ خدمات اور یہ الطاف شاہانہ ہمارے دونوں مربی ومحسن حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مولانا ندوی رحمہما اللہ کی دعاؤں کا ثمرہ ہی ہے ؎

ورنہ من آنم کہ من دانم

یہ محض چند باتیں ہیں جو زبان پر آگئی ہیں، اور اس احساس کے ساتھ آئی ہیں کہ ان میں ہمارے لئے موعظت اور ہدایت کی دولت سمٹ کر آگئی ہے، حضرت کی ذات گرامی اور حدیث وفقہ، ارشاد وہدایت، تلقین وتربیت اور تزکیہ واحسان پر آپ حضرات کے رشحات قلم محض ایک مذاکرۂ علمی کی رسم کی ادائیگی نہیں بلکہ حضرت مولانا علی میاں قدس سرہ کے الفاظ میں

''حضرت شیخ کے حالات زندگی اور خدمات دینی وعلمی اور کمالات ظاہری و باطنی پر کچھ لکھنا شاید سعادت دارین کا سبب ہو جائے'' اس وقت میرا دل اور میرے جذبات اس یقین پر آمین کہتے ہیں کہ یہ مذاکرہ خدا کرے ہمارے اور آپ کے لئے بلکہ ہر شریک مجلس کے لئے دارین کی سعادت کا ایک ذریعہ بن جائے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کریمی سے توقع بھی یہی ہونی چاہئے، اس مذاکرہ علمی کے انعقاد کی نیت اور مقصد بھی بس یہی ہے، اس موقع پر یہ بھی عرض کردوں کہ ہم نے حضرت شیخ کے خلفاء ومتعلقین کے ساتھ بعض اہم علمائے عرب سے بھی اس مذاکرہ میں شرکت کی درخواست کی تھی، لیکن بعض حالات کی وجہ سے بیرونی مہمانوں کی شرکت ممکن نہیں ہوئی، ان حضرات نے معذرت اور شکریہ کے خطوط لکھے، جن حضرات کے خطوط آئے ہیں ان میں جامعہ ازہر اور مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر، رابطہ عالمِ اسلامی کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر عبداللہ محسن ترکی اور ام القری یونیورسٹی کے پروفیسر حدیث ڈاکٹر احمد نور سیف کے خطوط بھی شامل ہیں، بعض حضرات مثلاً ڈاکٹر علوی مالکی اور ڈاکٹر نورالدین عتر پروفیسر دمشق یونیورسٹی کے مقالات بھی آگئے، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اور جمیع شرکاء کو جزائے خیر دے۔

اس ناچیز اور جامعہ اسلامیہ اور اس دیار مشرق کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ آپ تمام حضرات کا دل سے خیر مقدم کرے، آپ کی تشریف آوری کے لئے ہم رسماً مشکور ہی نہیں بلکہ ہم کو یقین کامل ہے کہ آپ کے قدموں کی برکت، سفر کی صعوبتوں اور مشقتوں کو برداشت کرنے کی زحمت کا صلہ ہم سب کے لئے برکات وحسنات کی شکل میں انشاء اللہ ظاہر ہوگا۔

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين ۔

خطبۂ صدارت

(افتتاح سیمینار)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرات!

آپ نے اب تک جو خطابات سنے اور جو ملفوظات آپ کے سامنے آئے، حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے متعلقات میں، ان کا سننا اور سمجھنا باطنی تربیت کے لئے بھی مفید ہے اور علمی ذوق پیدا کرنے کے لئے بھی ضروری ہے اور جیسا کہ کہا گیا کہ احاطہ کرنا ایک چھوٹی سی مجلس میں اور تھوڑے وقت میں بہت مشکل کام ہے، ان میں بڑی جامعیت تھی اور توازن تھا، اور محبت کے اخلاق تھے سب کے ساتھ، میں جانتا ہوں کہ فکری طور پر بعض شخصیتوں سے ان کو اختلاف تھا لیکن ان کا اکرام وہ اسی طرح کرتے تھے جس طرح کسی محبوب شخصیت کا اکرام کیا جاتا ہے اور جو محنت کرتا تھا دین کے کام میں اور علم دین کے کام میں اس کی قدر بہت فرماتے تھے اور ہمت افزائی فرماتے تھے، مجھے خود اس کا تجربہ ہوا کہ بعض ایسی باتیں جن کے متعلق ان کا خیال تھا کہ میرے مطالعہ میں ہیں انہوں نے مجھ سے طلب کیا اور اس کے بعد میں نے دیکھا کہ کتاب میں انہوں نے میرا تذکرہ جگہ جگہ کیا کہ یہ مجھے محمد رابع نے بتایا ہے، میں حیران رہ گیا، وہ ایک ایسی بات تھی جسے ایک تعلق والا دوسرے تعلق والے سے ذکر کر دے، وہ کوئی قابل ذکر بات نہیں ہوتی

لیکن ان کا طریقہ تھا ہمت افزائی کرنا، قدر کرنا اور اعتراف کرنا، یہ بہت بلند بات ہے، اہل علم میں یہ چیزیں کم ہوتی ہیں، ان میں استغناء ہوتا ہے لیکن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اخلاق انتہائی درجے کا تھا، اس کے علاوہ علم کے وہ شیدائی تھے، آپ ان کی کتابوں کو اور ان کی تصنیفات کو دیکھیں تو مختلف موضوعات پر ہیں، لیکن ان سب کا جو بنیادی موضوع ہے وہ تربیت ہے، کہ انسان بن جائے اور سدھر جائے اور وہ سنت کے زیادہ سے زیادہ موافق اپنی سیرت کو بنالے، یہ بنیادی ان کا موضوع ہوتا ہے، حدیث شریف کی خدمت میں بھی یہی ان کے پیش نظر تھا اور اصلاح کے سلسلہ میں جو آپ کی تصنیفات ہیں ''حکایات صحابہ'' وغیرہ، چنانچہ ان کی اس نیت اور اس جذبے کی برکت کتابوں میں نظر آتی ہے، حکایات صحابہ دیکھنے میں تو عوام کی کتاب ہے، عام پڑھنے والوں کی کتاب ہے، لیکن اس کو پڑھ کر ایک خاص روحانیت کا احساس ہوتا ہے، یہ روحانیت کا جو احساس ہے یہ مصنف کے دل کی کیفیت کا نتیجہ ہوتا ہے، جو مصنف صاحب دل ہوتے ہیں، ان کی کتابوں میں بات ہی دوسری ہوتی ہے، جیسے بزرگوں کے سلسلے میں نظر آتا ہے کہ بعض بعض بہت ہی معمولی زبان میں اور بعض مرتبہ کچھ غلطی بھی ہوتی ہے بعض تعبیرات میں، لیکن اس میں جو طاقت ہوتی ہے اور تاثیر ہوتی ہے وہ بڑے بڑے فصیح الکلام کے یہاں بعض وقت نہیں ملتی۔

حضرت شیخ قدس سرہ کے یہاں یہ سب چیزیں ملتی ہیں اور علمی لحاظ سے، اصلاحی لحاظ سے، تربیتی لحاظ سے اور اخلاقی لحاظ سے بہت اونچا معیار ملتا ہے، جو حضرات بھی حضرت شیخ کے یہاں حاضر ہوئے ہیں اور جن کو تلمذ حاصل ہے یا حضرت کی صحبت میں کچھ بھی رہے ہیں ان کو اس چیز کا پورا اندازہ ہوگا، اور ہمارے لئے بڑی مسرت کی بات ہے کہ حضرت شیخ کا تذکرہ اور ان کے کاموں کا تذکرہ اور ان کی جو خصوصیات ہیں، جو علماء میں، علمائے دین میں ہونی چاہئیں، اور علمائے دین کون ہیں؟ وہ جو پہلے طلبہ ہوتے ہیں پھر علماء ہوتے ہیں تو طلبہ سے بات شروع ہوتی ہے پھر جا کر وہی نتیجے کے طور پر علماء میں آتی ہے، عالم ایک دم سے نہیں بن جاتا،

پہلے اس کو طالبعلمی کرنی پڑتی ہے، چھوٹا بن کر استفادہ کرنا پڑتا ہے، تب وہ اس مقام تک پہونچتا ہے کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں، تو ان حضرات کی کتابوں میں اور ان کی کوششوں میں یہ چیزیں نظر آتی ہیں کہ کس طرح انسانی نسل، مسلمان کی نئی نسل بن جائے اور اس میں وہ اخلاق پیدا ہو جائیں جو سنت کے اخلاق ہیں، تو یہ چیز حضرت کی مجلس میں بیٹھنے والا، حضرت کی صحبت میں رہنے والا، حضرت سے تلمذ رکھنے والا برابر محسوس کرتا رہا ہے، اور اس سے اس کو طاقت حاصل ہوتی رہی ہے، جو اس کی اگلی زندگی میں اس کے لئے رہنما اور معاون بنی ہے۔

یہ جو آپ نے سنا روز روشن کی طرح یہ باتیں ہیں کہ کس طرح یورپ میں، امریکہ میں حضرت شیخؒ کے متوسلین اور مسترشدین نے مراکز قائم کر دیئے ہیں دینی اور تعلیمی، اس وقت یورپ میں بھی جگہ جگہ مدرسے کھل گئے ہیں، افریقہ میں جگہ جگہ مدرسے کھل گئے ہیں، میں نے دیکھ کر کہا کہ اب تک افریقہ کے طلبہ ہمارے یہاں ہندوستان کی جامعات میں، پاکستان کی جامعات میں پڑھا کرتے تھے، اب وہ خود کفیل ہو گئے ہیں، اور ان کو باہر جانے کی ضرورت نہیں وہیں ان کو ساری تعلیم حاصل ہو جاتی ہے اور تعلیم کے ساتھ وہ رنگ بھی ان کو حاصل ہو جاتا ہے جو رنگ ہمارے یہاں کے مدارس میں حاصل ہوتا تھا، شیوخ سے استفادہ کر کے وہاں بھی ایسے شیوخ پیدا ہوتے ہیں، وہ حضرت شیخؒ کے تلامذہ کے تلامذہ ہیں اور وہ یورپ میں بھی کام کر رہے ہیں۔

یہ حضرت شیخؒ کے سلسلے میں افتتاحی مجلس ہے، اب جو مجالس ہوں گی ان میں مقالات پیش کیے جائیں گے حضرت شیخؒ کے مختلف پہلوؤں پر، اور وہ بڑے قابل استفادہ ہوں گے، اس لیے کہ وہ باقاعدہ بحث و تحقیق کے ساتھ لکھے گئے ہوں گے، اس افتتاحی مجلس میں تو تاثرات بیان کیے جا رہے تھے، اب ان شاء اللہ جو مجالس ہوں گی ان میں حضرت شیخؒ کے مختلف اور قابل استفادہ پہلو ہیں، ان کے اوپر مقالات ہمارے فضلاء بلکہ ہمارے علمائے کرام پیش کریں گے، امید ہے کہ اس میں آپ لوگ شرکت کر کے فائدہ اٹھائیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

جامعہ اسلامیہ

ایک تعارف

مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی
(امین عام جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وأصحابہ أجمعین، أما بعد !

آج میں جامعہ اسلامیہ کے ایک خادم کی حیثیت سے آپ سب کا خیر مقدم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سراپا سپاس اور شکر گزار ہوں کہ اس کے لطف وکرم نے ہم کو آپ کے استقبال کی یہ عزت بخشی۔

جامعہ اسلامیہ مظفر پور دراصل ہندوستان میں علم وتعلیم خصوصاً علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت کے اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو ہندوستان کی مسلم تاریخ کا سب سے نمایاں اور روشن باب ہے، تعلیم اور تدریس کا یہ سلسلہ گو اسلامی ہند کے ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں نظر آتا ہے، لیکن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی مُجدِّدانہ مساعی کی برکت ہے کہ مدارس کے قیام نے امت مسلمہ کو ہر حال میں ثابت قدم رکھا، یہ مدارس اسلام کے قلعے ثابت ہوئے، جامعہ اسلامیہ بھی دور حاضر کے تقاضوں اور ضرورتوں کے پیش نظر اسی فکر اور مقصد کے تحت وجود میں آئی کہ اس ملک میں دین کی حفاظت اور پاسبانی خصوصاً علم حدیث کی خدمت کا فریضہ انجام دے، حضرت والد محترم مدظلہ العالی نے اسی جذبہ کے تحت اس علاقہ میں برسوں پہلے ایک مکتب

کی بنیاد ڈالی تھی ،جس کے متعلق حضرت شیخ الحدیثؒ نے دعا فرمائی کہ خدا کرے یہ مکتب بڑے مدرسہ کی شکل اختیار کرے، ۱۹۹۰ء میں اس دعا کا عملی ظہور اس جامعہ اسلامیہ کی شکل میں ہوا، حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ، حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ ،حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ ،حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ جیسے اکابر مشائخ رحمہم اللہ کے ایماء پر اس جامعہ اسلامیہ کا افتتاح ہوا اور قریب چودہ سال گزرنے کے بعد اب وہ ترقی کی جس منزل پر ہے، وہ آپ کے سامنے ہے۔

الحمدللہ اس وقت سات سو طلبہ دارالاقامہ میں مقیم ہیں، اساتذہ وملازمین کی تعداد سو کے قریب پہونچ گئی ہے، عالمیت تک کی تعلیم کا انتظام ہے، یہاں کی عالمیت کی سند دارالعلوم ندوۃ العلماء جامعہ ملیہ، دہلی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے تسلیم کرلیا ہے، نصاب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مطابق ہے، ہمارا دوسرا ممتاز شعبہ، شعبۂ حفظ ہے، گیارہ درجات پر مشتمل اس شعبہ میں ناظرہ تجوید وقرأت کا خاص انتظام ہے، اور اللہ کا شکر ہے کہ ہر سال خاصی تعداد میں طلبہ، حفظ قرآن مجید کی دولت سے مالا مال ہوکر نکلتے ہیں، تعلیم وتدریس میں اعلیٰ معیار ہمارے پیش نظر ہے کہ قرآن وحدیث اور عربی زبان وادب اور کتاب وسنت کے حامل ایسے علماء پیدا ہوں جو دین میں رسوخ اور پختگی کے حامل ہونے کے ساتھ زمانہ کے تقاضوں اور ضرورتوں سے پوری طرح باخبر ہوں، اس کے لئے تعلیم کے ساتھ تربیت اور سازگار ماحول کی فراہمی ہمارا خاص مقصد ہے، چنانچہ طلبہ کی تربیت کے لئے عربی اور اردو زبانوں میں انجمنیں قائم ہیں، جن کے پروگرام باقاعدگی سے اساتذہ کی نگرانی میں سال بھر جاری رہتے ہیں، انعامی مقابلوں کا انعقاد کیا جاتا ہے، اور دوسرے مدارس کے علماء کو بطور حکم یہاں مدعو کیا جاتا ہے، طلبہ کی تحریری صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے دیواری اخبار اور پرچے بھی نکالے جاتے ہیں، اور کتابوں سے تعلق قائم رکھنے کے لئے دارالمطالعہ کی سہولتیں بھی ہیں۔

تعلیم وتربیت کے معیار کو خوب سے خوب تر بنانے کے لئے ایک شاندار کتب خانے کی آرزو حضرت بانئ جامعہ کو عرصے سے تھی اور شدت سے تھی، اللہ کا شکر ہے کہ ہمارا کتب خانہ اس وقت ۳۵ ہزار کتابوں پر مشتمل ہے اور ان شاء اللہ بہت جلد یہ تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہو جائے گی، علوم اسلامیہ خصوصاً علم حدیث کی اشاعت کے لئے مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی کا افتتاح آج ہی عمل میں آیا ہے، اس کے علاوہ جامعہ نے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے روز افزوں استعمال اور فائدہ کو دیکھتے ہوئے اس کا بھی باقاعدہ انتظام کیا ہے تاکہ طلبہ اور محققین کے لئے جدید ترین معلومات سے واقفیت میں سہولت ہو، اور ان کا رابطہ عالمی اداروں سے بآسانی قائم ہو سکے، ہماری کوشش ہے کہ کتب خانے میں محققین کے لئے کمپیوٹر کے ذریعہ وہ تمام آسانیاں دستیاب ہو سکیں جو آج دنیا کے جدید ترین کتب خانوں کا طرۂ امتیاز ہیں، ہمارا شعبہ نشر واشاعت بھی قابل ذکر ہے جس نے قلیل عرصے میں متعدد مفید کتابیں شائع کی ہیں، اور اس کا ترجمان سہ ماہی رسالہ ''الشارق'' پانچ سال سے برابر شائع ہو رہا ہے، جو اپنے اصلاحی، دینی، فکری اور مفید مضامین کی وجہ سے عوام وخواص میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے، اور ہم انگریزی، ہندی اور عربی زبانوں میں رسالوں کے اجراء کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔

باطن کے ساتھ ظاہر کا حسن اور خوبصورتی ہماری تہذیب کا شعار رہی ہے، الحمد للہ یہ روایت عمارتوں اور چمن زاروں کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔

یہ مختصر سی ایک جھلک ہے جو آج کی اس نشست کی مناسبت سے آپ کے سامنے پیش کی گئی، ہم کو اس موقع پر آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے، آپ کی توجہات کی ضرورت ہے تاکہ یہ جامعہ صحیح معنوں میں اسلام کا ایک ایسا قلعہ ثابت ہو جو ملک کے لئے بھی مفید ہو اور ملت کے لئے بھی۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین۔

مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی

للبحوث و الدراسات الإسلامیة

(قیام-پس منظر-مقاصد)

فیروز اختر ندوی

(مدیر مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی، اعظم گڑھ)

آج سے تقریباً ڈیڑھ صدی پہلے جب ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل قبضہ تھا، اس وقت ہندوستان کے روشن ضمیر علماء نے حالات کی نزاکت کے پیش نظر مدارس اسلامیہ کے قیام کو ضروری قرار دیا تھا تا کہ امت اسلامیہ ہندوستان میں اپنے امتیازات و خصائص کے ساتھ باقی رہ سکے، چنانچہ اسی مقصد کے تحت ملک کے طول وعرض میں مدارس کا ایک جال بچھا دیا گیا، جن سے بحمداللہ امت اسلامیہ کو زندگی کی ایک نئی قسط ملی، اوران مدارس کے علماء وفضلاء نے نہ صرف ہندوستان کی علمی و دینی رہبری کا فریضہ انجام دیا بلکہ اپنے نفَس گرم سے ایک مدت تک پورے عالم اسلام کو پُرشور رکھا۔

رفتار زمانہ کے ساتھ دنیا کا منظر نامہ بھی تیزی سے بدلتا رہا ہے، موجودہ دور علوم وفنون

کی ترقی کا نقطہ عروج ہے، لیکن بدقسمتی سے مذہب بیزار یورپ کی سرپرستی میں ترقی کرنے والے علوم وفنون انسانیت کے لئے ایک طرف بہت مفید اور کارآمد ہیں تو دوسری طرف ان کی ہلاکت خیزیاں اور فتنہ سامانیاں بھی کچھ کم نہیں، صنعتی ترقیاں ہوں یا الکٹرانک میڈیا کے بڑھتے اثرات، اطلاعاتی ومواصلاتی نظام ہو یا کمپیوٹر وانٹرنیٹ کے نت نئے کرشمے، کلوننگ اور بایوٹکنالوجی کی دھماکہ خیز دریافت ہو یا معاشرتی وسماجی اصلاحات کے نام پر طرح طرح کے پروپگنڈے، سب یورپ کے زیراثر مذہبی اخلاقی اور انسانی اعتبار سے گویا قرآنی زبان میں

﴿فيهما إثم كبير و منافع للناس و إثمهما أكبر من نفعهما﴾ ۔

ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کو فائدے بھی ہیں اور گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔

کی تصویر پیش کرتے ہیں۔

ایسے نازک ترین دور میں دوراندیش اور روشن ضمیر علماء نے مدارس اسلامیہ کے ساتھ ساتھ علمی وتحقیقاتی مراکز قائم کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت اور علمی ودینی واصلاحی فریضہ سمجھا، جہاں سے اسلام کا وہ صاف ستھرا اور صالح وپاکیزہ علم پیش کیا جائے جو انسانیت کی ترقی اور دنیوی واخروی سعادت کا ضامن ہے، اور ''تہذیب''، ''روشن خیالی'' کے نام پر عام کی جانے والی جہالت وتاریکی اور بے حیائی وبدتہذیبی کے عمیق غار میں گرنے سے پوری نوع انسانی کو بچانے کا فرض ادا کیا جائے۔

اس اہم اور عظیم الشان مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے ہندوستان کے مشہور عالم دین، محدث جلیل، محقق عصر حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری (بانی وسرپرست جامعہ اسلامیہ مظفرپور اعظم گڑھ) نے اپنے قائم کردہ عظیم اسلامی دانش کدہ اور ملک کی مشہور درسگاہ

جامعہ اسلامیہ کے کیمپس میں ایک با مقصد علمی و تحقیقی عظیم الشان مرکز قائم فرمایا، اور چونکہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہ کی ذات گرامی نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں اشاعت علم وادب اور تبلیغ دین کی ایک تابناک اور روشن مثال تھی اور حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب آپ کے نہ صرف خاص شاگرد و مسترشد اور فیض یافتہ ہیں بلکہ حضرت کو آپ سے ہمیشہ ایک خصوصی لگاؤ اور خاص تعلق رہا، حضرت مفکر اسلام نے ان کو بطور خاص حدیث شریف سے خصوصی اشتغال رکھنے پر مامور فرمایا تھا، اس سلسلے میں انہوں نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں دوبارہ بخاری شریف پڑھنے اور خصوصی استفادہ کرنے کے لئے بھیجا تھا، اس کا نتیجہ ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کی حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی صاحب پر خصوصی نظر ہوگئی اور مولانا کو بھی حضرت سے خصوصی تعلق پیدا ہوگیا، چنانچہ حضرت شیخؒ نے "بذل المجهود شرح سنن أبي داود" پر کام کرنے اور ''بذل'' اور دیگر کتابوں کی طباعت وخدمت کے لئے ان کا خصوصیت سے انتخاب فرمایا، اور مولانا نے بھی ہندوستان میں ندوۃ العلماء اور دیگر مدارس میں حدیث شریف کی اونچی کتابوں کا درس دیا، اور اس موضوع پر ان کے قلم سے کئی کتابیں شائع ہوکر مقبول ہوئیں، اور ہندوستان سے باہر عرب ممالک میں بھی جاکر ان کا یہی مشغلہ رہا، العین یونیورسٹی میں سالوں حدیث کا درس دیا، اور اس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف فرماتے رہے، اور اس فن پر تحقیق اور تعلیق کا سلسلہ قائم رہا، اور اب بھی الحمدللہ یہ سلسلہ جاری ہے، اور ان میں سے بعض کتابیں ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوئیں، جن میں "الإمام البخاري" کے سولہ ہزار سے زیادہ نسخے شائع ہوکر عالم عرب میں پھیل چکے ہیں، اور حضرت مولانا عبدالحئ صاحب لکھنوی کی سب سے اہم کتاب موطأ کی شرح ''التعليق الممجد'' جو مولانا کی تحقیق سے تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور اس کے تین ایڈیشن نکل چکے ہیں اور چوتھے کی تیاری

جاری ہے،اوراسی طرح کتاب "أوجز المسالك" جوان کی تحقیق سے اٹھارہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے پورے عرب ممالک میں تیزی سے پھیل رہی ہے،اپنے اس خصوصی ذوق کی بناپر جوان کوحضرت شیخ الحدیث صاحب کی شاگردی وتعلق کی بنا پرحاصل ہوا انہوں نے اس مرکز کو خصوصیت سے اس موضوع پر کام کرنے کے لئے قائم کیا، تاکہ ہمارے علماء کی کتابیں تحقیق وتعلیق کے بعد دنیائے عرب میں شائع کی جائیں ،اور یہ سب حضرت مفکر اسلام کی تربیت و رہنمائی اورخصوصی تعلق کا فیض تھا،اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری نے جب اعظم گڑھ میں اپنا عظیم ومشہور ادارہ ''جامعہ اسلامیہ'' قائم فرمایا تو حضرت مفکراسلام نے دس سال کی مدت میں دس مرتبہ اپنی تشریف آوری سے اس جامعہ کوشرف بخشا،اور جامعہ کی فضاؤں میں نورانیت وروحانیت اورعلم ودین کے وہ اثرات چھوڑ گئے جن کی خوشبو سے آج بھی جامعہ کا ذرہ ذرہ مشکبار ہے،مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی انہی یادوں اورنقوش کو جاودانی عطا کرنے کے لئے حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی نے اس عظیم الشان مرکز کوآپ کے اسم گرامی سے منسوب کیا۔

حضرت بانیٔ محترم اس اہم مرکز کے قیام کے پس منظراوراس کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی جوشفقت اس ناچیز پر رہی ہے اس کا تقاضہ تھا کہ ان کی یادگار جامعہ اسلامیہ میں قائم کی جائے ،حضرت والاؒ اس جامعہ میں تقریباً دس مرتبہ تشریف لا چکے ہیں اورکبھی کبھی چندروز قیام فرمایا ہے،اسی طرح ان کے قائم مقام حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ مع محترم مولانا واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ اور رفقاء کے بار بارتشریف لاتے رہے ہیں، اس بنا پر یہ ضروری سمجھا گیا کہ ان کے نام نامی کے ساتھ یہ مرکز منسوب کیا جائے۔

یہ مرکز جو جامعہ اسلامیہ کے تحت قائم کیا گیا ہے اس میں صرف ایک اچھے کتب خانہ کا قیام ہی پیش نظر نہیں ہے بلکہ علمی و تحقیقی کام کرنا مقصود ہے، خصوصیت کے ساتھ جس کا تعلق علوم حدیث سے ہے، اس مرکز کے مقاصد حسب ذیل تجویز کئے گئے ہیں:

(۱) ایک عظیم الشان علمی، تاریخی، ادبی اور ثقافتی مکتبے کا قیام۔

(۲) علماء ہند کی علوم حدیث پر وہ کتابیں جو اب تک عالم عرب میں نئے اسلوب و فہارس کے ساتھ نہیں آسکی ہیں ان کو تیار کرنا اور اس قابل بنانا کہ عرب ممالک میں جدید علمی و تحقیقی معیار پر شائع کرائی جاسکیں۔

(۳) اس عظیم کام کے لئے ان علماء و مراکز سے تعاون حاصل کرنا بھی پیش نظر ہے جن سے بسہولت ہمارے اس کام میں مدد مل سکے اور ان کو ان کے کام کی مناسبت سے مکافاۃ بھی دی جائے گی۔

(۴) بہت سی اہم کتابیں جو علوم حدیث یا دیگر علوم اسلامیہ پر لکھی گئی ہیں ان کا اردو میں ترجمہ کرانا یا جو کتابیں ہندوستانی علماء نے تصنیف کی ہیں ان کو عربی میں منتقل کرانا بھی پیش نظر ہے، بشرطیکہ ایسے افراد مل سکیں جو اس کام کو بخوبی انجام دے سکیں۔

(۵) علماء و باحثین سے روابط پیدا کرنا اور ان سے استفادہ کی راہ ہموار کرنا''۔

ماشاءاللہ مرکز کی پُرشکوہ بلند و بالا جلیل و جمیل تین منزلہ شاندار بیضوی عمارت تیار ہوچکی ہے، تقریباً پینتیس ہزار کتابیں اس مرکز میں باحثین و محققین اور استفادہ کرنے والوں کے لئے دستیاب ہیں، اور بہت جلد بانیٔ محترم کا دیرینہ خواب ''لاکھوں کتابوں پر مشتمل کتب خانہ'' شرمندۂ تعبیر ہونے والا ہے، مرکز کے آئندہ پروگرام اور سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے بجا طور پر امید کی جارہی ہے کہ مستقبل میں یہ مرکز نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کے اہم اور ممتاز مراکز میں شمار کیا جائے گا، وماذلك على الله بعزيز۔

مرکز کے مختلف شعبے

(۱) مرکزی کتب خانہ:

اس وقت اس عظیم کتب خانے میں پینتیس ہزار سے زائد کتابیں دستیاب ہیں، جو تشنگان علم اور واردان بساط تحقیق کے لئے ایک قیمتی ذخیرہ اور بیش بہا سرمایہ ہے، مستقبل قریب میں لاکھ سے متجاوز کتابیں اس کتب خانہ میں جمع کرنے کا ارادہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل فرمائیں

(۲) کمپیوٹر و انٹرنیٹ سنٹر:

طلبہ جامعہ اسلامیہ کو کمپیوٹر سے واقف کرانے کے ساتھ ساتھ اس شعبہ کا اہم مقصد اسلام کے خلاف عام کئے جانے والے بے بنیاد پروپگنڈے اور غلط تصورات کا مثبت، علمی اور ٹھوس جواب دینا اور اسلام کے رخ روشن سے دنیا کو واقف کرانا ہے۔

(۳) شعبہ مخطوطات:

اس شعبہ کا مقصد نادر مخطوطات کو جمع کرنا اور مفید مخطوطات کی اعلی معیاری تحقیق کر کے ان کو اشاعت کے قابل بنانا تاکہ علماء اسلام کی تحریروں سے موجودہ دنیا فائدہ اٹھا سکے۔

(۴) مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ میوزیم: (گوشہ مفکر اسلام)

اس میوزیم میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ سے متعلق تمام دستاویزی معلومات اکٹھا کرنا اور حضرت کی تصنیفات، تحریکات اور خیالات سے آئندہ نسلوں کو روشناس کرانا مقصود ہے، حضرت کے متعلق یہ ایک جامع میوزیم ہوگا جہاں سے حضرت مولانا سے متعلق ہر طرح کی معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

(۵) شعبہ بحث و تحقیق:

اس شعبہ کا مقصد ملک کی مشہور اعلیٰ دانشگاہوں کے فضلاء کے ذریعہ علوم اسلامیہ خصوصاً فن حدیث سے متعلق اعلیٰ معیاری بحث و تحقیق کا نمونہ قائم کرنا اور عملی طور پر ہندوستانی فضلاء کے علوم کی تحقیق کر کے ان کو اس قابل بنانا کہ جدید علمی و تحقیقی معیار پر ان کو شائع کرایا جاسکے۔

حضرت شیخ الحدیث

نقوش وتأثرات

حضرت شیخ الحدیثؒ اور عامۃ المسلمین

جناب مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی
معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرت شیخ الحدیثؒ پر جو سیمینار جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں منعقد ہو رہا ہے، اس میں حصہ لینے والے وہ علماء اور فضلاء ہیں جنہوں نے حضرت شیخ سے اپنی استعداد کے مطابق فیض اٹھایا ہے، اور حق ہے کہ وہ علماء و مشائخ اپنے مطالعہ و تأثرات کی روشنی میں حضرت شیخ جیسی نابغۂ روزگار شخصیت کا ذکر کریں جنہوں نے حضرتؒ سے براہ راست کسب فیض کیا ہے۔

مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب نے اس خاکسار راقم الحروف کو بھی دعوت دی کہ حضرت شیخ سے متعلق کسی عنوان پر اپنی عقیدت مندیوں کا خراج پیش کرے، مجھے یہ بات ذرا بے ادبی کی معلوم ہوئی کہ حضرت شیخ کی کسی کتاب پر نئے سرے سے نظر ڈال کر کچھ لکھوں، دوسری طرف اپنی تنگ دامنی بھی پیش نظر ہے کہ نہ میں حضرت شیخ کا مرید نہ مسترشد، نہ صحبت اٹھانے کی توفیق مجھے حاصل ہوئی، اور نہ کسی خدمت کی سعادت سے بہرہ مند ہوا، لیکن آفتاب و ماہتاب سے آنکھ بھی نہیں بند کی جا سکتی، ''بقدر ظرف بصارت'' فیضان نظر میں ہر انسان دن کا اجالا دیکھ لیتا ہے، اور راتوں کو تاروں کی چمک اور چاند کی دمک سے اپنی آنکھیں نہیں بند کر سکتا۔

میں نے اپنے مضمون کا عنوان ''حضرت شیخ الحدیث اور عامۃ المسلمین'' رکھا ہے کہ شیخ

کے معاملہ میں میری حیثیت ایک عام مسلمان کی ہے اور میرے حال پر حضرت شیخ کا کرم صرف اسی نسبت دینی کی بنا پر تھا، مجھے یاد ہے کہ پہلی بار جب میں حجاز جارہا تھا تو حضرت مخدوم ومربی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کی تعمیل میں سہارن پور گیا، مسجد میں جا کر سامان رکھا، حضرت شیخ ظہر کی نماز کے بعد جب مسجد سے نکلے تو کسی نے اطلاع کر دی کہ ندوہ کا ایک مدرس نیچے درجوں میں ابتدائی کتابیں پڑھانے والا نوعمر حجاز جارہا ہے، وہ حضرتؒ کی خدمت میں حاضری دینے آیا ہے، حضرت شیخ اس وقت خود سے استادہ ہو کر چلتے تھے، معانقہ فرمایا، اور ایک صاحب مجھے حضرتؒ کی خانقاہ خاص میں لے گئے، دسترخوان پر پچیس تیس حضرات بیٹھے تھے، میں نے عرض کیا کہ میں روزہ سے ہوں، وہاں سے اٹھ آنے کی اجازت مل گئی اور مسجد کے اس دالان کے باہر جہاں اور مہمان تھے لیٹنے کی جگہ ملی، افطار کے وقت میں سوچ رہا تھا کہ وضوخانے کے کسی لوٹے سے پانی لے کر افطار کرلوں گا اور نماز بعد کسی چائے خانہ میں مکمل افطاری ہو جائے گی، اتنے میں مجھے ایک صاحب اوپر لے گئے، وہاں کھجور، زمزم، اور کچھ افطار کے سامان، پھل، چائے سب موجود پایا، عامۃ المسلمین پر یہ شفقت اور مہمانوں کی یہ میزبانی حضرت شیخ کا معمول تھا، لیکن میرے لئے اس قدر اہتمام ایک نئی چیز تھی، اس کے بعد متعدد بار حضرت شیخ اور حضرت رائے پوریؒ کی مجلسوں میں حاضری دی، ہمارے مخدوم ومربی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس اللہ سرہ اپنے شاگردوں اور نیازمندوں سے اس بات کی خواہش رکھتے تھے کہ حضرت شیخ کی مجلس میں زیادہ سے زیادہ حاضری دیں، اور جو طالب علم اس طرف مائل ہوتا تھا اس کے کام کو ہمارے حضرتؒ محبت ومزید شفقت کے ساتھ دیکھتے، حضرت شیخ کی مجلس میں بار بار حاضری ہوئی، ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں بھائی سعدی مرحوم کے مکان پر تشریف فرما تھے، پائنتی اور سامنے کے فرش پر تیس چالیس نفر بیٹھے ہوں گے، مجھے خیال ہوا کہ شیخ ابھی مدینہ سے آرہے ہیں تکان ہوگی اور حاضری کی زیادہ کثرت وہ بھی بلاوجہ شاید طبیعت پر گراں

گذرے، پھر اپنے آپ کو سمجھایا کہ ہماری حاضری اس وقت اور اس سے پہلے جوان بزرگوں کی خدمت میں ہوتی ہے وہ کسی دنیاوی غرض سے نہیں ہوتی اور نہ میں جسمانی قرب کو روحانی کرنٹ سمجھتا ہوں اور نہ ان کے تعلق کو دکھا کر دوسروں کو کچھ جتانا مقصود ہوتا ہے، دو چار منٹ بیٹھ لئے صرف اس لئے کہ اس بات پر یقین ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں دو چار لمحے بھی کبھی زندگی کا حاصل بن جاتے ہیں، میں سر جھکائے اسی طرح کا ایک مراقبہ کئے ہوئے تھا کہ اتنے بڑے مجمع میں شیخ نے اپنے گوشہ چشم سے نہیں بلکہ پوری طرح سے آنکھ کھول کر مجھے دیکھا اور مجھ پر ایک رعب چھا گیا، ایک سراپائے جلال و جمال سامنے آ گیا، بعد میں میں نے حضرت شیخ کے خلیفہ ملک عبدالحفیظ صاحب سے پوچھا کہ یہ کیا بات تھی، حضرت شیخ نے اس طریقہ سے دیکھا، مولوی عبدالحفیظ صاحب نے کہا کہ حضرت کو تمہارے تصور (یا مراقبہ) پر انتباہ ہوا اور انہوں نے تم پر توجہ کی نظر ڈالی، یہ سن کر میں لرز سا گیا لیکن حضرت شیخ کی عظمت دل و دماغ پر چھا گئی، میں نے دل میں کہا کہ نظر اس کیمیا پر اثر انداز ہوتی ہے جس کے اندر استعداد قبولیت ہو، بہر حال مجھے آج بھی یہ منظر یاد آ جاتا ہے اور حسرت موہانی مرحوم کا یہ شعر پڑھتا ہوں ؎

عہد اک عمر فراغت سے بھی خوش تر گذرا
وہ جو لمحہ تیری یاد کا مجھ پر گذرا

اس کے بعد حضرت شیخ کی خدمت میں بارہا حاضری کا موقع ملتا رہا، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان اپنی گاڑی پر ان کا ڈرائیور بن کر بھی چلا، ان کے دستر خوان پر کبھی ایک کباب کا ٹکڑا یا کبھی ایک بوٹی جو نامزد کر کے عطا ہوئیں اس سے سرفراز ہوا ہوں، ایک مرتبہ حرم شریف میں میں نے آ کر عرض کیا کہ حضرت مولانا علی میاںؒ (اس وقت کے مدظلہ) مدینہ منورہ تشریف لا چکے ہیں، غالباً مدینہ یونیورسٹی کی دعوت پر، حضرت اس وقت بھائی سعدی مرحوم کے خسر کے انتقال کے بعد بطور تعزیت کے مکہ مکرمہ آئے تھے اور خدام سے معلوم ہوا کہ دو ہفتہ قیام ہے، مگر جب شیخ

نے یہ سنا کہ علی میاں (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ) مدینہ آچکے ہیں تو فرمایا کہ میں صبح مدینہ جاؤں گا، اپنے خدام سے فرمایا کہ میں تو رہتا مگر علی میاں مدینہ آئے ہیں اور تنہا ہیں، اس لئے اب جانا ہی پڑے گا، بڑوں کی بات بڑے جانیں، ''علی میاں تنہا ہیں'' اس کا کیا مطلب تھا؟ جب کہ مدینہ بھرا ہوا ہو، حرم شریف اسی طرح پُرنور اور صلوٰۃ وسلام کی ہر لمحہ بارش اور خود مولانا کی خدمت میں ایک نہیں کئی خادم موجود، ادھر مدینہ یونیورسٹی کے اساتذہ کا آنا جانا، شیخ بن باز بھی ہر دوسرے تیسرے روز مولانا کی قیام گاہ شیخ محمد نورولی کے باغ میں تشریف لایا کرتے تھے، سمجھ میں نہیں آیا کہ حضرت شیخ نے کس طرح فرمایا کہ علی میاں اکیلے ہیں، جیسا کہ عرض کیا بڑوں کی باتیں بڑی ہوتی ہیں اور گہری بھی ہوتی ہیں اور اس کے معانی بھی وسیع ہوتے ہیں۔

اسی زمانے میں حضرت شیخ کے اقامہ اور آپ کے ساتھ خدام کے قیام کی اجازت حاصل کرنے کا مسئلہ تھا، اس میں اصل نفوذ و رسوخ تو بھائی سعدی مرحوم کا تھا جو ایک بڑے عہدے دار (کاتب العدل) تھے، اللہ نے وجاہت کے ساتھ اخلاق بھی عطا کیا تھا اور شیخ کی رشتہ داری اور عقیدت دونوں حاصل تھی، اسی طرح ان کے چچازاد بھائی مولانا محمد شمیمؒ خدمت و انتظام میں سربلند تھے، کچھ ادھر ادھر کاغذ پہونچانے کی سعادت اور لوگوں کو بھی حاصل ہوجایا کرتی تھی، اسی زمانہ میں حضرت شیخ کے ایک خلیفہ مولانا متالا یا ان کے کسی ساتھی کا مسئلہ تھا وہ لوگ صلاۃ الحاجۃ پڑھ رہے تھے کہ حضرت شیخ گھر واپس جانے کا حکم نہ دیں تاکہ ان کی خدمت میں رہنے کا موقع مل جائے اور شیخ فرما رہے تھے کہ اس کی شادی ہوچکی ہے اگر یہ اپنے گھر سے دور رہا تو اس کی عورت مجھے کوسے گی، اس قدر نزاکت سے اپنے خدام کا خیال ایک شیخ وقت کو جو اپنی پیرانہ سالی کے دن پورے کررہا ہو بڑی حساسیت کی بات ہے، دراصل ہر ایک کی خبر گیری اور ضرورت کو پورا کرنے کی فکر حضرت شیخ کا خاصہ تھا، مجھے ایک ضرورت پڑی، میرے بڑے بھائی مرحوم مولانا شاہ محمد نعمت امام صاحبؒ سابق مشرقی پاکستان میں پھنس گئے تھے، آنے کا راستہ نہیں اور زندہ

رہنے کا سہارا نہیں، میں کلکتہ تک گیا کہ کسی طرح سے ان کو کمک پہونچاؤں لیکن نا کام رہا، اتفاقاً حضرت شیخ کی خدمت میں اپنی پریشانی کا ذکر کر دیا، حضرت نے وہ اہتمام کیا اور وہ فکر کی کہ آج بھی اس کو سوچ کر شرمندہ ہو جاتا ہوں، وہاں جو خدام تھے ان کو لکھا، ایک نے دوسرے کو خبر دی یہاں تک کہ ایک صاحب سفر کر کے اس گاؤں تک پہونچے جہاں میرے بھائی مرحوم مقیم تھے، اور بعد نماز عصر مسجد میں ملے اور بتایا کہ آپ کے لئے پورے اس علاقے میں ہم لوگ چھان مار رہے ہیں کہ حضرت شیخ کو آپ کی خیریت مطلوب ہے، چنانچہ ان کے قلم سے ایک تحریر لکھا کر حضرت کو مدینہ منورہ بھیجی اور وہاں سے حضرت نے میرے پاس وہ خط بھیج دیا، حضرت شیخ کے کوئی خاص مرید و مسترشد نہ ہونے کے باوجود عامۃ المسلمین میں شمار کئے جانے کی بنا پر اتنا تعلق تھا۔

یوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ کو جو علمی اور روحانی مرتبہ عطا فرمایا تھا وہ اللہ جانتا ہے یا خود شیخ جانتے ہوں گے، مگر زبان خلق نے ہمیشہ ان کو اپنے علم و تصور کے مطابق آسمانی فرشتہ سمجھا، آپ کسی مجلس میں رونق افروز ہوں تو رونق افروز ہونا کوئی مجازی بات نہیں تھی، بلکہ واقعی دور دور تک ایک محبت، اور مرعوبیت کی فضا چھائی رہتی، بلکہ صحیح معنوں میں محسوس ہوتا تھا کہ مجلس انوار رحمت الٰہی سے بھرپور ہے، شیخ کی بڑی بڑی آنکھیں، بلند پیشانی، طویل قامت، بھرا ہوا جسم دیکھ کر کوئی غیر مسلم بھی مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہتا، میں نے حضرت کو ایسی مجلس میں بھی دیکھا جب آپ کو دوران سر کی شکایت تھی اور ایک سو چار ڈگری بخار اور ادھر پچاسوں آدمی دسترخوان پر اور حضرت شیخ ان سب کو اس طرح کھلا رہے ہیں جیسے گھر کا بڑا اپنے چھوٹے بچوں اور عزیزوں کو منہ میں لقمہ دے، اور کسی کے منہ میں واقعی لقمہ خود سے عطا فرماتے، اور یہی نہیں بلکہ ہنسنے ہنسانے کی بات، چٹکلے بھی بیان فرماتے یعنی چہرے پر شکن نہ رہے، ''عبوسا قمطریرا'' ہونے کو یہ لوگ زہد کی علامت نہیں سمجھتے، ہم تو اپنے ظاہری لقموں کو دیکھنے والے ہیں جن لوگوں نے حضرت شیخ سے روحانی اور باطنی فیوض حاصل کئے ان کے نزدیک یہ باتیں بہت معمولی اور روزمرہ کی ہیں مگر

میرے لئے یہ روزمرہ کی باتیں بھی بلند اور معنی خیز تھیں، ایک مرتبہ حضرت شیخ ہندوستان میں تھے اور مدینہ جانے کا پروگرام بن رہا تھا، اس وقت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو کوئی دعوت مدینہ آنے کی نہیں ملی تھی مگر حضرت شیخ الحدیثؒ کی روانگی سے ایک روز پہلے مدینہ یونیورسٹی سے دعوت نامہ اور سفارت خانہ سے ویزا اور ٹکٹ پہونچنے کی اطلاع ملی اور حضرت شیخؒ کے ساتھ حضرت مولاناؒ بھی شریک سفر ہو گئے جس کی شیخ کو بے انتہا خوشی تھی اور خط میں لکھا کہ مجھے ڈر تھا کہ مجھے تنہا جانا پڑے گا، آپ کی معیت سے ڈھارس بندھی اور وہاں کی حاضری آسان ہو گئی، بعد میں ایک مختصر نشست کے دوران حضرت شیخ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے علی میاں کو بلانے کا انتظام کر ہی لیا، میں نے عرض کیا حضرت میرا اس میں کوئی دخل نہیں تھا یہ دعوت نامہ تو حکومت کی طرف سے آیا تھا اور ٹکٹ بھی۔ فرمایا: آخر تم نے بھی کچھ کوشش کی ہوگی میں نے عرض کیا نہیں حضرت! مجھے پتہ بھی نہ تھا یہ تو حضرت کی کرامت تھی کہ اچانک ایسی صورت بن گئی، اس پر حضرت شیخ کے لبوں پر ہلکا سا تبسم آ گیا، جن حضرات نے حضرت شیخؒ اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ پر مقالہ لکھا ہے ان کو اس طرح کی تفصیلات معلوم ہوں گی، یوں حضرت شیخ کی شفقت کے مظاہر بہت دیکھے جن کو ان صاحب نے قلم بند کیا ہوگا جو اس عنوان پر لکھ رہے ہیں، مجھے تو صرف یہ دکھانا تھا کہ حضرت شیخ کی شفقت بے انتہا، ان کے مریدین باصفا اور خلفائے اتقیاء اور مجازین کرام کے ساتھ کیا ہوگی، یہ تو وہ لوگ جانیں، میں ایک ادنیٰ درجہ کا، وہ بھی نام نہاد مسلمان جو دیکھ سکا اس کے لئے میرا عنوان ''حضرت شیخ اور عامۃ المسلمین'' کی حد تک محدود ہے، جب عامۃ المسلمین کے ساتھ یہ برتاؤ اور یہ محبت اور یہ حسن سلوک تھا تو جو لوگ منجملہ خاصان میخانہ ہیں ان کی معرفت وقدردانی کا اندازہ نہ کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کو شمار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی تولا جا سکتا ہے، اللہ کی رحمتیں ہوں اللہ کے ان تمام بندوں پر جن کے نام سے دین کی آبرو قائم ہے اور جنہوں نے ہزاروں کے اندھیرے دلوں میں چمک اور روشنی عطا کی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

حضرت مولانا یوسف صاحب متالہ

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

حضرت مولانا تقی الدین ندوی مدظلہم العالی کی طرف سے سیمینار میں شرکت کی دعوت یا مقالہ کا حکم پہنچا، میں نے ساتھی سے کہا کہ ذرا قلم کاغذ مجھے دو، میں عمر رفتہ کو آواز دے کر دماغ کے خفیہ خانوں میں جوتیس چالیس سال پہلے کی یادداشتیں بچی کچھی رہ گئی ہوں گی اس کو جمع کر کے اس حکم کی تعمیل کی کوشش کرتا ہوں لیکن لرزتے ہاتھوں جب قلم تھامنے کی کوشش کی، مشکل سے ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑا تو اب ہاتھ کے بجائے بادشاہِ جسم، دل نے اندرون میں پھڑکنا شروع کیا ؂

دھڑکتا ہے دلِ زار تیرے ذکر سے پہلے جب بھی کسی محفل میں تیری بات چلی ہے

اور یہ اس لئے کہ سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ پر کچھ لکھنے کے لئے قلم اٹھانا اور خامہ فرسائی کرنا ہرکس وناکس، ایرے غیرے کا کام اور اس کے بس کی بات تھوڑی ہے۔

جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ کے یہاں عصر کی نماز کے بعد جامعہ کے سبزہ زار میں مجلس لگتی تھی، علماء، مشائخ، طلبہ اور متدین حضرات اس وقت حاضرِ مجلس ہوا کرتے تھے جس میں، علمی، سیاسی، دینی گفتگو رہا کرتی

تھی، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کا بیان ہے کہ ایک روز اس مجلس میں پیشگی اطلاع کے بغیر اچانک دو تین مہمان پہنچے جو شیروانی، اونچی ٹوپی، باوقار لباس میں ملبوس تھے، ایک صاحب نے اپنا تعارف کرایا کہ مجھے فلاں کہتے ہیں اور یہ صاحب جامعہ کراچی کے فلاں شعبہ کے انچارج ہیں اور یہ فلاں پروفیسر صاحب ہیں، ہم لوگوں کی حاضری کا مقصد یہ ہے کہ ہم لوگ حضرت مولانا محمد انور کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات جمع کر کے ایک کتاب تصنیف کر رہے ہیں۔ کہاں تو ان کا پرتپاک استقبال کیا گیا، اب یہ فقرہ اور حاضری کا مقصد سنتے ہی حضرت بنوری کی حالت دگرگوں ہوگئی اور ان کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمانے لگے ''یہ منہ اور مسور کی دال'' یہ میرے حضرت کے حالات لکھیں گے؟ روئے زمین پر محدث کشمیری پر قلم اٹھا سکتا ہے تو وہ صرف محمد یوسف بنوری ہے۔

سرسری نظر رکھنے والا، کم فہم، خشک ناقد تو اس جگہ بنوری پر بد اخلاقی، بے مروتی، اکرام ضیف کی مخالفت وغیرہ کے کیسے کیسے طعنے دے گا مگر جو بصیرت رکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اس قدر زوردار طریقے سے اپنے شاگردوں، تلامذہ کی طرح انہیں ڈانٹنے میں مصلحت تھی اور یہی اس وقت کی ضرورت تھی تا کہ ان کے دل سے اس کام کی آرزو ختم ہو جائے۔ اس لئے کہ محدث کشمیری پر قلم اٹھانے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کی شرح بخاری، ان کی تصانیف، ان کے علوم، ان کے عربی قصائد کو کم از کم سمجھ سکتا ہو، ورنہ ناسمجھی میں وہ کیا سے کیا لکھ دے گا۔

بہتیرے حضرات ہمارے حضرت شیخ قدس سرہ سے کسی موضوع پر کچھ لکھنے کے سلسلے میں یا کسی موضوع پر تصنیف کے بارے میں مشورہ طلب کرتے تو حضرت شیخ ان کے مبلغ علم کے مدنظر انہیں مشورہ دیتے کہ آپ اس کا ارادہ نہ فرمائیں، ان کے مناسب حال کسی اور کام کا انہیں مشورہ دیا جاتا۔

یہی حال اس سیمینار میں پیش آنے والے مقالے پر قلم اٹھانے والے کا ہے کہ حضرت

کے علوم کی ہمالیہ کی چوٹی سر کرنے کا چیلنج کون دے سکتا ہے؟ اور حضرت کی شروحِ حدیث کا بحر ناپید کنار عبور کرنے کی استطاعت اور صلاحیت کس میں ہے؟ جس کی حضرت کی تمام تصانیف پر نظر ہو، جن سینکڑوں ہزاروں مراجع سے حضرت نے اپنی تصانیف میں استفادہ کیا ہے وہ اسے میسر ہوں۔

جیسا کہ ایک مرتبہ پروفیسر نظامی صاحب مرحوم نے مجھے اپنے صاحبزادہ ڈاکٹر فرحان نظامی کے گھر میں فرمایا کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ پر لکھنے کے لئے عرصہ سے میرا ارادہ ہے اور کئی سال سے میں مواد جمع کر رہا تھا، پانچ میٹر لمبی اور پانچ میٹر اونچی دیوار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہاں سے وہاں تک الماریاں حضرت سے متعلقہ موضوع پر میرے یہاں بھری ہوئی ہیں، اب جلدی جا کر میں اس کام کو شروع کرتا ہوں۔ کاش کہ ان کا ارادہ عملی جامہ پہنتا اور مشائخ چشت پر ان کی یادگار تصنیف کی طرح حضرت شیخ پر یہ ان کی یادگار تصنیف ہوتی، مگر اب تو وہ اللہ کے پیارے ہوگئے۔ قدر اللہ ما شاء۔

حضرت شیخ پر قلم اٹھانے والے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں میں جو ارشاد و ہدایت سے متعلق ہوتے ہیں ان کا درجہ و منصب کیا ہے اور جو تکوینی امور سے حضرت خضر کی طرح اس راہ کے اسرار و رموز کی واقفیت رکھتے ہوں، ان حضرات کے حالات و مقامات کی پہلے تحقیق و جستجو کر چکا ہو، تاکہ کسی مقام پر یا حضرت سے متعلقہ کسی قصہ پر پہنچ کر یہ نہ کہہ دے: کہ ایسا کیوں ہوا ہوگا۔

[اس پر مجھے ایک قصہ یاد آیا کہ زکریا مسجد بولٹن جس میں انگلینڈ آمد کے بعد ابتدائی دور میں چند سال میں نے امامت کی تھی ایک مرتبہ اس میں آتش زنی کا سانحہ پیش آ گیا چند ماہ بعد جب وہ مجرم پکڑے گئے تو میں نے حضرت شیخ کو عریضہ لکھا جس میں اطمینان و مسرت کا اظہار تھا کہ مجرم گرفتار کر لئے گئے مگر اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا کہ تم نے لکھا کہ مسجد والے

قصہ کے دو مجرم پکڑے گئے، مجرموں کا پکڑا جانا موجب خیر تو ضرور ہے، اللہ کا شکر ہے لیکن موجب مسرت نہیں۔ ایسے امور بہت باریک ہوتے ہیں، ایسی چیزوں پر مسرت ہونا اپنے لئے خطرناک ہوتا ہے۔

حضرت شیخؒ اور ان کے خلفاء نامی کتاب کی جمع وتصنیف کے وقت میں نے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب کو حضرت شیخؒ کا یہ مکتوب گرامی سنایا تو ان پر حال طاری ہو گیا اور چشمہ اور قلم ہاتھ میں لے کر اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوئے جوش میں یہ کہتے ہوئے: کہ یہ بات قطب ہی کہہ سکتا ہے، یہ بات قطب ہی کہہ سکتا ہے۔

جیسا کہ کتاب شرح وقایہ کے میرے استاذ مولانا ہاشم بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ دہلی میں ایک مرتبہ جلسہ ہو رہا تھا، اسٹیج پر دیگر مشائخ کے ساتھ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ جماعت تبلیغ بھی تشریف فرما تھے جب اسٹیج پر علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا گیا ؎

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر — روز محشر عذرہائے من پذیر
وگر بینی حسابم ناگزیر — از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

شعر سنتے ہی حضرت مولانا الیاس صاحب پر وجد طاری ہو گیا اسی حال میں گریہ ورقص کرتے رہے بعد میں فرمایا: یہ کلام کسی صاحب دل کا کلام معلوم ہوتا ہے۔

کاش اس کے روبرو نہ کریں مجھ کو حشر میں
کتنے مرے سوال ہیں جن کا نہیں جواب ہے

اسی طرح مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب پر بھی حضرت شیخؒ کے مکتوب گرامی کے ایک جملہ سے حال طاری ہو گیا۔ مجھ جیسوں کو تو یقیناً حضرت پر قلم اٹھانے کی جسارت نہیں کرنی چاہئے۔ یہ تو ان لوگوں کو زیبا ہے جنہوں نے سالہا سال سے حضرت کو قریب سے دیکھا ہو،

حضرت کا رنگ اختیار کیا ہو، اسی رنگ میں رنگیں ہوں اور انہیں حق ہے جو اگر چہ حضرت کی طرح حدیث کی شرح پچاس ہزار صفحات میں تو نہ لکھ سکیں اس کا عشر عشیر نہ سہی تو کم از کم حضرت کے انداز پر چند صفحات میں حدیث کی شرح کی ان میں صلاحیت ہوتا کہ یہ اس کی سند ہو کہ یہ حضرت کے کلام اور کتابوں کو سمجھے ہوئے ہیں۔ حضرت کے جیسا زہد کا کوئی شمہ اسے ملا ہو، ورنہ حضرت جیسا زہد، ترک دنیا، فانی نعمتوں سے بے رغبتی، آج کے مادی دور میں کون کرسکتا ہے؟ حضرت تو زہد اور ترک دنیا کے اس مقام پر تھے کہ حضرت کو دیکھ کر گمان ہوتا تھا کہ حق تعالیٰ کی قدرت نے قرن اول کے تارکین دنیا اور زہاد کی یادگار کے طور پر اس ایک ہستی کو اب تک باقی رکھ چھوڑا ہے۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ بخیل تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو دوسروں پر خرچ نہ کرسکے۔ دوسرے وہ جو اپنی ذات پر بھی خرچ نہ کرسکے۔ تیسرے وہ کہ کوئی دوسرا اس پر خرچ کرے تب بھی اسے تکلیف ہو، میں اس تیسری قسم میں ہوں کہ مجھے کوئی کچھ دیتا ہے یا میرے اوپر یا میرے لئے خرچ کرتا ہے اس سے بھی مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ مادیت کی دوڑ کے اس دور میں جہاں ہر ایک دوسرے سے زیادہ دولت بنانے کی فکر میں ہے حضرت کے زہد کے واقعات، پڑھنے والوں کو ایک افسانہ اور گھڑی ہوئی حکایات معلوم ہوں گی۔

بخل کی تیسری قسم میں حضرت نے اپنے آپ کو شمار فرمایا اسے بھی کوئی تواضع، کسر نفسی سمجھے گا، مگر آنکھوں نے یہ دیکھا کہ ایک مرتبہ کسی نے رقم پیش کی، حضرت نے ایک بار، دوبار، سہ بار واپس فرمائی اس پر بھی وہ ہدیہ دینے پر مصر ہوئے تو لے کر حضرت نے جتنے اس نوٹ کے باریک ٹکڑے کئے جاسکتے تھے کر کے پھینک دیئے۔

صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے چچا جان کی موجودگی میں اچھا موقع سمجھ کر ایک پیکٹ پیش کیا کہ چچا جان کی وجہ سے حضرت انکار نہیں کرسکیں گے، جب انہوں نے وہ پیکٹ پیش کیا تو

حضرت نے دو تین مرتبہ انکار فرمایا وہ مصر رہے تو حضرت نے وہ پیکٹ پھاڑ کر پھینک دیا، جس پر مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت آہستہ آواز سے فرمایا ”اس طرح تاک مار کے کھانا ہمیں نہیں آیا“۔

کچے گھر میں جگہ جگہ پانی ٹپکتا تھا کئی ایک جگہ چھت کو گرنے سے روکنے کے لئے ستون کھڑے کئے گئے ، ایسے شکستہ مکان میں حضرت کے منتظم اعلی مولانا نصیر الدین صاحب نے معمولی مرمت کروائی کہ حضرت شیخ رائے پور کے سفر پر تھے پھر حضرت رائے پوری کو پرچہ لکھا کہ چندروز آپ حضرت شیخ کو وہاں روک لیجئے ، میں یہاں ان کی غیبت میں مکان کی مرمت کروا رہا ہوں۔ واپسی پر حضرت شیخ نے مکان کا یہ حال دیکھا تو اتنے ناراض ہوئے کہ تین دن تک کھانا نہیں کھایا۔

لباس میں زہد کا یہ حال تھا کہ بارہ سال تک پوری سردیاں ایک ہی پاجامہ استعمال فرماتے رہے۔ کھدر کا ایک کرتہ صحیح بخاری شریف کے درس میں اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ بارہ سال سے یہ میرے استعمال میں ہے۔ پندرہ سال تک ہر سردی میں ایک ہی سوئٹر حضرت پہنتے رہے ؎

دل کے تیرے دیوانوں کے پوشش ہے فراموش
پیراہن تن کیا، انہیں تن یاد نہ آیا

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ حضرت شیخ کے یہاں ایک مرتبہ تشریف لائے ، شیخ نے پھٹا ہوا کرتہ پہن رکھا تھا، حضرت مدنی نے کرتہ کی پھٹن میں ہاتھ ڈالا اور پھاڑتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ”بخیل سے کپڑے بھی خریدے نہیں جاتے“ زہد کے اسی ذوق کا کچھ حصہ بعض متوسلین کو بھی ملا، کہ عید الفطر کی صبح تھی، نماز فجر کے بعد غسل مسنون سے فارغ ہوکر میں کپڑے بدلنے لگا، حضرت کے معتکف کے نزدیک میرا بستر تھا، میرے بستر پر حضرت

مولانا عبدالمنان صاحب میواتی بیٹھے مراقب تھے، میں نے کپڑے پہن کر عطر کی شیشی نکال کر ان کی طرف بڑھائی، مگر میں نے دیکھا کہ اب بھی یکم رمضان والا جوڑا ہی ان کے بدن پر ہے تو میں نے کہا کہ آج عید کے دن بھی آپ نے اب تک کپڑے نہیں بدلے؟ وہ بولے میرا اندرون گندہ ہے کپڑے بدلنے اور عطر لگانے سے اسے کیا فائدہ ہوگا؟ یہ فرما کر جورونا شروع کیا ہے کہ اشعار پڑھتے جاتے اور روتے جاتے۔ کبھی معتکف کا پردہ ہٹا کر حضرت کو جھانکتے اور ہچکیاں لیتے، دوپہر کے کھانے پر ہم مشکل سے انہیں لے گئے، وہ حضرت شیخ کے عاشق زار تھے۔ مغرب کے بعد اور عشاء کے بعد جب مجلس ہوتی اور معتکف کا پردہ ہٹایا جاتا تو یہ شعر پڑھتے ؎

اس طرف سے پردہ اٹھا اور ادھر آگ لگی　　　برق چمکی تھی کدھر اور کدھر آگ لگی

کرتہ اور پائجامہ کی طرح عمامہ بھی جو حضرت استعمال فرماتے تھے وہ باقاعدہ بنا ہوا عمامہ یا کپڑے میں سے کاٹا ہوا نہیں ہوتا تھا بلکہ جو لنگی بہت پرانی ہو جاتی، لنگی کے طور پر قابل استعمال نہ رہتی، اسے عمامہ کے طور پر باندھتے تھے۔ جو حضرت پر اتنا سجتا تھا کہ بقول حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی کے: ''شیخ بڑے حسین وجمیل تھے''۔

حسن وجمال کے ساتھ اللہ تعالی نے خصوصی وجاہت بھی عطا فرمائی تھی، رنگ سرخ سفید، چہرہ گلاب کی طرح کھلتا ہوا، جسم گداز فربہی مائل، قد میانہ، جب عربی مشلہ پہن لیتے اور عمامہ باندھ لیتے تو ہزاروں میں ممتاز نظر آتے ؎

ہر وضع دل فریب، ہر رنگ دل پذیر
کیا بات ہے کسی کے تنِ جامہ زیب کی

سر میں تکلیف کی وجہ سے جب عمامہ متروک ہو گیا تھا جب بھی مخصوص ایام اور مبارک راتوں میں ایک خاص عمامہ سر کی زینت بنتا، جمعہ کے لئے جب حضرت مسجد تشریف لے جاتے تو ساتھ لے جایا جاتا، جب مسجد میں تشریف رکھتے تب سر پر رکھا جاتا تھا، یہ وہ مبارک عمامہ تھا جو

حضرت سہارنپوری قدس سرہ نے مدینہ طیبہ میں خلافت دیتے وقت اپنے مبارک ہاتھوں سے حضرت کے سر پر باندھا تھا اور انہیں پیچوں پر اسے سی لیا گیا تھا، اسے تبرکاً استعمال فرماتے تھے۔

حضرت شیخ کے برطانیہ کے دوسرے سفر میں ختم بخاری شریف کے جلسہ کے پہلے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ: میں چاہتا ہوں تجھے اور دورے کے طلبہ اور اساتذہ کو اپنی طرف سے دستار دوں۔ جب میں نے یہ خوش خبری مولانا اسلام الحق صاحب کو سنائی تو شاید اسی حضرت سہارنپوری کے عمامہ کے واقعہ کے مدنظر انہوں نے فرمایا کہ حضرت سے ایک درخواست اور کرو کہ ایک دو پیچ عمامہ کے حضرت کے دست مبارک سے ہو جائیں۔ حضرت کے ناز برداریوں نے یہ درخواست بھی پوری فرمائی، مولانا اسلام الحق صاحب نے بھی ان پیچوں پر عمامہ کو سی لیا تھا۔

حضرت شیخ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا کہ سر کی دو سنتیں ہیں بال اور عمامہ۔ والد صاحب کی طرف سے بال رکھنے کی ہمیشہ سے ممانعت اور پابندی رہی اس لئے عمر بھر کبھی بال نہیں رکھے۔ ہاں البتہ سر کی دوسری سنت عمامہ ساری عمر اس کا اہتمام رہا مگر جہاں بیماریوں نے اور بہت کچھ چھڑا دیا وہاں اس سنت سے بھی محرومی ہو گئی کہ سر میں اس قدر گرمی ہو جاتی ہے کہ ٹوپی رکھنا مشکل ہو جاتا ہے، مگر مشکل یہ ہے کہ سر کی گرمی کے لئے ٹھنڈی دوائیں استعمال کی جائیں تو ٹانگوں میں تکلیف بڑھ جاتی ہے اور گھٹنوں کا علاج کیا جائے تو اس کی دوا گرم ہوتی جس سے سر میں تکلیف شروع ہو جاتی ہے۔

یہ سر کی گرمی ایسی شدید ہوتی تھی کہ گرمی کے دنوں میں حضرت لمبی نفلوں کی ادھر نیت باندھ لیتے اور ادھر ہم خدام ہر پانچ دس منٹ کے بعد سر پر ٹھنڈے پانی کا بھرا لوٹا انڈیلتے رہتے اور پنکھا جھلتے جاتے، ان گرمی کے ایام کے لئے بانس کی چھالوں سے بنی ہوئی جالی دار ٹوپی کے استعمال کا معمول تھا۔

حضرت کے سر کے بالوں میں اخیر تک سفیدی پر سیاہی غالب تھی اور سر کے بال چھیاسی برس کی عمر کے باجود کسی ایک طرف سے کم بھی نہیں ہوئے تھے جیسا کہ عمر ہونے پر ٹنڈ ہوجاتی ہے اور بال کم ہوجاتے ہیں۔

حالانکہ حضرت کے سر اور دماغ کے گرم امراض کی تکلیف رہی پھر بھی یہ تکلیف معمولات اور علمی اشغال میں حائل نہیں ہوسکتی تھی، ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں رمضان المبارک میں حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ آج کئے پارے پڑھے؟ میں نے عرض کیا کہ سات فرمایا بس؟ میں نے عرض کیا آج سر میں درد تھا اس لئے زیادہ تلاوت نہ ہوسکی۔ ارشاد فرمایا کہ تلاوت تو زبان سے کرنی ہے اس میں دردسر کیا مخل ہو؟

حضرت کے یہاں صحت ومرض میں نہ تعطیل ہوتی تھی نہ معمولات اور اشغال میں کمی ہوتی تھی۔

حضرت کے سر کی طرح داڑھی کے بالوں کی رنگت بھی یہ شہادت نہ دیتی تھی کہ حضرت کی عمر چھیاسی برس ہے بلکہ داڑھی سے عمر کم معلوم ہوتی تھی۔

اس پر ایک لطیفہ یاد آیا کہ مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی فرماتے تھے کہ حرم مکی مکہ مکرمہ میں ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ آپ کی داڑھی سے آپ کی عمر زیادہ لگتی ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے یہاں لطیفے خوب چلتے تھے۔ مفتی صاحب نے انہیں جواب دیا کہ ہاں! میری عمر میری داڑھی سے زیادہ ہے۔

داڑھی پر حضرت کا ایک رسالہ ہے ''وجوب إعفاء اللحية'' جب یہ رسالہ سعودیہ کے مفتیٔ اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز کے پاس پہنچا تو انہوں نے حضرت سے اجازت لے کر لاکھوں کی تعداد میں اسے شائع کیا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ سعودیہ میں سعودی داڑھی کم ہونے لگی اور شرعی داڑھی والے ہر طبقہ بالخصوص پولیس اور فوج میں نظر آنے لگے۔

داڑھی کی سنت کے سلسلے میں حضرت کی نظر ملاقات کے لئے آنے والوں کے چہروں پر بھی رہتی اور انہیں حضرت تنبیہ فرماتے، اس کے نتیجے میں ہزاروں کو اللہ نے اس گناہ سے توبہ کی توفیق دی۔

دارالعلوم ہولکمب بری میں قیام کے دوران مغرب اور عشاء کے مابین بیعت کے بعد حضرت نے نصائح کے دوران ارشاد فرمایا: کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایرانی حکومت کی طرف سے دو کافر پہنچے، جن کی داڑھیاں منڈی ہوئی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں داڑھی منڈانے اور مونچھیں بڑھانے کا حکم کس نے دیا؟ وہ کہنے لگے: ہمیں ہمارے رب یعنی کسریٰ نے اس کا حکم دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ مجھے میرے رب نے داڑھی بڑھانے اور مونچھ کٹوانے کا حکم دیا ہے اور آپ ﷺ نے ان دونوں کافروں کی طرف سے چہرۂ انور پھیر لیا کہ آپ ان دونوں کافروں کی شکل دیکھ نہ سکے۔ میرے پیارو! قبر میں سب سے پہلے آپ ﷺ کا سامنا ہوگا، اگر حضور ﷺ نے وہاں چہرۂ انور پھیر لیا تو وہاں ہمارا کیا بنے گا؟

ایک مرتبہ ایک مشت سے کم داڑھی کاٹنے والے امام کی امامت پر جھگڑے کا ذکر میں نے اپنے عریضہ میں کیا تو حضرت شیخ نے تحریر فرمایا کہ داڑھی کے بارے میں ''داڑھی کا فلسفہ'' حضرت مدنی کا اور ''داڑھی کی قدر و قیمت'' حضرت میرٹھی کا، دونوں بذریعہ رجسٹری ارسال کر رہا ہوں۔ چنانچہ دونوں رسالے حضرت نے ارسال فرمائے۔

ایک مرتبہ میں نے خواب لکھا کہ میں نے خواب میں حضرت مولانا علی میاں صاحب کو امرد دیکھا۔ جواب میں تحریر فرمایا کہ کسی شخص کو خواب میں داڑھی منڈا دیکھنا صاحب خواب پر موقوف ہوتا ہے۔ اگر دین دار ہے تو مغفرت کی بشارت ہے ﴿أهل الجنة جرد مرد﴾ اور بے دین ہے تو تشبہ بالکفار ہے۔ تمہارے خواب میں دوسرا جز تو ہو نہیں سکتا پہلا متعین ہے۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب کے متعلق اب سے پندرہ برس پہلے ایک خواب دیکھا کہ کسی اللہ کے بندے نے خواب میں بشارت دی کہ مولانا علی میاں بھی مجلس انظمۃ الشمّس کے ممبر ہیں۔ حضرت شیخ ہوتے تو اس خواب سے بہت خوش ہوتے۔ خود حضرت مولانا علی میاں صاحب سے مدینہ طیبہ میں میں نے یہ خواب ذکر کیا تو ان کا حال متغیر ہو گیا، ایسے ہو گئے جیسے گہری سوچ میں چلے گئے ہوں کچھ دنوں کے بعد کنڈا میں مقیم مولانا علی میاں صاحب کے ایک مسترشد کو میں نے یہ خواب بیان کیا اور تعبیر دی کہ وہ ان کے لئے قطبیت کی بشارت ہے۔ رائے بریلی حاضری پر انہوں نے خواب اور تعبیر کا ذکر کیا تو فرمانے لگے: ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ مولانا یوسف صاحب ہمارے متعلق اس قدر نیک گمان رکھتے ہیں۔

داڑھی کے بارے میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول نہ خط بنوانے کا تھا، نہ اطراف و جوانب سے ٹھیک کرنے کا تھا، نہ حضرت کو اس کی ضرورت ہوتی تھی کہ حضرت کی طبعی داڑھی نہایت خوب صورت تھی اور شاید اس لئے بھی کہ خود احناف کے یہاں ایک قول میں اس کی اجازت نہیں۔ غالبًا اسی لئے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی داڑھی ناف تک پہونچ گئی تھی۔ اسی طرح مولانا عبداللہ درخواستی حافظِ حدیث کی داڑھی قبضتین یا اس سے زیادہ رہی ہوگی۔

ایک مرتبہ نائی حضرت شیخ کی حجامت بنا رہا تھا تو کسی نے لحیہ یعنی نیچے والے ہونٹ کے بالکل وسط کے بالوں کے متعلق پوچھا کہ حضرت اسے بھی تراشتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاتھ لگا کر دیکھ لو میرے بال نکلے ہی نہیں۔ سر، داڑھی، بغل، زیر ناف کے علاوہ حضرت کا پورا جسم بالوں سے قطعاً خالی تھا۔ کہیں ایک بال بھی نہیں تھا۔ چھیاسی برس کی عمر میں بھی ایک سال کے بچے جیسا ملائم جسم تھا، تلوے اور ایڑیاں ایسی تھیں جیسے شیر خوار بچہ جیسی۔

ہاں! البتہ سر میں گرمی کے عارضہ کی بنا پر حضرت کثیر العرق تھے، گرمیوں میں پسینہ اس

طرح بہا کرتا تھا کہ جیسے کہ نہا کے نکلے ہوں، بالخصوص لمبی نماز، مراقبہ اور صلوٰۃ وسلام کے دوران پسینہ کی لڑیاں سرخ وسفید گورے گورے چہرے پر پیشانی اور گالوں سے گذرتی تو اس میں ایک خاص نورانیت اور آبدار موتیوں کی چمک نظر آتی ۔

عرق ہے منہ پر تیرے یا گلاب ٹپکے ہے　　　تعجب ہے مجھکو کہ شعلے سے آب ٹپکے ہے

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا جس مبارک پسینہ کو اپنی خوشبو مشک وعنبر میں ملانے کو جمع کرتی تھیں ڈیڑھ ہزار سال کے بعد حضور کے غلاموں کو بھی اللہ تعالی نے ان معجزات کی ایک جھلک عطا فرمائی کہ حضرت کے پسینہ میں وہ خوشبو بسی ہوئی تھی جو بیت اللہ کا ہر زائر حجر اسود اور ملتزم پر پاتا ہے۔

صوفی محمد اقبال مہاجر مدنی حضرت کے خاص خادم تحریر فرماتے ہیں: کہ گرمیوں میں حضرت کی کملی جمعہ سے جمعہ تک حضرت کے جسم سے ملصق رہتی اور ہفتہ بھر میں بیسیوں مرتبہ پسینے سے تر اور خشک ہوتی رہتی پھر بھی صوفی جی کی اہلیہ صاحبہ جب دھونے کے لئے پانی میں بھگوتیں تو اس پانی میں اتنی خوشبو ہوتی کہ پورا گھر حضرت کی خوشبو سے مہک جایا کرتا تھا، تو وہ اس پانی کو گھر کے فرش پر چھڑک دیا کرتی تھیں۔

آج تک جس سے معطر ہے محبت کا مشام　　　آہ کیا چیز تھی وہ پیرہن یار کی بو

سید الکونین ﷺ سے عاشقانہ، والہانہ خاص تعلق کی بنا پر اللہ تعالی ان حضرات میں یہ خوشبو پیدا فرما دیتے ہیں، اسی لئے دنیا نے امام بخاری، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا موسیٰ بازی روحانی کی تربت کی مٹی میں خوشبو پائی۔

حضرت شیخؒ کی تدفین کے فوراً بعد جب ہم لوگ مردہ، افسردہ، بے جان بقیع سے واپس مدرسہ علوم شرعیہ سے اپنی قیام گاہ پر پہنچے اور حضرت مولانا طلحہ صاحب بقیع کی مٹی میں اٹے ہوئے کپڑے اتارنے کے لئے حمام میں گئے اور کپڑے بدل کر نیچے واپس آ گئے، تو تمام گھر

والوں نے حضرت شیخ کی خوشبو محسوس کی، ادھر ادھر دیکھنے کے بعد پتہ چلا کہ اس خوشبو کی مہک مولانا طلحہ صاحب کے ان کپڑوں سے پھوٹ رہی تھی۔ یہ تو دوم شعبان کی رات کا قصہ تھا۔ ٹھیک دو ماہ بعد عید الفطر کے روز ہمارے دوست دکتور محمد یعقوب الدہلوی پروفیسر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے میں نے تدفین کے وقت کے مٹی والے کپڑوں کی خوشبو کا ذکر کیا تو وہ اچھل پڑے یہ کہتے ہوئے کہ میں ابھی آتا ہوں۔ وہ ایک تھیلا لئے واپس آئے، مجھ سے کہا کھولو۔ میں نے کھولا اور ان سے کہا کہ واللہ! یہ تو حضرت شیخ کی خوشبو ہے، ان کپڑوں میں کیسے آئی؟ اس پر انہوں نے یہ قصہ سنایا کہ میرے بھائی عبداللہ بھی تدفین میں شریک تھے، بقیع سے آکر انہوں نے گھر کے حمام میں غسل کیا اور کپڑے تبدیل کر کے چلے گئے، ہماری والدہ صاحبہ اور گھر کی مستورات نے سارا گھر خوشبو سے معطر پایا، اس پر انہیں تلاش ہوئی کہ یہ خوشبو کیسی اور کہاں سے ہے؟ وہ ہر کمرہ میں گئیں۔ بالآخر حمام میں زیادہ خوشبو پا کر دیکھا کہ خوشبو کا منبع مٹی سے آلودہ یہ کپڑے ہیں جو بھائی عبداللہ اتار گئے ہیں، انہوں نے اسے محفوظ کرلیا تھا، یہ وہ کپڑے ہیں۔

صحیح البخاری کے درس میں ایک مرتبہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوری مدظلہ العالی فرمانے لگے: کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ کچے گھر کے اوپر کتب خانہ میں مطالعہ فرما رہے تھے، گرمی کا موسم تھا، پسینہ کی وجہ سے حضرت کی کملی گیلی ہوگئی، حضرت نے فرمایا کہ اس کو باہر پھیلا دو، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب اسے سونگھا تو پسینہ کی بو کے بجائے اس میں سے خوشبو آرہی تھی۔

ایک خادم کا بیان ہے کہ حضرت رات کو آرام فرما رہے تھے، نیند میں تھے، میں نے قریب جا کر حضرت کا منہ سونگھا تو منہ سے مشک کی خوشبو آرہی تھی۔

جامعہ ازہر کی طرف سے ہمارے یہاں ایک مبعوث شیخ عبداللطیف تھے، جن سے حضرت کے واقعات کا تذکرہ رہتا تھا، ان سے ایک مرتبہ اس خوشبو کا ذکر آیا اور میں نے کہا کہ

حضرت کے کپڑوں اور بدن میں ہمیشہ خوشبوبسی ہوتی تھی جو ہمیشہ حجر اسود اور کعبہ کے غلاف سے آتی ہے، میرے پاس حضرت شیخ کے کپڑے ہیں جو دسیوں سال پہلے کبھی صرف چند روز کے لئے حضرت کے جسم پر رہے ہوں ایک دن وہ تشریف لائے اور اس تبرک کو دیکھنے کی خواہش کی، جب میں نے حضرت کا جوڑا ان کے سامنے پیش کیا تو بار بار وہ روتے جاتے اور سونگھتے جاتے تھے اور کہا واللہ! جیسا تم نے کہا تھا؛ ویسا ہی ان میں کعبہ کی خوشبو بسی ہوئی ہے ؎

ہے ترے عطر بوئے گریباں سے مست گل　　　گل سے چمن چمن سے صبا اور صبا سے ہم

جیسا کہ حضرت کے دنیائے دنی اور اس کی فانی نعمتوں سے نا آشنائی اور دوری کے واقعات ہر کس و ناکس کے لئے قابل قبول ہونے اور سمجھ میں آنے بھی مشکل ہیں، لباس کی طرح غذا کا معاملہ بھی لباس سے زیادہ مختلف نہیں تھا کہ حضرت نے جوانی کے زمانے سے ہی شام کا کھانا مطالعہ کے حرج کی وجہ سے حذف فرما دیا تھا۔ حضرت فرماتے تھے: کہ میری ایک بہن تھی اس نے دیکھا کہ مطالعہ کے حرج کی وجہ سے اس نے کھانا چھوڑ رکھا ہے تو وہ مطالعہ کے دوران لقمہ بنا کر منہ میں رکھا کرتی، اس کے انتقال کے بعد سے کھانا ایک ہی وقت رہ گیا جو ہندوستان کے قیام میں صرف دوپہر کا ہوتا، حالانکہ صبح فجر کے بعد حضرت شیخ صرف چائے نوش فرماتے تھے جس میں گرمیوں میں الائچی اور سردیوں میں دارچینی پڑتی تھی، چائے کے ساتھ پاپے بسکٹ وغیرہ قطعاً نہیں ہوتے تھے۔ جب حضرت مدینہ منورہ ہوتے تو دوپہر کے بجائے عشاء کے بعد کھانا تناول فرماتے۔ لباس و تن پوشی کے معاملہ میں بھی جس درجہ کے حضرت زاہد تھے کھلانے پلانے کے سلسلہ میں اس سے متضاد معمول تھا کہ مہمانوں کے اکرام کے سلسلہ میں اس درجہ کی جود و سخا اور دسترخوان کی وسعت کہیں پڑھی سنی نہیں گئی۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی نے حضرت کے دسترخوان کی وسعت کو حضرت نظام الدین اولیاء کی خانقاہ کے لنگر خانہ کے مشابہ قرار دیا۔

حضرت شیخ کے دسترخوان کی وسعت تو دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی تھی، ہزاروں مہمانوں کے لئے کس قدر اعلی معیار کے کھانے کا انتظام ۔ اس کے باوجود بار بار مولانا نصیر الدین صاحب اور طباخ عتیق کو مقدار اور معیار کے بارے میں ہدایات فرماتے۔

مولانا نصیر الدین صاحب کو فرماتے ارے! زیادہ پکوالے میرے استاذ حدیث شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری سے مکہ مکرمہ میں دسترخوان پر بندہ نے عرض کیا کہ حضرت شیخ کے یہاں جو پلاؤ کی دیگ پکتی تھی حضرت کے بعد دنیا بھر میں کہیں نہ دیکھی۔ نہ ایسے لذیذ چاول کھائے، نہ ایسا سفید پلاؤ کہیں دیکھا، اس پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب نے فرمایا کہ حضرت شیخ طباخ عتیق کو بلا کر فرماتے کہ عتیق! دودھ خوب اچھی طرح اور ڈال دیا کر، کبھی اس کی ہمت بڑھانے کو فرماتے کہ تو نصیر کی فکر نہ کیا کر، خوب اچھی طرح ڈالا کر۔

مولانا عمران صاحب بھوپالی ایک دفعہ شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی کے ہمراہ سہارنپور آئے، واپسی میں بھوپال پہنچ کر حضرت کے دسترخوان پر اپنے خط میں تبصرہ فرمایا جو کئی صفحات میں تھا۔ پلاؤ کے متعلق تحریر فرمایا کہ اس کی لذت اور اس کی رنگت بیان سے باہر ہے، جس نے یہ کھائی نہیں اس کے سامنے اس کی حقیقت اور تعریف بیان نہیں کی جاسکتی۔ اگرچہ اس پلاؤ کے مندرجات مولانا نصیر الدین صاحب سے معلوم کئے اور ان سے تھوڑے چاول بھی مانگ کر لایا ہوں اور ان میں سے تھوڑے ایک شیشی میں ڈال کر اس میں نوٹ لکھ دیا ہے کہ ہمارے زمانہ میں چاول ایسے ہوا کرتے تھے؛ تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے یہ یادگار رہے۔ ان کا وہ خط بڑا ہی دلچسپ تھا۔

دنیا کی لذیذ ترین ڈش پلاؤ عام مہمانوں کے دسترخوان کے لئے ہوتی تھی، لیکن جب خصوصی مہمان بھی ہوتے تو اس وقت کا منظر قابل دید ہوتا، جتنا تکلف ہوسکتا، حضرت اس کا اہتمام فرماتے۔

ایسا ہی پرتکلف دسترخوان سید محمد علوی مالکی کی سہارنپور حاضری کے موقع پر سجایا گیا، جس کی نظیر تلاش سے بھی کہیں مشکل سے ملے گی کہ انواع واقسام کے کھانے ۲۷ر قسموں کے دسترخوان پر رکھے گئے، حالانکہ سید محمد علوی تو حضرت کے گویا شاگرد اور نیازمندوں میں تھے اور ہیں۔ اس اعزاز میں ان کی سعادت، خاندانی نسبت اور مکی نسبت وغیرہ نسبتوں کا لحاظ بھی کیا گیا ہوگا۔ اس لئے بھی کہ حضرت کی ان پر بڑی شفقت تھی اور اس شفقت کی وہ قدر بھی پہچانتے تھے۔

اس جیسا دسترخوان حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے وہاں بھی ملتا ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ تھانہ بھون تشریف لے گئے تو ۶۵ر قسموں کے کھانوں سے دسترخوان سجا ہوا تھا۔ حضرت سہارنپوری نے یہ تکلف دیکھ کر فرمایا کہ اس قدر تکلف نہیں چاہیے، آپ نے کچھ زیادہ ہی تکلف کیا۔ اس پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر بار بار تشریف آوری ہوگی تو ایسا تکلف نہیں ہوگا۔

”مشتے نمونہ ازخروارے“ حضرت کے متعلق یہ سطور لکھ کر یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت پر قلم اٹھانے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ حضرت کے علمی، روحانی کمالات کو پڑھ اور سمجھ سکے تاکہ حضرت کی تصانیف اور علوم کے سمندر سے گوہر نایاب پاسکے، ایسی جامع شخصیات کو جاننے اور سمجھنے کے لئے میرے جیسے نابلد کا چند سطور لکھ دینا، پڑھ لینا یا سنا دینا کافی نہیں اور ایسے حضرات کو سمجھنے کے لئے ان جیسا ذوق تو میسر نہیں ہوسکتا، ان سے قریبی ذوق رکھنے والے کے لئے دم مارنے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ مجھ جیسے جاہل، بے بضاعت جو عربی دانی میں صفر اور اردو میں اس سے بھی آگے وہ عربی اور اردو میں کیا لکھ سکے۔

میری اردو کا حال تو یہ ہے کہ ایک دفعہ برطانیہ تشریف آوری کے موقع پر حضرت مولانا علی میاں صاحب نے ارشاد فرمایا کہ ہم آپ کے مضامین پڑھتے ہیں، معارف میں چند ایک

تاریخی مضمون اس وقت آئے تھے اس کی طرف اشارہ تھا، ساتھ ہی فرمانے لگے کہ گل رعنا بھی آپ کے پاس ہوگی اس کو بھی دیکھ لیا کریں، ان سے گل رعنا کا نام سمجھنے میں مجھے دیر ہوئی، معلوم نہیں تین یا اس سے کئی زائد مرتبہ میں ہجاء کر کے بھی وہ مجھے یہ نام نہ سمجھا سکے، بالآخر غالباً مولانا رابع صاحب نے یہ معمہ حل کیا، اس وقت اپنی جہالت اور کم فہمی پر مجھے افسوس نہیں ہورہا تھا، کیونکہ اس وقت بھی اس کا اعتراف تھا اور اب بھی مگر افسوس کے بجائے مجھے سمجھانے میں حضرت مولانا علی میاں صاحب کو جو تکلیف ہورہی تھی اس پر میں دل میں خوش ہورہا تھا۔ یہ خوشی ایک انتقام کے لئے تھی کہ ایک مرتبہ سر جلسہ ہماری ہنسی اڑی ہے ان میں آپ بھی شریک رہے ہیں۔

ہوا یوں تھا کہ رمضان المبارک میں مغرب کے بعد کی مجلس میں ہزاروں علماء و مشائخ تشریف فرما تھے، حوض پر کسی نے آکر مجھ سے کہا کہ حضرت تمہیں یاد فرما رہے ہیں، مجمع کو پھلانگتا ہوا میں اندر پہونچا تو حضرت شیخ کوئی قصہ بیان فرما رہے تھے، جب میں مسجد کے وسط میں مجمع کے درمیان پہونچا تو حضرت نے فرمایا: یوسف! دور سے میں نے جواب دیا جی! اس پر چاروں طرف سے قہقہوں سے مسجد گونج گئی۔ حضرت شیخ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: کہ آجا۔ اس وقت پتہ چلا کہ حضرت نے مولانا یوسف صاحب امیر تبلیغ کے قصہ کے درمیان یوسف فرمایا تھا۔ جو شیخ کے قریب مشائخ تشریف فرما تھے جن میں حضرت مولانا علی میاں صاحب بھی تھے، مجلس کے اختتام تک جو آدھ گھنٹہ سے زیادہ رہی ہوگی، ہر دو منٹ کے بعد ہنسی روکنے کے لئے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ لے جاتے اور ہنسی روکنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالی مولانا علی میاں صاحب کے درجات بلند فرمائے اور مجھے معاف فرمائے۔ آمین۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب بادات
(مدینہ منورہ)

الحمد للّٰہ و کفیٰ و الصلوٰۃ و السلام علیٰ النبي المجتبیٰ ۔

علم نبوت، دعوت و تبلیغ اور تزکیہ و تربیت وہ بنیادی امور ہیں جن سے دینی مزاج بنتا ہے اور دین کے تمام چھوٹے بڑے شعبوں کو تقویت و مدد ملتی ہے۔ اگر علوم نبوت سے دل و دماغ کی راہیں کھلتی ہیں اور صحیح افکار و نظریات پر انسانی ذہن کی تعمیر ہوتی ہے۔ تو دعوت و تبلیغ کے ذریعہ عمل کی قوت، سنت پر استقامت اور اللہ عز و جل کے راستہ میں جان و مال لگانے کے جذبے اور حوصلے پیدا ہوتے ہیں۔ اور پھر توفیق الٰہی شامل حال رہے اور کسی مرد مومن کا انتخاب کر کے اس سے وابستگی ہو جائے تو تزکیہ و تربیت کے ذریعہ اخلاص کی قوت اور مکائد نفس سے حفاظت بھی مل جاتی ہے۔

ان ہر سہ امور کی اہمیت اور قوت تاثیر کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اسلام کی تاریخ کسی عہد میں بھی ان سے خالی نہیں ملے گی اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ جن ارباب صدق و صفا اور مخلصین نے ان تینوں خطوط پر محنت کی انھوں نے حق محنت ادا کر دیا، اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک نشان راہ بلکہ ایک روشن مینار قائم کر گئے تا کہ ان نشانات قدم پر چلتے ہوئے اور اس مینار نور سے روشنی و تابنا کی لیتے ہوئے اخلاف کا یہ قافلہ اسلاف سے جا ملے۔

ان اسلاف کی محنت وقربانی سے جس طرح دین اسلام اپنی اصلی اور صحیح شکل میں مسلسل پھیلتا اور بڑھتا گیا اور پورے عالم میں اس کی آواز پہنچتی گئی۔ اسی طرح اسلام کے مخلص خادموں اور دین کے سچے داعیوں کی تعداد میں بھی برابر اضافہ ہوتا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے اس دین مبارک کو ایسے سچے خدمت گذار، وفاشعار اور جاں نثار ملے جو شاید ہی کسی دین سابق اور ملت سابقہ کو اتنی بڑی تعداد میں نصیب ہوئے ہوں۔

دین محمدی میں ان باکمال اصحاب کی یہ کثرت اس وجہ سے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے مضبوط ومستحکم فیصلہ کے مطابق یہ امت آخری امت اور حضرت محمد ﷺ آخری نبی اور آخری رسول ہیں، اس لئے ضروری تھا کہ امت محمدی میں نائبین محمدی کثیر تعداد میں ہوں جو دینی تقاضوں کو قرآن و حدیث اور سیرت محمدی کی روشنی میں پورے طور پر خود بھی بجالانے والے ہوں اور پوری امت کو بھی اس کی دعوت دینے والے ہوں۔ اسی کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے: ان اللہ عزوجل یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجددلھا دینھا (رواہ ابوداؤد والطبرانی فی الاوسط) یعنی اللہ تعالیٰ اس امت کے نفع کے لئے ہر سو برس کی ابتدا میں ایسا شخص بھیجتا رہے گا جو اس دین کی تجدید کرے، اسی بنا پر یہ دنیا کسی وقت بھی مردان حق آگاہ سے خالی نہیں رہی، اور یہاں ایسی بلند و بالا شخصیتوں کا تسلسل و ربط قائم رہا جو ہر زیغ و ضلال اور کجروی سے امت مسلمہ کو محفوظ رکھنے کے لئے سرگرم عمل رہیں، حفاظت دین کی غرض سے ربط و تسلسل کا یہ غیبی نظام صرف ماضی میں ہی نہیں رہا بلکہ قیامت تک کے لیے یہ فیصلہ کردیا گیا کہ دین کے لیے نیا خون اور نیا عزم وحوصلہ اس امت کو ملتا رہے گا اور یہاں وقتاً فوقتاً ایسی طاقتور دینی شخصیتیں میدان میں آتی رہیں گی جو اپنے کردار، حُسن عمل اور تعلق مع اللہ کی نسبت قویہ کے ذریعہ اس امت کو صحیح سمت پر چلاتی رہیں گی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر فضل وکرم ہے کہ انھوں نے اس قانون و دستور اور سنت قدیمہ کے مطابق مظاہر علوم سہارنپور کو بھی یہ توفیق بخشی کہ یہاں سے دعاۃ و مصلحین اور علمائے ربانیین

کی ایک بڑی تعداد ایسی تیار ہوگئی جس کے ذریعہ دین کے یہ تینوں بنیادی امور حسن وخوبی کے ساتھ چل رہے ہیں۔

انہی رجال کار اور علمائے ربانیین میں ایک برگزیدہ شخصیت ہمارے شیخ برکۃ العصر ریحانۃ الہند محدث عصر قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ واعلی اللہ مراتبہ کی ہے، جن کے نام نامی اور اسم گرامی پر حضرت مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری نے حضرت شیخ قدس سرہ کی خدمات اور ملت اسلامیہ کے لئے حضرت شیخ قدس سرہ کی قربانیوں کو اجاگر کرنے کے لئے ایک باوقار مجلس کا اہتمام کیا اور اطراف ہند سے متوسلین حضرت قدس سرہ کو جمع کر کے حق میزبانی ادا کیا، بلا شبہ حضرت مولانا تقی الدین مدظلہ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ موصوف نے ہم سب کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا۔

اوپر جو علمائے ربانیین کی تین صفات بیان کی گئی ہیں ہمارے شیخ ان تینوں صفات کے حامل تھے، حضرت قدس سرہ کا اولین مشغلہ تعلیم وتدریس کے ذریعہ رجال کار تیار کرنا اور اطراف عالم میں اشاعت دین کا کام کرنا، ہمارے اکابر اولین کا مشغلہ درس وتدریس ہی رہا، شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے لے کر موجودہ دور تک جیسا کہ امام ربانی حضرت اقدس گنگوہیؒ نے اپنے مرشد حضرت حاجی صاحبؒ کے استفسار پر اپنے ایک طویل خط میں تحریر فرمایا تھا کہ حضرت مرشد من! علم ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ آپ کی خدمت سے دور ہوئے عرصہ سات سال سے کچھ زیادہ ہونے کو ہے اس سال تک دوسو سے چند عدد زیادہ سند حدیث حاصل کر کے گئے۔ اور اکثر ان میں وہ ہیں کہ جنہوں نے درس حدیث جاری کیا اور سنت کے احیاء میں سرگرم ہوئے اور اشاعت دین ان سے ہوئی، اس شرف سے زیادہ کوئی شرف نہیں اگر قبول ہو جائے، اسی طرح ہمارے سارے اکابر حضرت نانوتویؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت سہارنپوریؒ، حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ، حضرت حکیم الامتؒ مولانا تھانوی (رحمہم اللہ) کا ابتدائی دور درس وتدریس میں گذرا ہے اور بعد میں زیادہ تر وقت تصنیف وتالیف اور تعلیم وتربیت میں گزرا ہے۔ اور بلا شبہ حضرت شیخ قدس سرہ

اس میں بہت حد تک کامیاب رہے اور بہت بڑا ذخیرۂ آخرت تیار کر گئے۔حضرت کے تلامذہ میں بہت سے محدثین، مصنفین ، مبلغین ،مرشدین تیار ہوئے جو اپنی اپنی جگہ پر ملک اور بیرون ملک درس وتدریس،تعلیم وتبلیغ اور بیعت وسلوک کے ذریعہ عوام کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اس کے علاوہ حضرت شیخ قدس سرہ نے تصنیفی میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے بالخصوص کتب حدیث کی شروح اوجز المسالک، لامع الدراری، الکوکب الدری، حجۃ الوداع اور عوام کی تعلیم وتربیت کے لئے تبلیغی نصاب (فضائل اعمال) اورمسترشدین کے لئے شریعت، طریقت کا تلازم اور اکابر علمائے دیوبند اور حضرت شیخ قدس سرہ کی آپ بیتی تو گویا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے، اس میں معلمین ، متعلمین ، اساتذہ ،طلباء، مرشدین ،مسترشدین مسلک و مشرب کی حفاظت وغیرہ مضامین وواقعات اس خوش اسلوبی سے مرتب کئے گئے ہیں کہ ہر صحیح فکر والے کے لئے اس میں رہنمائی مل جاتی ہے۔مختصر یہ ہے کہ حضرت شیخ قدس سرہ کواللہ جل شانہ نے ایسی اعلیٰ صفات سے نوازا تھا کہ حضرت قدس سرہ کے اساتذہ اور اکابرین و معاصرین حضرت قدس سرہ کی اصابت رائے ،حق گوئی، معاملات کی صفائی دوررس فیصلے اورقلندرانہ صفات کے قائل تھے اس سلسلہ کے کئی واقعات آپ بیتی اورحضرت شیخ کی سوانح میں آچکے ہیں،اب احقر مدرسہ مظاہرعلوم کی خدمات کے سلسلہ میں مختصراً عرض کرتا ہے حضرت شیخ قدس سرہ کومظاہر علوم کے ساتھ جو تعلق اور ربط رہا وہ اس مجلس میں موجود بہت سے حضرات جانتے ہیں،لوجہ اللہ درس حدیث جب تک صحت باقی رہی دیتے رہے اس میں بھی وقت کی ایسی پابندی کہ گھنٹہ ہونے سے پہلے درس گاہ میں پہنچ جاتے تھے سردی ہو، گرمی ہو، بارش ہو،طبیعت ناساز ہوسبق کا ناغہ گوارا نہیں تھا، جومدرسین اوقات کی پابندی نہیں کرتے تھے ان سے کبیدہ خاطر رہتے تھے اوران کوتنبیہ فرمایا کرتے تھے جو مدرسین شروع سال میں طویل درسی تقریریں کرتے تھے ان پر بھی نکیر فرمایا کرتے تھے ماہانہ درسی خواندگی کا نقشہ مرتب کررکھا تھا جو مدرسین اس پر عمل نہیں کرتے تھے ان پر سخت نکیر فرمایا کرتے تھے تدریس کے علاوہ دیگر شعبوں کی مکمل نگرانی فرمایا کرتے تھے۔کبھی کبھی

مدرسہ کا گھنٹہ ہونے کے بعد دفتر مدرسہ میں پہنچ جایا کرتے تھے اور مدرسین اور عملہ کا حاضری رجسٹر ملاحظہ فرماتے تھے اور تاخیر پر نکیر فرماتے تھے اسی طرح شعبۂ مالیات کی بھی مکمل نگرانی فرماتے تھے اس میں کہیں غیب یا شک وشبہ ہوتا تھا اس پر سختی سے باز پرس فرماتے اور عملہ کے جس شخص سے فروگزاشت ہوتی تو اسی کے بقدر اس کی تنخواہ سے وضع کرنے کا حکم صادر فرماتے۔ مالیات کے معاملہ میں کسی رو رعایت کے روادار نہیں تھے، اسی طرح کے معاملہ میں حضرت نے خود اپنی طرف سے اور ایک محترم ممبر سے رقم وصول کر کے مدرسہ میں داخل کرائی، اسی طرح مطبخ اور شعبۂ تعمیرات کی بھی مکمل نگرانی فرماتے تھے۔ اور سفراء جو چندہ کے لئے جاتے تھے اس علاقہ کے اپنے متعلقین سے ان کی بھی نگرانی فرماتے تھے یہاں تک کہ بعض دفعہ استنجاء کے لئے جو کچی اینٹیں آتی تھیں ان کو گاڑی سے اتارنے اور اس کو توڑ کر استنجاء کے لئے ڈلے بنانے کے لئے خود پہنچ جایا کرتے تھے اور حضرت نے جو ابتدائی سالوں میں جو تنخواہ لی تھی وہ کچھ ۱۹ سو روپئے بنتے تھے وہ بھی واپس جمع کرا دیئے تھے، اپنے ذاتی تعلقات کی بناء پر نہ کسی مدرس اور نہ کسی ملازم کو رکھا اور نہ کسی کی سفارش کی بلکہ اور مدرسین کو بھی نصیحت فرماتے رہتے تھے کہ مدرسہ کے معاملات میں اپنے ذاتی تعلقات اور اثر ورسوخ کو کام میں نہ لائیں۔ اس سلسلہ میں ۹۵ھ میں تقسیم اسباق کے موقع پر خاص طور سے جملہ مدرسین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج اجتماعی طور سے سب کو نصیحت ووصیت کرتا ہوں کہ مدرسہ کے معاملات میں کسی طالب علم کا اخراج ہو داخلہ ہو بندش طعام ہو یا اجراء ہو اپنے ذاتی تعلقات کو ہرگز دخل نہ دیں۔

حضرت شیخ قدس سرہ نے ہمیشہ مظاہر علوم کی خیر خواہی کو مقدم سمجھا اس میں بعض اوقات اپنی شخصیت کو بھی داؤ پر لگا دیا اور وہی کیا جو مدرسہ کے مفاد میں تھا اپنی ذات کے لئے کبھی مدرسہ کی چیزوں کو استعمال نہیں کرتے، حضرت کے مہمان مدرسہ کے مہمان خانہ میں ٹھہرتے تھے اسی طرح ماہ مبارک میں دار جدید کے حجروں میں ٹھہرتے تھے تو کرایہ کی مد میں اور بجلی کے استعمال کی مد میں بڑی بڑی رقمیں مدرسہ میں جمع کرا دیا کرتے تھے، حالانکہ مہمانوں کی آمد اور قیام میں

مدرسہ کا ہی فائدہ تھا کہ آنے والے مدرسہ میں بھی خوب چندہ دیتے تھے۔

اب اخیر میں حضرت مولانا تقی الدین صاحب زید مجدہ کے متعلق، حضرت موصوف سے معذرت کے ساتھ کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، موصوف نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے کہ حضرت شیخ قدس سرہ کی روح مبارک بھی خوشی ومسرت سے جھوم رہی ہوگی، میری مراد ہے اوجز المسالک کی جدید طباعت جو موصوف کی پانچ سالہ محنت اور لگن سے ۱۸ جلدوں میں شائع ہوئی ہے، ماشاء اللہ کیا طباعت، کیا حرف، کیا تجلید ہر چیز دیدہ زیب احقر نے تو کتاب دیکھ کر حضرت موصوف کو فون کر کے مبارک باد پیش کی تھی، اور عرض کیا تھا کہ چاہتا تھا کہ ان کے ہاتھوں اور ان انامل کو بوسہ دوں جس نے کہ یہ کارہائے نمایاں انجام دیا ہے، چنانچہ زندگی میں پہلی بار خاص اسی مقصد کے لئے امارات کا سفر کیا اور موصوف کے درِ دولت پر حاضر ہو کر اپنی مذکورہ خواہش کو پورا کیا، اوجز المسالک کی دیدہ زیب طباعت پر موصوف ہم سب کی طرف سے شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں، اور میں حضرت موصوف سے کہا کرتا ہوں کہ یہ ان قربانیوں کا ثمرہ ہے جو قاہرہ میں اول طباعت پر دی تھی، اور واقعی موصوف نے بڑی قربانی دی تھی، جس کا اقرار ان کے اس وقت کے رفقاء کو بھی ہے، اللہ جل شانہ نے قاہرہ کے مجاہدہ اور قربانی کے طفیل اوجز کی طباعت کا کام لیا اللہ جل شانہ موصوف کے اس کارنامہ کو شرف قبولیت سے نوازے، آمین۔

اب حضرت موصوف اسی نہج پر بذل المجہود پر کام کر رہے ہیں دعا فرمائیں اللہ جل شانہ حضرت موصوف کو صحت وقوت عطا فرمائیں، اور جلد از جلد موصوف کے ہاتھوں بذل المجہود کی طباعت تکمیل کو پہونچائیں اور بقیہ دو شرح الکوکب الدری اور لامع الدراری کی تحقیق وطباعت کا کام بھی حضرت موصوف کی زیر نظر تکمیل کو پہونچائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

رشتہ، ذرہ کا ماہتاب سے!

حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب دامت برکاتہم
سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر (بہار)

''میں بھی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا'' رات کے گیارہ بجے کے بعد اطلاع دی گئی کہ سمینار میں مجھے بھی مقالہ پیش کرنا ہے، اب چند گھنٹے کی بات تھی، سمینار کا پہلا دن گذر چکا تھا اس لئے دوسری رات پر لکھنے کو ٹالا بھی نہیں جا سکتا تھا، قلم اٹھایا، اللہ نے مدد کی، اور یہ مقالہ اس یادگار سمینار میں سنا دیا گیا، جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور خدمات کے متعلق ۲۴/۲۵ مارچ ۲۰۰۴ء کو جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں منعقد کیا گیا تھا۔ اس سمینار میں وقیع اور بصیرت افزاء مقالات پیش کئے گئے، جو بڑی محنت سے لکھے گئے تھے ان مقالات کے درمیان یہ تحریر بس لہو لگا کر شہید ہونے والی بات نظر آتی ہے۔ (محمد ولی رحمانی)

نام لینے کی ضرورت نہیں، ''حضرت شیخ الحدیث'' کہہ دیجئے، تو پڑھے لکھے دینی حلقوں کا ذہن حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بے ارادہ چلا جاتا ہے، یہ سہ لفظی ان کے نام سا ہو گیا تھا، اور ان کے برسوں بعد آج بھی ''حضرت شیخ الحدیثؒ'' بولئے تو بے اختیار ذہن کی روانہیں کی طرف جاتی ہے، ان کے علم و فضل، مصروف اور خدمت سے آباد اوقات، اور جلال و جمال سے مرکب شخصیت کے لئے حضرت شیخ الحدیث کا لفظ ہی اچھا لگتا ہے، جو ان کے نام نامی کا بدل بن گیا۔ ان کی عظیم شخصیت پر یہ لباس پُر وقار پورے طور پر پھبتا ہے۔

پہلے پہل ان کی زیارت کا موقعہ ۱۹۵۹ء میں ملا، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ تھی، حضرت مولانا عبدالصمد صاحب مدنیؒ (۱) اور والد بزرگوار حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ (۲) مجلس کے رکن تھے، سفر کی تقریب مجلس شوریٰ میں ان کی شرکت تھی، مجھے بھی اشارہ ملا، اور میں نے رخت سفر باندھ لیا، چار افراد کا قافلہ پہلے دہلی پہونچا، پھر دیوبند اس سفر میں مجھے اس زمانہ کے بڑے بڑے علماء کے دیدار کا موقعہ ملا، میری زندگی کا وہ یادگار سفر ہے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ ہوگئی، تو دونوں بزرگوں نے گنگوہ تھانہ بھون، سہارن پور کا رخ کیا، یہ ذرہ حقیر شریک کارواں تھا، اور اسی سفر میں حضرت شیخ الحدیث کو پہلے پہل دیکھنے کی سعادت ملی۔

یہ چھوٹا سا کارواں حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں حاضر ہوا، یاد آتا ہے کہ یہ ان کی ملاقات کا وقت نہ تھا، مگر بڑوں کی بڑی باتیں حضرت شیخ الحدیث ذرا تیز تیز بولتے تھے، یہ لہجہ میرے لئے نامانوس تھا، ان کی باتوں کا بڑا حصہ سمجھ میں نہیں آیا، اتنا یاد ہے کہ بات چیت کا اصل محور دارالعلوم تھا، اور طلبہ دارالعلوم دیوبند کی دینی اور روحانی تربیت پر دیر تک بات چیت چلتی رہی میں خاموشی سے وہیں ذرا کنارہ پر بیٹھا رہا، باتوں کا خاصا بڑا حصہ گذر چکا تھا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے میرے متعلق کچھ دریافت فرمایا، میں پورے طور پر سمجھ نہ سکا، مگر ان کی انگلی کے اشارہ کو میں نے پالیا تھا، اٹھا، دوبارہ مصافحہ کیا، تو انہوں نے ہاتھ پکڑ کر بلکہ کھینچ کر وہیں بٹھالیا اور بڑی شفقت سے میرے سر پر ہاتھ رکھا، دعائیں دیں، لکھنے پڑھنے کے متعلق سوال کیا، وہیں ہم لوگوں نے ساتھ کھانا کھایا اور روانہ ہوگئے یہ ہیں پہلی ملاقات کے مدھم نقوش !

---

(۱) مشہور مصنف اور فقیہ نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ۔

(۲) بانی و جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، امیر شریعت بہار واڑیسہ۔

دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی کا زمانہ آیا، دورحدیث کا سال تھا، دارالعلوم کے صدر گیٹ پر اعلان آیا کہ پرسوں حضرت شیخ الحدیث کے یہاں مسلسلات کا درس ہے، طلبہ کی بڑی جماعت دیوبند سے سہارنپور پہونچ گئی، پہونچنے والوں میں میں بھی تھا، میرے زمانۂ درس سے لے کر آج تک رفیق اور مخلص مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ہم تین چار مسافران مسلسلات کے امیر اور منتظم تھے، یہ درس اپنے انداز پر ہوگیا، علماء اور طلبہ کی بھیڑ تھی، بحمدللہ ہم لوگوں کا سلسلۂ سند بھی حضرت شیخ الحدیثؒ سے جڑ گیا، اس موقعہ پر وہاں حضرت شیخ الحدیثؒ کی سند بھی ملا کرتی تھی، مجھے معلوم ہوا کہ سند پر حضرت کے دستخط کی مہر لگتی ہے، سچی بات یہ ہے کہ اس سند کو لینے کے لئے آمادگی نہ ہوئی، دل میں بات یہ آئی کہ جس سند پر دستخط نہ ہوا سے لینے کا کیا فائدہ؟ مگر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اس مرحلہ کو اپنی خدمات کا حصہ سمجھ کر قبول کیا، اور دفتری کارروائی مکمل کر کے سند حاصل کر لی۔

شدہ شدہ بات حضرت شیخ الحدیث تک پہونچ گئی کہ یہ ذرہ حقیر بھی آیا ہوا ہے، انہوں نے حکم دیا، میری تلاش شروع ہوگئی، اور مجھے حضرت کی خدمت میں حاضر کر دیا گیا، بڑی شفقت کا معاملہ فرمایا، کھانے میں شریک رہنے کی ہدایت دی، اور جب وہ ''مرحلہ خیر'' آیا تو مجھے قریب بٹھایا، دریافت فرمایا کہ ''تو نے سند لی''؟ میں نے اپنے مزاج کے مطابق جھٹ کہا کہ جس سند پر حضرت کا دستخط نہ ہو، مہر کی چھاپ ہو، اسے کیا لیا جائے، مجھے تو اصلی دستخط والی سند محبوب ہے حضرت شیخ الحدیثؒ نے کسی کو کچھ اشارہ فرمایا، اور مجھ سے صرف اتنا فرمایا ٹھیک ہے ٹھیک ہے میں سہارن پور ٹھہر گیا، اگلے دن پھر طلبی ہوئی اور وہ سند مجھے عطا کی گئی، جب میری نگاہ دستخط پر گئی تو واقعۃً شرمندگی ہوئی، حضرت کا دستخط ذرا مفصل اور وقت طلب تھا، انہیں دستخط کرنے میں زحمت ہوئی ہوگی، مگر حضرت شیخ الحدیث کی یہ ادا چھوٹوں کو نوازنے کی ادا تھی، ذروں کو چمکانے اور حوصلہ بڑھانے کی کوشش تھی۔

دارالعلوم میں اچھے دن گذرے تھے، طالب علمی تو بادشاہت کا دور ہوتی ہے، نہ فکر فردا نہ غم امروز، گھر سے اچھے پیسے آجاتے تھے، کچھ بچ بھی جاتے تھے، اور کچھ اور بھی بچا لیا کرتا تھا، کتابیں خریدتا تھا، خبر ملی کہ سہارنپور میں کسی پرانے کتب خانہ کی کتابیں بہت کم قیمت پر فروخت ہو رہی ہیں، سہارنپور پہونچ گیا اور خاصا وقت کتابوں کے چننے چھاٹنے اور خریدنے میں لگ گیا، معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے آستانہ سے طلبی ہے، حاضری دی، شفقت سے قریب کیا اور فرمایا ''تو آتا ہے ملتا نہیں''؟ اب میں کیا کہتا، اتنا ہی کہہ سکا، ''حضرت آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی'' دو تین باتیں پوچھیں، کسی سوال کے جواب میں عرض کیا، کہ ندوہ میں پڑھ رہا تھا، پھر دیوبند آگیا، فرمانے لگے ''ندوہ ترے دادا کی جگہ ہے وہاں سے کیوں بھاگا؟'' بات بالکل درست تھی، حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ، بانی ندوۃ العلماء اور براہ راست نسبی تعلق کی وجہ سے میں ''خاندانی ندوی'' اور آج بھی ندوہ کے ساتھ میری طالب علمی کا رشتہ قائم ہے، یقین مانئے استاذ محترم حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب مدظلہ(۱) پر جب نگاہ پڑتی ہے، طالب علمی بالکل تازہ ہو جاتی ہے اور سچ کہدوں بڑھاپا جوانی کی طرف لوٹنے لگتا ہے، ہاں تو! حضرت شیخ الحدیثؒ کے سوال کے وزن تلے میں دبا جا رہا تھا، دبتے دبتے حضرت سعدیؒ نے میری مدد کی، میں نے عرض کیا ؎

تمتع زہر گوشہ یافتم زہر خرمن خوشہ یافتم

کا جذبہ دیوبند لے آیا، حضرت نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور نگاہیں مجھ پر جما دیں، جن میں شفقت و عنایت کی تمازت تھی، (۲) اب کیا کہوں، وہ ایک نظر جو بمشکل اٹھائی جاتی ہے، وہی نظر رگ و پے میں سما جاتی ہے۔

---

(۱) موجودہ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، رئیس التحریر البعث الاسلامی اور سمینار کے اس سشن کے صدر نشیں!

(۲) یہ لفظ شفقت و عنایت کے ساتھ کچھ جمتا نظر نہیں آتا، مگر اس وقت جو کیفیت تھی اس لحاظ سے یہ لفظ حسب حال ہے!

مجھے افسوس ہوا کہ میرا جواب مزاج سامی کو بھا گیا، تو میں نے عرض کیا کہ بزرگوں سے سنا ہے، میرے دادا حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مدنی مکیؒ نے اجازت و خلافت سے نوازا تھا، شاید یہ نسبت مجھے دیوبند کھینچ لائی میرے اس معروضہ نے مجھے زیادہ دعاؤں کے حاصل کرنے کا موقعہ دے دیا، اور میں کتابوں کے ساتھ دعاؤں کے تحفے سمیٹتا دیوبند لوٹا۔

بھلا بتائیے، بڑوں کے بڑے کو چھوٹوں کے ماضی و حال سے یہ دلچسپی، یہ شفقت و عنایت اب کسی در پر ڈھونڈے بھی ملے گی؟ حضرت شیخ الحدیثؒ کی عظمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ عزیزوں اور چھوٹوں کو جملوں سے، سوالوں سے، اشاروں سے، دعاؤں سے آگے بڑھاتے تھے، انہیں ہمت، حوصلہ اور توانائی بخشتے تھے یقین کیجئے، یادوں کی وادی میں تھوڑی دیر ٹھہرتا ہوں، تو نہ جانے کتنے اور کیسے کیسے حوصلہ بخش لمحات، ایسا لگتا ہے، جیسے سامنے آ کھڑے ہو گئے ہوں، محسوس ہوتا ہے دور خلاؤں سے حضرت شیخ الحدیث دیکھ رہے ہیں، کچھ کہہ رہے ہیں، حوصلہ بڑھا رہے ہیں ؎

قدم قدم میری ہمت بڑھائی جاتی ہے
نفس نفس تیری آہٹ سی پائی جاتی ہے

یادوں کے دریچہ سے چھن چھن کر ایک ایک واقعات سامنے آ رہے ہیں، لکھوں تو دفتر تیار ہو جائے اور آداب مجلس یہ ہے کہ وقت بچا کر مقالہ لکھئے، پلک جھپکتے حال دل کہہ ڈالئے (۱) اور ادھر یہ حال ہے کہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں۔

یادش بخیر! تیس سال پیچھے لوٹ جایئے، ایمرجنسی کے تاریک دن، ایسا لگتا تھا کہ اپنی

---

(۱) ہر مقالہ نگار کو پڑھنے سے پہلے وقت کی پابندی اور کم وقت لینے کا مشورہ دیا جا رہا تھا، نظامت کرنے والے کی یہ ناگوار لیکن ناگزیر ذمہ داری ہوا کرتی ہے۔

زندگی میں یہ راتیں کبھی ختم نہ ہونگی، جبری نسبندی کا زور، حکومت کی دھر پکڑ، حق بات کا زبان پر لانا مشکل، والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے نسبندی کے خلاف رسالہ(۱) لکھا اور اردو ہندی، انگریزی میں چھپوا کر بٹوا دیا، لوگوں نے سمجھ لیا کہ اب اندر ہوئے تب اندر ہوئے، وہ رسالہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں مدینہ پہونچا اور ساتھ ساتھ خبریں اور اندازے بھی، ہم لوگ بھی سمجھ رہے تھے کہ اظہار حق کے حسین جرم میں جیل کی نوبت آنے ہی والی ہے، والد ماجدؒ بھی اس مرحلہ سخت کے لئے آمادہ تھے ہم لوگوں سے کہتے تھے کہ کبھی وطن کی آزادی کے لئے جیل گئے تھے، اب دین کی آزادی کے لئے جیل جانا ہے، میری حرکتیں سرکار والا تبار کے جبین نازک کو بار بار شکن آلود کر رہی تھیں، ان نازک مرحلوں میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے تین عنایت نامے اس ذرہ حقیر کو ملے، پہلے میں انہوں نے والد ماجد مولانا منت اللہ رحمانی کے رسالہ ''خاندانی منصوبہ'' بندی کی تحسین فرمائی تھی، اور یہ جملہ بھی لکھوایا تھا کہ امیر شریعت نے علماء ہند کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا، پھر خوب دعائیں تھیں، بقیہ دونوں گرامی نامے بھی رسالہ سے اور ملکی حالات سے متعلق تھے، یہ جملہ بھی اس مکتوب گرامی میں تھا کہ انہوں نے احقاق حق اور ابطال باطل کی بڑی خدمت انجام دی، کچھ اس انداز کی بات بھی ذرا تفصیل سے تھی کہ ہندوستان کے حالات بہتر نہیں جا رہے ہیں، اور مشکلات اور بھی آسکتی ہیں، مگر یہ وقت بھی گذر جائے گا اور بدلیاں چھٹ جائیں گی، یہ جملے در اصل میری اور رفقاء کی ہمت افزائی کے لئے تھے تا کہ آنے والے ''مشکل حالات'' اور جیل کے مرحلوں میں حوصلہ بخشتے رہیں، دور رہ کر مشغولیتوں میں گھرے ہونے کے باوجود وطن کے حالات کے لئے فکرمندی اور خدام کی ایسی حوصلہ افزائی انہیں کا حصہ تھی۔

یہ حکایت لطیف ولذیذ ہے اس لئے دراز تر گفتیم، شاید ہم جیسے دراز نفس گنہگاروں کو نبیؐ وقت کی سنت سے حوصلہ ملتا ہے، أتوكأ عليها و أهش بها على غنمي ولي فيها مآرب أخرى کی روایت اور آیت کتنی حوصلہ بخش ہے طول مدعا کے لئے !

(۱) ''خاندانی منصوبہ بندی''۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حاضر ہونے، ان کی مجلسوں میں بیٹھنے کا مقصد کیا رہا ہے؟ اپنی اصلاح، صالحین سے تعلق اور محبت کا مقصد صرف یہی تو ہوتا ہے کہ صلاح اپنا بھی مقدر بن جائے، لعل اللہ یرزقنی صلاحا اگر یہ صحیح ہے تو مان لیجئے، میں جب مونگیر کی خانقاہ رحمانی میں ہوتا ہوں، روز بعد عصر حضرت شیخ الحدیث کی مجلس میں حاضر ہوتا ہوں، ان کے الفاظ وکلمات سے استفادہ کرتا ہوں، فضائل اعمال مسجد میں سنتا ہوں، استغفار پڑھتا ہوں، اللہ سے رحم اور رحمت کی بھیک مانگتا ہوں، حضرت شیخ الحدیثؒ کا فیض اس شکل میں بھی جاری ہے اور دور دور تک پہونچ رہا ہے، ان کی مجلسیں آج بھی آراستہ ہیں، وہ نہیں ہیں، کتاب تو ہے، یہ کتاب جہاں پہونچی منبر پر جگہ ملی، محراب کے سایہ میں رہی، ہدایت کا ذریعہ بنی ؎

منعم بدشت و کوہ بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

یقین کیجئے ! یہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی بارگاہیں ہیں، فضائل کی مجلسیں، ذکر کی مجلسیں، جن کی زندگی بدل گئی، جنہوں نے گناہوں سے پیچھا چھڑا لیا، ان سے پوچھئے کہ مرحوم شیخ الحدیث کی ان زندہ مجلسوں میں کتنا دم، کتنی زندگی کیسا پیغام، کیسی تابندگی ہے ؎

بعد از وفات تربتِ ما زمیں مجو
در سینہائے مردم عارف مزارِ ما ست

جو علمی موشگافیوں کو سب کچھ سمجھتے ہیں، انہیں کون سمجھائے کہ یہ ''فضائل اعمال'' (۱) یہ کتاب العقائد ہے نہ کتاب الاحکام، یہ عمل پر آمادگی پیدا کرنے والی کتاب ہے، اور تہی دامان عمل اصحاب فکر ونظر سے صرف اتنا کہا جاسکتا ہے۔

---

(۱) فضائل اعمال، تبلیغی جماعت کی نصابی کتاب جسے حضرت شیخ الحدیثؒ نے مرتب فرمایا۔ اور جس کی علمی اور دینی حیثیت پر گفتگو بھی اس سیمینار میں ہوئی تھی۔

لاکھ آفتاب پاس سے آئے گذر گئے
بیٹھے وہ انتظار سحر دیکھتے رہے (۱)

حضرات گرامی! مجھ جیسا ذرہ حقیر فضائل اعمال کی متنی صحت اور سندی حیثیت پر کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہے، یہ تو اہل علم کی باتیں ہیں، انہیں زیب دیتی ہیں، کہنے کو میں نے بھی پڑھاتے پڑھاتے اور پڑھتے پڑھتے مشکوٰۃ شریف اور ابوداؤد شریف برسوں پڑھائی ہے، مگر یہ قصہ پرانا ہو چکا، اب تو ۔

ماہر چہ خوانده ایم فراموش کرده ایم

کل مذاکرۂ علمی میں جو گفتگو ہوئی، اسے تازہ کیجئے، ادب کے ساتھ کتب حدیث کی عظمت کو دل میں رکھتے ہوئے اتنا کہنے کی جرأت کرتا ہوں، کہ کتاب فضائل کی فضیلت اور طرح بھی ثابت ہوسکتی ہے، بخاری شریف کی ضعیف روایتوں کو ابھار کر، حدیث کی قدیم اور مستند کتابوں کی کمزوریوں کو گنا کر، ''فضائل اعمال'' کی صحت پر استدلال، علمی انداز بیان اور مناقشہ کی زبان میں درست ہوسکتا ہے، خادمان دین متین کی صحت مندروش نہیں ہوسکتی، کہنا ہی چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسند جرح وتعدیل پر فروکش علامہ ابن حجرؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ کا سخت معیار اس منصب کا تقاضہ ہے اور مسند دعوت و ارشاد پر بیٹھے شیخ ابن حجر اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا انداز بیان کچھ اور ہوتا ہے، ان کی کتابیں اس کی گواہ ہیں، جرح وتعدیل، عقائد واحکام، وعظ وتبلیغ کے تقاضے الگ الگ ہیں اور انداز بیان بھی علیحدہ علیحدہ ۔

''فضائل اعمال'' میں کمزور روایتیں ہیں، ہوسکتا ہے اہل علم کو موضوع روایتیں بھی مل جائیں، لیکن ان سب کا قبلہ مقصود کعبہ مشرفہ ہے، گنبد خضراء ہے، ہدایت ہے، نجات ہے، اس لئے یہ کتاب مجھے عزیز ہے اور مجھے کیا لاکھوں کے ایمان کی تازگی کا ذریعہ اور اعمال کی درستگی کا زینہ بنی ہے۔

---

(۱) حضرت جگر مرادآبادی کے شعر میں ذرا سے تصرف کے ساتھ !

خدا میری غلطیوں کو معاف کرے، مجھے کہنے دیجئے جو جرح و تعدیل اس کتاب پر کبھی کبھی اونچی اونچی محفلوں سے سنائی دیتی ہے، اہل علم جو تبصرے فرماتے ہیں، تو حقیر ذروں کی کمزور آواز آتی ہے کہ وہ سچ جو سرکشی کے جرثومے کو تندرست کرے، اس جھوٹ سے بہتر نہیں ہو سکتا، جو طاعت اور اطاعت کا خوگر بنادے۔

''فضائل اعمال''فنی لحاظ سے کمزور ہے یا مضبوط، فیصلہ کبھی کسی فرصت میں کر لیجئے گا، مگر اس کو دل میں جگہ دیجئے کہ حضرت شیخ الحدیث کے اس عمل میں کتنا اخلاص اور کیسی برکت ہے، کہ یہ بے جان زندگی کو زندگی دے رہی ہے، حیوانوں کو انسان بنارہی ہے اور قرآن مجید کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی اور سنی جانے والی کتاب ہے !

اور آخر میں............

مبارک باد! بانی جامعہ اسلامیہ، بانی مرکز الشیخ ابی الحسن، حضرت مولانا تقی الدین ندوی مظاہری کو ان کے رفقاء کار کو، انہوں نے بڑی اچھی محفل سجائی حضرت شیخ الحدیث کی یاد میں، بیش قیمت جلال و جمال سے آراستہ مرکز کی عمارت بنوائی ہمارے مخدوم حضرت مولانا علی میاں کی یاد میں، کیا مقابلہ ہے ان پر رونق گرانبار شامیانے اور اس آبادی کی روشنیوں کا یہاں خوبصورت ایستادہ ستونوں اور ایسی حسین اور دلکش عمارتوں کا، اور حضرت مولانا علی میاں کے تکیہ والے گھر میں بچھے ٹاٹ اور حضرت شیخ الحدیث کے آستانہ کی چٹائیوں، کمزور کھمبوں کا، وہ کم قیمت ، یہ بیش قیمت، اس کی رنگت اُڑی اُڑی سی، اور اس کا رنگ و روغن جما جمایا؟ اور اس مرکز کی عمارت تو ابھی ابھی بنی ہے صاف ستھری، جاذب نظر ابھی تو حال یہ ہے کہ نسیم صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا، مگر یہ مرکز نظر ہے، وہ مرکز قلب و جگر ہے، یہ آرزوئے فن ہے، وہ آبروئے فن ہے، یہاں جمال ارادی ہے وہاں جمال عطائی ہے! اس عمارت کی عظمت اور اس مجلس کی زینت اس

نسبت سے ہے جو انہیں اُن کھردری اور بظاہر معمولی چیزوں سے ہے، یہ سامنے کے لاکھوں کے

ستونوں کی قسمت ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کے سائبان کے کھمبوں سے ان کا رشتہ جڑا ہوا ہے ان فرشوں، قالینوں کی قسمت ہے کہ باب علی کے ٹاٹ سے ان کا رشتہ قائم ہو گیا ہے، یہ نسبت اس محفل اور ان عمارتوں کا سرمایہ ہے اور یہی ان کی تازگی، توانائی خدمت گذاری اور سربلندی کا ذریعہ بنے گی۔

اور اس طرح کی ساری کمزور اور مضبوط خوشنما اور بے رنگ وروغن چیزوں میں توانائی آتی ہے، مسجد نبویؐ کے کھردرے کھجور کے تنوں سے، کھجور کی چبھنے والی چٹائی سے، جس پر سرکار ذی وقار علیہ تحیۃ الابرار (ﷺ) آرام فرماتے تو جسم مبارک پر نشان ابھر آتے تھے، ماضی کی ان سادگیوں، نسبتوں عظمتوں، خدمتوں سے رابطہ رہے گا، تو کامیابی ہر گام پہ ہر منزل پر ملتی چلی جائے گی۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ شخصیت کے تشکیلی عناصر

پروفیسر محسن عثمانی ندوی
صدر شعبہ عربی CIEFL
حیدرآباد 500007

نیک نامی اور اچھے کاموں کی شہرت اور زبانوں پر ذکر خیر اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جس کی دعاء قرآن مجید میں موجود ہے: ﴿و اجعل لي لسان صدق في الآخرين﴾ حضرت شیخ الحدیث سے ان کی زندگی میں اصلاح و بیعت کا تعلق رکھنے والے ہزاروں تھے اور گھروں میں اور مسجدوں میں ان کی وفات کے بعد فضائل کی کتابوں سے فائدہ اٹھانے والے لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ اور یہ فضائل والی کتاب جو منبر و محراب ہر جگہ پڑھی جاتی ہے اس کے سینکڑوں ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ بیسویں صدی میں شاید ہی کسی کتاب کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی ہو جتنی اس کتاب کو حاصل ہوئی ہے۔ ایک چشمہ فیض ہے جو زندگی میں بھی جاری تھا اور انتقال کے بعد بھی جاری ہے، علو في الحياة و فی الممات ،حضرت شیخ کی اصل حیثیت ان کے عارف باللہ ہونے کی ہے اور روحانی کمالات کے معاملات اور مدارج عالیہ کا صحیح

علم تو اللہ کو ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کسی قدر اہل اللہ کو عطا فرماتا ہے لیکن ایک کوتاہ نظر کے نزدیک ہزاروں علماء اور لاکھوں اہل دین کا ان کا گرویدہ ہونا ان کی عظمت کی گواہی کے لئے کافی ہے۔ اس عارف کامل اس محدث جلیل، اس مصلح ومربی، اور عالم گیر تبلیغی کام کے سرپرست کی سیرت کا مطالعہ کرنے والا بھی جب ان کی شخصیت کے عناصر ترکیبی کا سراغ لگانے بیٹھتا ہے تو کچھ چیزیں ہاتھ آجاتی ہیں اور ان میں سے کئی چیزیں بہت سے لوگوں کے لئے مشعل راہ بن سکتی ہیں۔ ان عناصر ترکیبی میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔خاندانی ماحول

ان کی سیرت وشخصیت کی تشکیل میں سب سے بنیادی عامل کی حیثیت ان کے دینی و علمی خاندانی ماحول کی ہے، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ ان کے حقیقی چچا تھے جن کی برپا کی ہوئی تبلیغی تحریک اس وقت عالم اسلام کی سب سے مقبول تحریک ہے، یہ وہ خاندان ہے جس میں لوگوں کی پندرہ سولہ برس تک تہجد تک کی نماز قضا نہیں ہوتی تھی۔ جہاں روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرنا گھر کے بعض بزرگوں کا معمول رہا کیا ہے، خود حضرت شیخ الحدیث کے والد مولانا محمد یحییٰ صاحب کو بچپن میں حضرت شیخ الحدیث کی تربیت کا بہت خیال رہتا تھا۔ تربیت کے سلسلے میں سب سے زیادہ زور ترک تعلقات پر تھا، ان کا کہنا تھا کہ آدمی کتنا ہی کند ذہن اور غبی ہو اگر اس میں تعلقات کا مرض نہیں تو وہ کسی وقت بھی صاحب استعداد بن سکتا ہے، اس کے برخلاف وہ جتنا بھی ذی استعداد، ذہین اور علم کا شوقین ہو اگر اس کو تعلقات کا چسکہ ہے تو وہ اپنے جوہر کو کھوکر رہے گا، حضرت نے نصاب کی زیادہ تر کتابیں مدرسے میں اپنے والد سے پڑھی تھیں اور تعلیم کے سلسلے میں مولانا یحییٰ صاحب کا خاص انداز فکر تھا اور وہ یہ کہ طالب کو پوری تیاری کے ساتھ درس میں آنا چاہئے اور طالب علم ہی کو شرح بھی کرنی چاہئے استاد کا کام صرف تصویب ہے اور کوئی غلطی ہے تو اس غلطی کا ازالہ ہے۔ حضرت شیخ کو بچپن میں اپنے والد مولانا یحییٰ صاحب کی طرف

سے گھومنے پھرنے سفر و سیاحت کی آزادی نہ تھی بناؤ سنگار سے روکا جاتا تھا اچھے لباس تک کی ممانعت تھی۔ سادگی اور تقشّف پر بہت زور دیا جاتا تھا، ہر جمعہ کے دن سر کا بال منڈانا ضروری ہوتا تھا۔ اساتذہ کے لئے مکمل انقیاد کی تربیت دی جاتی تھی اور ان کی مرضی کے خلاف حرکت سے سختی سے روکا جاتا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث کے والد پانچ سال تک مدرسہ میں درس دیتے رہے اور اس کا معاوضہ نہیں لیا۔ اخلاص اور تقرب الی اللہ کی کوشش اس خاندان کا امتیاز رہا ہے۔ وہ رات کو عبادت کرتے اور دن میں اپنے تجارتی کتب خانہ میں گذارتے، ان کا لقب لوگوں نے بکّاء باللیل و بسام بالنہار رکھ دیا تھا۔ گویا دیدہ گریاں بھی تھا اور روئے خنداں بھی تھا۔ دن بھر چلتے پھرتے پورا قرآن مجید ختم کر لیتے۔ اور ہمیشہ با وضو رہتے۔ بیواؤں اور یتیموں کے ساتھ حسن سلوک بھی کرتے۔ حضرت شیخ الحدیث کی نشو ونما اسی عابدانہ اور زاہدنہ ماحول میں ہوئی۔ مولانا یحییٰ صاحب خود مولانا رشید احمد گنگوہی کی تربیت میں رہتے تھے اور خود مولانا محمد زکریا صاحب کا بچپن بھی حضرت گنگوہی کی صحبت میں گذرا۔ گنگوہ صلحاء اور علماء کا مرکز تھا اس لئے بچپن سے علماء اور صلحاء کی صحبت میسر رہی۔ اور دل کی سلیٹ پر پہلا نقش ان ہی علماء اور شیوخ کی باتوں کا پڑا۔ اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ آپ آگے چل کر مشائخ کے کمالات باطنی کے حامل اور علوم سیرت و حدیث کے شارح و مصنف بنے۔

مولانا محمد زکریا صاحب کی زندگی میں جو بات بہت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے وہ ہے اپنے اساتذہ کی عزت اور ان کا احترام۔ انہوں نے کبھی اپنے اساتذہ کی حکم عدولی تو بڑی بات ہے معمولی وجہ کی حق تلفی بھی نہیں کی اور نہ ان کے احترام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت کیا۔ اساتذہ و شیوخ کا احترام اور ان کے ساتھ کامل اطاعت وانقیاد کا تعلق ان کی سیرت کا نمایاں پہلو ہے۔ یہ وہ دولت ہے جو ان کو اپنے والد کی خصوصی تربیت سے حاصل ہوئی۔ شیوخ کی مفوضہ خدمت کی تکمیل سے باطنی ترقیات حاصل ہوتی ہیں اور شیخ اس معاملہ میں خوش قسمت تھے کہ انہیں اپنے

استاذ اور شیخ مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی خدمت کرنے اور ان کی دعائیں لینے کا موقعہ ملا وہ یکسو ہو کر ان سے بذل المجہود کا املا لیتے اور کسی مصروفیت اور کام کو اس میں حارج نہ ہونے دیتے۔ اور اس کام کے لئے انہوں نے خود کو پابزنجیر بنالیا تھا۔

۲۔ دولت دنیا سے بے نیازی اور استغناء

دوسری چیز ان کا مادی ترقیوں سے اور جاہ ومنصب سے بالکل بے نیاز ہو جانا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کی تمنا ہی دل سے رخصت ہوگئی ہے۔ چنانچہ انگریزی امتحان دینے کا مشورہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی میں ناظم دینیات کی حیثیت سے تین سو روپے ماہانہ کی ملازمت، دنیوی شوکت اور مال ودولت، ان میں سے کوئی چیز ان کے دل کو لبھا نہیں سکی۔ توکل وقناعت اور اعتماد علی اللہ ان کی شخصیت کا وہ پہلو ہے جس نے ان کو اپنے وقت کا شیخ کامل اور شیخ الحدیث بنادیا، انہوں نے خود کو اس عنقا کے مانند بنایا جس کا آشیانہ بلند ہوتا ہے۔ انہوں نے بڑی تنخواہوں کو ٹھکرادیا حالانکہ اس وقت ان کی تنخواہ پندرہ روپے ماہانہ تھی۔ اس طرح ریاست بھاولپور کے صدر کونسل مولانا سر رحیم بخش نے ان کو تین سو ماہانہ کی تنخواہ پر تبلیغی دارالعلوم میں مدرس کی حیثیت سے بلانا چاہا اور بہت ساری سہولتیں دینے کا وعدہ کیا تو وہ بذل المجہود کے کام کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوئے حالانکہ وہ مقروض تھے اور والد کا انتقال ہو چکا تھا، والد کے قرضوں کا بار تھا اور تنخواہ پندرہ روپے تھی۔ اور گراں قدر پیشکش کو قبول کرنے کے سارے شرعی عذر موجود تھے۔ اسی طرح دائرۃ المعارف حیدرآباد سے بیہقی کے اسماء الرجال پر تحقیق کے لئے ملازمت کی پیشکش ہوئی اور تنخواہ معمولی نہ تھی آٹھ سو روپے ماہانہ تھی اور مدرسہ کی معمولی تنخواہ سے اس کو کوئی نسبت نہ تھی لیکن انہوں نے اسے بھی قبول نہیں کیا۔ پھر مدرسہ عالیہ چاٹ گام سے شیخ الحدیث کا عہدہ پیش کیا گیا اور بارہ سو روپے تنخواہ کے ساتھ۔ وہاں لکھ دیا کہ "ناکارہ اس کا اہل نہیں" وہ اس مسافر کی طرح تھے جو تمام دانہ ودام سے کتراتے ہوئے اور ہر فتراک سے بچتے ہوئے اپنی منزل مقصود کی طرف

رواں دواں رہتا ہے اوراس کے کانوں پر ہاتف غیب سے یہ صدا آتی رہتی ہے کہ مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں۔اور عنقا را بلند است آشیانہ۔ وہ اس باد سحر کے مانند نہ تھے جس کو یہ نصیحت کی جائے

تیرا کام سیر مدام ہے نہ کہ گلستانوں میں ٹھہرنا
یہ کلی کلی کے فریب میں تو کہاں سے باد سحر پڑی

حضرت شیخ الحدیث کی زندگی میں جو للّٰہیت اور بے نفسی اور اخلاص کارفرما تھا اوران کے چشمۂ صافی سے کردار کے جو لولوئے لالا نکل رہے تھے ان کی چمک دمک سے ہزاروں مادیت کے شکار لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور ہزاروں کے نزدیک یہ قصے نا قابل یقین تھے اور زیب داستاں کے لئے بڑھا دیئے گئے تھے۔کیا ممکن ہے آج کے دور میں کہ یونیورسیٹی کے ایک عام لکچرر کو وائس چانسلر بنا دیا جائے اور وہ اس بنا پر یہ انتظامی عہدہ قبول کرنے سے انکار کردے کہ اس سے مطالعہ کی یکسوئی باقی نہ رہ سکے گی۔حضرت شیخ الحدیث کی زندگی میں اس طرح کے واقعات بہت عام ہیں حصول کمال کے لئے استغراق اور خود فراموشی اور بلند سے بلند منصب کو خاک نشینوں کی ٹھوکر میں رکھنا اور بیش بہا تنخواہوں پر نگاہ غلط انداز بھی نہ ڈالنا ان کی سیرت کے تابناک پہلو ہیں۔حضرت شیخ کی سیرت کا یہ بالکل بنیادی عنصر ہے۔اس کے بغیر ان کی سیرت کی تکمیل اور کردار کی تشکیل نہیں ہوتی ہے۔اس شکم پرستی کے دور میں جب تنخواہ کا تھوڑا اضافہ ملازمتوں اور درسگاہوں کو تبدیل کرنے کا باعث بننے لگا ہے اور اسی شکم پروری کے لئے لوگ دینی جامعات سے عصری جامعات منتقل ہو جاتے ہیں حضرت شیخ کی زندگی مینارۂ نور نظر آتی ہے۔

۳۔ بلا انقطاع علمی اور تصنیفی مشغولیت

تیسری چیز جو طالب علمی کے زمانہ سے حضرت شیخ الحدیث کی مشغولیات میں شامل رہی وہ ہے علمی مشغولیت اور تصنیف و تالیف وتحریر کی مشق۔ انہوں نے زمانۂ طالب علمی اور

ابتدائے عہد مدرسی میں مشائخ چشتیہ، احوال مظاہر العلوم، شذرات الحدیث، تقاریر کتب حدیث، حجۃ الوداع والعمرات، خصائل نبوی وغیرہ بہت سی کتابیں تصنیف کرڈالیں۔ بعد میں جن کتابوں کی وجہ سے حضرت کی شہرت ہوئی وہ چھ جلدوں میں اوجز المسالک ہے جو موطا امام مالک کی شرح ہے۔اور بذل المجہود ہے جو ابوداود کی شرح ہے۔اس کے علاوہ الکوکب الدری اور لامع الدراری ان کی اہم تصنیفات میں ہیں۔ فضائل کی کتاب نے مقبولیت کے سارے ریکارڈ توڑ دئے۔ حکایات صحابہ اور اعتدال فی مراتب الرجال کا شمار بھی ان کی مقبول کتابوں میں ہوتا ہے۔اپنی اس علمی مشغولیت کی وجہ سے شام کا کھانا بھی چھوڑ دیتے تھے۔اور کئی وقت کا کھانا ناغہ کر دیتے تھے۔ رمضان المبارک کے زمانہ میں تراویح کے بعد سے تہجد تک قرآن کریم کی تلاوت اور اس میں تدبر کا اہتمام تھا ان کی کتابوں کی کل تعداد ۸۳ ہے ان میں سے بہت سی کتابیں ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہیں اب یہ اہل ہمت کا کام ہے کہ غیر مطبوعہ کتابوں کی تحقیق اور تنقیح کے بعد شائع کریں، شیخ کے یہاں معمولات کی پابندی اور بغیر کسی ناغہ کے تحریر و تصنیف کا سلسلہ ان کی سیرت کی تشکیل کا اہم عنصر ہے جس طرح پابندی کے ساتھ سورج طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے تقریباً یہی تسلسل اور استقلال ان کے کام میں پایا جاتا ہے۔

۴۔وقت کی حفاظت

ان کی شخصیت سازی میں ان کی بے پناہ محنت اور جدو جہد کا بڑا دخل رہا تھا وہ کبھی اپنے وقت کو ضائع نہیں ہونے دیتے تھے اور اگر کبھی کوئی غیر متعلق کام زیادہ ہوگیا اور اس کو انجام دینا پڑ گیا تو اپنے روزانہ کے معمول کے پروگرام میں کوئی کمی نہیں کرتے بلکہ اپنی رات کی نیند میں سے کٹوتی کر دیتے، اپنے دوسرے علمی اور تصنیفی کاموں میں کوئی کمی نہیں کرتے۔عزیز و اقارب کے انتقال سے بھی معمولات کی پابندی میں فرق نہیں آتا تھا۔ جب کبھی تھانہ بھون جانا ہوتا ظہر سے عصر تک کتابوں میں اس طرح ڈوبے رہتے کہ سر نہیں اٹھاتے۔ان کی اس حالت پر خود

حضرت تھانوی رشک کرتے اور کہتے کہ ”مولوی صاحب اس کی بالکل فکر نہ کیجئے کہ آپ میری مجلس میں نہیں آتے ہیں، لیکن میں ظہر سے عصر تک آپ کی مجلس میں رہتا ہوں میں بار بار آپ کو دیکھتا رہتا ہوں اور رشک کرتا ہوں کہ کام تو یوں ہوتا ہے“۔ خود اپنی طالب علمی کے زمانہ کی محنت کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ بیتی میں لکھتے ہیں:- کہ میں شب وروز میں دو ڈھائی گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتا تھا۔ ساری رات شروح حدیث کا مطالعہ کرتا تھا۔ سہارنپور میں صبح کی چائے کے بعد جو پچاس ساٹھ کی تعداد میں مہمانوں کے ساتھ پی جاتی آپ بالا خانہ پر علمی اور تصنیفی کاموں میں مشغولیت کے لئے چلے جاتے اور ساڑھے گیارہ بجے تک پوری یکسوئی کے ساتھ کام کرتے۔ اور اس وقت میں بالعموم لوگوں سے ملاقاتیں نہیں کرتے تھے۔

۵۔ روحانی مجاہدات

ابتداء سے توجہ الی اللہ اور ذکر اور باخدا ہونے کی مشق نے حضرت شیخ کو حضرت شیخ بنایا تھا۔ احضار نیت، تصحیح نیت اور اخلاص کا بڑا اہتمام تھا اور یہ پہلوان کی زندگی میں شروع ہی سے نمایاں نظر آتا ہے۔ گھر اور بزرگوں کی تربیت نے ان کو شروع ہی سے اس راہ پر ڈال دیا تھا۔ مدینہ طیبہ کا جب سفر ہوا تو عبادت کا اس قدر اہتمام تھا کہ دو مہینے تک روزے کی نیت کر لی تھی اور وہ بھی اس طرح کہ ایک گلاس پانی سے افطار کرتے پھر مغرب سے عشاء تک مسجد نبوی میں اقدام عالیہ میں مراقب رہتے اور عشاء کی نماز کے بعد مسجد نور پہنچ کر رات کا کھانا تناول فرماتے۔ ان روحانی مجاہدات کے نتیجے میں ان میں علو نفس اور توکل علی اللہ کی صفت پیدا ہو گئی تھی، وہ دنیا سے گریزاں تھے اور دنیا ان کی دیوانہ تھی۔ انہوں نے دولت کو ٹھکرایا اور اللہ نے ان کے لئے وہ اسباب راحت پیدا کئے جس کا تصور اہل ثروت نہیں کر سکتے ہیں۔ وہ اسباب تجمل سے مستغنی اور اصحاب تمول ان کے راہ نشیں مہمانوں کی کثرت ان کے لئے باعث پریشانی نہیں بنتی۔ ان کی زندگی شاعر کے اس شعر کے مصداق تھی ؎

رند قانع متوکل ہے خدا دیتا ہے
وہ جو پاتا ہے وہ پیتا ہے پلا دیتا ہے

کثرت ریاضت نے ان کی طبیعت میں سوز وگداز پیدا کردیا تھا۔اوران کتابوں کے ورق ورق سے اورفضائل کی کتاب سے بھی اس کا اظہار ہوتا ہے کہ تمام عبادتوں وریاضتوں کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے اندراپنے مالک کی محبت اوراس کے رسول کا عشق جاگزیں ہوجائے تاکہ شریعت کے تمام احکام پر عمل آسان ہوجائے،شوق آخرت اورلقاء حبیب کی تمنا دل میں کروٹیں لینے لگے،لذتِ آشنائی (اضافی ترکیب۔ت پرزیر کے ساتھ) حاصل ہواورموت کے آئینے میں رخ دوست نظر آنے لگےاور یہ چیز زندگی کواور بھی دشوار کردے۔

۶۔طبیعت کا اعتدال اورتوازن

ان کی سیرت کا ایک امتیازی پہلوان کا اعتدال ہے،مسلک اورفکر وخیال کی عصبیت ان کے اندر نہ تھی مختلف سیاسی افکار وخیالات کے لوگوں سے یکساں تعلق رکھنا اور یکساں ان کا احترام کرنا ان کی بہت اہم خصوصیت ہے،وہ ایک طرف حضرت شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی سے جواپنے سیاسی مسلک کے اعتبار سے کانگریسی تھے بے حد قریب تھے دوسری طرف حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے بہت قریب تھے جواپنے سیاسی فکر کے اعتبار سے کانگریس کے مخالف تھےاورلیگ کے حامی تھے،حضرت شیخ الحدیث کو دونوں کا یکساں اعتماد حاصل تھا۔اور انہوں نے اس موضوع پرایک کتاب بھی لکھی جس کا نام ہے اعتدال فی مراتب الرجال۔اگر امت اس فکر ونظر کو قبول کرلے جس کے داعی اورمربی شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب تھے تو اختلافات بڑی حدتک ختم ہوجائیں گےاور یہ امت اتحادواعتماد سے متصف ہوجائے گی۔

۷۔ احساس مسئولیت اور ذمہ داریوں کا شعور

ایک چیز جو ان کی سیرت سازی میں نمایاں نظر آتی ہے وہ ہے ان کا احساس ذمہ داری۔ اس زمانہ میں لوگ تصور نہیں کر سکتے کہ اپنی روزی اور تنخواہ کو حلال کرنے کے لئے منصبی فریضہ کو ادا کرنا کتنا ضروری ہوتا ہے، اب تو لوگ تنخواہ لیتے ہیں اور مہینوں اور برسوں کام نہیں کرتے ہیں۔ حضرت شیخ اپنی ملازمت کی وجہ سے عائد تمام ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ذرا بھی کسر نہیں چھوڑتے۔ ان کا کہنا تھا مدرسہ کا جو شخص زیادہ لحاظ رکھتا ہے مجھے اس سے بہت زیادہ محبت ہوتی ہے اور جو ملازم ہوکر مدرسہ کے امور میں تساہل اور تکاسل برتتا ہے مجھے اس سے چاہے کتنی ہی محبت ہو مگر وہ محبت نفرت سے بدل جاتی ہے۔ یہ بھی احساس ذمہ داری تھا کہ سینکڑوں کی تعداد میں مہمان ہوتے لیکن مہمانوں کے حقوق کی ادائیگی میں فرق نہیں آنے دیتے اور طبیعت ان کی شگفتہ رہتی۔ نہ مہمانوں کے حقوق کی ادائیگی میں کمی کرتے اور نہ علم کا حق ادا کرنے میں کوتاہی برتتے جو مطالعہ اور تصنیف کا وقت ہوتا وہ مطالعہ اور تصنیف میں خرچ ہوتا، جو وقت تدریس کے لئے خاص ہوتا اس میں تدریس کا ناغہ نہ ہوتا۔ جو وقت مہمانوں کے لئے مقرر ہوتا وہ مہمانوں کا ہوتا اور ”فلیکرم ضیفہ“ پر اس وقت عمل ہوتا۔ حضرت شیخ کے یہاں اوقات کی تقسیم ہوتی اور عام طور سے اس میں سرمو فرق نہ ہوتا تھا۔ اس لئے وہ ہر ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جاتے تھے۔

چند فرمودات شیخ، آپ بیتی کی روشنی میں

حضرت شیخ کے مزاج اور مقام علم وتقوی کو سمجھنے کے لئے ان کی آپ بیتی اور حضرت مولانا علی میاں صاحب کے قلم سے نکلی ہوئی مؤثر اور جامع سوانح کو ضرور پڑھنا چاہئے۔ قدم قدم پر اس قدر مصلحانہ معلومات ملیں گی کہ انسان افسوس کرے گا کہ ابھی تک اس کتاب کا

مطالعہ کیوں نہیں کیا۔ اس گلشن ہدایت واصلاح سے چند پھول قارئین کے دامن فکر وخیال کے لئے لکھ دیئے جاتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ آپ بیتی صرف آپ بیتی نہیں ہے بلکہ اس میں اصلاح وتزکیہ کے پھول بھی ہیں۔ اوراس میں کسی قدر عبرت آموز قصے بھی ہیں۔

۱۔ حضرت شیخ الحدیث نے حضرت عبدالقدوس گنگوہی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اللہ کا نام چاہے کتنی ہی غفلت سے لیا جائے وہ اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔

۲۔ کسی کو اس کے گناہ پر عار دلانا اور ذلیل کرنا بڑی سخت چیز ہے اور انسان خود اس میں مبتلا ہو جاتا ہے البتہ نصیحت کرنے میں حرج نہیں۔

۳۔ اللہ والوں سے ڈرتے رہو ان کی الٹی بھی سیدھی ہے اگر اہل اللہ کے قلوب میں کسی کی طرف سے تکدر پیدا ہو جائے خواہ وہ کسی غلط بات کی وجہ سے پیدا ہو وہ رنگ لائے بغیر نہیں رہتا۔ اور وہ اس شخص کو کسی مصیبت میں پھانس دیتا ہے۔

۴۔ حضرت تھانوی کے حوالہ سے ایک جگہ لکھتے ہیں ''اہل نسبت کو شرح صدر کے خلاف نہیں کرنا چاہئے کہ اس سے کبھی جسمانی نقصان پہنچ جاتا ہے اس کے بعد فرمایا کہ ایک بزرگ تھے ان کا خیال ہوا کہ فلاں عالم کی عیادت کرنا چاہئے وہ عالم ہیں مگر طبیعت نے شدت سے اباء کیا مگر اپنے شرح صدر کے خلاف چل دئے چند قدم چلے تھے کہ پاؤں پھسل گیا اور گر پڑے اور پاؤں ٹوٹ گیا۔

۵۔ ہندوستان کی تقسیم کے وقت فسادات ہو رہے تھے۔ دہلی میں ایک مسلمان داڑھی والا کئی قاتل قسم کے سکھوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا سکھ اس کو قتل کی دھمکی دے رہے تھے مگر مسلمان کے چہرے پر سکون تھا۔ وہ یہ دعا پڑھ رہا تھا'' اللھم إنا نجعلك في نحورهم و نعوذ بك من شرورهم '' چنانچہ وہ مسلمان بخیریت اپنی منزل پر اتر گیا اور سکھ اپنے ارادہ پر عمل نہ کر سکے۔ فسادات کے موقع پر جب دشمن کے حملہ کا خوف ہو تو کثرت سے یہ پڑھنا چاہئے

’’وجعلنا من بين أيديهم سداًو من خلفهم سداً فأغشيناهم فهم لا يبصرون‘‘ -

۶۔ حضرت شیخ الحدیث فرماتے تھے کہ دعائیں اپنے الفاظ میں نہ مانگا کرو بلکہ حضور اکرم ﷺ کے مبارک الفاظ میں مانگا کرو۔ محبوب کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اللہ کو پسند زیادہ ہیں دوسرے وہ الفاظ اس قدر جامع ہوتے ہیں کہ مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

۷۔ جب تک قلب تعلقات وتشویشات دنیاوی میں مشغول رہے گا عبادت وطاعت کی لذت وحلاوت بالکل نہیں ملے گی جب تک ماسوا اللہ سے پاک صاف نہ ہوگا تب تک نہ سچی توحید حاصل ہوگی نہ جمال حق کا آئینۂ دل میں مشاہدہ ہوگا، اللہ تعالی نے ایک دل اپنے واسطے عطا کیا ہے کوئی دوسرا دل نہیں ہے کہ اس میں دوسرے مشاغل اور تعلقات کو جگہ ہو۔

۸۔ جب تک اللہ ورسول کی محبت سب چیزوں پر غالب نہ آئے گی اس وقت بندے کا ایمان پورا نہیں ہوگا۔

۹۔ مکہ اور مدینہ میں رہنے کا لطف جب ہی ہے کہ دل سب سے فارغ اور خالی ہو۔ حرمین میں رہ کر دل کو معاملات ہندیہ میں اور رشتہ داروں میں لگانے سے بہتر ہے انسان ہندوستان میں رہے اور دل حرمین شریفین میں لگائے۔

۱۰۔ مدرسہ کے اوقات کا بہت اہتمام کرنا چاہئے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مجھے کون ٹوک سکتا ہے میں اپنے دوستوں کو وصیت کرتا ہوں کہ مدرسہ کے مال کا بہت خیال رکھیں اور اس میں بہت احتیاط برتیں۔ مدرسہ کا کوئی مالی اور تعلیمی حق اپنے پر نہیں رکھنا چاہئے۔

۱۱۔ ’’لا تتمارضوا فتمرضوا‘‘ حدیث جو شخص جھوٹ موٹ بہانہ کرتا ہو وہ بیمار پڑ ہی جاتا ہے۔

۱۲۔ کسی اہم دینی خدمت کو چھوڑ کر صرف بڑی تنخواہ پر دوسری جگہ جانا مناسب نہیں اس سے بچنا چاہئے۔

۱۳۔ رب العالمین جس کے ایک لفظ ''کن'' میں تمام خزانے ہیں اس کے دروازہ پر کوئی شخص اس کے کام کی نیت سے اخلاص سے بغیر خودغرضی کے اس کے دین کی خدمت کے واسطے پڑ جائے تو کیا وہ اپنے خدمت گاروں کو بھوکا ننگا رکھ سکتا ہے، اللہ کی غیرت سے بعید ہے کہ اس کے دین کا خادم بھوکا ننگا رہ جائے، اور جن اکابر کے فقر وفاقہ کے واقعات ہیں وہ اختیاری ہیں اور خود کے مانگے ہوئے ہیں۔

۱۴۔'' من تواضع لله رفعه الله ''(حدیث نبوی)

۱۵۔ اللہ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے، شور شغب مقبول نہیں۔

۱۶۔'' قلوبهم على قلب رجل واحد لا اختلاف بينهم و لا تباغض '' یہ ہے جنت کے لوگوں کا نقشہ، جو حدیث میں آتا ہے دنیا میں بھی اسی طرح رہنا چاہئے۔ یعنی متحد ہو کر آپس میں بغض وکینہ نہ ہو۔

۱۷۔ ذکر کرتے رہنا چاہئے۔ ذوق وشوق کے پیدا ہونے کی فکر نہیں کرنا چاہئے توجہ کے لئے حدیث "تعبدوالله كأنك تراه "کو پیش نظر رکھنا چاہئے، رات دن کے چوبیس گھنٹے میں معینہ ذکر کو پورا کر لینا چاہئے۔

۱۸۔ مجھے یقین ہے کہ تمام فتنوں کا علاج اللہ تعالی کا ذکر ہے اور اسی جذبہ کے تحت ملکوں ملکوں پھر رہا ہوں کہ خانقاہیں دنیا سے ختم ہوگئی ہیں

۱۹۔ اجازتِ شیخ دلیل کمال نہیں بلکہ دلیل مناسبت ہے۔ غیر کامل کو مشائخ اجازت دیتے ہیں مخلص کی برکت سے اس کی بھی اصلاح ہو جائے اور طالب جب کامل بن جاتا ہے تو اللہ تعالی اس کی برکت سے پیر کو بھی کامل بنا دیتا ہے۔

۲۰۔ رمضان کے زمانہ میں کئی سو اہل تعلق عبادت واعتکاف کی نیت سے آتے تو حضرت شیخ سب کی میزبانی کرتے اور یہ کہتے کہ دن کے سونے اور رات کے کھانے پر کوئی پابندی نہیں جتنا چاہے کھائیں اور جتنا چاہیں سوئیں۔ لیکن بات چیت کرنے پر سخت پابندی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ

مولانا مجیب اللہ ندوی
ناظم جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ

تاتاریوں کے حملے کے بعد جس طرح مسلمانوں کو علمی و دینی اور سیاسی اعتبار سے غیر معمولی نقصان پہنچا تھا اور پورے عالم اسلام میں ایک جمود وسکوت بلکہ موت کا سناٹا طاری ہوگیا تھا مگر عین وقت پر اللہ تعالی نے اس مایوسانہ فضا میں علمی و دینی اور سیاسی سطح پر کچھ ایسی قد آور شخصیتیں پیدا کردیں کہ ان کے ذریعہ مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا ہوگئی اور وہ تازہ دم ہوکر پھر رواں دواں ہوگئے ، بالکل اسی طرح ہندوستان میں جب عالمگیر کے بعد مسلمانوں کا سیاسی زوال شروع ہوا تو اس کا اثر زندگی کے دوسرے شعبوں پر پڑنے لگا مگر اللہ تعالیٰ نے اسی دور میں سیاسی سطح پر حیدر علی، ٹیپو سلطان اور سراج الدولہ جیسے باہمت لوگوں کو پیدا کردیا جن کی وجہ سے مسلمانوں میں اور پورے ملک میں ایک نئی سیاسی حرکت پیدا ہوئی اور علمی و دینی سطح پر شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے خانوادہ کو پیدا کردیا، جنہوں نے مسلمانوں کی زوال پذیر دینی و علمی حالت کو قدرے سنبھالا دیا اس کے بعد سید احمد شہید بریلویؒ کی تحریک جہاد کے ذریعہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں میں عملی طور پر دینی زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی اور ان کے اندر ایک بڑی حد تک دینی وتہذیبی شعور کے ساتھ سیاسی شعور بھی پیدا ہوا مگر اب تک یہاں مسلمانوں کی ایک بڑی سیاسی حیثیت باقی تھی جو ۱۸۵۷ھ کے بعد جاتی رہی۔

انیسوی صدی کا یہ انقلاب صرف ایک سیاسی انقلاب نہیں تھا بلکہ یہ انقلاب لانے والے اپنے ساتھ ایک نیا سیاسی نظام ایک نئی تہذیب اور اسلام کے لئے مشنری اسپرٹ کا ایک نیا دینی خطرہ لے کر آئے تھے۔ ہندوستان کی دوسری قوموں نے تو آسانی کے ساتھ اس نئے نظام سے مصالحت کر لی مگر مسلمان اس نئی تہذیب اور نئے نظام سے آسانی سے مصالحت نہیں کر سکتے تھے اس لئے کہ وہ ایسے دین کے ماننے والے تھے جو اپنی علٰحدہ دینی حیثیت اور تہذیب رکھتا تھا، سیاسی و معاشرتی لحاظ سے بھی اس کے کچھ امتیازات تھے۔ اس لئے ان کے اصحاب فکر کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ وہ اپنی دینی خصوصیات تہذیبی امتیازات کس طرح باقی رکھ سکیں اس کے لئے کوئی اجتماعی مشورہ تو نہیں ہوا مگر ملت کے سوچنے والے افراد نے اپنے اجتماعی احساس کے تحت انفرادی طور پر اپنے اپنے لئے ایک دائرہ مقرر کر کے کام شروع کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہر زوال کے موقع پر اپنے نام لیواؤں کی مدد کی تھی اس موقع پر بھی اس نے ہر شعبۂ زندگی کے لئے کچھ غیر معمولی شخصیتیں پیدا کر دیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کا دینی وملی جذبہ، تہذیبی و معاشرتی امتیاز اور سیاسی احساس زندہ رہا دینی احساس پیدا کرنے والوں نے دینی مدارس کھول کر ملت کے دینی احساس کو زندہ کرنے کی کوشش کی، کچھ مشائخ نے تزکیۂ نفس کے ذریعہ ان میں دینی روح پھونکنی شروع کر دی اور کچھ لوگوں نے جدید تعلیم کی ترویج میں اپنی قوت لگا دی کہ مسلمان نوجوان اپنے ہم وطنوں سے مادی اعتبار سے پیچھے نہ رہ جائیں اور کچھ لوگوں نے سیاسی سطح پر مسلمانوں کے لئے جگہ بنانے کی فکر میں اپنی توانائی صرف کی، ان سب کی سعی مشکور سے مسلمانوں کے اندر ایک نئی زندگی پیدا ہوئی خاص طور پر شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے خانوادہ اور سید صاحب کی تحریک کے بعد دینی مدارس کے ذریعہ ایک صدی کے اندر ایسی بڑی بڑی شخصیتیں پیدا ہوئیں جنھوں نے متقدمین کے عہد سعادت کی یاد تازہ کر دی انھیں میں ایک شخصیت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی بھی تھی دنیا کہاں سے کہاں جا رہی تھی مگر انہوں نے بزرگوں سے دین اور علم

دین کی جو امانت ورثہ میں پائی تھی اس کی حفاظت میں پوری زندگی لگادی اور کبھی دوسری طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔

تبع تابعین کے دور تک علماء کی ذات ہی مدرسہ بھی ہوا کرتی تھی اور خانقاہ بھی، مولانا زکریا صاحب اس حیثیت سے بھی یادگار سلف تھے کہ مدرسہ مظاہر العلوم کو انہوں نے اپنی ذات سے مدرسہ و خانقاہ دونوں بنائے رکھا، وہ مدرسہ مظاہر العلوم کے طالب علم بھی رہے اور اس کے مدرس بھی ہوئے اور کچھ دنوں بعد اس کے سب کچھ ہو گئے مگر انہوں نے اپنی اس حیثیت سے کوئی ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا...... بلکہ وہ تعلیم و تزکیہ کے کام میں زندگی بھر لگے رہے، یہ حقیقت نا قابل فراموش ہے کہ ان کی ذاتی شخصیت اور تبلیغی جماعت کے معنوی سرپرست ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کو جتنا دینی فیض ان کے ذریعہ پہنچا اتنا اس دور میں کسی ایک شخصیت سے نہیں پہنچا، ہندوستان کے بڑے بڑے مدارس میں صرف مظاہر العلوم ہی ایک ایسا مدرسہ رہ گیا ہے جو اپنی قدیم خصوصیات سے بالکل نہیں ہٹا۔ ان کے پیش رو مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور ان کے والد محترم مولانا یحیی صاحب کے زمانہ میں نئی روشنی نے اتنی ہمہ گیری اختیار نہیں کی تھی اس لئے ان کا مدرسہ کو قدیم نہج پر چلانا آسان تھا، مگر اس زمانہ میں جب جدید تعلیم، نئی تہذیب اور نئی روشنی گھر گھر پہنچ گئی ہو اس کو اپنے قدیم روش پر باقی رکھنا ذرا آسان کام نہیں تھا۔ مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس درس و تدریس اور تزکیۂ نفس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی زندگی بھر جاری رکھا، اور بے شمار عربی اور اردو کتابیں یادگار چھوڑ گئے ہیں، ان کی کتابیں زیادہ تر فن حدیث کے موضوع پر ہیں۔ ان کی کتابیں روایات کی جمع و ترتیب اور تطبیق و توجیہ کا بہترین نمونہ ہیں، خاص طور پر ان کی کتاب اوجز المسالک اس کا بہترین نمونہ ہے جو مولانا تقی الدین ندوی صاحب کی کوشش سے معیاری طباعت کے ساتھ منظر عام پر آگئی ہے۔ مولانا کی ایک خصوصیت ان کا اعتدال بھی تھا وہ مختلف متضاد خیال رکھنے والوں سے تعلق رکھتے تھے اور اس کو نباہتے تھے اسی بنا پر

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے ان کو تبلیغی جماعت کا معنوی سرپرست مقرر کر دیا تھا۔

یہاں اس بات کے ذکر میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ راقم الحروف کو اپنی طالب علمی کے دور میں کئی باران کی خدمت میں حاضری دینے کا موقع نصیب ہوا ہے، سہارنپور میں بھی اور تبلیغی جماعت کے مرکز میں بھی، ۱۹۴۳ء میں جب اسّی آدمیوں کی جماعت لے کر مولانا الیاس صاحبؒ لکھنؤ تشریف لائے تھے اور ندوہ میں قیام تھا تو کھانا کھلانے اور برف میں پانی ملا کر ان کو پیش کرنے کی سعادت بھی اس حقیر کو حاصل ہوئی۔ راقم الحروف اس وقت طلبہ کی انجمن الاصلاح کا ناظم بھی تھا اس لئے ان کو طلبہ کی لائبریری کا تفصیلی معائنہ کرایا اور مولانا نے کتاب المعائنہ پر جو اپنے تاثرات لکھے از راہ شفقت اس کی ابتداء میں راقم الحروف کا جن الفاظ میں ذکر کیا ہے اس کو وہ اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا ہے۔ پھر رحیم آباد کے اجتماع کے موقع پر میں نے اپنی زیر تالیف کتاب ''اہل کتاب صحابہ وتابعین'' کے بارے میں کچھ سوالات کئے تھے، جن کا انہوں نے از راہ عنایت جواب دیا، اور کچھ سوالات کے جواب کے لئے کتابوں کی نشاندہی کی۔

جامعۃ الرشاد کے قیام کے بعد مدرسہ کے ایک طالب علم مولوی عبیداللہ صاحب ان سے بیعت ہو گئے تھے۔ ان کے واسطہ سے کبھی کبھی خط وکتابت بھی ہو جاتی تھی ۱۹۷۱ء میں راقم الحروف کی ایک وداعی تقریر جو اس نے طلبہ کے سامنے کی تھی جو بعد میں ''الفرقان'' میں شائع ہوئی، شیخ الحدیثؒ کی نگاہ جب اس پر پڑی تو از راہ شفقت انہوں نے رمضان میں اسے کئی سو کے مجمع میں پڑھوا کر سنوایا اور فرمایا کہ اسے تمام طلبہ اور اساتذہ کو پڑھنا چاہئے۔ بغیر کسی خصوصی تعلق کے چھوٹوں کے ساتھ یہ شفقت ان کی وسعت نظری اور بلندیٔ ظرف کی دلیل ہے۔

أحب الصالحين و لست منهم

لعل الله يرزقني الصلاحا

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

ایک نابغۂ روزگار شخصیت

مولانا محمد فہیم اختر ندوی
(اسلامک فقہ اکیڈمی۔نئی دہلی)

بیسوی صدی عیسوی میں جن شخصیات نے برصغیر کے مسلمانوں کی علمی واصلاحی تاریخ پر گہرے نقوش ثبت کئے ہیں اوران کے اثرات دورتک اوردیرتک محسوس کئے جاتے رہیں گے ان میں ایک نمایاں نام مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کا ہے۔ایک عالم راسخ،ایک مصلح دردمند، ایک محقق مؤلف اورایک عالی رتبہ و بلند حوصلہ بزرگ جیسی جامع الکمالات شخصیت کے کسی امتیازی وصف کواگر بیان کیا جائے تو یہ وہی ہوگا جسے قدرت کے اشارے پرزبان خلق نے آپ کا جزونام بلکہ پہچان بنادیا۔یعنی ماضی قریب کی بزم علم میں مسند حدیث پرجلوہ افروز شخصیت حضرت شیخ الحدیثؒ۔

یہ عالی مقام شخصیت جس خانوادہ سے تعلق رکھتی ہے وہ ہمہ آفتاب ہے۔خانوادہ ولی اللہی نے قرآن اورعلوم قرآن کی برکتوں سے یہاں کے ماحول کوگرمایا تھا۔خانوادہ کاندھلہ کے عاشقان رسول نے حدیث رسول کی زمزمہ سنجیوں سے اسے پرگداز اوراصلاح وارشاد کی آہوں سے پرسوز بنادیا۔

مستجاب الدعوات گمنام بزرگ حضرت مولانا محمد اسماعیل کے پوتے، بانی تبلیغ و بے مثال داعی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے بھتیجہ، محدث وقت حضرت مولانا محمد یحی کاندھلوی کے فرزندار جمند شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کی پیدائش ماہ رمضان کی گیارہویں شب ۱۳۱۵ھ میں کاندھلہ میں ہوئی۔ والد محترم مولانا محمد یحی صاحب وقت کی مرجع خلائق شخصیت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں گنگوہ رہ رہے تھے، اس علمی وروحانی ماحول میں آپ کی تربیت کے ابتدائی ایام گذرے۔ بارہ سال کی عمر تک یہاں کے قیام نے لڑکپن میں ہی صالح سیرت وکردار کا بنیادی نقش آپ کے اندر مرتسم کردیا۔ سات سال کی عمر سے تعلیم کا آغاز ہوا۔ والد محترم کے انوکھے انداز تربیت اور مجتہدانہ منہج تعلیم کے مطابق خود والد بزرگوار سے نصابی کتابوں کی تکمیل ہوئی۔ پھر والد صاحب ہی نے حدیث کی تعلیم کا وہ مبارک آغاز کرایا جو ان کی شخصیت کا امتیاز ثابت ہوا۔ حدیث کی تعلیم پھر حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری سے بھی حاصل فرمائی اور ساتھ ہی اپنے مشفق استاد کی عظیم علمی تصنیف ''بذل المجہود'' کی تالیف میں شریک ہوگئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۳۳۵ھ میں مدرسہ مظاہر علوم میں بحیثیت مدرس تقرری ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔ اور جلد ہی نصاب کی اہم کتابوں کو پڑھانے کے بعد اپنے محبوب فن حدیث کی کتاب مشکوۃ شریف کی تدریس شروع فرمائی۔ اور پھر ۱۳۴۴ھ میں استاد محترم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے آپ کو شیخ الحدیث کے باوقار مسند پر بیٹھادیا۔ اور ساتھ ہی چاروں سلسلوں میں بیعت وارشاد کی عام اجازت مرحمت فرماتے ہوئے اپنا عمامہ آپ کے سر پر باندھ دیا۔

شہر رسول مدینہ منورہ میں اپنے استاد کے ساتھ بذل المجہود کے کاموں میں شرکت کے دوران ہی آپ کے دل میں امام دار الھجرہ حضرت سیدنا امام مالک کی مؤطا کی شرح کا خیال پیدا

ہوا، اور مواجہ شریف کے سامنے یہ عظیم علمی کام شروع ہوگیا۔ جو أوجز المسالک کے نام سے چھ جلدوں میں مکمل ہوکر نہ صرف مؤطا کی ایک اہم ترین شرح بنا، بلکہ اپنے موضوع پر ایک انسائیکلو پیڈیا بن گیا۔ اوراب آپ کے عزیز شاگرد حضرت مولانا تقی الدین ندوی مدظلہ کی تحقیق انیق کے ساتھ ۱۸؍جلدوں میں طبع ہوکر جدید علمی و تحقیقی معیار پر بھی آگیا ہے۔ علم حدیث کے ساتھ آپ کے والہانہ تعلق، زبردست علمی شغف اور انہماک کا یہ عالم تھا کہ ۳۸ھ کے سفر حج کے موقع پر مصنف عبدالرزاق کا قلمی نسخہ ایک صاحب کے پاس ملا جس کو خریدنے کے لئے رقم نہ تھی، ایسی ضخیم کتاب کو آپ نے اپنے چند رفقاء کے ساتھ مل کر اور اپنے استاد کی تصحیح کے اہتمام کے ساتھ پندرہ دنوں کے اندر مکمل نقل کرلیا۔ اپنے استاد کی تصنیف بذل المجہود کی طباعت کے لئے جن دنوں دلی آمدورفت رہا کرتی تھی تو دلی میں اس مختصر عارضی قیام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دو یا تین دنوں میں شمائل ترمذی کا ترجمہ خصائل نبوی مکمل فرمالیا۔ اسی طرح جب آنکھ کے آپریشن کے موقعے پر لکھنے پڑھنے کا سلسلہ موقوف تھا تو ''آپ بیتی'' لکھانی شروع فرمائی جو آئندہ سات جلدوں میں مکمل ہوکر بقول حضرت علی میاں ندویؒ ''دور ماضی کی ایک بولتی ہوئی تصویر، جیتا جاگتا مرقع، علماء و اساتذہ مدارس اور تازہ واردان بساط علم کے لئے خاص طور پر چشم کشا اور بصیرت افروز'' کتاب بن گئی۔ مشکوۃ کی تدریس کے دوران آپ نے حجۃ الوداع پر رسالہ تالیف کرنے کی ضرورت محسوس فرمائی اور کام کا آغاز کیا تو علم کی فراوانی اور شدت انہماک کا یہ عالم رہا کہ ایک دن ڈیڑھ رات میں رسالہ مکمل ہوگیا۔ جو بقول حضرت علی میاں ندویؒ: ''علمی، معنوی اور اپنے مواد و معلومات کے لحاظ سے بقامت کہتر و بقیمت بہتر'' کا مصداق ہے۔ حضرت شیخ الحدیث نے جہاں مختصر وقت میں مذکورہ رسائل تیار فرمائے اپنی مہتم بالشان تالیف أوجز المسالک کی تالیف ۴۵ھ میں شروع فرماکر تیس سال سے زائد میں اسے مکمل کیا اسے دیکھ کر علامہ حجاز اور مفتی مالکیہ سید علوی مالکی نے مالکیہ کے اقوال و مسائل کے اتنے گہرے علم اور صحیح نقل کو موجب

حیرت قرار دیا۔اُوجز کے شروع میں فن حدیث کی تاریخ و تدوین پر مفصل گفتگو بھی خاصہ کی چیز ہے۔

بخاری شریف پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تقریرات اور مولانا محمد یحیٰ کاندھلوی کے حواشی کو آپ نے اضافوں اور تشریحات کے ساتھ ''لامع الدراری'' کے نام سے طبع کرایا،اس میں بھی حنفیہ کے اصول حدیث سے متعلق طویل مقدمہ ایک قیمتی علمی سرمایہ ہے۔ الأبواب و التراجم للبخاري بھی اپنے موضوع پر بہت قیمتی علمی رسالہ ہے۔اس کے علاوہ ترمذی شریف پر حضرت گنگوہیؒ کی تقریرات کے مجموعہ مرتبہ حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب کو اپنے اضافوں کے ساتھ الکوکب الدری کے نام سے شائع فرمایا۔فن حدیث کے ساتھ خصوصی تعلق کے علاوہ تاریخی ذوق سے بھی آپ نے حصہ فراواں پایا تھا، چنانچہ مظاہر علوم کی تاریخ آپ کے قلم سے تیار ہوئی،آپ نے تاریخ مشائخ چشت لکھی، کتب حدیث وفقہ اور معروف مؤلفین کے حالات پر المؤلفات و المؤلفین لکھی۔نیز اسلامی تاریخ پر'' الوقائع والدهور'' تین جلدوں میں تیار فرمائی۔

ان تحقیقی اور علمی و تاریخی کتابوں کے علاوہ فضائل پر آپ کے قلم گہر بار اور ایمان افروز سے جو کتابیں نکلی ہیں ان سے ہزاروں نہیں لاکھوں بلکہ کروڑوں بندگان خدا پوری دنیا میں فیضیاب ہوئے اور ہورہے ہیں ان میں فضائل نماز،فضائل رمضان،فضائل قرآن،فضائل ذکر، فضائل حج،فضائل صدقات،فضائل تبلیغ اور فضائل درود ہیں۔اصلاحی قوت اور اثر انگیزی رکھنے والی ان کتب فضائل کی ایسی طباعت وقت کی شدید ضرورت ہے جس میں تمام احادیث کی تخریج اور درجہ بندی کے ساتھ ضعیف احادیث کے ذکر سے مسلمہ اصولوں کی پابندی کی گئی ہوتا کہ ان کی افادیت مزید ہوسکے۔آپ نے کتب فضائل کے ساتھ حکایات صحابہ بھی لکھی ہے جسے خاص مقام حاصل ہوا۔

مذکورہ بالا کتب اوران کے علاوہ آپ کی تصنیفات مطبوعہ وغیر مطبوعہ کی تعداد آپ کے سوانح نگار حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے بقول سو سے زیادہ ہے۔اوراس طرح آپ تحقیق اور دعوت دونوں طرز کو جمع کر کے حضرت علی میاں ندویؒ کی زبانی ''بیک وقت مصنف و محقق بھی نظر آتے ہیں،شارح حدیث اور مورخ بھی معلوم ہوتے ہیں اور خالص داعی، مذکر اور مختلف طبقات امت کو ان کی زبان میں مخاطب کرنے والے مصلح بھی نظر آتے ہیں''۔

حضرت شیخ الحدیث کی تصنیفی وتالیفی داستان کو سننے والا یہ دیکھ کر حیرت میں پڑجاتا ہے کہ آپ علمی کاموں کے ساتھ ساتھ عوامی اصلاح وارشاد اور تربیت وتذکیر کے کاموں میں بھی بے انتہا مصروف رہتے تھے۔مظاہر علوم سہارنپور کے علاوہ ملک کے مختلف علاقوں،اور حجاز کے مقدس سفر کی راہوں میں آپ کا فیضان عام ہوتا تھا۔مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی حاضری وسعادت تو بار بار حاصل رہی اور وہاں بھی خلق خدا کا ہجوم آپ سے مستفید ہوتا رہا،دو بار انگلستان اور ایک بار جنوبی افریقہ اور بعض افریقی ممالک کے اسفار فرما کر آپ نے ہزارہا بندگان الٰہی کو عبودیت وتقوی کی زندگی سے آشنا کیا۔

آپ کے حالات زندگی کو پڑھنے والا قدم قدم پر دیکھتا کہ آپ نے کیسی اولوالعزمی، استقامت اور جفاکشی کا ثبوت دیا ہے۔بھلا غور کیجئے کہ والد محترم کی وفات کے بعد جب قرض کا بار گراں سر پر ہے،اور مدرسہ کی تنخواہ صرف بیس روپئے ہے۔تین سو، آٹھ سو اور بارہ سو روپئے تنخواہوں اور وسیع سہولیات کے ساتھ علمی کاموں کی پیشکش ہوئی،لیکن حضرت شیخ نے اپنے اسلاف کے نقش پا پر قدم جما کر دین واہل دین کی خدمت کا جو عظیم کام شروع فرمایا تھا اس میں ذرا بھی لغزش نہ آنے دی،اور مادی سہولیات پر خدمت علم ودین کو ترجیح دی۔عبادت وریاضت اور تقرب الٰہی کے جو معمولات جوانی میں جاری تھے،امراض کی شدت اور نقاہت کے زور میں بھی وہ معمولات سفر وحضر ہر جگہ جاری رہے۔حضرت علی میاں علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ''بلند ہمتی

اور عالی حوصلگی وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد شیخ کی زندگی کا سارا محور گھومتا ہے‘‘۔اس کے ساتھ ساتھ سوز و گداز ،تواضع و دینی حمیت ،مہمان نوازی،علمی کاموں کی قدر واسلاف و مشائخ کے ساتھ تعلق آپ کے نمایاں اوصاف رہے ہیں۔

وادی علم وتحقیق کی آبلہ پائی اور دعوت واصلاح میں جگر کاوی کرتا ہوا یہ بندہ خدا جس ذات کی محبت وعشق کو اپنا حرز جان بنائے تھا اور جس کے اقوال واعمال اور حرکات وسکنات کو اوڑھنا بچھونا بنائے تھا۔ یہ طائر بے چین اپنی شام زندگی کا دھندلکا محسوس کرتے ہوئے اسی شاخ طیبہ پر جا بیٹھا، جہاں سے ۲۵/مئی ۱۹۸۲ء مطابق ۲/شعبان ۱۴۰۲ھ میں ملأ اعلی کو پرواز کرگیا۔اور جسد خاکی کو یہ سعادت ملی کہ وہ اسی حصہ زمین میں پیوند ہوا جسے پائے رسالت اقدس ﷺ سے مس ہونے کی شرفیابی بار بار ملتی رہی تھی۔ جنت البقیع میں اہل بیت کے احاطہ اور اپنے شیخ واستاذ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کے قریب آسودہ خاک ہونے والی اس عظیم شخصیت کے لئے ہم وہی الفاظ ادا کرتے ہیں جو زبان رسالت مآب ﷺ نے ادا فرمائے تھے۔

’’ اللهم اغفر لأهل بقيع الغرقد ‘‘ المسلم ۔

حضرت شیخ الحدیثؒ اکابر کی نظر میں

مولانا مسعود احمد الأعظمی
(نائب مدیر مجلّہ ''المآثر'' مئو)

(نوٹ :۔اس مضمون میں وفات کی جو تاریخیں ذکر کی گئی ہیں، وہ سب جناب مولانا نظام الدین اسیرادروی صاحب کی کتاب ''کاروان رفتہ'' سے ماخوذ ہیں۔)

العالم الكبير، المحدث الجليل ، الفقيه النبيل ، صاحب التآليف النافعة ، والإفادات الثمينة ، الشيخ محمد زكريا الكاندهلوي .

ان بلند و بالا الفاظ واوصاف کے ساتھ، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کا اعتراف، محدث جلیل، فقیہ نبیل، علامہ کبیر، نادرۂ روزگار ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نوراللہ مرقدہ نے کیا ہے، یہ ایک معاصر کی معاصر کے حق میں شہادت ہے، جو حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ کے فضل وکمال پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے۔

ساری دنیا اور خود عالم اسلام کے مقابلے میں سرزمین ہند کو یہ شرف حاصل ہے کہ علوم اسلامیہ جب ہر طرف رُو بہ زوال اور انحطاط پذیر تھے، اسلامی علوم وفنون ہر جگہ بے بسی اور کسمپرسی کی صورت حال سے دوچار تھے، اسلام کے نام لیوا اپنی اس عظیم دولت اور متاع گرانمایہ سے بیزار اور ناآشنا ہوتے جارہے تھے، اور فرزندان اسلام عصری اور دنیوی علوم کے جنون اور نشے میں اپنی متاع دین ودانش سے غافل اور بے خبر ہوتے جارہے تھے، مصروشام اور عراق جیسے

علمی مراکز میں ان علوم وفنون کی صدائے بازگشت کے علاوہ اصلی آواز بہت کم سنائی دیتی تھی، ایسے نازک وقت میں مادر ہندوستان کے نونہالوں نے ان علوم کے تحفظ اوران کی پاسبانی کا فرض انجام دیا، اس وقت ہندوستان کی پوری فضاان علوم کی خوشبو سے معطر تھی، اس کے گوشے گوشے اور چپے چپے سے قال اللہ اور قال الرسول کے آوازے اور زمزمے گونج رہے تھے، اور ایک سے بڑھ کرایک عبقری، تاریخ ساز اور عہد آفریں شخصیت ان کی نشرواشاعت اورفروغ میں مصروف نظر آرہی تھی، سرزمین ہندکو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی آغوش سے اس دور آخر میں دعوت وتبلیغ کا وہ نظام عالم وجود میں آیا، جس کے اثرات دور دراز کے ملکوں میں پھیلے اور دنیا کا شاید ہی کوئی خطہ ہو جواس کے اثر سے متاثر نہ ہوا ہو، ہندوستان کے اس عہد کی جب بھی دینی، علمی اور تبلیغی واصلاحی تاریخ لکھی جائے گی، تو وہ ''عالم کبیر، محدث جلیل، فقیہ نبیل'' حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کے ذکر کے بغیر ناقص اور نامکمل رہے گی۔

حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کے فضل وکمال کی ایک دلیل اور سچی شہادت یہ ہے کہ ان کو اپنے اکابر کی محبت وشفقت اوراعتماد، ہم عصروں اور ہم چشموں کا تعاون اوراعتراف، اور اصاغر کی عقیدت اوراعتبار حاصل رہا ہے، اور عوام وخواص دونوں طبقوں میں ان کے علمی ودینی کارناموں کو قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، جو کہ حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کا مابہ الامتیاز ہے۔سطور ذیل میں شیخ کے متعلق اکابر اہل علم کی آراء واقوال نقل کئے جارہے ہیں، جن سے آپ کے رتبے کی بلندی اور قد کی درازی پر ہلکی روشنی پڑتی ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ متوفی ۱۳۴۶ھ

حضرت شیخ کا جب بھی ذکر آئے گا تو ساتھ ہی سب سے پہلے جس بزرگ شخصیت کا نام ذہن کے پردے پر ابھرے گا، وہ حامی سنت، قاطع بدعت، محدث وعلامہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ صاحب ''بذل المجہود'' کی ہوگی، آپ کے تلمیذ اعزواقرب، فیضیاب اور

تربیت یافتہ تھے، حضرت سہارنپوریؒ نے آپ کو خرقۂ خلافت سے بھی نوازا تھا، استاذ کو شاگرد سے تعلق خاطر تھا اور کتنا گہرا اور مضبوط تعلق تھا، حضرت شیخ خود لکھتے ہیں:

’’ایک مرتبہ حضرت (مولانا سہارنپوریؒ) کی غایت شفقت اور میری کثرت حاضری کو دیکھ کر، ایک صاحب نے حضرت قدس سرہ سے میرے سامنے یہ پوچھا کہ یہ حضرت کے صاحبزادے ہیں؟ تو حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ بیٹے سے بڑھ کر ہیں‘‘۔ (۱)

۱۳۴۱ھ میں جو کہ حضرت شیخ کی نوعمری کا زمانہ تھا، اور ان کی عمر ۲۶ سال سے متجاوز نہیں ہوئی تھی، حضرت مولانا سہارن پوریؒ نے ان کو بخاری شریف کے تین پارے پڑھانے کے لیے دیئے، شیخ کو اس پر تأمل ہوا، اور خود کو ’’نوعمر لڑکا‘‘ کہہ کر معذرت کرنی چاہی، تو اس پر مولانا سہارن پوری نے فرمایا:

’’نوعمر لڑکے کو میں ہی جانوں، دوسرے لوگ کیا جانیں، اگر کوئی الزام دے گا تو مجھے دے گا، تمھیں تو نہیں دے گا‘‘۔ (۲)

سنن ابی داؤد کی شرح ’’بذل المجہود‘‘ حضرت سہارن پوریؒ کا ایک عظیم الشان اور زندہ جاوید کارنامہ ہے، اس شرح کی ترتیب و تالیف سے لے کر نشر و اشاعت تک میں بڑا حصہ خود شیخ کا بھی رہا ہے، مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

’’آپ کی (حضرت شیخ کی) ایک بڑی خصوصیت اور خوش نصیبی کی بات یہ تھی کہ جب آپ کے شیخ نے سنن ابی داؤد کی شرح لکھنی چاہی تو اس میں آپ کو اپنا دست راست بنایا، یہ آپ کے عروج و اقبال کا وہ آغاز تھا جس سے آپ درجۂ کمال تک پہونچے اور شیخ کی نگاہ میں وہ خصوصیت آپ کو حاصل ہوئی، جو پھر کسی اور کو نہ ہوئی‘‘۔ (۳)

---

(۱) آپ بیتی ص: ۳۳۹، جدید ایڈیشن (۲) حیات خلیل ص: ۲۴۱

(۳) حیات خلیل ص: ۶۰۶

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ متوفی ۱۳۶۲ھ

حضرت تھانویؒ بھی شیخ کے ساتھ غایت درجہ شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے، شیخ نے حضرت تھانویؒ کی اس محبت وشفقت اوراپنی نیازمندی وعقیدت کا تذکرہ اپنی آپ بیتی کے ۱۸ صفحات میں کیا ہے، اس کے آغاز میں لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کا زمانہ بہت پایااورحضرت کی شفقتیں بھی بے پایاں''۔(۴)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کی شہرۂ آفاق تصنیف ''بذل المجہود'' کی پروف ریڈنگ اورطباعت وغیرہ کی نگرانی کی ذمہ داری حضرت شیخ ہی کےاوپرتھی اورتھانہ بھون میں رہ کروہ اس کام کوانجام دیا کرتے تھے، آپ کی محنت، لگن اورانہماک سے حضرت تھانویؒ بہت متأثر تھے، چنانچہ ایک واقعہ ''آپ بیتی'' میں مذکورہے:

''میں نے (حضرت شیخ نے) ایک مرتبہ بہت قلق کے ساتھ حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے عرض کیا کہ لوگ تو بہت دوردور سے حاضر ہوتے ہیں، لیکن یہ ناکارہ یہاں رہ کربھی خدمت میں حاضرنہیں ہوسکتا، میرے حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے ایسا جواب مرحمت فرمایا کہ میری مسرت کے لئے مرنے تک کافی ہے، حضرت نے فرمایا: مولوی صاحب! اس کا آپ بالکل فکرنہ کیجئے، آپ اگرچہ میری مجلس میں نہیں ہوتے مگرمیں ظہر سے عصرتک آپ ہی کی مجلس میں رہتا ہوں، میں باربارآپ کودیکھتارہتا ہوں اوررشک کرتا ہوں کہ کام تویوں ہوتا ہے، میں آپ کوظہر سے عصرتک اپنے اوراق سے سراٹھاتےنہیں دیکھتا''(۵)۔

---

(۴) آپ بیتی ص:۴۷۴

(۵) ایضاً ص:۳۸۸

حضرت تھانویؒ کے نزدیک شیخ کی کتنی قدر اور آپ کے دل میں کتنی عزت تھی، اس کا اندازہ ان الفاظ سے لگانا چاہئے کہ:

''ایک مرتبہ حضرت قدس سرہ نے اس ناکارہ سے ازراہِ شفقت یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ تم میرے یہاں کے قوانین سے مستثنیٰ ہو''۔(۶)

اوجز المسالک جلد اول کی اشاعت کے بعد حضرت شیخ نے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں مکتوب لکھ کر دعا قبولیت کی درخواست کی تھی، اس کے جواب میں حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا:

''مکرمی! السلام علیکم ۔

آپ تو اپنی کتاب نا قابل تقریظ فرمارہے ہیں، میں اپنے کو نا قابل تقریظ سمجھ رہا ہوں لیکن حکم سے انکار نہیں، کیا میری اس قدر امداد فرما سکتے ہیں کہ تقریظ کی عبارت لکھ دیجئے، میں اس کو نقل کر کے دستخط کر دوں''۔(۷)

اسی طرح حضرت تھانوی نے شیخ کا رسالہ ''اختلاف الائمہ'' ماہنامہ ''المظاہر'' میں ملاحظہ فرمانے کے بعد اس کے مدیر کو یہ خط لکھا:

''اختلاف الائمہ'' کی مدح کے لئے یہ کافی ہے کہ یہ ایسی ذات کا لکھا ہوا ہے، جو حضرت سہارنپوریؒ کی خدمت میں نہایت اعتبار کے ساتھ مدت طویلہ خدمت میں مشغول رہے'' (۸)۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ۱۳۷۷ھ

حضرت شیخ کے ساتھ حضرت شیخ الاسلام کی محبت ومودت اور روابط وتعلقات، پوری ایک کتاب کا عنوان ہیں، ان واقعات کی تفصیل کو حضرت شیخ نے آپ بیتی میں صفحہ ۳۹۳ سے صفحہ ۴۲۰ تک صفحات ۲۶ میں سمیٹا ہے اور ایک جگہ یہاں تک تحریر فرمایا ہے:

---

(۶) آپ بیتی ص:۳۸۸ (۷) فہرست تالیفات شیخ:۱/ ۳۷،۳۶

(۸) ایضاً ص:۱/ ۹۱

’’اتنے واقعات اس وقت ذہن میں ہیں کہ اوجز کی چھ جلدیں حضرت مدنی ورائے پوری کے حالات میں آسکتی ہیں‘‘ ۔ (۹)

ایک جگہ اور تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس سرہ کی تو تقریباً روزانہ نہیں تو ہر دوسرے روز آمد و رفت ضرور رہتی تھی، اس لئے کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کا دستور یہ تھا کہ دہلی سے پنجاب پارٹی کی لائن پر جب بھی جانا ہوتا، اگر دو گھنٹے کی بھی گنجائش ملتی تو حضرت میرے گھر ضرور تشریف لے جایا کرتے‘‘ ۔(۱۰)

ان ہی تعلقات کے پیش نظر حضرت تھانوی کے ساتھ تعلق خاطر ہونے کے باوجود ایک موقع پر حضرت تھانوی نے شیخ کے بارے میں فرمایا: ’’وہ تو مولوی حسین احمد کا خاص آدمی ہے‘‘ ۔(۱۱)

حضرت امام مالکؒ کی کتاب ’’موطأ‘‘ کا شمار علم حدیث کے نہایت اہم مجموعوں میں ہوتا ہے، یہاں تک کہ کچھ اہل علم اس کو صحاح ستہ میں شمار کرتے ہیں اور صحیح بخاری کی تصنیف سے پہلے تو موطأ ہی اصح الکتب بعد کتاب اللہ سمجھی جاتی تھی، اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں، شیخ نے بھی اس کی شرح لکھی ہے، جو ان کی مایۂ ناز تصنیف ہے، اور شروح حدیث میں اس کا نہایت اہم اور نمایاں مقام ہے، اس کے تعلق سے ایک واقعہ حضرت شیخ نے ’’آپ بیتی‘‘ میں یہ لکھا ہے:

’’ایک مرتبہ حضرت قدس سرہ نے میری دیوبند حاضری پر یہ ارشاد فرمایا کہ تم نے اوجز کے کتاب الحج میں ایک ایسی اچھی بات لکھی ہے، جس سے بہت دل خوش ہوا، اور امام بخاری کے بہت سے اعتراضات تمہاری تقریر سے اٹھ گئے‘‘ ۔(۱۲)

---

(۹) آپ بیتی ص:۴۰۳
(۱۰) آپ بیتی ص:۳۷۸
(۱۱) ایضاً ص:۳۷۷
(۱۲) ایضاً ص:۴۰۴

یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ''اوجز'' ابھی طبع نہیں ہوئی تھی، اور حضرت مدنی کو اسے دیکھنے اور مطالعہ کرنے کا بہت اشتیاق رہا کرتا تھا، حضرت شیخ نے لکھا ہے:

''ایک مرتبہ بہت ہی قلق سے فرمایا کہ میرے سامنے طبع ہو جاتی، تو میں بھی متمتع ہوتا، میرے بعد طبع کرو گے تو ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟'' (۱۳)۔

حضرت مدنی کے ساتھ تعلقات کے ضمن میں شیخ نے ایک دلچسپ واقعہ یہ لکھا ہے:

''ایک دفعہ اس سیہ کار کو معمولی سا بخار ہوا، کسی جانے والے طالب علم سے حضرت نے خیریت دریافت کی، اس نے کہہ دیا بخار ہو رہا ہے، حضرت اسی وقت اسی گاڑی سے تشریف لے آئے اور کچے گھر کے دروازے میں قدم رکھتے ہی یہ شعر پڑھا:

تعاللتِ کی أشجیٰ و ما بكِ علة
تریدین قتلي، قد ظفرتِ بذلكِ

میں ایک دم حضرت کی آمد پر کھڑا ہو گیا، فرمایا: اچھے خاصے ہو، شور مچا رکھا ہے بخار کا، میں نے عرض کیا: میں نے حضور کی خدمت میں کون سا تار یا ٹیلی فون کیا تھا کہ میں مر رہا ہوں، فرمایا: ساری دنیا میں شور مچ گیا بخار کا، بخار والا یوں نہیں کھڑا ہوا کرتا، میں نے عرض کیا ؎

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منھ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے (۱۴)

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی متوفی ۱۳۶۲ھ

اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم، شیخ طریقت اور صاحب نسبت بزرگ تھے، وابستگانِ دامن حضرت گنگوہی میں سے تھے، متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے، انھوں نے حضرت شیخ کی ایک بیش قیمت تصنیف ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' مطالعہ فرمانے کے بعد ان کو تحریر فرمایا:

---

(۱۳) ایضاً ص: ۴۰۴ (۱۴) آپ بیتی ص: ۴۱۵

''رسالہ مراتب الرجال جب تک ختم نہ کرلیا، کوئی کام نہ کرسکا، اس درجہ طبیعت مسرور ہوئی کہ بیان نہیں کرسکتا، بے اختیار دل سے دعا نکلی کہ حق تعالیٰ آں عزیز کی عمر میں، علم میں، عمل میں، احوال میں اور مراتب میں بے پایاں ترقیات و برکات نصیب فرمائے، ماشاء اللہ خوب ہی حق ادا کیا ہے........ماشاء اللہ تمہاری تحریرات اور دینی خدمات دیکھ کر اور پڑھ کر روح کو فرحت پہنچتی ہے اور سر سے بہت بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے'' (۱۵)۔

مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ متوفی ۱۳۸۲ھ

اپنے وقت کے بڑے شیخ طریقت اور صاحب نسبت بزرگ تھے، شریعت و طریقت دونوں کے جامع تھے، مولانا علی میاں اور مولانا محمد منظور نعمانی رحمہما اللہ جیسے اہل علم کے پیر و مرشد تھے۔ حضرت شیخ کی عظمت و بلندی اور فضل و کمال کے بہت زیادہ قائل و معترف و مداح تھے، ان کے ساتھ خوب خوب لطف و کرم اور محبت و عنایت کا برتاؤ کرتے تھے اور ان کے علم پر بہت اعتماد کرتے تھے، چنانچہ حضرت شیخ نے ''حکایات صحابہ'' حضرت رائے پوریؒ ہی کی فرمائش پر تصنیف فرمائی (۱۶)۔

حضرت رائے پوریؒ کے نزدیک آپ کے مقام و مرتبے کا اندازہ مولانا علی میاںؒ صاحب کی اس عبارت سے ہوتا ہے:

''حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بار حضرت شیخ اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ: ''ہماری جہاں انتہا ہوتی ہے، وہاں سے تم لوگوں کی ابتدا ہوتی ہے'' (۱۷)۔

''ان چچا بھتیجہ (مولانا محمد الیاس صاحب اور شیخ الحدیث) کی بات ہی الگ ہے'' (۱۸)۔

---

(۱۵) فہرست تالیفات شیخ: ۱/ ۱۱۸ (۱۶) حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی ص: ۲۵۰

(۱۷) ایضاً ص: ۱۹۴ (۱۸) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ص: ۱۹۴

”ایک دفعہ حضرت نوراللہ مرقدہ نے رائے پور میں ارشادفرمایا کہ میرا یوں جی چاہتا ہے کہ تو مجھے اجازت بیعت دیدے، تاکہ حضرت سہارن پوری قدس سرہ کی نسبت سے بھی کچھ مل جائے“(۱۹)۔

اورعلی میاں صاحب ”سوانح حضرت مولانا عبدالقادررائے پوری“ میں لکھتے ہیں:

”شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اگرچہ عمر میں حضرت سے بہت چھوٹے ہیں اور ان کی طالب علمی اور ترقی باطنی کے سب مراحل حضرت کے سامنے ہی گزرے، لیکن ان کی خداداد صلاحیتوں، فطری جوہراور علو استعداد کی بناپر حضرت کا تعلق ان سے نہ صرف انس ومحبت کا بلکہ احترام وعقیدت کا تھا، جن لوگوں نے حضرت کا برتاؤ ان کے ساتھ دیکھا ہے، ان کے لئے سمجھنا مشکل تھا کہ یہ برتاؤ محض ایک عالم اور محدث کے ساتھ ہے جو عمر میں بہت چھوٹا ہے، یا کسی شیخ معمر بزرگ کے ساتھ، حضرت ان کے متعلق ہمیشہ بڑے بلند کلمات فرماتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا کہ ”حضرت گنگوہی کی نسبت حضرت شیخ الحدیث کی طرف منتقل ہوگئی“(۲۰)۔

”کبھی کبھی شیخ کے بعض مریدین اور خدام سے فرمایا کہ شیخ الحدیث میرے بھی شیخ ہیں“(۲۱)۔

مولانا محمد الیاس صاحب متوفی ۱۳۶۳ھ

آپ نہ صرف حضرت شیخ کے چچا تھے، بلکہ ان کی پرورش و پرداخت اور تعلیم وتربیت میں ان کے والد جلیل حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی کے شریک تھے، حضرت شیخ ان کے گھر میں اور ان کی نگاہوں کے سامنے پلے بڑھے اور پروان چڑھے تھے، اس لئے وہ شیخ کے ظاہر و باطن اور مقام ومرتبے سے بخوبی بلکہ اوروں سے زیادہ واقف رہے ہوں گے، حضرت شیخ ان سے چھوٹے تھے، مگر برتاؤ کیا تھا اس کو مولانا علی میاں صاحب نے لکھا ہے:

---

(۱۹) آپ بیتی ص:۴۲۹ (۲۰) سوانح حضرت مولانا عبدالقادررائے پوری ص:۳۱۱

(۲۱) ایضاص:۳۱۲

’’مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ کے ساتھ ایک خورد اور فرزند کا سا جتنا معاملہ فرماتے، اس سے زیادہ ایک بزرگ اور بلند مرتبت شیخ کا سا معاملہ فرماتے‘‘ (۲۲)۔

حضرت شیخ کے علم واستعداد پر مولانا محمد الیاس صاحب کو اس قدر اعتماد تھا کہ حضرت شیخ نے فضائل پر جو کتابیں اور رسائل تصنیف فرمائے ہیں ’’ان میں سے اکثر کتابیں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے ایماوحکم سے لکھی گئیں‘‘ (۲۳)۔

اور حضرت شیخ خود اپنے بزرگ وبرگزیدہ چچا کی شفقت ومحبت کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

’’میرے صنو الاب نائب الشیخ مربی واستاذ کی شفقتیں تو میرے حال پر جتنی بھی ہونی چاہئے تھیں ظاہر ہے، مگر ان شفقتوں کے ساتھ ساتھ آخر میں ان کا طرز ایسا ہو گیا تھا، جس نے مجھے بہت ہی شرمندہ کر رکھا تھا‘‘ (۲۴)۔

ایک جگہ اور تحریر فرماتے ہیں:

’’ان کے یہاں تبلیغی سلسلے میں بھی جب کوئی بات پیش آتی تو وہ بے تکلف فرمادیتے کہ شیخ کے یہاں جب تک پیش نہ ہو، اس وقت تک فیصلہ نہیں کرسکتا، میرے دہلی کے ہر سفر میں کئی کئی مسئلے ایسے ہوا کرتے تھے کہ جن کے متعلق میں سنتا تھا کہ وہ میرے مشورے اور منظوری پر رکے ہوئے ہیں‘‘ (۲۵)۔

مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے جب حضرت شیخ کی تصنیف ’’حکایات صحابہ‘‘ دیکھی تو یہ گرامی نامہ تحریر فرمایا:

---

(۲۲) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ص:۱۹۴ (۲۳) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ص:۲۵۲

(۲۴) آپ بیتی ص:۴۴۶ (۲۵) آپ بیتی ص:۴۶۵

''رات آپ کا رسالہ ''حکایات صحابہ'' دل و دماغ کو روشن کرتا ہوا اور روح کی پرورش اور ہدایت کرتا ہوا، مولوی نصیر الدین صاحب کے ہمراہ پہنچا، بہت ہی بہتر چیز ہے'' (۲۶)۔

مولانا مناظر احسن گیلانی متوفی ۱۳۷۵ھ

حضرت شیخ کی عظیم الشان تصنیف ''اوجز المسالک'' کو ممتاز عالم دین اور اردو زبان کے صاحب طرز ادیب اور انشا پرداز مولانا مناظر احسن گیلانی نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

''اِلی البحر التقی الذکی الفاضل مولانا محمد زکریا صاحب اُدام اللہ مجدکم وفضلکم

السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب والا کی کتاب ''اوجز المسالک شرح موطأ امام مالک'' کا خاکسار نے یوں تو سرسری مطالعہ پہلے بھی کیا تھا لیکن حال میں موطا پڑھاتے ہوئے اس کتاب کے تفصیلی مطالعے کا موقع ملا، بے اختیار بار بار جی چاہا کہ اس عظیم علمی خدمت پر آپ کو مبارک باد دوں، بعض چیزیں آپ کی کتاب میں ایسی ہیں، جو شاید اس کتاب کے سوا کم از کم مجھے تو نہیں ملی تھیں، چند دن ہوئے قرأت خلف الامام کے مسئلے میں آپ کی بعض تعبیروں اور ائمہ امصار کے بعض مذاہب کی نشان دہی میں آپ کی وسعت نظر سے دل بڑا خوش ہوا'' (۲۷)۔

آگے دعا کی درخواست کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لسان معصومہ سے توقع ہے کہ دعا مستجاب ہوگی'' (۲۸)۔

جامع ترمذی پر حضرت گنگوہی کی تقریر الکوکب الدری جب حضرت شیخ کے حواشی و اہتمام کے ساتھ شائع ہوئی، تو مولانا مناظر احسن گیلانی نے ایک ملاقات میں حضرت شیخ سے کہا:

---

(۲۶) فہرست تالیفات شیخ: ۱/ ۳۵۱ (۲۷) ایضاً ص: ۱/ ۵۸، ۵۷

(۲۸) فہرست تالیفات شیخ ص: ۱/ ۵۸

''جسمانی ملاقات اگرچہ آپ سے پہلی مرتبہ ہورہی ہے، مگر روحانی ملاقات روزانہ ایک گھنٹہ ہمیشہ رہتی ہے، جب سے الکوکب الدری طبع ہوئی ہے، ترمذی پڑھانے کے لئے ایک گھنٹہ اس کا مطالعہ بہت اہتمام سے کرتا ہوں، گویا آپ کی مجلس میں رہتا ہوں'' (۲۹)۔

مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ متوفیٰ ۱۳۸۵ھ

اپنے وقت کے بڑے عالم اور شیخ طریقت تھے، حضرت تھانویؒ سے اجازت وخلافت حاصل تھی ، مظاہر علوم سہارن پور میں درس وتدریس کی خدمت انجام دی تھی، وہاں کے صدرالمدرسین بھی رہ چکے تھے، ''اوجزالمسالک'' جب ان کی نظر سے گزری تو حضرت شیخ کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

''حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ قحط الرجال میں جو دین کی خدمت اللہ تعالیٰ آں جناب کے دست مبارک سے لے رہے ہیں، کم ازکم میرے ناقص علم میں تو پاکستان اور ہند میں معدوم النظیر ہے، بعض علماء دین کی اور خدمات بے شک قابل قدر ہیں (شکراللہ سعیہم) مگر اس علمی مفقودالنظیر خدمت کی طرف اس زمانہ قحط الرجال میں کسی کی بھی توجہ نہیں'' (۳۰)۔

مولانا موصوف ہی نے ''اوجز'' پر اپنی تقریظ میں حضرت شیخ کو ان الفاظ میں یاد کیا ہے:

"العلامة الفهامة، الذكي اللوذعي الفطن الألمعي، المحدث ابن المحدث مولانا المولوي الحاج الحافظ محمد زكريا شيخ الحديث بمدرسة مظاهر علوم في بلدة سهارن پور.... من تحلى بنفائس الصفات و تخلى عن خسائس السمات، له في العلوم الدينية لا سيما الفقه و الحديث يد صالحة، و الفنون العربية ملكة كاملة " (۳۱)۔

---

(۲۹) ایضاً ص:۳/۲۷۶ (۳۰) فہرست تالیفات ص:۱/۵۹-۵۸

(۳۱) فہرست تالیفات ص:۱/۶۰

یعنی علامہ وفہامہ، زیرک ودانا، ہوشیاروفرزانہ، محدث ابن محدث مولانا مولوی حاجی و حافظ محمد زکریا شیخ الحدیث مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور.....جو بہترین اوصاف کے حامل اور بری باتوں سے بلند ہیں جن کوعلوم دینیہ بالخصوص فقہ وحدیث میں دسترس حاصل ہے، اورفنون عربیہ پرقدرت کاملہ حاصل ہے۔

مولانا ظفراحمد تھانویؒ متوفی ۱۳۹۴ھ

حضرت تھانویؒ کے قریب عزیز دست راست اور خلیفہ تھے، جلیل القدر عالم اور محدث تھے، کتاب ''اعلاء السنن'' کی ترتیب وتصنیف ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے، حضرت شیخ کے استاذ بھی تھے، شیخ نے خود لکھا ہے کہ:

''نحو میر کے چند سبق میں نے مولانا ظفراحمد صاحب تھانوی شیخ الاسلام حال پاکستان سے بھی پڑھے ہیں'' (۳۲)۔

ان کی نہ صرف شفقت ومحبت بلکہ اکرام وتعظیم کی نسبت حضرت شیخ ''آپ بیتی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''وہ بہت ہی شفقت فرمایا کرتے تھے اور اونچے الفاظ ارشاد فرمایا کرتے تھے'' (۳۳)۔

مولانا نے شمائل ترمذی کی شرح ''خصائل نبوی'' جو حضرت شیخ کی ایک مہتم بالشان تصنیف ہے، کومطالعہ کرنے کے بعد تحریر فرمایا:

''احقر نے اجمالی نظر سے رسالہ متبرکہ (خصائل نبوی) مؤلفہ حبیبی الفاضل العلامۃ المحدث ابن المحدث مولانا الحافظ الحاج مولوی محمد زکریا صاحب بلغہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجات الکمال کا مطالعہ کیا، ترجمہ اور شرح حدیث سے جو مسرت اور حظ حاصل ہوا، بے تکلف بات یہ

(۳۲) آپ بیتی ص:۱۰۰-۱۰۷ (۳۳) ایضاً ص:۳۹۲

ہے کہ بال بال میں جان آتی تھی، اور جوں جوں پڑھتا تھا انبساط اور فرح میں ترقی ہوتی تھی، ایک خاص بات جو میرے مذاق کے موافق تھی، وہ اسماء رجال سے بحث اور سند کی تحقیق تھی، جو فن حدیث کا اعلیٰ جزء ہے" (۳۴)۔

مولانا محمد یوسف بنوریؒ متوفی ۱۳۹۷ھ

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری کے خاص تلامذہ میں سے اور ان کے علوم کے ترجمان تھے، "معارف السنن" کی تصنیف ان کا بڑا کارنامہ ہے، حضرت شیخ کی کتاب جزء "حجۃ الوداع" پر انھوں نے طویل مقدمہ تحریر فرمایا ہے، اپنے اس مقدمہ میں صاحب کتاب کی نسبت یہ بلند و بالا کلمات تحریر فرماتے ہیں:

"بيد أن هناك بقايا من السلف ظهروا في عهد الخلف، و فقوا لجهود مشكورة في أبواب العلم والفقه، يمثلون عهد سلف – قد مضوا – بعلمهم وفضلهم و ورعهم و تقواهم، و يذكرون ذلك العهد الميمون المبارك، و من هولاء شخصية فذه مغتبطة بكمالاته العلمية و العملية، صاحب التاليفات النافعة الجيدة، والتعليقات الممتعة في غاية الحسن والجمال، حضرة مولانا الشيخ محمد زكريا الكاندلوي السهارن فوري" (۳۵)۔

مگر یہ کہ اسلاف میں کچھ باقی ماندہ لوگ تھے، جو بعد کے دور میں نمودار ہوئے، جنہوں نے علم و فقہ کے میدان میں قابل قدر کوششیں انجام دیں، یہ لوگ اپنے علم و فضل اور بزرگی و خداترسی سے اسلاف کی تصویر پیش کرتے ہیں، اور اس بابرکت اور روح پرور دور کی یاد دلاتے ہیں، ان ہی افراد میں اپنی علمی اور عملی کمالات میں قابل رشک اور منفرد شخصیت، بہترین اور نفع بخش کتابوں کے مصنف، عمدہ اور بیش قیمت حواشی کے محشی، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی سہارنپوری ہیں۔

---

(۳۴) فہرست تالیفات: ۱/ ۴۵۹ (۳۵) مقدمہ حجۃ الوداع

آگے چل کر اپنا مقدمہ ختم کرنے سے پہلے یہ تحریر فرماتے ہیں:

"فقد دل هذا التأليف و هذا المنهج من الترصيف أن المؤلف له قدرة فائقة على التلخيص و التنقيح " (۳۶)۔

یعنی یہ تالیف اور یہ طریقۂ ترتیب اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ مؤلف کو چھان پھٹک پر پوری دسترس حاصل ہے۔

پھر کئی ایک خصوصیات پر روشنی ڈالنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

"فكل هذا يدلنا على تواضع قلبه و قلمه، بعيداً عن التبجح و الفخفخة ، لم يخرج من سنى قلمه و أسلة مقوله شئ من رائحة العلو و الغلو، شأن الأتقياء المقبولين والأخيار المقربين " (۳۷)۔

یہ ساری باتیں طنطنہ اور طمطراق سے دوران کے قلب وقلم کے تواضع پر دلالت کرتی ہیں ان کے قلم کی چمک اور بات کی دھار سے کوئی ایسی بات نہیں ظہور میں آئی، جس سے تعلّی اور غلو کی بو آتی ہو، جیسا کہ مقبولین خدا اور مقربین بارگاہ الٰہ کا معاملہ ہوا کرتا ہے۔

بخاری شریف پر حضرت گنگوہیؒ کی تقریر اور افادات کو حضرت شیخ نے اپنے حواشی و تعلیقات اور مبسوط مقدمے کے ساتھ طبع کرایا، حضرت شیخ نے یہ کتاب مولانا بنوریؒ کے پاس بھیجی تو اس کی وصولیابی کے بعد مولانا بنوریؒ نے لکھا:

لامع الدراری کی جلد اول موصول ہوئی، فجزاكم الله خيراً يامولانا المحترم ، وأخلف عليك من نعمه اجراً جزيلاً ......آپ کے مقدمہ اور اس کے علوم اور مبسوط ترین علمی وحدیثی ابحاث سے مستفید ہونے کے لئے دل بے قرار ہے" (۳۸)۔

---

(۳۶) ایضاً (۳۷) مقدمہ حجۃ الوداع

(۳۸) فہرست تالیفات ص:۳۰۳/۳

مولانا بنوریؒ نے ایک مکتوب میں آپ کو ''مخدوم گرامی ، مفاخرھذہ العصور'' سے خطاب فرمایا ہے(۳۹)۔

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ متوفی ۱۳۹۴ھ

مشہور عالم دین اور مشکوٰۃ کی شرح ''التعلیق الصبیح'' کے مصنف ہیں، آپ نے جب ''اوجز'' کا مطالعہ فرمایا، تو سات اشعار پر مشتمل ایک قطعہ عربی زبان میں نظم کیا، اس قطعے میں حضرت شیخ کا ذکر یوں کیا ہے:

لخير أخ في الدين كهل و صالح   و مصباح نار العلم نبراس سالك

یہ کتاب بہترین دینی بھائی اور مرد صالح کی ہے، جو علم کا چراغ اور سالک کی روشنی ہے۔

و ذا زكريا عالم و ابن عالم   ربيب التقىٰ و العلم قدوة ناسك

یہ زکریا ہیں، عالم ہیں اور عالم زادے ہیں، تقویٰ اور علم کے پروردہ اور عبادت گزار کا نمونہ ہیں۔

لقد بذل المجهود في حل ماحوىٰ   كتاب الموطأ من دقيق المدارك

موطا میں جو دقائق اور باریکیاں ہیں ان کو حل کرنے میں کوشش صرف کی ہے۔

فجاء بحمد الله شرحاً ممتعاً   كبدر مبين في دجىٰ الليل حالك

اللہ کے کرم سے انھوں نے مفید شرح پیش کی ، جو سخت تاریک رات میں بدر منیر کی طرح ہے۔

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے ایک مکتوب میں حضرت شیخ کو ''محترم المقام، محدث العصر و برکۃ الزمان'' سے خطاب کیا ہے (فہرست تالیفات:۳/۳۰۳)۔

---

(۳۹) آپ بیتی ص:۱۲۷۹

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب متوفی ۱۴۰۳ھ

قاری صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، دارالعلوم دیوبند کے سب سے زیادہ طویل المدت مہتمم رہ چکے تھے ان کی نظر سے جب شیخ کا رسالہ ''اسٹرائک'' گزرا، تو اس پر اپنا یہ تأثر ظاہر فرمایا:

''حضرت المخدوم المعظم دامت برکاتہم ....سلام مسنون نیاز مقرون !

اسٹرائک کے بارے میں رسالہ حضرت مفتی صاحب نے لا کر دیا، احقر نے اسے ایک ہی مجلس میں اول سے آخر تک پڑھا، احقر کی قطعی رائے ہے کہ وہ شائع کیا جائے ....آں مخدوم کے اس رسالہ سے بزرگوں کا ذوق اور تعامل ظاہر ہوتا ہے'' (۴۰)۔

مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوریؒ متوفی ۱۴۰۰ھ

اپنے وقت کے جلیل القدر عالم تھے، اردو، عربی و فارسی کے قادر الکلام اور برجستہ گو شاعر تھے، مظاہر علوم سہارن پور کے اہم عہدوں پر فائز رہ چکے تھے، رسالہ مذکورہ ہی کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت اقدس دامت برکاتہم ....

پورے رسالہ مبارکہ کا حرفاً حرفاً مطالعہ کیا اور سنا، میں نے از بس مفید پایا ....

میرے خیال میں طبع ہونے کی ضرورت ہے'' (۴۱)۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب متوفی ۱۳۹۹ھ

مذکورہ بالا رسالہ ہی کو دیکھ کر معارف القرآن کے مصنف مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے حضرت شیخ کو تحریر فرمایا:

---

(۴۰) فہرست تالیفات ص:۲/۳۱-۳۰ (۴۱) ایضاً:۲/۳۱

مخدومنا المحترم حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم ....

رسالہ اسٹرائک کی اشاعت بہت ہی ضروری تھی ....اب اللہ تعالیٰ نے آں محترم کے ذریعہ یہ اہم خدمت لے لی، یہ چیزیں آنے والوں کے لئے شمع ہدایت بنیں گی'' (۴۲)۔

اور'' آپ بیتی'' پڑھنے کے بعد مفتی صاحب نے جوتأثرات قلمبند فرمائے ہیں، اس میں یہ بھی تحریر ہے:

'' اللہ تعالیٰ آں مخدوم کو افادات علمیہ عملیہ کے لئے ہمارے سروں پر بعافیت قائم رکھیں، اور ہمیں زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے'' (۴۳)۔

'' لامع الدراری'' طبع ہونے کے بعد حضرت شیخ نے اس کا ایک نسخہ مفتی صاحب کے مدرسے کے لئے ارسال کیا، مفتی صاحب نے اسے دیکھ کر ایک مکتوب روانہ کیا، جس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

'' حضرت کا مرسلہ عطیہ گرامی'' لامع الدراری'' دارالعلوم کے لئے وصول ہوا، حضرت نے اس کو طبع فرما کر اہل علم پر احسان فرمایا، خصوصا اس پر حواشی کے اضافے نے اس کے فوائد کو اضعاف مضاعف بنادیا، اللہ تعالیٰ نے آں محترم کو علم حدیث کی خدمت کے لئے چن لیا ہے'' (۴۴)۔

شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ متوفی ۱۳۷۴ھ

عربی زبان وادب کے نکتہ شناس اور رمز آشنا "نفحۃ العرب" جیسی کتاب کے مصنف، اور دیوان متنبّی اور دیوان حماسہ جیسی اہم کتابوں کے محشی، شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے'' الکوکب الدری'' کے مطالعہ کے بعد حضرت شیخ کو یہ مکتوب ارسال فرمایا:

---

(۴۲) ایضاً: ۳۲/۲ (۴۳) ایضاً: ۱۶۵/۱

(۴۴) فہرست تالیفات: ۳۰۶/۳

’’حضرت مولانا العلام دامت فیوضکم ....

کوکب دری کی دونوں جلدوں کے مطالعہ سے ابھی فارغ ہوا ہوں، اور سخت مشکل میں ہوں کہ اگر اس کی تعریف کروں تو چھوٹا منھ بڑی بات ہے اور اگر سکوت کروں تو کفران نعمت کے مشابہ ہے، اس سے زیادہ کیا عرض کروں کہ آپ نے ترمذی پڑھانا آسان کر دیا‘‘ (۴۵)۔

مولانا عبدالماجد دریابادی متوفی ۱۳۹۸ھ

اردو زبان کے صاحب طرز ادیب اور انشاء پرداز تھے، شیخ کی کتاب اوجز المسالک پر اپنے اخبار ’’صدق جدید‘‘ میں طویل تبصرہ فرمایا، اس تبصرے کے کچھ اقتباسات حسب ذیل ہیں:

’’مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب جو مدت دراز سے شغل حدیث ہی کو اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں، سالہا سال سے ایک جدید شرح موطا کی تالیف میں مشغول ہیں، جو اپنی تفصیل و تحقیق و جامعیت کے لحاظ سے کہنا چاہئے کہ ان پچھلی شرحوں سے بے نیاز کر دینے والی ہے‘‘۔

آگے لکھتے ہیں:

’’اتنی ضخیم تالیف بجائے خود قابل داد تھی، چہ جائے کہ ان التزامات کے ساتھ جو فاضل شارح نے ملحوظ رکھے ہیں‘‘۔ اور آخر میں لکھتے ہیں:

’’اس دور میں خدمت دین سے جو بے اعتنائی ہے، وہ ظاہر ہے، اور پھر حدیث نبوی سے جو بغاوت اپنوں ہی کی ایک جماعت نے کر دی ہے، وہ سب پر روشن ہے، اس حال میں ہر طرف سے بے پرواو بے نیاز ہو کر صلہ ومزد کی طرف سے منھ پھیر کر خدمت دین کی دھن میں دن رات لگے رہنا، خود فاقہ کشی کی زندگی بسر کر کے اتنی اتنی ضخامت کی کتابوں کے طبع و اشاعت پر بے دریغ سرمایہ لگا دینا، درانحالیکہ فروخت کی توقع چند نسخوں سے زائد کی نہ ہو، فاضل موصوف ہی

(۴۵) فہرست تالیفات: ۲۷۹/۳

جیسے صاحب عزیمت مجاہدین کا کام ہوسکتا ہے'' (۴۶)۔

''الکوکب الدری'' پر مولانا عبدالماجد دریابادی نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

''مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث سہارن پور نے اس بیش بہا مجموعہ کے طبع پر توجہ فرمائی، اوراس کے حواشی، حل لغات، تحقیق اسناد وغیرہ میں خود بڑی مشقت اٹھائی''۔

چند سطروں کے بعد مزید لکھتے ہیں:

''محدث گنگوہی کا مرتبہ تو عامیوں کی شناخت سے بالاتر ہے، البتہ مولانا محمد زکریا کے حیرت انگیز تفحص وتلاش واستقصاء کا کسی قدر اندازہ ان کے حواشی پر ایک نظر کرنے سے ہوجاتا ہے، کتاب کی ضخامت زیادہ تر حواشی کے باعث ہوئی ہے، اوراکثر حواشی ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک ایک کے لئے خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ مولانا کا کتنا وقت صرف ہوا ہوگا'' (۴۷)۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی متوفی ۱۴۰۵ھ

نہایت محقق عالم، متعدد بلند پایہ کتابوں کے مصنف، رسالہ ''برہان'' کے مدیر تھے، انھوں نے اوجز دیکھنے کے بعد تحریر فرمایا:

''تبلیغی اوراصلاحی فیوض و برکات کے علاوہ آپ کے علمی کارنامے بھی بہت شاندار ہیں، اگر چہ مدارس عربیہ کے تمام علوم وفنون متداولہ میں آپ کی استعداد اعلیٰ اور پختہ تھی، لیکن علم حدیث سے عشق تھا، ایک مدت تک حدیث کا درس اس طرح دیا کہ شہرت دور دور پہنچی''۔

آگے آپ کی عربی زبان وتحریر کی داد اس طرح دی ہے:

''پھر عربی زبان اس قدر شستہ اورشگفتہ کہ پڑھتے جایئے اور جھومتے جایئے: (۴۸)۔

مولانا اکبر آبادی کو حضرت شیخ کی خودنوشت ''آپ بیتی'' جب موصول ہوئی ہے، اس کے بعد یہ مکتوب لکھا ہے:

---

(۴۶) فہرست تالیفات شیخ: ۱/ ۵۵-۵۴ (۴۷) ایضاً: ۳/ ۲۸۱ (۴۸) ایضاً: ۱/ ۶۵

’’اللہ رب العالمین کی عجب شان بندہ نوازی ہے کہ جو اس کے محبوب اور مقبول بندے ہوتے ہیں، ان کی زندگی کے ہر لمحے کو خلق خدا کی خدمت اور انسانیت کے لئے فلاح و بہبودی کے کاموں کے واسطے وقف فرما دیتے ہیں، اور ان کی مجبوری و بے بسی کے اوقات کی ایک ساعت بھی ضائع نہیں ہونے دیتے، چنانچہ حضرت اقدس کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا، علاجِ چشم کے سلسلے میں چند روز کے لئے آپ کو مقید کر کے صاحب فراش بنا دیا گیا تو مجبوری کے اس عالم میں بھی اللہ رب العالمین نے وہ عظیم کام لے لیا، جس کی افادیت نہایت وسیع ہمہ گیر اور لافانی ہے، اور علمی و محققانہ کتابوں کی طرح حضرت اقدس کی بیسیوں بلند پایہ علمی تصنیفات و تالیفات کی افادیت تو خواص علماء کے طبقے تک محدود ہے، لیکن اس سوانح حیات کی افادیت سب کے لئے عام ہے‘‘۔

اور آگے لکھتے ہیں:

’’اس بنا پر کوئی شبہہ نہیں کہ علالت کے زمانہ میں حضرت اقدس سے یہ کتاب لکھوا کر اللہ تعالیٰ نے آپ سے ایک نہایت عظیم خدمت لے لی ہے‘‘(۴۹)۔

مولانا اکبر آبادی ایک جگہ اور لکھتے ہیں:

’’حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو میں جب کبھی دیکھتا اور آپ کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہو کر کسب فیض وسعادت کرتا، تو اکثر ایسا محسوس ہوتا کہ گویا میں حضرت نظام الدین اولیاء کی صحبت میں استفادۂ روحانی و باطنی کر رہا ہوں‘‘(۵۰)۔

اور اپنے اسی مضمون میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

’’اب مذکورہ بالا ان تمام چیزوں پر غور و فکر کیجئے تو صاف نظر آئے گا کہ نبوغ علم اور تالیفات کی کمیت و کیفیت کے اعتبار سے حضرت شیخ اپنے وقت کے ابن جوزی اور غزالی تھے، اور علماء عصر

---

(۴۹) فہرست تالیفات شیخ: ۱/۱۶۳-۱۶۲ (۵۰) الفرقان ستمبر تا دسمبر ۱۹۸۵ء ص: ۹۷

حاضر میں بجز مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے کسی کو ان کا مثیل وقرین نہیں قرار دیا جاسکتا‘‘(۵۱)۔

ہندوستانی اہل علم کے اقوال وآراء کو یہیں پر ختم کرکے اب کچھ عرب علماء کے تأثرات ذکر کرکے میں اپنا یہ مضمون ختم کرنا چاہتا ہوں۔

الشیخ السید علوی المالکی

اس دور کے مالکی علماء میں بڑا اہم مقام اور رتبۂ بلند رکھتے تھے، حضرت شیخ اور ان کی کتاب ’’اوجز‘‘ کی نسبت ان کے تأثر کو علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے:

’’مکہ معظّمہ میں سید علوی ایک مالکی مدرس ہیں، ابھی جوان ہیں مگر ماشاءاللہ بہت فہیم و ذی علم ہیں، سلسلۂ کلام میں آپ کی شرح موطا امام مالک کی بہت تعریف فرمائی‘‘(۵۲)۔

اور ان ہی کے بارے میں مولانا علی میاں صاحب مرحوم لکھتے ہیں:

’’میں نے علامہ حجاز مفتی مالکیہ سید علوی مالکی سے جو نہ صرف حجاز بلکہ اپنے دور کے نہایت متبحر اور وسیع النظر عالم تھے، اور وسعت علم اور استحضار میں ان کو علامہ انور شاہ کشمیری سے تشبیہ دی جاسکتی ہے، اوجز کی تعریف سنی، وہ اس پر تعجب کا اظہار کرتے تھے کہ خود مالکیہ کے اقوال و مسائل کا اتنا گہرا علم اور اتنی صحیح نقل موجب حیرت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر شیخ زکریا مقدمہ میں اپنے کو حنفی نہ لکھتے تو میں کسی کے کہنے سے بھی ان کو حنفی نہ مانتا، میں ان کو مالکی بتاتا، اس لئے کہ اوجز المسالک میں مالکیہ کی جزئیات اتنی کثرت سے ہیں کہ ہمیں اپنی کتابوں میں تلاش میں دیر لگتی ہے‘‘(۵۳)۔

---

(۵۱) الفرقان ص:۹۹

(۵۲) فہرست تالیفات:۱/۴۵

(۵۳) فہرست تالیفات شیخ:۱/۴۶-۴۵

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ

عالم عرب کے اس زمانے کے مشہور عالم ومحدث تھے، شیخ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ علماء عرب میں ہندوستانی اہل علم سے سب سے زیادہ مانوس اور متأثر تھے، انھوں نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

"إلى سماحة الشيخ الإمام الجليل ، والفقيه المحدث الجهبذ النبيل ، ريحانة الهند و الحجاز ، ولسان أهل الحقيقة والمجاز مولانا و بركتنا الشيخ محمد زكريا ، مُدَّ ظله العالي و بورك فى عمره الغالي ....

پھر چند سطروں کے بعد اوجز کے سلسلے میں اپنے یہ تأثرات قلمبند فرماتے ہیں:

فقد شرحتم بهذا الشرح لكتاب "الموطأ" الصدور و القلوب، و أنرتم به العقول و الأبصار، و اجتهدتم في الإفادات للمستفيدين " (۵۴)۔

یعنی موطأ کی اس شرح کے ذریعے آپ نے دلوں اور سینوں کو کھول دیا، اور عقلوں اور نگاہوں کو روشن کردیا ہے، اور مستفیدین کے فائدہ رسانی میں کوشش صرف کی ہے۔

الشيخ محمد عبدالله التنبكتي

حرم نبوی کے امام اور عالم وفاضل شخص تھے، انھوں نے حضرت شیخ کا ذکر ان الفاظ و خطابات کے ساتھ کیا ہے:

"فإن العالم الأفضل ، العامل الأمثل، صدر الأفاضل ، بدر المحافل العلامة المحقق البحاثة المدقق، الحبر النحرير، الشيخ الشهير أبو يحيىٰ الحافظ محمد زكريا بن العلامة محمد يحيىٰ ....

(۵۴) أیضاً: ۸۲/۱

پھر آپ کی شرح ''اوجز المسالک'' کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقد تفجر ينبوعه من أقلام حبرهو البحر ، فلا غرو أن بدا منه كل سطر بمنزلة سفر، فهو البحر الرائق ، وملتقى بحار الدقائق و كنز العمال و المحدثين و الدر المختار و رياض الصالحين " (۵۵)۔

اس کا سوتا ایسے عالم کے قلم سے پھوٹا ہے جو علم کا سمندر ہے، اس لئے اس کی ہر سطر ایک کتاب کے درجے میں بھی ہو تو اس پر کوئی تعجب نہیں، وہ ایک شیریں سمندر ہے، باریکیوں کے سمندر کا سنگم ہے، عاملین ومحدثین کا گنجینہ ہے، منتخب موتی ہے، اور نیکوکاروں کا باغ ہے۔

حضرت شیخ کی وفات ۲/شعبان ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۵/مئی ۱۹۸۲ء کو ہوئی ہے، اس وقت راقم الحروف مدرسہ مظہر العلوم بنارس میں زیر تعلیم تھا، شیخ کے سانحۂ وفات کے بعد بعض حضرات سے میں نے بعد میں کبھی سنا تھا کہ آپ کے انتقال کی خبر جب حضرت محدث کبیر علامہ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء) کو موصول ہوئی ہے، تو اس کے بعد والے جمعہ میں آپ نے بعد نماز جمعہ تقریر فرمائی اور نہایت رنج والم کے عالم میں یہ حدیث: إن الله لا يقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء (الحدیث) پڑھ کر شرح وبسط کے ساتھ اس کی تشریح فرمائی اس تقریر کے دوران آپ نے فرمایا کہ مولانا محمد زکریا صاحب کے انتقال سے آج علم حدیث دنیا سے اٹھ گیا ہے، یہ یا اس سے ملتی جلتی بات بیان فرمائی۔

---

(۵۵) فہرست تالیفات: ۱/۴۷

حضرت شیخ الحدیثؒ کی صحت ومرض

کا

تفصیلی جائزہ

از: ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن

اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انسان بنائے ہیں سب ہی میں بشریت کے لوازمات بھی ودیعت فرمائے ہیں، بھوک پیاس کا لگنا، نیند آنا، تندرست و بیمار ہونا وغیرہ سب بشری لوازمات میں سے ہیں، ان سے کوئی مستثنیٰ نہیں، چاہے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام ہوں، چاہے صحابہ کرامؓ ہوں، اولیاء عظامؒ ہوں، سب ہی کو یہ چیزیں پیش آتی ہیں۔

پہلے زمانہ کے کفار ومشرکین انبیاء کرام کو ان چیزوں سے بالاتر سمجھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ پیغمبر تو ایسا ہونا چاہیے جس میں بشری تقاضے نہ ہوں، اس لئے قرآن مجید میں مشرکین کا یہ قول جگہ جگہ نقل کیا گیا ہے کہ یہ پیغمبر کیسے ہو سکتے ہیں کہ یہ تو کھانا بھی کھاتے ہیں اور بازاروں میں بھی جاتے ہیں، اللہ جل شانہ نے جگہ جگہ ان کے اس اعتراض کا رد فرمایا ہے۔

سیدی ومولائی قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ اعلی اللہ مراتبہ بھی چونکہ بشر تھے، اس لئے ان کے لئے بھی یہ ساری چیزیں ہونی تھیں، چنانچہ حضرت قدس سرہ کو دیگر بشری لوازمات کے ساتھ امراض سے بھی سابقہ پڑتا تھا اور علاج کی ضروت پڑتی تھی اور اس سے کسی انسان کو مفر نہیں، ذیل میں حضرت شیخ کی صحت ومرض کے کچھ حالات قلمبند کئے جاتے ہیں۔

کھانے کا معمول، گوشت سے رغبت

حضرت شیخ کو ہمیشہ گوشت سے بہت رغبت رہی بلکہ بغیر گوشت کے روٹی نہیں کھائی جاتی تھی، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجدد تبلیغ جو حضرت شیخ کے چچا بھی تھے، حضرت شیخ کو نظام الدین بار بار بلانے کا تقاضا فرماتے رہتے تھے کیونکہ تبلیغ کا کوئی بھی اصول حضرت شیخ کے مشورے کے بغیر طے نہیں ہوتا تھا، جب بھی حضرت شیخ نظام الدین تشریف لے جاتے تو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ خاص طور سے گوشت کا بہت اہتمام فرماتے تھے، جس کی وجہ سے بعض اوقات انہیں دقت بھی اٹھانا پڑتی تھی۔

مرچوں کا شوق

حضرت شیخ قدس سرہ کو مرچوں سے بھی خوب رغبت تھی، کباب ہوں یا کیریوں کی چٹنی ہو، اس میں خوب مرچیں ڈلواتے اور بہت رغبت سے نوش فرماتے۔

ترشی کی رغبت

حضرت کو ترشی بھی بہت پسند تھی، ترش اچار کیریوں کی چٹنی بہت شوق سے تناول فرماتے، خود ہی تحریر فرماتے ہیں ’’مجھے ترشی کا شوق بچپن سے رہا اور اب تک بھی ہے ترشی بچپن سے ہر نوع کی خوب کھائی، اتفاق سے اس وقت کہیں عرق نعناع کی بوتل آئی ہوئی تھی اور میرے

دسترخوان پر پیاز مرچ کتر کراس پر عرق نعناع ڈال کر لانے کا دستور تھا، میں تو اس کو کھاتا ہی تھا مگراور لوگ اس کونہیں کھاتے تھے الا ماشاءاللہ‘‘۔ (آپ بیتی نمبر ۴ص ۲۴)

ٹھنڈے پانی کا شوق

حضرت قدس سرہ کوٹھنڈے پانی کا بہت شوق تھا بلکہ پانی جب تک خوب ٹھنڈا نہ ہو پیانہیں جاسکتا تھا،ایک مرتبہ حضرت مدنی قدس سرہ کے ساتھ کہیں دعوت میں جانا ہوا تھا،کھانے کے لئے ٹھنڈا پانی نہ ملاتو نکسیر آ گئی تھی۔

آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں:

’’اس سیاہ کار کوٹھنڈے پانی کا مرض جو بچپن سے شروع ہوا تھااور بڑھاپے تک بھی نہ گیا تقریباً پچاس سال کا واقعہ ہے،میرا ایک مخلص دوست مولوی عبدالمجید مرحوم (اللہ تعالی اس کو بلند درجات عطا فرمائیں) میری بڑی ہی خدمت کی، دسمبر کے مہینہ میں میرے واسطے برف خریدنے گئے، برف والے نے ان کی مولویانہ صورت دیکھ کران کوخوب گھورا،مرحوم نے کہا کہ حضرت شیخ کے واسطے چاہئے، برف والے نے بہت غصہ سے کہا کہ کوئی شیخ ہو یا قاضی ہوآج کل بجز شرابی کے کوئی برف نہیں پی سکتا‘‘۔

غیر مرغوب چیزیں

حضرت شیخ قدس سرہ کو میٹھے سے اور کھچڑی سے رغبت نہیں تھی، حضرت شیخ کے پیر ومرشد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نوراللہ مرقدہ کو میٹھے سے بہت رغبت تھی،فرماتے تھے کہ مولوی زکریا کومیری وجہ سے میٹھے سے رغبت تو ہوئی نہیں البتہ مجھ کوان کی وجہ سے مرچوں کا شوق ہونے لگا۔

ایک زمانہ میں حضرت شیخ پر اس بات کا غلبہ تھا کہ فضول چیزیں یعنی پھل مٹھائی

وغیرہ نہیں کھانی چاہیے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

’’تقریباً بیس سال کا قصہ ہے میرے مخلص دوست جناب حافظ محمد اسحاق صاحب سہارنپوری بیمار ہو گئے اور بہت زیادہ بیمار ہوئے کہ مایوسی کی حالت ہو گئی، میں اپنے مخلص دوست قاری سعید احمد صاحب مرحوم کے ساتھ ان کی عیادت کو گیا، اس زمانہ میں ایک جذبہ اس سیاہ کار پر یہ غالب ہو رہا تھا کہ فضول چیزیں پھل مٹھائی وغیرہ نہیں کھانی چاہیے۔ جو کہیں سے آئے احباب کو دینی چاہئے، کئی دن سے یہ جذبہ غالب ہو رہا تھا، ہم دونوں کے پہونچنے پر حافظ صاحب کو اتنی زیادہ خوشی ہوئی کہ یا تو بغیر سہارے کے کروٹ بھی نہیں لے سکتے تھے یا فرط خوشی میں ایک دم بیٹھ گئے اور اپنے بچے کو آواز دے کر جو پھل انگور انار وغیرہ ان کے لئے آئے رکھے تھے وہ منگا کر اصرار کیا کہ اس میں سے کچھ کھالیں میں نے ان سے بہت ہی اصرار کیا کہ میں اپنا حصہ لے جاؤں انہوں نے اصرار کیا کہ حصہ تو میں ضرور دوں گا مگر میرے سامنے اگر کچھ انگور فلاں فلاں چیزیں کھالیں تو میرا جی بہت خوش ہوگا، میں نے بہت خوشامد کی کہ میرا حصہ دے دو، خیال تھا کہ بچوں یا دوستوں میں سے کسی کو دے دوں گا مگر انہوں نے اس قدر بری طرح سے اصرار کیا کہ ان کی خاطر میں کچھ کھانا ہی پڑا، جوانی میں تو اس قسم کے جذبے وقتاً فوقتاً آتے ہی رہتے تھے‘‘۔ (آپ بیتی نمبر ۹ ص ۲۳۹)

۱۳۸۹ھ میں جب کہ حضرت قدس سرہ نے آٹھ ماہ حجاز مقدس میں قیام فرمایا تھا اس زمانہ میں حضرت پر یہ جذبہ تھا کہ مدینہ منورہ میں باہر کی کوئی چیز کھانی کی ہو یا پینے کی استعمال نہیں فرماتے تھے، اہل تعلق میں سے کوئی حضرت کے دسترخوان کے لئے باہر سے آئی ہوئی کوئی چیز پکوا کر پیش کرتا تو حضرت فرماتے کہ مجھے تو مدینہ کی گھاس پات ہی کھلا دو مدینہ میں رہ کر بھی باہر کی چیزیں کھاؤں‘‘؟

نیند

بچپن اور جوانی میں حضرت کی نیند بہت گہری تھی کہ دھوپ اور بارش سے بھی نہیں کھلتی تھی، مطالعہ کا شوق اور علمی انہماک تو ساری عمر رہا، روزانہ بارہ بجے رات تک مطالعہ کا معمول تھا بارہ بجے کے بعد ڈاک لکھنے کا دستور تھا کہ دن میں ڈاک کا وقت نہیں ملتا تھا، مطالعہ کے لئے تو رات بھر جاگنا تو بہت کثرت سے تھا بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ کئی کئی روز تک نہ دن میں سونا ہوتا نہ رات میں، مسلسل کام میں لگے رہتے تھے، آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں:

''میری عادت ہمیشہ مستقل اور دائمی یہ رہی جواب نہیں ہے کہ نہ سونا تو میرے قبضہ کی چیز تھی دو تین رات مسلسل نہ سونا آسان تھا لیکن سونے کے بعد اٹھنا میرے بس کا نہیں تھا بچپن میں میری والدہ مرحومہ رمضان میں سحری کے لئے انتہائی مشقت سے اٹھاتیں مگر میں نہیں اٹھتا تھا وہ بٹھا کر بڑی مشکل سے دو چار لقمے سحری کے کھلاتیں جن کا کھانا مجھے بالکل یاد نہیں ہوتا تھا البتہ صبح کو اس چیز کا ذائقہ محسوس ہوتا رہتا تھا جو سحری میں کھاتا۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ جوانی کے زمانے میں والدین کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ رات کو بارش ہوئی گرمی کا زمانہ تھا میں باہر سو رہا تھا بالکل پتہ نہ چلا صبح کو اٹھنے کے بعد دیکھا تو ساری چار پائی بستر سب بھیگ رہا تھا اور میں بھیگ رہا تھا۔

یہ تو ابتدائی زمانہ کا حال ہے مگر آخر میں تو نیند بہت کم ہوگئی تھی رات کے ابتدائی حصے میں تو باوجود کروٹیں بدلنے کے نیند نہیں آتی تھی اخیر رات میں آنکھ لگتی تھی مگر تھوڑی ہی دیر میں تہجد کے لئے بیدار ہو جاتے تھے بعض اوقات صبح تک ایک منٹ کے لئے بھی آنکھ نہیں لگتی تھی جس کی وجہ سے مجبوراً فجر کے بعد سونا پڑتا تھا حالانکہ سہارنپور کے قیام میں کبھی بھی بعد فجر سونے کا دستور نہیں تھا سوائے رمضان المبارک کے کہ ماہ مبارک میں رات بھر جاگنے کا معمول تھا۔

اخیر عمر میں نیند کے نہ آنے میں امت کے فکر کو بھی بہت دخل تھا، دینی مدارس میں،

اداروں میں، جماعتوں میں خلفشار کی خبریں سنتے تو اکثر روتے رہتے اور نیند اڑ جاتی بالخصوص دارالعلوم دیوبند کے خلفشار کا تو طبیعت پر بہت زیادہ اثر تھا اس زمانہ میں اکثر بہت متفکر رہتے اور رات رات بھر نیند نہیں آتی تھی۔

چائے اور پان

حضرت شیخ قدس سرہ کو بچپن سے چائے کی عادت تھی روزانہ صبح ناشتہ میں صرف چائے بغیر کچھ کھائے نوش فرماتے تھے دوبارہ بعد عصر چائے کا معمول تھا، حضرت بہت تیز چائے پیا کرتے تھے پان کھانا ضرورتاً شروع فرمایا تھا کہ کسی بیماری کے علاج کے طور پر معالج نے تمبا کو والا پان تجویز کیا تھا جس سے وہ مرض تو ٹھیک ہوگیا مگر پان کی عادت ہمیشہ کے لئے ہوگئی، فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ علاج کے طور پر تمبا کو والا پان کھانا شروع کیا تھا وہ مرض تو ٹھیک ہوگیا تھا مگر یہ دوسرا مرض پان کا ہمیشہ کے لئے لگ گیا، ایک مخلص خادم نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ سارے ہی اکابر پان کے عادی رہے ہیں کیا میں بھی شروع کردوں، حضرت قدس سرہ نے ان کو سختی کے ساتھ منع فرمادیا کہ ہم نے تو مجبوری کی وجہ سے شروع کیا تھا ورنہ یہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ بخاری شریف کے درس میں بھی ابتداءاً پان نوش فرماتے تھے مگر ایک بزرگ کے فرمانے سے درس کے دوران پان کھانا ترک فرمادیا تھا۔

پسینہ

حضرت قدس سرہ کو پسینہ بہت آتا تھا۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں: ’’اس زمانہ میں اس ناکارہ کو پسینہ اتنا زیادہ آتا تھا کہ ہر سفر میں ایک پائجامہ بالکل گل جایا کرتا تھا، یہاں تو میں پائجامہ پہنتا ہی نہیں تھا، دو لنگیاں میرے استعمال میں رہتی تھیں جب دو تین گھنٹوں میں ایک بالکل بھیگ جاتی تو اس کو دھوپ میں ڈال دیتا اور دوسری کو استعمال کرتا اور جب دو تین گھنٹہ میں

وہ دوسری لنگی بھیگ جاتی تو وہ پہلی لے لیتا، صبح روزانہ سات مرتبہ ٹھنڈے پانی سے غسل کا دستور تھا اور یہاں پائجامہ پہن کر سو نہیں سکتا تھا''۔ (آپ بیتی نمبر ۴ ص ۵۹)

ایک بات عجیب تھی کہ حضرت شیخ کے پسینہ میں بدبو نہیں ہوتی تھی بلکہ خوشبو آیا کرتی تھی جس کا بار بار مشاہدہ کیا گیا۔

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی نے حضرت کی سوانح میں مولانا یونس صاحب حال شیخ الحدیث مظاہر علوم کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ مولانا درس بخاری کے دوران فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ کچے گھر میں اوپر کتب خانہ میں مطالعہ فرما رہے تھے اور گرمی کا موسم تھا پسینہ کی وجہ سے حضرت اقدس کی اندر پہننے کی بنڈی (کمری) گیلی ہوگئی تھی تو فرمایا کہ اس کو باہر پھیلا دو جب اس کو میں نے سونگھا تو اس میں سے پسینہ کی بو کی بجائے خوشبو آ رہی تھی۔

(حضرت شیخ اور خلفاء کرام)

اس سلسلہ کا ایک مکتوب گرامی بھی ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے جو بہت مفید ہے، حضرت شیخ قدس سرہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''اس سے بہت مسرت ہوئی کہ اللہ نے محض اپنے فضل و کرم سے بدنظری سے حفاظت فرمائی، بہت ہی مہلک مرض ہے اور عبادت کی حلاوت کو ایسا کھو دیتا ہے کہ اس کے فوری اثر پر حیرت ہوتی ہے تم بھی جب جی چاہو اس کو غور سے تجربہ کرلیجو کہ اس موذی مرض کے بعد دیر تک عبادت میں لذت پیدا نہیں ہوتی، ایک دوسرا تجربہ اور تمہیں بتاؤں کہ اس نوع کی معصیت کے بعد کپڑوں میں بو زیادہ آنے لگتی ہے اور جس زمانہ میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کو اس سے محفوظ رکھے اور عبادت بالخصوص درود شریف کی توفیق عطا فرمائے تو کپڑوں میں بو کم آتی ہے میں نے اکابر کے کپڑوں کو ایک ہفتے کے بعد سونگھا تو ان میں پسینہ کی بو کا ذرا بھی اثر نہیں ہوتا تھا''۔ (حضرت شیخ اور خلفاء کرام ج ۱ ص ۱۵۹)

کھانے کے اوقات

صرف ایک وقت کھانا تناول فرماتے تھے، سہارنپور کے قیام میں صبح کو اور حجاز مقدس کے قیام میں رات کو عشاء کے بعد، ابتدائے عمر میں تو وہاں کے دستور کے مطابق دو وقت ہی کا معمول تھا مگر بعد میں ایک ہی وقت رہ گیا اس کا واقعہ بھی دلچسپ ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

''اس ناکارہ کا معمول اپنی ابتدائی مدرسی میں ایک وقت کھانے کا ہو گیا تھا جس کی ابتدا تو حرج سے ہوئی تھی کہ رات کے کھانے میں مطالعہ کا بھی حرج ہوتا، نیند بھی جلدی آتی تھی، پانی بھی زیادہ پیا جاتا تھا، ابتداء میں میری ایک چھوٹی بہن مرحومہ کھانا لے کر اوپر میری کوٹھری میں پہنچ جاتی اور لقمہ بنا کر میرے منہ میں دیتی رہتی اور دیکھتی رہتی جب منہ چلنا بند ہو جاتا تو وہ دوسرا لقمہ دے دیا کرتی تھی اس ناکارہ کو التفات بھی نہیں ہوتا تھا کہ کیا کھلایا ایک یا دو سال بعد اس کو بھی بند کر دیا اس زمانہ میں بھوک تو خوب لگتی تھی مگر حرج کا اثر بھوک پر غالب تھا چند سال بعد بھوک تو جاتی رہی لیکن میرے اکابر حضرت مدنی، حضرت رائے پوری ثانی اور چچا جان نور اللہ مرقدہم میں سے کسی کی آمد ہوتی تو بڑے شوق اور رغبت سے ان کے ساتھ کھانے میں شرکت کرتا لیکن ان حضرات قدس اللہ اسرارہم کے انتقال کے بعد تو بھوک ایسی گئی کہ دوسرے وقت کھاتا ہوں تو پیٹ میں گرانی ہوتی ہے اب تو صرف ایک ہی وقت کھانے کا معمول بن گیا البتہ یہ فرق ضرور ہے کہ ہندوستان کے قیام میں وہ ایک وقت دن کا ہوتا ہے اور حجاز مقدس کے قیام میں وہ ایک وقت شام کا ہوتا ہے کہ مشاغل کے اعتبار سے دونوں جگہ کے لئے یہی وقت مناسب ہے''۔ (آپ بیتی نمبر ۵ ص ۱۲۲)

کپڑوں کا معمول

حضرت شیخ قدس سرہ کو اچھے کپڑوں سے نفرت تھی بالخصوص استری سے بہت نفرت تھی، ایک مرتبہ ایک خادم نے حضرت کے کپڑے دھو کر استری کر دی جب حضرت کے پاس لائے تو حضرت بہت خفا ہوئے اور اسی وقت ان کپڑوں کو ایسا دبوچا کہ وہ استری کا اثر ختم ہو گیا اور فرمایا:

دیکھ پہلے اچھا لگتا تھا یا اب اچھا لگتا ہے، فرماتے تھے استری کرتے رہنے سے کپڑا جلدی پھٹ جاتا ہے۔

بال مبارک

حضرت قدس سرہ کا بال بڑھانے کا معمول نہیں تھا بچپن میں تو حضرت کے والد صاحب کی طرف سے سختی کے ساتھ یہ حکم تھا کہ ہر جمعہ کو بال ضرور منڈوائے جائیں، بعد میں ہمیشہ سر میں مشین پھیرنے کا دستور رہا، چونکہ حضرت کے سر میں گرمی تھی اس لئے بالوں کا بڑھنا یا بھاری ٹوپی، عمامہ وغیرہ گراں ہوتا تھا۔ ابتدائی عمر میں ہمیشہ عمامہ باندھنے کا معمول رہا مگر بعد میں مذکورہ مجبوری کی وجہ سے عمامہ کا دستور نہیں رہا مگر پھر بھی عید اور جمعہ میں کبھی کبھی عمامہ باندھ لیا کرتے تھے۔

امراض

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر بشری لوازمات رکھے ہیں جس سے کوئی بشر خالی نہیں ہوتا انہی میں سے امراض کا ہونا بھی ہے، انبیاء کرام، صحابہ کرام، اولیاء عظام، سبھی کو امراض لاحق ہوتے تھے، حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری تو بہت مشہور ہے، حضور اقدس ﷺ کو بھی کچھ ایسے امراض لاحق ہوئے تھے جن کا علاج بھی کروایا تھا حضور ﷺ کو درد سر بھی ہوا کرتا تھا اور بخار بھی آیا کرتا تھا، فرماتے تھے، مجھے ایسا بخار آتا ہے جیسا تم میں سے دو آدمیوں کو آتا ہے یعنی مجھ کو دوگنا بخار آتا ہے اور حضور اکرم ﷺ کے مرض وفات کی شدت تو بہت مشہور ہے۔

حضرت شیخ قدس سرہ ایسے علاقہ میں اور ایسے ماحول میں پیدا ہوئے تھے جہاں عام طور سے لوگ حکماء یونانی سے علاج کرواتے تھے۔ ڈاکٹروں سے اور ڈاکٹری علاج سے ان کو

مناسبت نہیں تھی، خاندانی عادت اور طبعی مناسبت نہیں تھی، خاندانی عادت اور طبعی مناسبت کے علاوہ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اطباء یونانی کی غالب اکثریت دین دار متقی پرہیزگار ہوتی تھی، اس کے برعکس ڈاکٹروں کی غالب اکثریت بے دین ومغرب زدہ ہوتی تھی جن کو حلال وحرام کا ضروری علم بھی نہیں ہوتا تھا، اگر کسی کو کچھ علم ہوتا بھی تب بھی اس کی اہمیت نہیں ہوتی تھی کیونکہ ان میں تقوی عنقا ہوتا تھا، ایک اور وجہ یہ تھی کہ یونانی ادویہ اکثر جڑی بوٹیوں سے تیار کی جاتی ہیں جن کی طہارت وحلت معلوم ہے اس کے برخلاف اکثر ڈاکٹری دوائیں چاہے وہ باہر سے درآمد کی گئی ہوں یا اندرون ملک تیار ہوں، ان میں نجس اور حرام اجزاء کثرت سے شامل ہوتے ہیں۔

انہی وجوہات کی بنا پر سیدی ومرشدی ومولائی حضرت شیخ قدس سرہ کو بھی ڈاکٹری علاج سے مناسبت نہیں تھی ڈاکٹری علاج سے اجتناب رہا اور حکماء یونانی ہی سے علاج کرواتے رہے، البتہ چونکہ دلداری بھی حضرت کے یہاں بہت تھی، اس لئے بعض ڈاکٹروں سے ان کی خاطر ان سے علاج کروالیتے تھے، عمر کے آخری سالوں میں البتہ ڈاکٹری علاج ہی غالب تھا گو یونانی علاج بھی جاری رہا، حکیم عبدالقدوس صاحب (اللہ تعالی ان کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے) کہ وہ ہمیشہ حضرت کو کچھ نہ کچھ دوائیں مقویات وغیرہ استعمال کرواتے ہی رہتے تھے، حضرت قدس سرہ کو جو وقتاً فوقتاً بیماریاں ہوتی رہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت کا مزاج

اللہ جل شانہ نے لوگوں کے مزاج مختلف بنائے ہیں بعضوں کا مزاج گرم ہوتا ہے اور بعضوں کا ٹھنڈا ہوتا ہے، مگر حضرت شیخ قدس سرہ کا مزاج بھی عجیب تھا، جسم کے اوپر کے حصہ میں تو گرمی تھی کہ سخت سردی میں بھی سر ڈھکنا گراں تھا اور نیچے کے حصے میں سردی تھی چنانچہ معالجین کو دوائی دینے میں بہت دشواری ہوتی تھی اگر گرم دوائی دی جاتی تو سر کو نقصان پہنچاتی اور ٹھنڈی دوائی ٹانگوں کو نقصان پہنچاتی کہ حضرت کو گھٹنوں کی تکلیف رہتی تھی۔

خارش

حضرت شیخ قدس سرہ خارش کے بارے میں آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”ایک عجیب واقعہ ۱۳۱ھ میں یہ پیش آیا......اس سال میرے بہت زور کی خارش ہوئی اور اتنی سخت ہوئی کہ اس کی پھنسیاں چیچک کی پھنسیوں کی طرح سے انگوروں کی مانند سارے بدن پر پھیل گئیں ان میں سے راد (پیپ) ہر وقت نکلا کرتی تھی میرے بستر پر بہت سی راکھ اور نیم کے پتے بچھتے تھے اور وہ راد میں تر ہو جاتے تھے اور روزانہ بدلے جاتے تھے، گوشت نمک مرچ سب بند تھا، بڑی ہی تدبیریں سب اطباء نے کیں، ایک چیز کاڑھا کہلاتی ہے اس میں شاہترہ چرائتہ نیم کے پتے اور نہ معلوم دس بارہ چیزیں، وہ تین دن تک پکا اور اس کی نو بوتلیں، ایک گلاس یعنی آدھی بوتل صبح اور آدھی شام پینی پڑتی تھی اور اس میں تعفن اس قدر تھا کہ بوتل کا منہ کھولتے ہی ناک سڑ جاتی تھی، ناک بند کر کے جس مصیبت سے پیتا تھا اب تک یاد ہے وہ بھی ختم ہو گیا اور میرے تقریباً روزانہ فاقے ہی فاقے رہتے تھے، عزیزان مذکورہ حکیم ایوب، مولوی نصیر الدین، شیخ انوار احمد کا لڑکا، ایک اور لڑکا جس کا نام مجھے یاد نہیں، مجھ سے مقامات پڑھا کرتے تھے، مدرسہ قدیم کی غربی جانب جو ایک چھوٹا سا مکان ہے اور اس میں صرف دو کمرے تھے ایک شرقی اس میں میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کا سونا ہوتا تھا اور وہ ان کی قیام گاہ تھی اور غربی جانب میں میں اور میری والدہ، میری بہن وغیرہ سب رہتے تھے اس میں شمال کی جانب ایک دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس میں لوہے کی میخیں لگی ہوئی تھیں اور میری چارپائی کے اوپر زنانے کی طرف ایک لانبا سا پردہ پڑا رہتا تھا اور اس جنگلے کے پاس باہر کی طرف بیٹھ کر یہ لوگ مقامات پڑھا کرتے تھے اور بھی ایک دو سبق چھوٹے بچوں کے تھے، میری والدہ نور اللہ مرقدھا نے کچھ پیسے بھی اکنیاں دونیاں میرے پلنگ کے سرہانے ڈال رکھی تھیں کہ صدقے کے طور پر جنگلہ کی طرف جانے والوں کو اپنے ہاتھ سے دیتا رہوں، سردی کا موسم تھا میں نے مقامات کے سبق کے بعد عزیز نصیر الدین سے کہا ذرا

ٹھہر جاؤ جب سب چلے گئے تو میں نے ان کو ایک دونی دی اس زمانہ میں ایک پیسے کا کباب اتنا موٹا اور لمبا چوڑا آتا تھا کہ آج کل دو آنے میں جتنا آتا ہے وہ بھی اس کا آدھا ہے میں نے ان سے کہا کہ اس کے کباب لے کر آؤ اور اس میں خوب مرچیں ترشی اور پیاز ڈال لانا اور خوب کاغذ میں بند کر کے لانا اور اگر کسی سے کہا تو اتنے جوتے ماروں گا کہ سر گنجا ہو جائے گا انہوں نے لا کر جنگلہ سے مجھے دے دیئے اور میں نے پردہ کے پیچھے پڑے پڑے ان سب کو کھا لیا، کھانے کو تو کھا لیا اور بہت ہی مزہ آیا مگر کھانے کے بعد جو مجھ پر گذری وہ بھی خوب یاد ہے، سر تو چکرا گیا اور سارے بدن میں وہ مرچیں لگیں کہ تڑپا دیا لیکن ؎

خدا شرے بر انگیزد دراں خیرے نہاں باشد

دو گھنٹے کے بعد پاخانے کا اتنے زور کا تقاضا ہوا کہ بڑی مشکل سے تقریباً بھاگ کر پاخانہ میں گیا، اس وقت پاخانہ میں جانے کے لئے بھی دو آدمیوں کو پکڑا کر لے جانا ہوتا تھا لنگی بندھی ہوئی تھی بیٹھنے سے پہلے ہی اسہال شروع ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی وہ پھنسیاں جن میں دو گھنٹے پہلے راد نکل رہی تھی ایسی خشک ہوئیں کہ میں نے پاخانہ ہی میں بیٹھے بیٹھے ٹانگوں کی، پیٹ کی، کمر کی، سب پھنسیوں پر سے کھرنڈ اتار کر وہیں پھینک دیا، والدہ کو بہت فکر ہو رہی تھی اور انہوں نے ایک دفعہ آواز بھی دی کہ پاخانہ میں اتنی دیر کیوں لگ گئی لیکن جب میں باہر آیا تو میری والدہ اور سب حیرت میں رہ گئے کہ اس کی خارش کیا ہوئی، سب نے بہت ہی پوچھا کہ کون سی دوا تو نے کھائی اور کس کے کہنے سے تو نے کھائی؟ کسی نے پوچھا کیا کوئی عمل پڑھا؟ غرض بہت ہی تحقیقات سب نے کیں مگر میں نے بھی والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی تک تو کہہ کر نہ دیا لیکن برائے کرم دوسرے صاحب اس مجرب نسخہ پر عمل نہ کریں میری ہی زندگی تھی جو میں اس دن بچ گیا ہر شخص کی عادت اور حالات اور مزاج الگ ہوتا ہے اور اللہ جل شانہ کا معاملہ بھی ہر شخص کے ساتھ الگ ہوتا ہے۔ (آپ بیتی نمبر۳ ص ۳۹)

نکسیر

سب سے پہلے حضرت قدس سرہ کو نکسیر صفر ۱۳۵۷ھ میں آئی تھی اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت سے اس زمانہ میں بلکہ آخر عمر تک بغیر برف کے پانی نہیں پیا جا سکتا تھا، صفر ۱۳۵۷ھ میں اجراڑے کے مدرسہ کے جلسہ میں شرکت کے لئے حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے، وہاں حضرت شیخ نے دس بارہ سیخ کے کباب گرم گرم نوش فرمائے تھے، برف کا پانی اس وقت ان کے یہاں موجود نہیں تھا چنانچہ کھانے کے دوران ہی دسترخوان پر نکسیر آ گئی، آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں ''صفر ۱۳۵۷ھ میں اجراڑے جاتے ہوئے میرٹھ میں نکسیر کا شدید حملہ ہوا جو مغرب کے بعد سے شروع ہو کر صبح کو آٹھ بجے تک مسلسل رہا اور تقریباً دو گھڑے کے قریب خون ساری رات میں نہ معلوم کہاں سے پیدا ہوا اس نکسیر کی ابتداء بھی اپنی ایک حماقت جو حضرت مدنی قدس سرہ کی بے تکلفی کی بنا پر پیدا ہوئی تھی لمبا قصہ ہے بہر حال علی الصباح یہ ناکارہ بجائے اجراڑے کے حضرت ناظم صاحب نوراللہ مرقدہ کے ساتھ فرسٹ کلاس میں اس طرح سہارنپور لایا گیا کہ نہ مجھے میرٹھ کا ہوش تھا نہ ریل کا نہ سہارنپور کا، ڈاکٹروں اور حکیموں کی طرف سے چند ماہ تک دماغی کام سے روک دیا گیا میرے حضرت میرے مربی میرے محسن حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کا ارشاد تقریباً چار برس سے اس کی (یعنی حکایات صحابہ) کی تالیف کا ہو رہا تھا مگر اپنے مشاغل کے ہجوم کی وجہ سے تکمیل کا وقت نہ ملا، بیماری کے زمانہ کو غنیمت سمجھ کر تعمیل ارشاد میں پڑے پڑے کچھ لکھتا رہا اور بارہ شوال ۵۷ھ کو پوری ہو گئی، کچھ دنوں بعد سبق کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ (آپ بیتی نمبر ۲ ص ۱۳۹)

دوسری مرتبہ ناک سے اور منہ سے خون سفر حج ۱۳۹۰ھ کے دوران میں آیا، مکہ مکرمہ کے قیام میں اولاً تھوک کے ساتھ اور اس کے بعد ناک سے خون آیا، اس سفر میں تبلیغی اکابر حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ اور دیگر ہند و پاک کے اکابر ساتھ تھے سب ہی کو فکر ہوئی

ڈاکٹر بلائے گئے، سب نے مل کر علاج کیا، تین روز کے بعد خون بند ہوگیا مگر مدینہ منورہ کے سفر میں بدر میں پھر ناک سے خون آیا اس کے بعد مدینہ پاک میں بھی آیا مدینہ منورہ میں بھی علاج ہوا، جس سے الحمدللہ خون بند ہوگیا اس سفر میں ابتداءً حضرت شیخ قدس سرہ کی واپسی برائے ہند حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے ساتھ تجویز تھی مگر بعد میں مشورہ سے طے ہوا کہ حضرت شیخ کا ایک چلہ مزید قیام حجاز مقدس میں رہے چنانچہ حضرت قدس سرہ حضرت جیؒ وغیرہ کو رخصت کرنے جدہ تک تشریف لے گئے۔

چونکہ کئی بار ناک اور منہ سے خون آچکا تھا اس لئے ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ سینہ کا ایکسرے کرالیا جائے مگر اس وقت حضرت آمادہ نہیں ہوئے مگر واپسی سے چند روز قبل مدرسہ علوم شرعیہ کے بیت الخلاء میں حضرت دوران سر کی وجہ سے گر گئے جس سے ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی اس کا واقعہ آگے آرہا ہے، تو ٹانگ کے ساتھ ساتھ سینہ کا بھی ایکسرے لیا گیا مگر اللہ کے فضل سے بدن اور کسی حصے میں کوئی اثر معلوم نہیں ہوا۔

پھر چار جون ۱۹۷۸ء کو مغرب کے وضو میں حضرت کو منہ سے بہت سارا خون نکلا جو نکسیر تو نہیں تھا، اس کا سلسلہ کئی روز تک چلتا رہا اس دوران میں بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ حرم نبوی شریف میں تشریف فرما ہوئے اور اچانک ناک سے خون آجاتا جس کی وجہ سے فوراً حرم شریف سے وضو کے لئے بھاگنا پڑتا۔

کاربنکل

حضرت شیخ قدس سرہ آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ میرے کاربنکل نکل آیا ذی الحجہ کا مہینہ تھا حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ یہاں تشریف فرما تھے حضرت کو میری صحت اور بیماری کا بہت ہی اہتمام اور فکر رہا کرتا تھا ذرا سی معمولی بیماری بھی معلوم ہوجاتی تو اتنا اہتمام فرماتے کہ حد نہیں اور یہ مرض تو سنا ہے کہ بڑا

خطرناک ہوتا ہے حضرت کو بڑا فکر ہوگیا ادھر ادھر شہر میں کہرام مچ گیا ڈاکٹر صاحب اسی وقت بلائے گئے انہوں نے بھی دیکھ کر بہت پریشانی کا اظہار کیا اور بیک وقت میری کمر میں بارہ انجکشن بہت گہرے لگائے جس نے سارے حصے کو جس میں کارنیکل کا اثر تھا اپنے اندر لے لیا اس پر وہ ڈاکٹر صاحب تعجب بھی کرتے رہے کہ اتنے گہرے انجکشن لگے مگر اس پر اثر نہ ہوا، کارنیکل کے یہ انجکشن ۸؍ذی الحجہ کو لگے سب تیمارداروں نے مع حضرت قدس سرہ کے ڈاکٹر صاحب پر زور دیا کہ یہ پرہیز بالکل نہیں کرتے ڈاکٹر صاحب نے جو میرے بہت ہی کرم فرما تھے اور بعد میں تو اور بھی زیادہ ہوگئے تھے پرہیز کی بہت تاکید کی ان بے چاروں کو میرا معمول یا دستور کچھ معلوم نہ تھا انہوں نے بڑے اہتمام سے فرمایا کہ دیکھئے چار پانچ دن تک آپ گوشت کے سوا کوئی چیز نہ کھائیں ایک دم مجلس میں قہقہہ شروع ہوگیا میرے حضرت رائے پوری فرمانے لگے جس کو اللہ کھلاوے اس کو کون روکے''۔ (آپ بیتی نمبر۳ ص۳۲)

گھٹنوں کی تکلیف

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی عمر شریف چالیس پچاس کے درمیان ہوگی کہ گھٹنوں میں درد شروع ہوا اس کی ابتداء کے متعلق حضرت ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ''یہاں سب سے پہلے سورج گرہن بارہ سال پہلے ہوا تھا تو امام نے سورۂ بقرہ پڑھی تھی اور میں نے آخر تک کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو وہیں سے گھٹنے کے درد کی ابتدا ہوئی مولوی امیر احمد صاحب تھک کر بیٹھ گئے تھے'' (حضرت شیخ اور خلفاء کرام) ابتداء میں تو معمولی درد ہوتا تھا، جس کی حضرت نے پرواہ نہیں کی، مگر جب اس میں کچھ اضافہ ہوا اور اٹھنے بیٹھنے میں دقت ہونے لگی تو علاج کی طرف توجہ ہوئی، اس زمانہ میں یونانی ڈاکٹری ہومیوپیتھی ہر قسم کے علاج ہوئے مگر ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کے مصداق بجائے فائدہ کے مرض بڑھتا ہی رہا یہاں تک کہ چلنے پھرنے میں اور

اٹھنے بیٹھنے میں دقت ہونے لگی تو چھڑی کے سہارے چلنے لگے جب مرض میں اوراضافہ ہوا تو خادم ایک طرف سے سہارا دیتا اور دوسری طرف سے چھڑی سے سہارا لیتے بندہ ۱۹۵۶ء میں سب سے پہلے سہارنپور حاضر ہوا تو اس وقت حضرت قدس سرہ جوانوں کی طرح سے چلتے پھرتے تھے اور سبق کے لئے مدرسہ قدیم کی بالائی منزل پر روزانہ چڑھتے بھی تھے جب محرم ۱۳۸۴ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت قدس سرہ کے ساتھ کچھ رہنا ہوا تو اس وقت ایک طرف سے الحاج ابوالحسن صاحب خادم خاص سہارا دیتے اور دوسرے ہاتھ میں چھڑی ہوا کرتی تھی۔

بعد میں مرض میں مزید اضافہ ہوا تو دونوں طرف سے دو خادم سہارا دیتے اور حضرت آہستہ آہستہ چلتے، نمازیں ابتداءً کھڑے ہوکر پڑھتے جب معذوری بڑھ گئی تو فرض اور وتر کے لئے خدام سہارا دے کر کھڑا کر دیتے پھر حضرت بقیہ نماز از خود ادا فرمانے لگے۔

۱۳۹۰ھ میں جبکہ حضرت حج کے لئے تشریف لے گئے تھے جس کا ذکر اوپر نکسیر کے ذیل میں گذر چکا مدینہ منورہ کے قیام کے آخری دنوں میں دوران سر کی وجہ سے حضرت قدس سرہ بیت الخلاء میں گر گئے اور ہڈی ٹوٹ گئی جس کا مفصل قصہ آگے آرہا ہے ٹانگ پر کئی مہینے پلاسٹر چڑھا رہا جس کی وجہ سے گھٹنا بالکل جام ہوگیا اور جو تھوڑی بہت حرکت پہلے ہوتی تھی وہ بھی نہیں رہی اور نمازوں میں سجدہ کرنے سے بھی معذوری ہوگئی تو مفتی صاحبان کے فتوی اور اصرار سے سر کے اشارہ سے رکوع سجدہ کرنے لگے ٹانگوں کو حرکت دینی ہوتی تو خود اپنے دست مبارک سے ورنہ اکثر خدام حرکت دیتے تھے رات میں بھی کروٹ دینی ہوتی تو خادم ہی کروٹ بدلتا تھا کہ حضرت اس پر قادر نہیں تھے، کہیں آنے جانے کے لئے پہیوں والی کرسی استعمال ہوتی تھی۔

یہاں ایک ضروری بات بھی قابل ذکر ہے وہ یہ کہ بعض لوگوں نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ حضرت کو فالج ہے جس کی وجہ سے حرکت نہیں کر سکتے یہ غلط ہے حضرت کو فالج کبھی نہیں ہوا معذوری صرف گھٹنوں کی وجہ سے تھی۔

حضرت شیخ کا ایک مکتوب گرامی :

حضرت شیخ قدس سرہ اور حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کے درمیان آپس میں جو تعلق تھا وہ بہت مشہور رہے، آپ بیتی اس سے بھری پڑی ہے اس تعلق کی وجہ سے حضرت مدنی کے چھوٹے بھائی سید محمود احمد مرحوم کے ساتھ بھی حضرت شیخ کا تعلق تھا جب بھی حجاز پاک کا سفر ہوتا تو سید محمود صاحب کا اصرار مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران ہی سے شروع ہوجاتا کہ مدینہ میں قیام مدرسہ علوم شرعیہ ہی میں فرماویں، بہت ہی زیادہ اصرار فرمایا کرتے تھے، مدرسہ کے نیچے کے حصہ میں جو حجرے بنے ہوئے ہیں وہ حضرت شیخ کے لئے اور حضرت کے خدام کے لئے مخصوص فرمادیتے تھے، حضرت کے قیام میں ہر جمعرات کو بعد عصر کی مجلس میں بلاناغہ حاضر ہوتے تھے حضرت شیخ کے گھٹنوں کی تکلیف کو دیکھ کر ان کا اصرار تھا کہ حضرت ان کے خرچ سے جرمنی بغرض علاج تشریف لے جائیں اس کی نوبت تو نہیں آئی مگر انہوں نے ایک دوائی حضرت کے لئے بھیجی تھی اس سلسلہ میں حضرت قدس سرہ نے انہیں ایک مکتوب لکھوایا جو بعینہ درج ہے۔

روضہ اقدس پر دست بستہ صلاۃ وسلام المجد وم المکرّم

حضرت الحاج سید محمود صاحب زادت معالیکم

بعد سلام مسنون سب سے اول تو جناب والا کے ہدایا کثیرہ کا شکریہ کس طرح ادا کروں اللہ تعالی بہترین بدلہ عطا فرمائیں۔ وہ ہی بہتر آپ کی شایان شان بدلہ عطا فرما سکتا ہے دواؤں کے سلسلہ میں مجھے اب تک بچپن سے ہر حکیم اور ڈاکٹر نے یہ کہا کہ دوا ہمیشہ ایسے شخص کی استعمال کرنی چاہئے جو پورے امراض سے اور حالات سے واقف ہو، ازراہ محبت جو بھی ملا اس نے ہمیشہ ہر نوع کی دوائیں ڈاکٹری اور یونانی کیں مگر میں نے ہمیشہ یہ عذر کیا تاوقتیکہ تم میرے پورے حالات سے واقف نہ ہو استعمال نہ کروں اس لئے جب سب سے پہلے آپ نے گولیاں مرحمت فرمائیں تھیں اس وقت میں نے اپنے اجمالی حالات سنائے تھے مگر میرا خیال ہے کہ

جناب کے ذہن میں نہیں رہا موجودہ دوا کی اہمیت کی بنا پر اس کی طرف التفات نہیں فرمایا میرے امراض تقریباً چالیس برس سے چل رہے ہیں اور چونکہ دونوں بہت متعارض ہیں اس لئے وہاں کے حکیموں نے ہمیشہ یوں کہا کہ تیرے دونوں مرض بہت سخت ہیں گرم دوا دماغ کو مضر ہے اور ٹھنڈی دوا ٹانگوں کو اس لئے کھانے کی دوا میں بہت احتیاط کرو مالش کی دوا میں مضائقہ نہیں ہمیشہ ہر طبیب اور ہر ڈاکٹر نے بے پوچھے میرے لئے دوائیں تجویز کیں مگر میں اس ڈر کی وجہ سے معذرت کرتا رہا، مکہ مکرمہ جس وقت آپ کی یہ دوا پہنچی وہاں ایک بہت بڑے ڈاکٹر بیٹھے تھے جو وہاں کے مشہور ڈاکٹر ہیں انہوں نے بغیر میرے پوچھے از خود دوا کو دیکھ کر کہا کہ اگر ترے منہ یا ناک میں سے کبھی خون نکلا ہو تو اس دوا کو ہرگز استعمال نہ کر بہت نقصان دے گی مجھے بحمد اللہ نکسیر کا عارضہ تو نہیں ہے مگر ۵۷ھ میں میری ایک حماقت سے حضرت مدنی قدس سرہ شیخ الاسلام کی معیت میں، ان کے ساتھ میں اپنی حماقت سے بہت ہی بے تکلف تھا قصہ تو طویل ہے اور اگر کسی ملاقات میں آپ فرمائیں گے تو سنا بھی دوں گا، میں نے دس بارہ سیخ کے کباب ایسے گرم گرم کھائے اور برف کا پانی اس وقت ان کے یہاں موجود نہیں تھا اور بغیر برف مجھ سے پیا نہیں جاوے تھا اس لئے مغرب کے بعد کھانے کے درمیان ہی میں دسترخوان ہی پر نکسیر شروع ہوگئی کہ میں عشاء کی نماز بھی نہ پڑھ سکا صبح تک جاری رہا حضرت قدس سرہ بھی گھبرا گئے میں حضرت کے ساتھ ایک سفر میں جا رہا تھا راستے میں یہ قصہ پیش آیا حضرت نے بھی سفر ملتوی کرنے کا ارادہ فرما لیا مگر میں نے بہت ہی زبردستی اصرار سے حضرت کو تو بھیج دیا کہ مدرسہ کا جلسہ تھا اہل مدرسہ کا بہت نقصان ہوتا اور میں صبح کو فرسٹ کلاس میں لٹا کر اس طرح سہارنپور پہنچایا گیا کہ میری زیست کی امید کسی کو بھی نہیں تھی، مجھے بھی میرٹھ سے سہارنپور تک آنا بالکل یاد نہیں کئی ماہ تک میں صاحب فراش رہا دماغی کام سے روک دیا گیا سبق وغیرہ بھی بند رہے۔ اسی زمانے میں میں نے خالی پڑے پڑے حکایات صحابہؓ لکھی تھی۔ اسی وجہ سے اس کی تاریخ یاد رہی دو ماہ بعد ایک سول

سرجن نے جو ماہر تھا میرا معائنہ کیا اس نے دو گھنٹے تک معائنہ کے بعد کہا اللہ کو اس کی زندگی منظور تھی ورنہ دماغ کی گرمی کی شدت کی وجہ سے فالج ہو کر مرجاتا لیکن اس کے بعد سے میرا دماغ بہت ہی ضعیف ہو گیا اس سے پہلے ساری ساری رات جاگنا اور کتاب کا دیکھنا میرے یہاں ایسی معمولی چیز تھی کہ حضرت مدنی قدس سرہ بھی اس پر رشک فرمایا کرتے تھے اس کے بعد ۶۴ھ کے رمضان میں ایک دوسرا واقعہ میرے ساتھ پیش آیا میں پورے رمضان کا اعتکاف نظام الدین میں چچا جان کے انتقال کے بعد سے کیا کرتا تھا حسب معمول میں نے ۲۹/شعبان کو اعتکاف کی نیت کی لیکن مغرب کی نماز میں پہلی رکعت میں کھڑے کھڑے نہ معلوم کس وجہ سے گر گیا مجھے اپنے گرنے کا تو حال معلوم نہیں کہ بے ہوشی تھی اتنی آواز میرے کان میں آئی کہ دیکھو شیخ کو کیا ہوا اس کے بعد چند آدمیوں نے پکڑ کر مجھے چارپائی پر لٹا دیا جس کی مجھے خبر نہیں ۱۸/رمضان تک بخار سخت چل ہی رہا تھا روزہ تراویح کچھ نہ ہو سکا اس کے بعد سے میرے دماغ پر گرمی کا اثر پیدا ہوا کہ میں عمامہ بالکل نہ باندھ سکا ورنہ اس سے قبل گرمی میں بھی حضرت مدنی کی خاطر کھدر کا موٹا کرتا پہنا کرتا تھا اس کے بعد سے دماغ میں ضعف بڑھتا ہی چلا گیا اس کے علاوہ بھی میری ٹانگوں کا مرض ایک غلط دوا کے استعمال سے شروع ہوا جس کو تقریباً تیس برس ہوئے۔ ہوا تو جو کچھ ہوا اپنے معاصی کی وجہ سے ہوا اب آخر میں آکر مکہ مکرمہ میں ایک دن عشاء کے وقت میرے منہ سے اور ناک سے خون آ گیا جس کی وجہ ابھی تک نہ کسی حکیم کی سمجھ میں آئی نہ ڈاکٹر کی۔ مدینہ آکر ایک حکیم صاحب کی دوا سے خون تو بالکل بند ہو گیا لیکن ٹانگوں کی تکلیف میں بہت اضافہ ہو گیا اس کے بعد سے جناب کی دوا کا اثر مجھ پر دو ہوتے ہیں مگر میں احتراماً کھا رہا ہوں اور سمجھ رہا ہوں کہ ان شاء اللہ آپ کی برکت سے نقصان نہیں ہوگا مگر ان ڈاکٹر صاحب کے جو بڑے ماہر ہیں اس کہنے کی وجہ سے جو انہوں نے بغیر میرے استفسار کے کہا تھا کہ اگر کبھی ناک یا منہ سے خون آیا تو ہرگز نہ کھانا مجھے تردد ہوا اب دوا کا اثر یہ ہے کہ جس دن ایک گولی کھاتا ہوں

اس دن ٹانگوں میں سارے دن حذر یعنی سونے کی کیفیت رہتی ہے ٹانگوں میں بوجھ اتنا رہتا ہے کہ دو آدمیوں کے سہارے سے بھی بعض دفعہ گرنے لگتا ہوں البتہ درد میں بہت کمی ہے اور اس دن جس دن گولی کھائی جائے نیند بالکل نہیں آتی یہ کئی دفعہ کا تجربہ ہے نہ دن میں نہ رات میں، یہ میں نے مختصر لکھوایا ہے تا کہ آپ کا وقت ضائع نہ ہو اور میری پوری کیفیت معلوم ہو جائے اس کے بعد جیسا حکم ہو لیکن نیند نہ آنے سے دماغ پر بہت اثر ہوتا ہے۔ فقط والسلام حضرت شیخ الحدیث صاحب۔ بقلم ڈاکٹر اسماعیل شب ۲۰ رصفر ۹۱ھ دوسرے دن یہ اضافہ لکھوایا یہ پرچہ رات لکھوایا تھا شب جمعہ میں بھی بالکل نیند نہیں آئی تھی اور ٹانگوں میں حذر آج کچھ زیادہ معلوم ہوا مسجد نور سے آتے وقت موٹر پر پاؤں نہیں رکھا گیا نیچے گر گیا فقط۔

ٹانگ کی ہڈی کا ٹوٹ جانا

اس واقعہ کا ذکر پہلے بھی مجمل گزر چکا ۱۳۹۷ھ کے حج کے بعد مدینہ منورہ کے قیام میں یہ حادثہ پیش آیا حضرت تحریر فرماتے ہیں ''اس قیام مدینہ پاک میں روانگی سے تقریباً بیس یوم قبل اس ناکارہ کے قدمچہ سے گرنے اور پاؤں کی ہڈی ٹوٹنے کا واقعہ پیش آیا مدرسہ شرعیہ میں اس ناکارہ کا قیام تھا (یعنی مسجد نور کے بعد) وہاں قبیل ظہر استنجاء کے لئے اور نماز کی تیاری کے لئے تقریباً ایک گھنٹہ قبل جانا ہوا استنجاء پاک کرتے وقت دوران سر ہو کر یہ ناکارہ گر گیا، دوست احباب باہر پہلے ہی سے کھڑے ہوئے تھے، میرے گرنے کی آواز پر اندر آ گئے چونکہ لنگی باندھنے کی عادت پہلے سے تھی اس لئے کشف عورت سے محفوظ رہا وہاں سے اٹھا کر دو آدمی پکڑ کر باہر لائے اور پردہ کر کے لنگی بدلی ٹانگیں پاک کیں اور مسجد نبوی میں حسب معمول ظہر کی نماز کے لئے چلا گیا نماز کے بعد سے احباب کا اصرار ہوا کہ ایکسرے لیا جائے''۔

چنانچہ ہسپتال جا کر ایکسرے لیا گیا گھٹنے سے ٹخنہ تک دو لمبی ہڈیاں ہوتی ہیں، ایک موٹی جو جسم کا وزن سہارتی ہے اور دوسری پتلی جس پر جسم کا وزن نہیں پڑتا، ایکسرے میں اس پتلی ہڈی

کے نچلے حصہ میں معمولی سا شگاف تھا، مدینہ پاک کے ڈاکٹروں کی رائے پلاسٹر کی نہیں تھی کہ اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی نیز پلاسٹر کی وجہ سے گھٹنے کے جام ہوجانے کا اندیشہ تھا وہاں کے ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ کچھ عرصہ مزید قیام مدینہ پاک میں فرمالیا جائے تو ہڈی جڑ جائے گی مگر چونکہ سفر کی اطلاع مکہ مکرمہ اور ہندو پاک میں سب جگہ کی جاچکی تھی اور وہاں حضرت کی وجہ سے دور دور سے لوگ آکر جمع ہوجاتے ہیں اس لئے التوائے سفر کو حضرت نے قبول نہیں فرمایا ڈاکٹروں نے پٹی باندھ دی مکہ مکرمہ تشریف لے گئے وہاں بھی کئی ڈاکٹر صاحبان حسب معمول حضرت پر مسلط ہوگئے، ہڈی کے امراض کے ایک ماہر ڈاکٹر نے پلاسٹر چڑھایا مگر دوسرے دن اسہال کی وجہ سے وہ پلاسٹر ناپاک ہوگیا آگے تحریر فرماتے ہیں۔

''میرے دوستوں نے نماز کے قرب کی وجہ سے اس کو کھولنا چاہا تو اتنا مضبوط تھا کہ کلہاڑی سے بڑی دقت سے وہ کاٹا گیا نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب کو دوبارہ ٹیلفون کیا گیا وہ اسی وقت آئے دیکھا تسلی دی کہ کوئی ایسی بات نہیں رات کو میں دوسرا باندھ دوں گا عشاء کے بعد ڈاکٹر صاحب کی تلاش میں عزیز سعدی اور مولانا عبداللہ عباس وغیرہ احباب پھرتے رہے مگر وہ کہیں چلے گئے تھے کئی گھنٹے بعد واپس آئے تو دیر ہوگئی تھی انہوں نے مشورہ دیا کہ پرسوں تو پاکستان جانا ہے وہاں بندھوالیا جائے تو زیادہ اچھا رہے گا پاکستان چونکہ قیام ہی دو دن رہا اس لئے وقت نہیں ملا دہلی پہونچنے پر احباب کا مزید اصرار ہوا بالخصوص مولانا انعام الحسن صاحب جناب الحاج محمد شفیع صاحب جناب الحاج بھائی کرامت صاحب وغیرہ کا کہ سہارنپور جانے سے پہلے پلاسٹر بندھنا ضروری ہے یہ ناکارہ جمعہ کے دن نظام الدین پہنچا تھا شنبہ کی دو پہر کو ایک ڈاکٹر صاحب کے شفاخانہ میں جانا ہوا انہوں نے بہت ہی محنت سے آدھ گھنٹے میں پلاسٹر لگایا مگر وہ دو گھنٹہ تک بھی خشک نہ ہوا تو عزیز ابوالحسن نے ہیٹر سے چار گھنٹے میں اسے خشک کیا اور زکریا نے ڈاکٹر صاحب سے شکایت کی کہ مکہ مکرمہ میں تو دس منٹ میں پلاسٹر بندھ گیا تھا اور آدھ گھنٹے میں خود

بخو دخشک ہو گیا تھا انہوں نے اس کا جواب دیا کہ وہاں والوں کے پاس اپنی تو کوئی چیز ہے نہیں کچھ جرمنی سے کچھ امریکہ سے کچھ لندن سے منگاتے ہیں ہمارے یہاں تو ساری چیزیں اپنی ہیں ہم کہیں باہر سے تھوڑا ہی منگاتے ہیں یہ جواب میرے دماغ میں تو آیا نہیں مگر احتراما چپکا ہو گیا ......سہارنپور آنے کے بعد وہ پلاسٹر سخت ہو گیا پندرہ دن کے بعد بھائی کرامت صاحب کے بھائی صاحب ایک دوسرے ڈاکٹر کو لے کر آئے انہوں نے پہلے پلاسٹر کو کاٹ کر دوسرا بدلا دو ماہ تک وہ بھی بندھا رہا مگر ٹانگوں میں ایسا جمود پیدا ہو گیا کہ اب کھڑا ہونا تو درکنار زمین پر پاؤں رکھنا بھی دشوار ہو گیا چارپائی کے قریب قدمچہ لگا رہتا ہے چار احباب چارپائی سے میت کی طرح سے اٹھا کر قدمچہ پر بٹھا دیتے ہیں فراغ پر اٹھا کر چارپائی پر ڈال دیتے ہیں اور اسی درمیان میں ڈاکٹری یونانی ہومیو پیتھک اور پہلوان کی مالش کے علاج بدلتے رہے مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ (آپ بیتی نمبر ۶ ص۴۰۳-۴۰۷)

قدمچہ سے گر کر زخمی ہونا

مدرسہ شرعیہ کے ابتدائی قیام میں قدمچہ حجرہ کے باہر اس جگہ رکھا گیا تھا جہاں وضو کے لئے ٹوٹیاں لگی ہوئی تھیں جب حضرت کو استنجاء کا تقاضا ہوتا تو خدام حضرت کو اٹھا کر باہر لے آتے قدمچہ پر بٹھاتے پانی کا لوٹا رکھ کر اور پردہ کھینچ کر وہاں سے ہٹ جاتے فراغ کے بعد حضرت کی آواز پر خدام آکر حضرت کو اٹھا کر پھر اندر حجرہ میں لے جاتے حجرہ کے اندر ایرکنڈیشن کی وجہ سے خوب ٹھنڈی ہوتی اور باہر نہایت سخت گرمی ہوتی تھی۔

ایک دن عصر کے وقت انتہائی سخت گرمی میں جب کہ لو بھی چل رہی تھی حضرت کو ٹھنڈے حجرے میں سے باہر گرمی میں قدمچہ پر بٹھا کر پردہ کھینچ کر جب خدام ہٹ گئے تو حضرت کو چکر آ گئے اور منہ کے بل زمین پر گر گئے چہرہ پیشانی اور ناک پر چوٹ لگی ناک کی نرم ہڈی بھی ٹوٹ گئی خون جاری ہو گیا بندہ اتفاق سے گھر سے عین اس وقت وہاں پہنچا جب کہ حضرت گرے

فوراً حضرت کو اٹھا کر حجرہ میں لایا گیا کافی دیر تک بہت سا خون ناک سے نکلا کئی روز تک روزانہ مرہم پٹی اور علاج ہوتے رہے اس کی وجہ سے حضرت کئی روز تک حرم شریف نہیں جا سکے۔

کان پر دانہ نکلنا اور اس کا آپریشن

۳۰ محرم ۱۴۰۰ھ ۱۹؍دسمبر ۱۹۷۹ء بروز شنبہ حضرت نے مولانا نجیب اللہ صاحب سے فرمایا دیکھ نجیب اللہ میرے کان پر یہ دانہ کیسا ہے مولانا نجیب اللہ صاحب نے دیکھا اور پھر بندے کو دکھایا۔ دیکھا تو چھوٹا سا دانہ (مسہ) تھا ابتداءً اس میں تکلیف زیادہ نہیں تھی مگر بعد میں درد ہونے لگا اور اس کروٹ لیٹنے میں تکلیف ہوتی تھی بندہ ڈاکٹر سلطان اعظم انصاری امیٹھوی جو کہ مدینہ منورہ کے ہسپتال میں سرجن تھے ان کو بلا کر لایا انہوں نے دیکھ کر آپریشن تجویز کیا اور یہ بھی کہا کہ حضرت کو ہسپتال جانے کی ضرورت نہیں میں خود سارا سامان یہاں مدرسے میں لا کر حضرت کے حجرے ہی میں آپریشن کر دوں گا چنانچہ بروز چہار شنبہ ۱۴؍صفر ۱۴۰۰ھ ۲۰؍جنوری ۱۹۸۰ء کو بعد عشاء موصوف آپریشن کا سارا سامان لے کر آئے دانے کی جگہ پر سن کا انجکشن لگایا اور آپریشن کر کے اس کو نکال دیا چند روز تک مرہم پٹی کرتا رہا یہاں تک کہ زخم ٹھیک ہو گیا۔

نظام الدین کے قیام میں غش کھا کر گرنا

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی وفات کے بعد سے حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ چونکہ حضرت شیخ قدس سرہ کو اپنے باپ اور شیخ کی جگہ سمجھتے تھے اور حضرت شیخ کی سرپرستی کو ضروری سمجھتے تھے اس لئے خود بھی بار بار سہارنپور تشریف لے جاتے اور کوئی بھی کام ذاتی ہو یا تبلیغی حضرت شیخ کے مشورے کے بغیر نہیں کرتے تھے ان کا تقاضا شدت سے حضرت شیخ کو نظام الدین بلانے کا رہتا تھا خاص طور سے رمضان المبارک نظام الدین میں گذارنے کا حضرت شیخ قدس سرہ بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے ۲۹؍شعبان ۱۳۶۴ھ کو حضرت نے نظام الدین میں

اعتکاف کی نیت فرمالی۔

جیسا کہ اوپر حضرت کے مکتوب گرامی میں اس کا ذکر گذر چکا مغرب کی نماز کی پہلی رکعت میں کھڑے کھڑے غش کھا کر گر گئے اور بے ہوش ہو گئے ۱۸ر رمضان تک صاحب فراش رہے روزہ تراویح کچھ نہ ہوسکا وہ مرض نہ تو ڈاکٹروں کی سمجھ میں آیا نہ حکیموں کی سمجھ میں آیا اور کیسے آتا وہ کوئی ظاہری مرض تو تھا نہیں حضرت بھی کسی کو بتلاتے نہیں تھے عرصۂ دراز کے بعد ایک مرتبہ ایک بہت مقرب لاڈلے خادم نے پوچھ لیا کہ حضرت کیا فخرّ موسیٰ صعقاً والی بات تھی تو حضرت نے اثبات میں سر ہلا کر ''ہوں'' فرمایا۔

ذیابیطس

۱۹۷۸ء میں مدینہ پاک کے قیام میں حضرت قدس سرہ کو ذیابیطس کا مرض شروع ہوا اور خون میں شکر کی مقدار بڑھ جانے کی وجہ سے پیشاب میں شکر آنے لگی، ڈاکٹری اور یونانی علاج ہوتا رہا، ساری عمر حضرت کو میٹھے سے عدم رغبت رہی مگر اس مرض کے دوران میٹھے سے رغبت بہت بڑھ گئی، معالجین کی طرف سے پرہیز پر اصرار تھا اس لئے ان کی خاطر حضرت پرہیز کا اہتمام فرماتے تھے، آٹھ دس ماہ تک یہ مرض رہا اس کے بعد خود بخود ٹھیک ہو گیا حالانکہ عام طور سے یہ مرض بالکلیہ ٹھیک نہیں ہوا کرتا بلکہ عمر بھر دواؤں کا استعمال اور پرہیز کرتے رہنا پڑتا ہے مگر حضرت قدس سرہ کو ایسا افاقہ ہوا کہ پھر آخری سانس تک دوبارہ یہ مرض نہیں ہوا۔

برطانیہ کے ڈاکٹروں کی رپورٹ

۱۹۷۹ء میں حضرت شیخ قدس سرہ نے اپنی بیماریوں اور معذوریوں کے باوجود برطانیہ کا سفر فرمایا اور وہاں سے ہندو پاک بھی تشریف لے گئے تھے، برطانیہ میں وہاں کے مخلص احباب وہاں کے ایک بہت بڑے ماہر ڈاکٹر کو دارالعلوم برمی میں جہاں حضرت کا قیام تھا بہت بڑی فیس

دے کر لے آئے، اس انگریز ڈاکٹر نے حضرت قدس سرہ کا بہت تفصیل سے معائنہ کیا، ایکسرے ہوا، پیشاب پاخانہ خون بھی ٹیسٹ کرایا گیا، ساری تحقیقات کے بعد اس ڈاکٹر نے رپورٹ لکھی کہ ٹانگوں کی معذوری کے علاوہ حضرت کو کوئی مرض نہیں ہے، حضرت کی صحت بہت اچھی ہے اور زبانی یہ بھی کہا کہ ظاہری طبی لحاظ سے حضرت مزید بیس سال اور زندہ رہ سکتے ہیں۔

تھرما میٹر پر تصرف

سہارنپور کے قیام میں ایک مرتبہ حضرت ناظم صاحب (مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کو بہت تیز بخار ہو گیا، حضرت شیخ قدس سرہ کو اس وقت اس کا شاید علم نہ ہوا چونکہ دونوں بزرگوں میں بہت گہرا تعلق تھا اس لئے حضرت شیخ کا ان کی عیادت نہ کرنا ان کو گراں ہوا، دارالطلبہ میں آمنا سامنا ہو گیا تو حضرت ناظم صاحب نے شکوہ کیا کہ مجھے ایک سو تین ڈگری بخار ہے اور آپ خبر ہی نہیں لیتے۔ حضرت شیخ نے مزاحاً فرمایا کہ تم ہر وقت تھرما میٹر لئے پھرتے ہو، پھینک دو تھرما میٹر کو، اچھے خاصے ہو اور کہتے ہو بخار ہے، حضرت ناظم صاحب نے فرمایا ۱۰۳ ڈگری بخار ہے حضرت شیخ نے فرمایا لاؤ ذرا تھرما میٹر میں بھی دیکھوں، حضرت ناظم صاحب نے فوراً تھرما میٹر نکال کر حضرت شیخ کو دے دیا، حضرت شیخ نے اپنے منہ میں تھرما میٹر رکھ کر تھوڑی دیر بعد نکال کر حضرت ناظم صاحب کو دیا کہ دیکھو کتنا ہے اس میں ایک سو سات ڈگری بخار تھا، حضرت ناظم صاحب بہت ہی حیرت اور تعجب سے بار بار تھرما میٹر کو دیکھتے اور حضرت شیخ کی طرف بھی دیکھتے، فرمایا سمجھ میں نہیں آ رہا دوبارہ رکھو۔ دوبارہ جھٹک کر رکھا نکالا تو پھر وہی ایک سو سات، تیسری مرتبہ بھی اسی طرح ہوا، پھر ایک سو سات ہی تھا حضرت مسکرا رہے تھے حضرت ناظم صاحب حیران تھے کہنے لگے کہ ۱۰۷ میں تو آدمی زندہ ہی نہیں رہ سکتا یہ کیا بات ہے حضرت شیخ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو تم ایک سو تین میں شور مچانے لگے اور میں ۱۰۷ میں جوانوں کی طرح چلتا پھرتا ہوں۔

آنکھیں بنوانا

حضرت شیخ کی آنکھ میں نزول آب کا سلسلہ تو دسمبر ۶۰ء سے ہی شروع ہوا تھا، بائیں آنکھ میں زیادہ داہنی میں کم تھا، مخلص اہل تعلق کا اصرار رہا کہ علی گڑھ میں بنوائی جائے مگر مشغولیت اور آنکھ کے پختہ نہ ہونے کی وجہ سے آپریشن کا معاملہ ٹلتا رہا، بالآخر ۸/ مارچ ۱۹۷۰ء کو پہلی مرتبہ علی گڑھ کے مشہور ہسپتال گاندھی آئی ہسپتال میں داخلہ ہوا، سارے ضروری معائنے اور ٹیسٹ کے بعد ۱۴/ مارچ کو صبح دس بجے ڈاکٹر شکلا نے آنکھ کا آپریشن کیا جو بہت کامیاب رہا وہاں کے ڈاکٹر نے اور دیگر عملے نے باوجود غیر مسلم ہونے کے حضرت کے مزاج کی پوری رعایت رکھتے ہوئے سارے انتظامات بہترین طریقہ سے کئے یہاں تک کہ حضرت کو غفلت کی یا خواب آور کوئی دوائی گولی یا انجکشن استعمال نہیں کروائی گئی بعد عصر لوگوں کو زیارت کی اجازت تھی جس میں دو ڈھائی سو کا مجمع ہوجاتا تھا، ابتداءً بولنے کی ممانعت تھی تو حضرت اپنے مشائخ کی کتابیں سنتے تھے پھر جب بولنے کی اجازت ملی تو اپنی زندگی کے سبق آموز حالات اپنے مشائخ اور اساتذہ کے کمالات اور طرز زندگی، اخلاص وایثار کے واقعات خدام کو سناتے، آنکھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی، خدام ان واقعات کو قلمبند کرنے کا اہتمام کرتے، اس طرح آپ بیتی کا مفید سلسلہ شروع ہوگیا جو بالآخر سات حصوں میں مکمل ہوا۔

اس ہسپتال میں دوبارہ ۲۲/ اگست ۱۹۷۰ء کو داخل ہوئے اور ۱۸/ روز اس میں قیام فرمایا، اس کے دوران آپ کے معائنے اور مختلف قسم کے ٹیسٹ ہوتے رہے اس میں بھی آپ بیتی اور ڈاک کا سلسلہ جاری رہا۔

اس کے دو برس کے بعد سے آنکھ بنوانے پر اصرار شروع ہوگیا، علی گڑھ کے احباب کا بھی اصرار تھا مگر اس مرتبہ حضرت کی منشاء ڈاکٹر ظفیر احمد صاحب سے آنکھ بنوانے کی تھی، حضرت ڈاکٹر ظفیر صاحب سے وعدہ بھی فرما چکے تھے۔ چنانچہ حضرت آپ بیتی نمبر ے میں تحریر فرماتے ہیں

’’ڈاکٹر ظفیر صاحب کئی بار مدینہ طیبہ تشریف لائے اور آنکھ بنوانے کا سامان بھی ساتھ لائے کہ میں حجرہ ہی میں آنکھ بناؤں گا اور دو دن بعد مسجد نبوی میں بھیج دوں گا میرا ان سے وعدہ بھی تھا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ جب بنواؤں گا آپ ہی سے بنواؤں گا مگر اس وقت تو ہندوستان کا سفر درپیش ہے اسی طرح زمانہ گذرتا رہا مگر ہمارے قاضی صاحب جناب الحاج عبدالقادر نے میری بلا اطلاع جناب ڈاکٹر منیر الحق لاہوری پاکستانی کو جو اس فن کے بہت ماہر ہیں اور لندن سے خاص ڈگری آنکھ بنانے کی حاصل کر کے آئے ہیں جس میں آپریشن کے بعد آنکھ کو سینا نہیں پڑتا پھر نہ ٹانکے کاٹنے پڑتے ہیں زخم کو کسی چیز سے چپکا دیا جاتا ہے جو خود بخود اندر ہی اندر اچھا ہو جاتا ہے ان کو خط لکھ دیا کہ زکریا کی آنکھ بنانے کی لئے چھٹی لے کر آجاؤ۔

مجھے اس سب قصہ کی خبر جب ہوئی جب ڈاکٹر منیر صاحب کا خط میرے پاس آیا کہ میری چھٹی فلاں تاریخ تک منظور ہوگئی اور سامان سب ساتھ لے کر آؤں گا جب میں نے تحقیق کیا کہ سامان کیسا؟ تو معلوم ہوا کہ قاضی صاحب نے کوئی منصوبہ بنا رکھا ہے...... سابقہ تجویز تو یہ تھی کہ مدرسہ شرعیہ کے حجرہ ہی میں آپریشن ہوگا مگر یہاں شور وشغب کی وجہ سے سب کا مشورہ یہ ہوا کہ آپریشن تو شفاخانہ میں ہونا چاہئے اس لئے ۲۴؍اپریل کو صبح سید آفتاب صاحب کی کار میں ہسپتال گیا اور دو گھنٹے بعد وہاں آپریشن ہوا جس میں ہسپتال کے مدیر اور جناب الحاج ڈاکٹر ظفیر احمد بھی شریک تھے، ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ بہت جزاء خیر دے کہ انہوں نے از راہ شفقت خود ہی یہ فرمایا اجازت ہو تو میں بھی آپریشن کے وقت آجاؤں مجھے تو بڑی شرم آرہی تھی کہ وہ بار بار اصرار کر چکے تھے اور میں وعدہ بھی کر چکا تھا مگر قاضی صاحب نے سارا منصوبہ میری اطلاع کے بغیر بنا دیا تھا اس لئے میں مجبور تھا ڈاکٹر منیر نے ڈاکٹر ظفیر سے کہا کہ ضرور تشریف لاویں چنانچہ وہ بھی تشریف لے آئے ۲۸؍ کی صبح ہسپتال سے مدرسہ واپسی ہوئی۔

یہاں آنے کے تقریباً ایک ماہ بعد میرے دوستوں نے بتایا کہ آپ اپنی تین دن کی

نمازیں قضا کیجئے ،ان تین دن میں مجھے نیند کی گولیاں اور غفلت کے انجکشن کثرت سے لگتے رہے تھے جس سے بہت ہی رنج اور قلق ہوا اللہ تعالی معاف فرمائے......ڈاکٹر منیر صاحب اپنی چھٹی ختم ہو جانے کی وجہ سے ۱۳رمئی کو تشریف لے گئے اور ابوالحسن کو ساری دوائیں لکھوا گئے جس کو عزیز موصوف بہت اہتمام سے دیتا رہا......ڈاکٹر ظفیر صاحب سے ٹیلیفون پر ان کے بار بار کے دریافت کرنے پر حالات بتائے جاتے تھے اور وہ دواؤں میں تغیر کرتے رہتے تھے جس کی تفصیلی اطلاع عزیز ابوالحسن ڈاکٹر منیر کو کرتا رہتا تھا مگر ڈاکٹر صاحب کا کوئی خط نہیں آیا معلوم نہیں میرا خط نہیں پہنچا یا ان کا جواب نہیں پہنچا یا خط لکھنے کی فرصت نہیں ہوئی اس لئے میں اب تک تاخیر کر رہا تھا کہ میری رائے یہ تھی کہ آنکھ اسی سے بنوائی جائے جس سے ہر وقت ملاقات ہو سکے، اور چونکہ ہندوستان کا سفر بار بار ہوتا تھا اس لئے نہ ڈاکٹر ظفیر صاحب سے بنوانے کی نوبت آئی اور نہ علی گڑھ میں بنوانے کی نوبت آئی''۔ (آپ بیتی نمبر ۷ ص ۹۲)

لقوہ کا حملہ

حضرت قدس سرہ کو بخار کا حملہ تو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا تھا مگر مظاہر علوم کی مدرسی کے دوران کبھی بھی بخار کی وجہ سے مدرسہ سے چھٹی نہیں لیتے تھے بلکہ بخار کی حالت میں دوسرے مدرسین کا گھنٹہ بھی اپنے ذمہ لے لیتے تھے اور عام معمول سے زیادہ پڑھاتے تھے مگر اخیر عمر میں جب کبھی بخار ہوتا تو صحت بہت گر جاتی تھی اور ضعف میں اضافہ ہو جاتا تھا مدینہ پاک کے قیام میں تو کئی بار ایسا ہوا کہ اہل تعلق مایوس ہو جاتے تھے مگر اللہ جل شانہ کے فضل سے افاقہ ہو جاتا تھا حضرت مولانا علی میاںؒ سوانح حضرت شیخ میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ کی علالت کا سلسلہ جیسا کہ اوپر کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے بہت طویل تھا اور سالہا سال ممتد رہا اس میں بار بار ایسے مرحلے آئے کہ اہل تعلق اور معالجین کو زندگی کی طرف سے سخت خطرہ اور تشویش اور بعض اوقات مایوسی ہونے لگتی تھی لیکن اللہ تعالی کو ابھی ارشاد

وتربیت، اپنے مشائخ اور مربیوں کے علوم اور تحقیقات کی اشاعت ان کی علمی وتصنیفی یادگاروں کی حفاظت اور توسیع وتبلیغ، جماعت کی نگرانی وسرپرستی اور زیرتربیت افراد کی تکمیل کا جو کام لینا تھا اس کے لئے بار بار اس فوری خطرہ اور تشویش کو دور فرماتا رہا اور اہل تعلق کی آس بندھتی رہی۔''

وصال سے چند سال قبل ایک عرصہ تک حضرت قدس سرہ کی صحت بہت خراب چل رہی تھی موت کا شوق بہت غالب تھا کئی کئی بار روزانہ زبان مبارک پر بھی باوجود ضبط کے ایسے الفاظ آجاتے جس سے موت کا بے حد اشتیاق معلوم ہوتا تھا، صحت دن بدن گرتی جارہی تھی غذا چونکہ پہلے ہی برائے نام تھی اور بھی کم ہوگئی تھی۔ حکیم عبدالقدوس صاحب اور بندہ اپنا اپنا علاج کرتے رہتے تھے مگر صحت ٹھیک ہونے کی بجائے خراب ہی ہوتی جارہی تھی۔ پھر یکایک صحت ٹھیک ہونا شروع ہوگئی اس طرح کہ سب کو حیرت تعجب اور بے انتہا مسرت ہوئی ایک دن بندہ حضرت کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت وہاں اور کوئی نہیں تھا، حضرت نے فرمایا ڈاکٹر صاحب آج کل میری طبیعت اچھی ہوگئی ہے بندہ نے عرض کیا جی ہاں! حضرت اللہ کا شکر ہے اللہ کے فضل سے حضرت کی صحت اچھی ہے۔ حضرت نے فرمایا اس کی وجہ معلوم ہے؟ بندہ خاموش رہا تو حضرت نے فرمایا چند دن ہوئے یہ خواب دیکھا تھا اور درج ذیل خواب حضرت نے بندہ کو سنایا، بعد میں دوسری مجلس میں اسی خواب کو ایک شخص سے املا کرادیا، اس سے یہ نقل کرتا ہوں فرمایا کہ:

''خواب میں حضور اکرم ﷺ کی مجھے زیارت ہوئی اور حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ حضور ﷺ کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ زکریا کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق بہت ہورہا ہے لیکن میرا جی یہ چاہے ہے کہ کچھ اور اس سے کام لے لیا جائے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اس کو یہاں آنے کا اشتیاق تو بہت ہے مگر میرا بھی یوں جی چاہے ہے کہ اس سے کچھ اور کام لے لیا جائے۔''

اس خواب کے بعد میں بہت حیرت میں پڑ گیا کہ میں کسی کام کا نہیں ساری عمر یوں ہی

بے کار ضائع کی اب کیا کام کرلوں گا اور یہ کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق، میں کیا کروں میرا منہ حاضری کا ہے ہی نہیں۔ مگر کچھ دنوں کے بعد چچا جان (حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کا واقعہ یاد آیا وہ یہ کہ جب چچا جان مدینہ منورہ آئے تو ان کا ارادہ یہاں ٹھہر جانے کا ہوا، روضۂ اقدس سے اشارہ ہوا کہ ہندوستان جاؤ تم سے کام لینا ہے، چچا جان نے فرمایا کہ میں بہت دن تک پریشان رہا کہ بولنا مجھے نہیں آتا، تقریر مجھے نہیں آتی، میں ضعیف کیا کام کروں گا کچھ دنوں کے بعد حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنی کے بڑے بھائی مولانا سید احمد صاحبؒ نے جب انہیں پریشان دیکھا تو کہا کہ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کرو بلکہ کہا گیا کہ تم سے کام لیا جائے گا، لینے والا خود لے لے گا، اسی کے بعد چچا جان کو اطمینان ہوا، ہندوستان واپس آکر تبلیغی کام شروع ہوا اور ماشاء اللہ خوب چلا، میں نے بھی سوچا کہ یوں نہیں کہا کہ تو کر بلکہ یوں کہا کہ کام لیا جائے میں سوچتا رہا کچھ دنوں کے بعد خیال ہوا کہ ذکر و شغل کی لائن بالکل ٹوٹ گئی ہے، ہندوستان پاکستان کی اکثر خانقاہیں برباد ہوگئی ہیں اسی واسطے شاید حضرت گنگوہی کی بھی یہی منشاء ہو کہ ذکر و شغل ان کی خانقاہ کا اہم مشغلہ تھا اور جب حضرت کی آنکھیں جاتی رہیں تو تعلیم کی جگہ بھی ذکر و شغل نے لے لی تھی اس لئے مجھے ذکر و شغل کا اہتمام ہوگیا اور اسی بنیاد پر اپنے معمولات اور معذوری کے باوجود لندن پاکستان جہاں جہاں بھی خانقاہ قائم کرنے کا وعدہ ہو جس حال میں بھی ہوں پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں اللہ کرے کہ یہ کام اللہ کے فضل سے کچھ چل جائے اور یہی مراد حضرت کی بھی ہو تو کچھ سرخروئی ہو جائے۔‘‘

حضرت شیخ قدس سرہ ذکر و شغل کو سارے فتنوں کا اور انتشار کا علاج سمجھتے تھے، بار بار فرماتے تھے کہ مدارس میں جماعتوں میں اور اداروں میں جو فتنے اور انتشار اور افتراق ہے سب کی وجہ اخلاص، للّٰہیت اور تعلق مع اللہ کی کمی ہے اور یہ چیز ذکر و شغل کے بغیر عادتاً پیدا نہیں ہوتی چنانچہ اہل مدارس کو اہل خانقاہ کو اور دیگر جماعتوں اور اداروں کے ذمہ داروں کو مختلف طریقوں

سے اس طرف متوجہ فرماتے رہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب نوراللہ مرقدہما کے ساتھ طویل خط وکتابت ہوتی جن میں سے بعض مکتوبات آپ بیتی میں طبع بھی ہوگئے ہیں، تبلیغی جماعت کے ذمہ داروں کو بھی اس طرف متوجہ فرماتے رہے، اور صوفی اقبال صاحب سے یکے بعد دیگرے تین رسالے تبلیغ میں ذکراور اعتکاف کی اہمیت کے بارے میں اپنی نگرانی میں لکھوا کر طبع کرائے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہما وغیرہ حضرات نے حضرت شیخ کے ارشادات کی بہت قدر فرمائی اور اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اس پر عمل بھی فرمایا جس کا بہت زیادہ نفع بھی محسوس کیا گیا مگر بعض بدقسمت لوگوں نے حضرت کے اس اہتمام اور تاکید کی قدر کرنے کے بجائے اس کو اپنی مخالفت سمجھا اور اس طرح اپنا بھی نقصان کیا اور دین کو بھی نقصان پہونچایا فإلى الله المشتكى۔

اس خواب کے بعد حضرت کی صحت نسبتاً بہتر ہوگئی تھی اور معذوریاں تو اپنی جگہ تھیں، اس کے باوجود حضرت اپنے اس عالی مقصد کے لئے دور دراز کے اسفار فرماتے رہے۔

کینسر کی تشخیص اور اس کا غائب ہوجانا:

حضرت قدس سرہ نے اپنی زندگی کا آخری رمضان ۱۴۰۱ھ جنوبی افریقہ کے شہر اسٹنگر میں گذارا اس کے بعد زامبیا میں مولانا عبدالرحیم صاحب متالہ کے مدرسہ ہوکر ۲۵؍اگست ۸۱ء ۲۴؍شوال ۱۴۰۱ھ کو انگلینڈ پہونچے حسب سابق دارالعلوم برمی میں قیام ہوا ابتداءً صحت اچھی رہی اور وہاں کے معمولات میں شرکت فرماتے رہے مگر تین ذی قعدہ تین ستمبر کو حضرت کو بخار ہوا جس کا سلسلہ کئی روز تک چلتا رہا بالآخر ڈاکٹروں اور اہل تعلق کے اصرار سے حضرت کو برمی کے ہسپتال میں دس نومبر کو داخل ہونا پڑا اسپتال میں طبی معائنے ایکسرے وغیرہ ہوتے رہے خون کی کمی بہت محسوس کی گئی (حالانکہ اس سے قبل کبھی بھی حضرت کے اندر خون کی کمی نہیں ہوئی تھی)

تین تھیلیاں خون کی چڑھائی گئیں ۱۴؍ستمبر کو حضرت اسپتال سے دارالعلوم تشریف لے آئے، وہاں کے مفصل حالات مولانا نجیب اللہ نے ''سفر نامۂ افریقہ وانگلینڈ'' میں بہت بسط کے ساتھ لکھے ہیں، تفصیل اسی میں دیکھی جاسکتی ہے، ۱۶؍ستمبر کو حضرت مع رفقاء برائے جدہ روانہ ہوئے، برمی کے ہسپتال میں جو ایکسرے ہوئے ان میں شانے کی ہڈی میں ایک داغ نظر آیا جس کے بارے میں وہاں کے ڈاکٹروں کو شبہ ہوا کہ یہ کینسر کی سیکنڈی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جسم میں کسی جگہ کینسر ہے جو پھیل کر اس ہڈی میں پہونچا ہے اس کے لئے مزید جانچ کی ضرورت تھی مگر چونکہ حضرت کا سفر برائے حجاز طے تھا اس لئے مزید قیام نہیں ہوسکا البتہ وہاں کے ڈاکٹروں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ مزید جانچ ضرور کروائی جائے اسی وقت سے حلق میں کھانا اترنا دشوار ہوگیا تھا اور آواز بھی نہیں نکلتی تھی بات سننے کے لئے کان کو منہ کے قریب کرنا پڑتا تھا، اسی حال میں حضرت نے حج فرمایا ۱۵؍محرم ۱۴۰۲ھ، ۱۲؍نومبر ۱۹۸۱ء کو حسب تجویز سابق دہلی تشریف لے گئے، دہلی پہونچ کر مرض کا اشتداد اور ضعف کا شدید غلبہ ہوا صحت بہت نازک مرحلہ پر پہونچ گئی، اہل تعلق اور اہل الرئے کے مشورہ سے دہلی کے ہولی فیملی ہسپتال میں داخلہ ہوا اور وہاں طبی معائنہ ایکسرے وغیرہ کے بعد ماہر ڈاکٹروں کی متفقہ تشخیص ہوئی کہ کھانے کی نالی (مری) کے درمیانی حصہ میں کینسر ہے، بندہ اس وقت مدینہ پاک میں تھا جب اس کی اطلاع ملی تو بے چین ہوگیا اپنا مطب بند کر کے فوراً رخت سفر باندھا کہ بدھ کے روز اطلاع ملی تھی جمعرات کی صبح کو بذریعہ طیارہ جدہ گیا پاسپورٹ پاکستانی تھا اس لئے دو سفارت خانوں سے (یعنی ہندی پاکی) سے اجازت ضروری تھی وہاں جمعرات جمعہ دو دن چھٹی ہوتی ہے دو دن انتظار ناقابل برداشت تھا، اللہ تعالی نے مدد فرمائی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ڈاکٹر سید شرف الدین صاحب کو ان کی مساعی جمیلہ سے پاکی ہندی سفارت خانہ کا متعلقہ عملہ باوجود چھٹی کے اپنے گھر سے دفتر میں آئے بندے کا انڈوسمنٹ اور ویزہ کا کام کیا ظہر تک دونوں کام سے فراغ پر طیارے سے سیٹ بک کروائی طیارہ

دوسرے دن جمعہ صبح ساڑھے نو بجے تھا، جمعہ کی شام کو دہلی پہونچ کر سیدھا ہسپتال گیا حضرت کی زیارت سے مشرف ہوا، حضرت سے بات نہیں کی جاسکتی تھی آواز نہیں نکلتی تھی، کان کو منہ کے قریب کرنے سے کچھ سمجھ میں آتی تھی، وہاں کئی ماہر ڈاکٹر جمع تھے ان سے بندہ نے بات کی، سب ہی نے متفقہ طور پر یہ کہا کہ کینسر کی تشخیص میں ہمیں ذرا بھی شبہ نہیں یہ مرض خطرناک اور لاعلاج ہے اور اب حضرت ایک ماہ ورنہ زیادہ سے زیادہ دو ماہ زندہ رہ سکتے ہیں چونکہ حضرت کی تمنا عرصہ دراز سے مدینہ پاک میں مرنے کی تھی اس تمنا کی وجہ سے کئی سفر حجاز مقدس کے فرمائے اور آخر میں مستقل قیام مدینہ پاک میں فرمالیا تھا اس لئے سب ڈاکٹروں اور اہل تعلق کا اور اہل الرائے کا مشورہ اور اصرار تھا کہ حضرت بجائے سہارنپور کے مدینہ پاک تشریف لے جائیں، خاص طور سے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ اور حضرت مولانا اسعد مدنیؒ حضرت مولانا علی میاںؒ صاحب وغیرہ کا بہت زیادہ اصرار تھا، بندہ نے بھی حضرت سے عرض کیا کہ میں حضرت کو لینے آیا ہوں۔

حضرت کا سفر مدینہ پاک سے جہاں کہیں کا بھی ہوتا وہ روضۂ اقدس سے اشارہ بلکہ حکم سے ہوتا تھا اور جتنے دن قیام کرنا ہوتا تھا وہ بھی مدینہ پاک میں پہلے سے طے ہوجاتا تھا، اس مرتبہ بھی حضرت دو ماہ ہندوستان میں قیام کے ارادہ سے تشریف لے گئے تھے، چنانچہ حضرت کا منشا دو ماہ سے کم قیام کی نہیں تھی، بندہ کی موجودگی میں ایک ہفتہ تک سب حضرات اصرار فرماتے رہے کہ حضرت مدینہ تشریف لے جائیں مگر حضرت کو اس پر شرح صدر نہیں ہوا اور سہارنپور جانے ہی پر اصرار فرماتے رہے اور فرماتے کہ میں تو دو ماہ کے ارادے سے یہاں آیا ہوں، بندہ سے فرمایا کہ تیرے مطب کا حرج ہورہا ہے اس لئے میری رائے ہے کہ تو واپس مدینہ چلا جا بندہ نے عرض کیا کہ حضرت کو سہارنپور تک پہونچا کر آجاؤں تو حضرت نے اس کی اجازت مرحمت فرمادی، لہذا ایک گاڑی میں حضرت کے ساتھ الحاج ابوالحسن اور بندہ دوسری گاڑی میں چار ماہر

ڈاکٹر مع اپنے ساز و سامان کے اس کے علاوہ کئی اور گاڑیوں میں دیگر حضرات سہارنپور کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں حضرت کو امتلائی کیفیت محسوس ہوئی تو گاڑی روک کر علاج کر دیا گیا، سہارنپور بخیر و عافیت پہنچا کر بندہ براہ کراچی مدینہ پاک واپس آ گیا حضرت قدس سرہ دو ماہ پورے قیام فرما کر مدینہ پاک تشریف لائے، حجاز مقدس میں دوبارہ طبی معائنے ایکسرے وغیرہ ہوئے، سارے ڈاکٹر حکیم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جو کینسر برطانیہ اور ہندوستان کے بڑے بڑے ماہر ڈاکٹروں نے متفقہ طور پر تشخیص کیا تھا اس کا جسم میں وجود نہیں تھا، بندہ نے چونکہ ہندوستان اور برطانیہ کے ایکسرے خود دیکھے تھے اب حجاز مقدس کے ایکسرے بھی دیکھے اس لئے سخت حیرانی تھی، طبی لحاظ سے اس کی کوئی توجیہ بجز حضرت کی کرامت کے سمجھ میں نہیں آئی۔

اس دوران حضرت کو بار بار خون دینے کی ضرورت پڑتی تھی ہندوستان میں تو سینکڑوں پروانے لائن لگاتے تھے کہ ہمارا خون حضرت کے کام آ جائے ابتداءً ہفتہ میں ایک یا دو مرتبہ خون چڑھانا پڑتا تھا بعد میں جب کینسر غائب ہو گیا خون چڑھانے کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی البتہ گلوکوز وقتاً فوقتاً رگ میں چڑھانا پڑتا تھا، کینسر کی علامتیں بھی سب غائب ہو گئیں پہلے روٹی حلق میں اٹکتی تھی اور آواز نہیں نکلتی تھی مگر بعد میں یہ دونوں شکایتیں بھی نہیں رہی تھیں۔

بار بار خون اور گلوکوز چڑھانے کی وجہ سے بندہ کو حضرت کی رگ تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی، فروری ۱۹۸۲ء میں ایک ضرورت سے بندہ ممبئی گیا اور میری غیر موجودگی میں حضرت کو گلوکوز چڑھانے کی ضرورت پڑی تو وہاں کے ڈاکٹروں کو رگ تلاش کرنے میں دقت پیش آئی، بندہ کی واپسی کے بعد حضرت نے فرمایا کہ میں تجھے بہت یاد کرتا رہا، یہاں کے ڈاکٹروں کو رگ ہی نہیں ملتی تھی ایک ایک گھنٹہ تک مختلف جگہوں پر سوئیاں چبھوتے تھے اور میرے سارے جسم کو چھلنی کر دیا ہے۔

اس کے بعد حضرت نے حسب معمول رات کا کھانا شروع فرما دیا اور آخر کے چند ماہ

بندہ کو اپنے ساتھ چار پائی پر بٹھا کر کھانے میں شریک کرنے کا معمول ہو گیا تھا اس طرح کہ حضرت سرہانے بندہ پائتیں آمنے سامنے بیٹھتے، الحاج ابوالحسن حضرت کے قریب کھڑے ہو کر حضرت کو اپنے ہاتھ سے کھلاتے اور مولانا نجیب اللہ صاحب ابوالحسن کے برابر کھڑے ہوتے بقیہ خدام دوسرے حجرہ میں دسترخوان پر کھانا کھاتے، حضرت کا اس طرح کھانے کا معمول ۱۱رمئی ۱۹۸۲ء تک رہا کہ بارہ مئی سے کھانا چھوٹ گیا تھا۔

عرفات میں بخار

آخری حج ۱۴۰۱ھ کے موقع پر جبکہ حضرت کا قیام مکہ مکرمہ میں بھائی سعدی کے مکان میں تھا طبیعت بہت زیادہ خراب تھی جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، گرمی شباب پر تھی اس لئے بہت سے اہل تعلق کی رائے حضرت کے حج نہ کرنے کی تھی کہ حضرت سے گرمی کا تحمل نہیں ہوسکتا تھا مگر چونکہ حضرت کی منشا حج کرنے کی تھی اس لئے یہی طے ہوا اس پر اہل تعلق میں سے دو صاحبان نے عرفات میں جنریٹر کا انتظام کرنا اپنے ذمہ لیا جس سے پنکھا اور کولر چلایا جا سکے مگر مقدر کی بات کہ اس کا انتظام وقت پر نہ ہو سکا، حضرت جب عرفات پہونچے تو سخت گرمی تھی حضرت کو تیز بخار ہو گیا، برف کی سلیں دونوں طرف رکھ کر درمیان میں حضرت کو لٹا دیا گیا، ہماری گاڑی حضرت کے بعد وہاں پہونچی، جب بندہ وہاں پہونچا تو حضرت کو ایک سو چار ڈگری سے زائد بخار تھا اور حضرت بے ہوش تھے، بہت فکر اور تشویش ہوئی، جلدی جلدی تین انجکشن حضرت کو بندہ نے لگائے، بے ہوشی کی وجہ سے حضرت کو اس کا پتہ ہی نہ چلا، اللہ کے فضل سے اس کے بعد بخار اتر گیا اور حضرت ہوش میں آگئے اور عرفات کا وقت بخیر و عافیت گذر گیا۔

مرض وفات

جیسا کہ اوپر گذر چکا کہ حضرت قدس سرہ کی علالت کا سلسلہ تو کئی سال سے چل رہا

تھا،۱۲؍مئی ۸۲ء چہارشنبہ سے قبل صحت نسبتاً اچھی تھی، کھانا بھی نوش فرماتے تھے، گفتگو بھی ٹھیک طرح سے فرماتے تھے، پوچھنے پر مشورہ بھی حسب سابق دیتے تھے، مولانا عاقل صاحب (صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم) مسلم شریف کی تقریر کا جو علمی کام کر رہے تھے وہ روزانہ کا کام بعد عشاء حضرت کو سناتے، حضرت غور سے سنتے اور ضروری اصلاح فرماتے، گویا صحت اچھی تھی البتہ ضعف بہت تھا جس کی وجہ سے خلاف معمول حرم شریف صرف ایک نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے، شروع میں ظہر کی نماز میں اور پھر دھوپ میں تیزی ہوجانے کی وجہ سے عشاء کی نماز میں حرم شریف جانے کا معمول رہا، عشاء کے بعد جب حرم شریف سے پہیوں والی گاڑی میں بیٹھ کر مدرسہ شرعیہ تشریف لاتے تو سانس پھول جاتا اور کچھ دیر تک بات چیت نہیں فرما سکتے تھے۔

چہارشنبہ ۱۲؍مئی حضرت کو بخار ہوا جو ۱۰۲ ڈگری تک ہوگیا، علاج وغیرہ سے بخار تو اتر گیا لیکن ضعف میں بہت اضافہ ہوگیا اور حرم شریف جانا چھوٹ گیا، غنودگی رہنے لگی جو بعد میں بے ہوشی تک پہونچ گئی تھی، ۱۲؍مئی کو نماز جمعہ حرم شریف کی جماعت کے ساتھ مدرسہ علوم شرعیہ کے صدر دروازہ میں ادا فرمائی جہاں تک حرم شریف کی صفوں کا اتصال رہتا ہے، کبھی کبھی ہیجانی کیفیت بھی رہتی تھی، بخار کے بعد سے کھانا تقریباً چھوٹ گیا، مشروبات لینا کسی نہ کسی درجہ میں جاری رہا۔

جمعہ ۱۴؍مئی سے روزانہ صبح وشام گلوکوز پلاسما وغیرہ کی بوتلیں رگ کے ذریعہ چڑھائی جاتی رہیں جس کا سلسلہ وصال کے دن تک جاری رہا، دیگر علاج انجکشن وغیرہ بھی دیئے جاتے رہے، شنبہ ۱۵؍مئی کو آنکھوں میں اور پیشاب میں یرقان کا اثر ہوا، خون پیشاب وغیرہ بار بار ٹیسٹ کرایا جاتا تھا جس سے جگر وگردے میں مرض کا پتہ چلا اور ان دونوں اعضاء کے عمل میں خلل کا ہونا بھی معلوم ہوا، پیٹ اور پاؤں میں ورم بھی شروع ہوا۔

یک شنبہ ۱۶؍مئی کی شب میں نیم بے ہوشی تھی ، دوسرے روز فجر سے مکمل بے ہوشی ہوگئی ، اتوار کا سارا دن مکمل بے ہوشی میں گذرا کہ جس کروٹ پر لٹا دیا جاتا اسی پر رہتے ، نہ آواز دیتے نہ حرکت نہ کھانسی وغیرہ ، نبض اور بلڈ پریشر دیکھ کر اطمینان ہوتا کہ ان شاء اللہ فوری خطرہ نہیں ہے ، علاج وغیرہ اور تدبیریں ہوتی رہیں ، بخاری شریف کا ختم اور دیگر ختمات کا اہتمام کیا گیا ، دوشنبہ ۱۷؍مئی کو ہیجانی کیفیت زیادہ تھی اور بے چینی بھی بہت تھی صبح تو ''اللہ اللہ'' فرماتے رہے ظہر کے بعد سے ''یا کریم یا کریم'' ''یا'' ''او کریم او کریم'' فرماتے رہے کبھی کبھی ''یا علیم یا کریم'' بھی فرماتے رہے ، نیم بے ہوشی کی حالت تھی ، یا کریم کی یہ آوازیں آخر وقت تک وقتاً فوقتاً دیتے رہتے تھے ، علاج کے سلسلہ میں یہ ناکارہ دیگر ڈاکٹروں سے بھی برابر مشورہ کرتا رہا بالخصوص ڈاکٹر سید اشرف الدین صاحب ڈاکٹر ایوب صاحب ڈاکٹر سلطان صاحب ڈاکٹر منصور صاحب ڈاکٹر عبدالاحد صاحب وغیرہ سے مسلسل رابطہ رہتا تھا خون وغیرہ کے معائنے کے لئے ڈاکٹر انصرام صاحب بہت تعاون فرماتے رہے ۔

منگل ۱۸؍مئی کو بے ہوشی نہیں تھی ، گفتگو فرماتے رہے ، نمازیں بھی حسب سابق ادا فرماتے البتہ جگر اور گردے کا عمل برابر کمزور ہوتا گیا ، غذا تقریباً بند تھی ، بوتلوں کے ذریعہ رگ میں غذا پانی گلوکوز وغیرہ دیا جاتا رہا ، ۲۱؍مئی کو نماز جمعہ حسب سابق مدرسہ شرعیہ کے صدر دروازے میں حرم شریف کی جماعت کے ساتھ ادا فرمائی ، اتوار ۲۳؍مئی کی ظہر تک بظاہر طبیعت کچھ ٹھیک رہی ۲۳؍مئی کو بعد ظہر سوء تنفس کی تکلیف ہوئی جس کی فوری تدبیر انجکشن وغیرہ کے ذریعہ کرلی گئی ، مغرب سے آدھا گھنٹہ قبل جب کہ یہ ناکارہ اپنے مطب میں تھا حضرت کے خادم نجیب اللہ صاحب نے ٹیلیفون پر بتلایا کہ حضرت کی طبیعت خراب ہے ، بندہ فوراً حاضر ہوا تو دیکھا کہ سوء تنفس کی تکلیف بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے حضرت کو بے چینی ہے اور سانس لینے میں بہت دقت محسوس ہورہی تھی ، بندہ نے معائنہ کرکے ضروری انجکشن لگائے جس کے چند منٹ کے بعد

حضرت کو سکون ہو گیا اور سانس طبعی حالت پر آ گیا، عشاء کے بعد بندہ کے گھر جانے تک نسبتاً ٹھیک تھی۔

۲۴ رمئی فجر کے وقت بھی طبیعت نسبتاً ٹھیک تھی حضرت گفتگو بھی تھوڑی فرماتے رہے البتہ تشویش کی بات یہ پیش آئی کہ کل ظہر کے بعد سے پیشاب بالکل نہیں آیا تھا، فجر کے بعد جب مولانا احتشام احمد صاحب حضرت کے سر میں تیل لگا رہے تھے تو حضرت نے دریافت فرمایا میرا کرتا پاک ہے میری لنگی پاک ہے میرا بستر پاک ہے اس طرح ہر ہر چیز کے بارے میں دریافت فرماتے رہے، مولانا احتشام صاحب جی ہاں فرماتے رہے، مگر حضرت کو پوری تسلی نہیں ہوئی تو ہر وقت کے حاضر باش خادم خاص الحاج ابوالحسن کو بلوایا اور ان سے بھی اسی طرح کرتا لنگی چادر بستر وغیرہ کی پاکی وغیرہ کے بارے میں استفسار فرماتے رہے، جب الحاج ابوالحسن نے اس کے بارے میں بتلایا کہ پاک ہے تو اطمینان ہوا۔

صبح ۸ ربجے دوبارہ سوءِ تنفس کی تکلیف شروع ہوئی، اس کے لئے اور پیشاب کے لئے تدبیریں کی جانے لگیں، جس سے ظہر عصر کے درمیان پیشاب تو آ گیا تنفس کے لئے انجکشن آکسیجن وغیرہ لگائے گئے ۱۲ ربجے دوپہر تک بے چینی رہی کبھی فرماتے بیٹھاؤ کبھی فرماتے لٹاؤ کبھی فرماتے دوا لاؤ وقتاً فوقتاً ''یا کریم او کریم'' بھی بلند آواز سے فرماتے رہے، یہ ناکارہ چونکہ مسلسل پاس ہی بیٹھا رہا، کبھی کبھی اس ناکارہ کا ہاتھ پکڑ کر زور سے دبا دیتے، تقریباً گیارہ بجے جب کہ الحاج ابوالحسن نے تکیہ اونچا کیا تو بندہ کی طرف دیکھ کر فرمایا ''ڈاکٹر صاحب ہیں؟ ابو الحسن نے کہا ''ہاں یہ ڈاکٹر اسماعیل ہیں'' یہ سن کر بندے کی طرف دیکھ کر مسکرائے، یہ آخری گفتگو تھی جو حضرت نے فرمائی اس کے بعد ''یا کریم'' ''او کریم'' فرماتے رہے ظہر تک یہ کیفیت رہی ظہر کے بعد سے مکمل سکون ہو گیا جو آخر وقت تک رہا، یہ ناکارہ بار بار نبض بلڈ پریشر دیکھتا رہا نبض کمزور ہوئی جارہی تھی اور بلڈ پریشر بھی گرتا جارہا تھا، روح پرواز کرنے سے کچھ دیر قبل صاحبزادہ

مولانا طلحہ صاحب نے بندہ سے پوچھا کیا یہ آخری وقت ہے؟ بندہ نے اثبات میں سر ہلایا تو انہوں نے بلند آواز سے ذکر اسم ذات ''اللہ'' ''اللہ'' کہنا شروع کردیا اسی حال میں حضرت نے دو مرتبہ آخری ہچکیاں لیں جس سے آنکھیں خود کو بند ہوگئیں اور روح پرواز کرگئی، اس وقت ٹھیک پانچ بج کر چالیس منٹ ہوئے تھے اور غروب میں ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا انا لله و انا إليه راجعون، اللهم اجرنا فی مصیبتنا واعوضنا خیرا منها لله ما أخذ و له ما اعطی و کل شئی عنده بمقدار، ان العین تدمع و القلب یحزن و لا نقول إلا ما یرضی به ربنا و أنابفراقك یا شیخ لمحزون۔

جس کی ساری عمر اتباع سنت میں گذری اس کو تکوینی طور پر یہ اتباع بھی نصیب ہوگیا کہ دوشنبہ کو وصال ہوا۔

ایک خاص بات دیکھی کہ وصال سے ایک روز قبل حضرت والا ہر ایک سے فرداً فرداً دریافت فرماتے رہے کہ تم کیا کام کرتے ہو؟ صوفی محمد اقبال صاحب الحاج ابوالحسن اور بندہ سے براہ راست دریافت فرمایا، صاحبزادہ مولانا محمد طلحہ صاحب دوسرے حجرہ میں تھے تو خادم کو بھیجا کہ طلحہ سے پوچھ کر آ کہ کیا کام کرے، ہر ایک نے کچھ نہ کچھ پڑھنے ذکر تلاوت وغیرہ کا جواب دیا تو سکوت فرمایا، بندہ سے دریافت فرمایا تو بندہ سے قبل ہی ابوالحسن نے جواب دے دیا کہ یہ تو ابھی مطب جاکر مریضوں کا علاج کریں گے تو فرمایا ''یہ بھی کوئی کام ہے'' گویا آخری وقت تک بھی اپنے لوگوں کے متعلق فکر تھا کہ کیا کرتے ہیں۔

اسی طرح سے ہمیشہ جتنی چاہے بیماری ہو معذوری ہو مگر دماغ ہمیشہ بیدار ہی رہتا تھا، اس کی ایک مثال وہ مکتوب گرامی ہے جو وصال سے کچھ ہی عرصہ قبل حضرت مولانا علی میاں صاحب کو مولانا محمد ثانی کے حادثۂ انتقال پر تعزیت کا لکھوایا جو حضرت مولانا علی میاں نے سوانح میں ص ۱۶۹ پر نقل فرمایا ہے۔

علمی خدمات

حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ

اور

علم حدیث

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری

راقم السطور اپنے اس مضمون میں حضرتؒ کی زندگی کے صرف اس گوشہ کو بیان کرنا چاہتا ہے جس کے باعث زبان خلق نے نقارۂ خدا بن کرانھیں ''شیخ الحدیث'' کا لقب وخطاب عطا کیا، اور پھر یہ لقب ان کے اصل نام کا لازمی جزء اوراس کی علامت بن کررہ گیا، بلکہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرتؒ کا حقیقی اسم گرامی ''شیخ الحدیث'' کے لقب کی عمومیت میں گم ہوگیا تھا، ان کا سینہ عشق رسولؐ کی آتش سوزاں کی آماجگاہ تھا اور علم حدیث سے آپ کا والہانہ شغف اوراس کی نکتہ آفرینی میں غیر معمولی انہماک اس عشق رسولؐ کا طبعی نتیجہ تھا، ہزاروں دلوں نے اس حرارت سے اکتساب فیض کیا، آپ نے جوگرانقدر علمی کارہائے نمایاں انجام دیئے اس کی نظیر کم ازکم قرونِ متاخرہ میں مفقود ہے اور بلاشبہ گنبد افلاک آپ کے گوناگوں وہمہ جہت کارناموں سے رہتی دنیا تک گونجتا رہے گا ؎

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدہ عالم دوامِ ما

ہندوستان میں علم حدیث حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد

تاریخی حقائق شاہد عدل ہیں کہ آغاز اسلام کے ساتھ ہی سرزمین ہند قال اللہ و قال الرسولﷺ کے سرمدی نغموں سے معمور ہوگئی تھی، ہر عصر وعہد میں محدثین کرام کی ایک جماعت اس ملک میں وارد ہوئی اور بساط درس حدیث آراستہ کی، علم حدیث کی ترویج واشاعت اور تدریس وتصنیف کا جو غلغلہ ہندوستان میں بلند ہوا اس کی نظیر دوسرے بلاد اسلامیہ میں نہیں ملتی، خاص طور پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) اور ان کے نامور خانوادے نے ہندوستان میں علم حدیث کے منارہ کو رفعت میں رشک فلک بنادیا تھا، ان ہی کے ذریعہ اس ملک میں صحاح ستہ کی تدریس کا رواج عام ہوا، حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے درس وتصانیف کے ذریعہ تفقہ فی الحدیث اور شریعت کے اسرار وحکم کا ایک نیا باب وا کیا، انھوں نے مذاہب فقہاء کی ادلہ احادیث پر عمیق نظر ڈالی اور اپنے نورِ باطن سے فقہاء کا طریقہ پسند کیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں آپ کے فرزند اکبر سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) کے فیضان درس سے اکابر محدثین کی ایک بڑی جماعت تیار ہو کر نکلی جن میں سب سے زیادہ شہرت وامتیاز خود آپ کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی (المتوفی ۱۲۶۲ھ) کو حاصل ہوا ان کی ذات اپنے عہد میں علم حدیث کا سب سے بڑا مرجع ومرکز تھی، اکناف عالم کے تشنگان علم نے ان کے در پر حاضر ہو کر کسب فیض کیا، نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ان کی نظیر اس عہد میں شاید ہی مل سکے ان کے ممتاز و سرفہرست تلامذہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ (المتوفی ۱۲۹۶ھ) مہاجر مدنی کا نام نمایاں ہے جن کے درس حدیث سے ہندستان اور حرمین شریفین کے علماء کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی اور ہندوستان کی پوری علمی فضا حدیث کے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف سے معمور ہوگئی، ان کے سرآمد روزگار تلامذۃ میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) اور قطب الاِرشاد

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (متوفی ۱۳۲۳ھ) کے نام خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر ہیں حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہ نے اپنے وطن گنگوہ کو تربیت و اصلاح اور درس و تدریس و افتاء کا مرکز بنایا آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحیٰ (م ۱۳۳۴ھ) ہیں جن کے سبب دنیا نے حضرت کے عہد آخر کے دور حدیث کی بہار دیکھی، حضرت امام ربانی تن تنہا صحاح ستہ کا درس دیتے تھے اور اس میں ضبط و اتقان اور تحقیقات نادرہ کے موتی بکھیرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یحیٰ نے حضرت کے درس کے افادات عربی زبان میں قلمبند کئے تھے جو درحقیقت حضرت کے عمیق و وسیع مطالعہ اور طویل عرصہ کے درس کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں، یہی حضرت مولانا محمد یحیٰ ہمارے استاذ و مرشد مولانا زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ کے والد بزرگوار ہیں۔

حضرت شیخ کی تعلیم حدیث کا آغاز

حضرت شیخ الحدیثؒ سب سے پہلے حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال ہوئے، پھر درسیات کی اکثر متداول کتب سے فراغت کے بعد اپنے والد بزرگوار سے ''مشکوٰۃ شریف'' پڑھنے کا آغاز کیا، یہی نورانی و روحانی نقطہ آغاز درحقیقت حضرت شیخ کی زندگی کی وہ ساعت ہمایونی تھی جس نے تاحیات انہیں علم حدیث کی نکتہ آفرینی اور دقیقہ رسی میں منہمک رکھا۔ حضرت شیخ اپنے آغاز مشکوٰۃ کا قصہ خود ہی بیان فرماتے ہیں کہ۔

''۷؍محرم ۱۳۳۲ھ کو ظہر کی نماز کے بعد میری مشکوٰۃ شریف شروع ہوئی، والد صاحب نے خود ہی ظہر کی امامت بھی کی تھی کہ اس زمانہ میں نماز وہی پڑھاتے تھے نماز کے بعد غسل فرمایا اور دو رکعت نماز نفل پڑھی، پھر میری طرف متوجہ ہو کر مشکوٰۃ شریف کی بسم اللہ اور خطبہ مجھ سے پڑھوایا، پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر پندرہ یا بیس منٹ تک بہت دعائیں مانگیں مجھے نہیں معلوم کہ کیا کیا دعائیں مانگیں لیکن میں ان کی معیت میں اس وقت صرف ایک ہی دعا کرتا رہا کہ یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا ہے اسے مرنے تک میرے ساتھ وابستہ رکھئے،

اللہ جل شانہ نے میری ناپاکیوں، گندگیوں اور سیئات کے باوجود ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ ۱۳۳۲ھ سے ۱۳۹۰ھ تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا جس میں حدیث پاک کا مشغلہ نہ رہا ہو"۔

حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ اس دعا کے وقت میں سوچ رہا تھا کہ یہ بات کیسے ممکن ہے اگر میں نے حدیث پڑھ بھی لی پھر مدرس بھی ہو گیا تو درس حدیث تک دس بارہ سال لگ جائیں گے بہت سے ایسے حضرات جو عرصہ سے مدرس ہو چکے تھے اس وقت تک مشکوٰۃ شریف تک نہیں پہونچ سکے تھے، مگر اللہ تعالیٰ بڑا مسبب الاسباب ہے وہ جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو اسباب خود ہی پیدا فرما دیتا ہے۔

دورۂ حدیث

حضرت شیخ کے دورۂ حدیث کی ابتدا ۱۳۳۳ھ میں ہوئی، اسی سال حضرت سہارنپوریؒ اور حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہما نے طویل قیام کے ارادے سے حجاز مقدس کے سفر کا قصد فرمایا تھا، حضرت شیخ الحدیث فرماتے تھے کہ میرے ذہن میں یہ تھا کہ نہ مجھے کہیں ملازمت کرنی ہے اور نہ عجلت ہی ہے، ایک سال میں دورۂ حدیث مکمل کرنے پر کوئی پابندی نہیں ابوداود شریف مولانا یحیٰ صاحب کا خاص سبق تھا، اس لئے ان کے درس میں ابوداود شریف شروع کردی، ترمذی شریف کو حضرت سہارنپوری کی واپسی پر ملتوی رکھا، لیکن بعض اسباب کی بنا پر ابن ماجہ کے سوا تمام کتابیں اپنے والد مغفور سے نہایت بحث و تحقیق کے ساتھ پڑھیں، اس کے بعد دوبارہ ۱۳۳۴ھ میں ان کتابوں کو حضرت شیخ نے اپنے استاذ و مرشد شیخ العرب والعجم مولانا خلیل احمد سہارنپوری (المتوفی ۱۳۴۶ھ) سے پڑھا، (ابن ماجہ کے ابتدائی حصہ کو پڑھ کر اجازت لی تھی)۔

اس طرح حضرت شیخ اپنے والد بزرگوار اور حضرت اقدس سہارنپوری، دونوں بزرگوں کے علوم و کمالات اور روحانیت کے سچے جانشین تھے، حضرت شیخ کے علمی کارناموں کو دو حصوں

میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔(۱) درس حدیث......اور......(۲) تالیف وتصنیف۔

ا۔تدریس حدیث

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ۱۰رمحرم الحرام ۱۳۳۵ھ کو مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور میں مدرس ہوئے اور بہت جلد اپنی خداداد صلاحیتوں اور استعداد کے باعث ترقی کر کے تدریس حدیث تک پہونچ گئے حضرت مولانا سہارنپوری کو علم حدیث سے ان کی مناسبت اور استعداد کا بخوبی اندازہ تھا۔ چنانچہ حضرت سہارنپوری کی خواہش تھی کہ حضرت شیخ حدیث کی کتابیں بھی پڑھائیں اس لئے انہوں نے ۱۳۴۱ھ میں بخاری شریف کے تین پارے (از۱۳ تا ۱۵) کی تدریس حضرت شیخ کے ذمہ فرمادی، اور ایک سفر پر روانہ ہوگئے۔واپسی پر تحقیق فرمائی کی پڑھانے لگے یا نہیں؟ اس پر معلوم ہوا کہ اکابر اساتذہ کی موجودگی میں پڑھانے سے تکلف ہے اور احتراز کر رہے ہیں، اس پر حضرت سہارنپوری ناراض ہوئے، چنانچہ حضرت شیخ الحدیث جو ابھی عمر کی ۲۶ ویں بہار میں تھے اور اس وقت تک مشکوٰہ شریف بھی نہ پڑھائی تھی عجیب کشمکش اور پریشانی میں مبتلا ہوگئے اپنے استاذ وشیخ کی ناراضگی سے پریشان ہو کر عرض کیا۔

’’حضرت! توبہ توبہ مجھے تو یہ خیال ہوا کہ مدرسہ کی بڑی بدنامی ہے، دوسرے مدارس والے کیا کہیں گے کہ ایک نوعمر لڑکے کو جس نے ابھی مشکوٰۃ بھی نہیں پڑھائی ہے بخاری دے دی ہے‘‘۔

یہ سن کر حضرت سہارنپوریؒ نے بڑے جوش وجذبہ کے ساتھ ارشاد فرمایا:۔

’’نوعمر لڑکے کو میں ہی جانوں، دوسرے لوگ کیا جانیں اگر کوئی الزام دے گا تو مجھے دے گا تمہیں نہیں دیگا‘‘۔

اس سوال وجواب کے بعد حضرت شیخ نے یہ درس حدیث قبول کر لیا اور پھر’’ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید‘‘ کا حقیقی مشاہدہ ہوا۔ پورا تعلیمی سال اطمینان سے گزرا اور سب مطمئن رہے۔

اس کے بعد ماہ شوال ۱۳۴۱ھ سے مشکوٰۃ شریف کی تدریس بھی آپ کے سپرد ہوئی، ۱۳۴۵ھ میں مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں مدرسہ علوم شرعیہ میں بعض مغربی طلبہ کو ابوداود شریف بھی پڑھائی، حجاز مقدس سے واپسی پر ۱۸ر صفر ۱۳۴۶ھ سے أبوداود شریف اور نسائی شریف کے اسباق آپ کے ذمہ منتقل ہوکر آئے تھے اسی کے ساتھ موطا امام محمد اور بخاری شریف کے آخری چار پاروں کی تدریس بھی آپ کے سپرد ہوئی، اس وقت سے ۱۳۷۵ھ تک مسلسل أبوداود شریف کا درس حضرت شیخ ہی کے ذمہ رہا، آپ کے درس کی شہرت ابتدا سے ہندوستان کے عربی مدارس میں ہوگئی تھی اور نام کے بجائے ''شیخ الحدیث'' کے لقب سے مشہور عام ہوئے۔ یہ لقب دراصل حضرت سہارنپوری نے آپ کو عطا فرمایا تھا، اپنے انتقال سے پیشتر حضرت سہارنپوری نے جو تحریر مدینہ منورہ سے مدرسہ مظاہر علوم کے نام ارسال کی تھی اس میں خصوصیت کے ساتھ اس بات کا ذکر تھا کہ حضرت شیخ کو حدیث سے جو مناسبت ہے وہ کسی اور کو نہیں، اس لئے انہیں کو مدرسہ کا شیخ الحدیث مقرر کیا جائے اور اگر کسی کو اس میں تردد ہو تو میں اپنی طرف سے ان کو شیخ الحدیث کا لقب دیتا ہوں۔

تقریباً ۳۵ سال تک سنن أبی داود اور بخاری جلد اول کا درس حضرت ہی کے ذمہ رہا، اس کے بعد ۱۳۷۳ھ سے ناظم مدرسہ مولانا عبداللطیف صاحب کے یہاں سے بخاری جلد ثانی بھی حضرت ہی کی طرف منتقل ہوگئی، لیکن ۱۳۷۵ھ سے صرف بخاری شریف ہی آپ کے ذمہ رہ گئی، اس طویل زمانہ تدریس میں حسب ضرورت حدیث کی بعض دوسری کتب مثلاً ترمذی، مسلم اور شمائل ترمذی وغیرہ بھی زیر درس رہیں، افسوس کہ ۱۳۸۸ھ سے آنکھوں میں نزول ماء (موتیابند) کی شکایت کے باعث درس کا سلسلہ منقطع ہوگیا، مگر تالیف وتصنیف کا سلسلہ آخر آخر تک قائم وبرقرار رہا۔

اسی طرح مسلسلات حدیث کے درس کا بھی حضرت کے یہاں بڑا اہتمام تھا، ابتدا

میں تو خصوصی طور پر بعض حضرات اجازت لیتے رہے، لیکن ۱۳۸۸ھ سے باضابطہ اس کا اہتمام ہونے لگا، اور کافی جم غفیر اس کی تحصیل کے لئے اکٹھا ہونے لگا، چنانچہ ۲۲/رجب ۱۳۹۰ھ کو ہندوستان کے مدارس عربیہ میں یہ خبر گونج اٹھی کی حضرت شیخ مسلسلات حدیث پڑھائیں گے، اس موقع پر تقریباً ڈیڑھ ہزار کا مجمع ہو گیا جس میں ہندوستان کے بہت سے اساطین ومشاہیر اہل علم بھی شریک ہوئے۔

درس حدیث سے والہانہ شیفتگی

حضرت شیخ جس انہماک ودلسوزی، نشاط وسرگرمی کے ساتھ حدیث کا درس دیا کرتے تھے اس کی صحیح مرقع کشی سے زبان وقلم قاصر ہیں، حقیقت یہ ہے کہ علم حدیث آپ کے لئے محض ایک علم اور فن کی حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ یہ ان کا ذوق وحال بن گیا تھا اور ان کے جسم وجان اور رگ وریشہ میں کچھ اس طرح رچ بس گیا تھا جیسے پھول میں خوشبو اور ستاروں میں روشنی ؎

شاخِ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم

ایک بار موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، تمام سڑک پر گھٹنوں گھٹنوں پانی بھر رہا تھا، ناکارہ راقم سطور مدرسۂ قدیم میں کتاب لیے ہوئے منتظر تھا کہ بارش کا زور کم ہو تو سبق میں حاضر ہو، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مرحوم ناظم مدرسہ مظاہر علوم اس وقت دفتر نظامت (جو مدرسہ قدیم میں واقع ہے) میں تشریف رکھتے تھے اس ناچیز نے ان سے دریافت کیا کہ کیا حضرت شیخ الحدیث آج بھی درس میں تشریف لے گئے ہوں گے؟ انھوں نے فرمایا کہ اس طوفانی بارش میں تو بظاہر مشکل ہی معلوم ہوتا ہے، باہر جا کر معلوم کرلو، چنانچہ میں نے مدرسہ کے دروازے پر آکر سائبان میں بیٹھے ہوئے پھل فروش سے معلوم کیا، بارش کا زور برابر قائم تھا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت تو دیر ہوئی تشریف لے گئے، جب کہ حضرت کے مکان سے دارالحدیث کا خاصہ فاصلہ ہے، سڑک پر پانی بہہ رہا تھا، یہ کم ہمت بھی بعجلت تمام دارالحدیث میں حاضر ہوا،

وہاں بجلی غائب تھی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر درس شروع ہو چکا تھا، ناچیز راقم سطور چپکے سے بیٹھ گیا کہ مبادا حضرت شیخ کی نظر پڑ جائے مگر آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا، جانتے ہو کیسے آیا ہوں، اپنے مکان سے روانہ ہوا تو ایک ہاتھ میں بخاری شریف کا پارہ اور دوسرے ہاتھ میں چھتری تھی جوتے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا، نصف راستہ تک آیا تو ایک رکشہ والا مل گیا اس نے باصرار مجھے رکشے پر سوار کرلیا اور یہاں پہونچانے کے بعد میرے پیروں اور پائجامہ کے نچلے حصہ کو دھو دیا، یہ ناکارہ سن کر پانی پانی ہو گیا۔

حضرت شیخ کا درس گرمی و سردی، صحت و بیماری اور بارش و آندھی تمام حالات میں اسی مستعدی ونشاط اور تازگی و پابندی کے ساتھ جاری رہتا تھا، دارالحدیث میں قدم رکھتے ہی عطر کی خوشبو سے مشام جاں معطر ہو جاتا تھا، ادب واحترام اور وقار وسکینت کی جو خاص کیفیت اس وقت پیدا ہو جاتی تھی اس کے بیان کے لئے راقم سطور ذخیرۂ الفاظ کو قاصر پاتا ہے، جو بھی تھوڑی دیر کے لئے مجلس میں بیٹھ جاتا یوں محسوس کرتا گویا ؎

بادِ صبا آج بہت مشک بار ہے
شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلفِ یار ہے

حضرت شیخ کا درس اپنے عہد میں اہم ترین خصوصیت کا حامل تھا، اس لئے ان کے درس کی تقریر کو بہت سے علماء وفضلاء قلمبند کرنے کا اہتمام کرتے تھے، اس ناچیز راقم سطور نے بھی درس بخاری کی تقریر کو بہت اہتمام سے قلم بند کیا ہے، مولانا محمد شاہد صاحب نے حضرت شیخ کی مختلف تقاریر کو مرتب کیا ہے، مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم کی نظر ثانی کے بعد عرصہ ہوا، اس کے دو اجزاء کی طباعت ہو چکی ہے، اس کے شروع میں حضرت شیخ کے ایماء وحکم سے اس ناچیز کے قلم سے ایک مقدمہ بھی شامل ہے، جس میں حضرتؒ کے درس کی امتیازی خصوصیات کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے :-

حضرت شیخ کے درس کی خصوصیات

(۱) حضرت شیخ کا درس عشق نبویؐ اور حب رسولؐ کا نمونہ ہوتا تھا، جس کیفیت و سوز و گداز سے آپ پڑھاتے تھے وہ قابل بیان ہے ؎

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بو سے مری زباں کے لئے

اس کا اثر پورے مجمع پر بہت غیر معمولی ہوتا تھا، کبھی آہ و بکا کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی جیسا کہ کسی نے اس طرح تصویر کشی کی ہے ؎

پھر پرسشِ جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں لیے ہوئے

خصوصاً حضرت شیخ جس وقت آنحضرت ﷺ کے مرض وفات کی حدیث پڑھا کرتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے آج ہی یہ عظیم سانحہ پیش آیا ہے، اس وقت حضرت پر بے اختیار گریہ طاری ہو جاتا تھا، عبارت پڑھنی مشکل ہو جاتی، اور طلباء و سامعین پر آہ و بکا کا عالم ہوتا ؎

الٰہی درد و غم کی سر زمیں کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

(۲) حضرت شیخ کے درس میں تمام ائمہ سلف و مجتہدین اور محدثین کرام کے ساتھ نہایت ادب و عظمت کا معاملہ رہتا تھا، شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی سے بہت سے مواقع پر اختلاف فرماتے تھے............اور ان کے بارے میں یہ بھی فرماتے کہ انھوں نے حنفیہ کو نظر انداز کر دیا ہے، حنفیہ کی دلیل سے اس طرح آنکھ بچا کر نکل گئے ہیں گویا انھیں اس کی خبر نہیں، حالانکہ کتاب میں بسا اوقات اسی راوی یا روایت کو اپنے مذاہب کی تائید میں دوسری جگہ نقل فرمایا ہے مگر بہ ایں ہمہ حافظ ابن حجر کا ہم حدیث پڑھنے پڑھانے والوں پر جتنا احسان ہے اور کسی کا نہیں،

امام بخاری کا جہاں حنفیہ سے اختلاف ہوا ہے وہاں حد اعتدال کو قائم رکھنا بہت سے اہل علم کے لئے دشوار ہو جاتا ہے، مگر حضرت شیخ اس موقع پر عام طور پر امام بخاری کے اعتراض کا مدلل جواب دینے کے بعد ان کے اسم گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ ان کی عظمت شان اور جلالت قدر میں کسی طرح کمی واقع نہ ہو، خصوصاً کتاب الحیل و کتاب الإکراہ میں حضرت شیخ کے درس کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے۔

(۳) بعض عربی الفاظ کا ترجمہ دشوار ہے، اس لئے کہ عربی کے مقابلہ میں اردو کا ذخیرۂ الفاظ کوتاہ ہے، اور بسا اوقات ترجمہ میں دشواری ہوتی ہے، مگر حضرت شیخ اس طرح کے الفاظ کا اردو میں ایسا ترجمہ فرماتے کہ اس سے بہتر اردو زبان میں تعبیر ممکن نہیں ہے۔

(۴) نفس حدیث میں اگر کہیں مطلب میں دشواری ہوتی اور دیگر شراح بخاری نے بھی اس کو واضح نہیں فرمایا ہے بلکہ ان کی توجیہ وتشریح میں بھی الجھن باقی ہے تو اس کو خصوصیت کے ساتھ دور فرماتے، اگر اس طرح کی تمام نادر تحقیقات کو جمع کر دیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے، مثال کے طور پر "باب القسامة" بخاری جلد ثانی ص 1018 (طبع ہند) میں "فقرنت یدہ بیدہ" میں ضمیر کے مرجع اور کلام کے مطلب میں تمام شراح بلکہ حافظ ابن حجر تک سے وہم واقع ہوا ہے، حضرت شیخ اپنے درس میں ان اوہام کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے اور ضمیر کا مرجع وعبارت کا مطلب ایسا بیان فرماتے کہ ہر طرح تشفی ہو جاتی، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ (لامع الدراری ج ۳ ص ۳۹۱)

(۵) اگر کتاب میں مؤلف یا کسی راوی سے کوئی وہم واقع ہوا ہے یا کسی راوی پر کسی نوع کا کلام ہے تو اس پر ضرور متنبہ فرماتے اور اس راوی وروایت کی حیثیت کو واضح فرماتے تھے، حافظ ابن حجر کی معرکۃ الآرا کتاب ''تہذیب التہذیب'' پر حضرت شیخ کا مبسوط ذیل ہے، اگر وہ طبع ہو جاتا تو علمی دنیا خصوصاً احناف پر احسان عظیم ہوتا۔

(۶) مذاہب ائمہ کی تحقیق اوران کے دلائل خصوصاً مسلک حنفی کے دلائل کوتفصیل سے بیان فرماتے ،اگرکوئی روایت بظاہر حنفیہ کے مسلک کے خلاف نظرآتی تو اس کی توجیہات اس طرح نقل فرماتے کہ مسلک حنفیہ اس حدیث سے اقرب نظرآنے لگتا۔

(۷) اکثر اہم مسائل میں پہلے خلاصہ کے طور پر بیان فرمادیتے کہ اس میں ۵ یا ۷ یا ۱۰ بحثیں ہیں، پھران کی قدرے تفصیل وتوضیح فرماتے ،ان میں جن مسائل سے امام بخاری نے تعرض کیا ہے ان کی مزید تشریح فرماتے ،رفع یدین، آمین بالجہر اورکسوف وغیرہ ابواب میں اسے دیکھا جاسکتا ہے۔

(۸) شروح حدیث اور محدثین کرام کے کلام کوبطور خلاصہ نہایت دل نشیں انداز میں بیان فرماتے ،حضرت شیخ کی پوری تقریر مغز ہی ہوتی تھی ،اگرکوئی شخص اصل کتاب سے حضرت کی تقریر ملا کر دیکھے گا تو وہ نمایاں طور پر محسوس کرے گا کہ ایک صفحہ کی بحث ایک سطر میں آگئی ،اور بعض مواقع پر تو کوزہ میں دریا بند نظرآتا ہے۔

(۹) درمیان سبق میں خصوصاً سہ ماہی امتحان تک اپنے اکابر کے واقعات موقع ومحل کی مناسبت سے سناتے تھے، بلاشبہ واقعات اصلاح وتربیت کے لئے بہت مؤثر ہوتے ،اس کا مقصد یہ ہوتا کہ طلباء اپنے مقام کو پہچان کر اس کتاب عظیم کو پڑھیں ؎

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تری مہربانی

(۱۰) درس بخاری میں حضرت شیخ خصوصیت کے ساتھ تراجم اُبواب کی شرح اورامام بخاری کے ترجمہ کی غرض کوتفصیل سے بیان فرماتے تھے،بعض تراجم پر تمام شروح بخاری خاموش ہیں مگرشیخ فرمایا کرتے تھے کہ امام موصوف کا کوئی ترجمہ دقت نظر اور باریک بینی سے خالی نہیں ہے،مثلاً امام بخاری نے ایک ترجمۃ الباب قائم کیا ہے،" باب الصلوٰۃ إلی الحربۃ" یہاں

تمام شروح ساکت ہیں، مگر حضرت شیخ کی نگاہ دوررس نے یہاں بھی بخاری کے شایان شان ایک دقیق نکتہ پیدا کیا اور اس لطیف توجیہ کو حضرت گنگوہی کے حوالے سے نقل فرمایا ہے جس کی تفصیل و تحقیق ''لامع الدراری'' اور اس کے حاشیہ میں موجود ہے، وہ یہ کہ چونکہ زمانۂ جاہلیت میں بعض قبائل عرب ہتھیاروں اور اوزاروں کی پرستش کیا کرتے تھے اس لئے پیش نظر ترجمہ سے امام بخاری اس مسئلہ میں پیدا ہونے والے وہم کو دفع فرما کر اس کا اظہار فرمارہے ہیں کہ نیزہ کو سترہ بنانا جائز ہے۔

(۱۱) حل تراجم ابواب کے سلسلے میں اگر کوئی مسئلہ ایسا پیش آیا جس میں امام بخاری نے کسی مخصوص امام کے مسلک کو ترجیح دی ہے یا ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور امام کی رائے کو پسند فرمایا ہے یا وہ اپنی رائے میں منفرد ہیں تو حضرت شیخ اس کو امام بخاری کے دلائل کے ساتھ بیان فرماتے اور امام موصوف کے اعتراض کا مفصل جواب دیتے تھے۔

(۱۲) بخاری کے بعض تراجم بظاہر مکرر معلوم ہوتے ہیں، اگرچہ اتنی بڑی کتاب میں یہ عین ممکن ہے مگر امام موصوف کی دقت نظر اس امر کی متقاضی ہے کہ یہ تکرار کسی دقیق اور باریک نکتہ کے پیش نظر ہے چنانچہ حضرت شیخ اس پر طلباء کو خصوصیت کے ساتھ متنبہ فرماتے تھے اور ایسی شافی و تسلی بخش تقریر فرماتے کہ تکرار کا اشکال رفع ہو جاتا، مثلاً صفحہ ۵۶ جلد اول پر دو باب "باب من لم يتم السجود" و "باب من يبدي ضبعيه ويجافي جنبيه" ہیں یہی دونوں ترجمے دوبارہ صفحہ ۱۱۳ پر بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ آئے ہیں مگر حضرت شیخ نے ان کی تکرار کو اس طرح فرمایا ہے کہ دونوں مقامات پر تراجم ضروری معلوم ہوتے ہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''لامع الدراری''۔

(۱۳) امام بخاری کو حدیث نبوی ﷺ سے غیر معمولی عشق تھا اور عاشق صادق جب محبوب کے جمال پر نظر ڈالتا ہے تو ہر بار اسے ایک نئی کیفیت محسوس ہوتی ہے، امام موصوف کا بھی یہی

حال ہے، بسا اوقات ایک ہی حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط فرماتے ہیں، مثلاً حضرت بریرہ کی حدیث کو مختلف مقاصد کے لئے بیس مرتبہ سے زائد اور حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعہ کو دس مرتبہ سے زائد اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے اور ہر مرتبہ اس سے کوئی نئی بات مستنبط فرمائی ہے، اس پر حضرت خصوصیت سے طلباء کو متوجہ فرماتے۔

(۱۴) حدیث پاک کے بعض الفاظ اور جملے ایسے ہیں کہ ان کے صحیح معنی، لب ولہجہ اور صورت واقعہ کی مثالی صورت بنائے بغیر کچھ سمجھ میں نہیں آسکتے، اس لئے بھی علم حدیث کو کسی ماہر سے پڑھنا ضروری ہے، حضرت شیخ ان الفاظ اور جملوں کو اسی طرح پڑھ کر سناتے اور جہاں مثالی صورت بنانے کی ضرورت پیش آتی وہاں اس کی عملی صورت بھی خود کر کے دکھاتے، مثلاً بخاری جلد اول ص ۶۹ پر "ووضع خدّه الأيمن على ظهر كفه اليسرى و شبّك بين أصابعه" کا مفہوم بغیر مثالی صورت بنائے ہوئے محض الفاظ سے ذہن نشین نہیں ہوسکتا، اس پر خصوصیت کے ساتھ عمل کر کے طلباء کو دکھاتے تھے۔

(۱۵) تاریخی واقعات کے سلسلہ میں بعض جگہوں پر روایات کے اختلاف واضطراب کی بناء پر تطبیق میں بہت دشواری معلوم ہوتی ہے، حضرت شیخ اس اضطراب واختلاف کو اس طرح دفع فرماتے کہ ہر طرح تشفی ہوجاتی، ملاحظہ ہو لامع الدراری جلد ثانی ص ۶۸۔

بذل المجہود کی تالیف میں شرکت

جیسا کہ سطور بالا میں مذکور ہوا، ۱۳۳۴ھ میں حضرت شیخ نے دورۂ حدیث حضرت سہارن پوری سے دوبارہ پڑھنا شروع کیا، ابھی درس کے آغاز پر دو ہی مہینے گزرے تھے کہ ایک دن حضرت سہارن پوریؒ دار الطلباء سے مدرسہ قدیم آرہے تھے اور حسب معمول حضرت شیخ ان کے ہمراہ تھے راستے میں اچانک ایک جگہ رک کر حضرت سہارن پوریؒ نے ارشاد فرمایا:۔

"ابوداود پر ہمیشہ میری کچھ لکھنے کی خواہش رہی تین بار شروع کر چکا ہوں مگر ہجوم

مشاغل نے کچھ نہیں کرنے دیا، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی حیات میں بار بار شروع کیا اور یہ جی چاہتا رہا کہ کسی طرح لکھ لوں اور اشکالات کو حضرت علیہ الرحمۃ سے حل کرلوں گا، مگر حضرت کے وصال کے بعد یہ جذبہ سرد پڑ گیا، اس کے بعد پھر یہ خیال ہوا کہ ہمارے مولانا یحیٰی صاحب تو ابھی باحیات ہیں ان سے بحث و تحقیق میں استفادہ کرتا رہوں گا مگر ان کے ارتحال کے بعد اس خیال کو دل سے بالکل نکال دیا، اب عرصے کے بعد مجھے یہ خیال ہو رہا ہے کہ اگر تم دونوں میری مدد کرو تو شاید میں یہ اہم کام کرلوں"۔

حضرت شیخ نے برجستہ جواب دیا کہ حضرت ضرور شروع کر دیں اور یہ میری دعا کا اثر ہے دریافت فرمایا، کیسی دعا؟ حضرت شیخ نے اپنے مشکوٰۃ شروع کرتے وقت والی دعا کا ذکر کیا کہ "یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر سے شروع ہوا ہے یہ مجھ سے چھوٹنے نہ پائے" یہ واقعہ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کا ہے، حضرت سہارن پوری نے اسی وقت شروح حدیث کی ایک طویل فہرست بتادی اور انہیں کتب خانے سے حاصل کرنے کا حکم فرمایا۔

بلا شبہ یہ حضرت شیخ کے عروج و اقبال کا وہ آغاز تھا جس کے درجہ کمال تک آپ پہونچے اور اپنے شیخ و مرشد کی بارگاہ میں آپ کو وہ اہمیت وخصوصیت حاصل ہوئی جو پھر اور کسی کو نہیں ہوسکی، تالیف کا یہ طرز تھا کہ حضرت سہارن پوری شروح حدیث اور مآخذ کی نشان دہی فرماتے، حضرت شیخ ان کا مطالعہ کر کے اور متعلقہ مواد جمع کر کے حضرت سہارن پوری کی خدمت میں پیش کر دیتے وہ اس میں سے حسب ضرورت مواد منتخب و مرتب کر کے مصنفانہ حیثیت سے لکھواتے۔تسوید وتحریر کا کام حضرت شیخ انجام دیتے، اسی طرح یہ عظیم الشان شرح پانچ ضخیم جلدوں میں تیار ہوئی اس محنت وکوشش نے آپ کے اندر تصنیف وتالیف کا خاص ذوق اور ملکہ پیدا کر دیا اور فن حدیث پر آپ کی نظر بہت گہری اور وسیع ہوگئی، پھر آپ نے اس کتاب کی طباعت وتصحیح میں بھی سعی بلیغ فرمائی جس کے باعث آپ کو اپنے استاذ و شیخ کی خوشنودی واعتماد

حاصل ہوا اور نامور استاذ علیہ الرحمۃ نے بذل المجہود کے مقدمہ میں ''قرۃ عینی وقلبی'' کے القاب سے اپنے شاگرد رشید کو سرفراز کیا، بلکہ حضرت سہارن پوری نے تو اصل مسودہ میں یہاں تک لکھ دیا تھا " هو جدير بأن ينسب هذا التعليق إليه " (کہ مناسب یہ ہے کہ اس تعلیق کی نسبت انہی کی طرف کی جائے) مگر حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ان حوصلہ افزا کلمات کو میں نے ادباً حذف کردیا۔

بذل المجہود کے عربی ٹائپ پر طباعت کا اہتمام

بذل المجہود پانچ ضخیم جلدوں میں طبع ہو کر ہندوستان میں بہت عرصہ قبل مشہور ومقبول ہو چکی تھی مگر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی دلی تمنا تھی کہ اگر یہ شرح عالم عربی میں بھی پھیل جاتی تو اس کا نفع زیادہ عام ہو جاتا، اس طویل مدت میں حضرت شیخ نے اس پر جا بجا حواشی بھی تحریر فرمائے تھے، جو بہت سے جدید اضافات پر مشتمل ہیں اس بات کی ضرورت تھی کہ ان تمام قیمتی حواشی کو سلیقے سے مرتب کر کے بذل المجہود کو عربی ٹائپ میں طبع کرایا جائے، اس سلسلہ میں حضرت شیخ اس ناچیز راقم السطور کو اپنے ایک شفقت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''ایک ضروری مشورہ تم سے کرنا تھا وہ یہ کہ تم نے اپنے سابقہ خط میں بذل المجہود کی طباعت کے سلسلے میں کچھ لکھا تھا، تمہیں معلوم ہے کہ میں خود بیس پچیس سال سے بہت ہی متمنی اور کوشاں ہوں، اب تو علی میاں خدا ان کو بہت ہی جزائے خیر دے اور بلند درجات عطا فرمائے، اس میں معاونت کے لئے تیار ہیں، اس سے پھر ایک امنگ پیدا ہوگئی اور تمہارے خط نے ایک شعلہ سا پھر پیدا کر دیا، تم نے لکھا ہے کہ سال بھر تیرے پاس رہنے کا جی چاہتا ہے، اگر بذل المجہود کی طباعت کا ولولہ اور جذبہ نہ ہوتا تو میں ہرگز آپ کو اس کی اجازت نہ دیتا کہ آپ تدریس حدیث چھوڑ کر یہاں قیام کریں یہ تو بہت نقصان دہ ہے البتہ اگر آپ یہاں کے قیام میں بذل المجہود کے میرے حواشی جو بہت کثرت سے ہیں آپ کے دیکھے ہوئے ہیں، ان کو انتخاب

کر کے اور بذل کی طباعت ایک سال میں کرادیں تو یقیناً آپ کے لئے بہت بڑا صدقہ جاریہ ہے“۔

حقیقت یہ ہے کہ بذل المجہود، اَوجز المسالک اور دیگر کتب حدیث کی ٹائپ کے ذریعہ ندوہ پریس میں طباعت کا سب سے زیادہ اہتمام مولانا معین اللہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا تھا اس پر حضرت شیخ نے یہ تحریر فرمایا۔

”میرا خیال یہ ہے کہ اس کو ندوہ میں اپنے حواشی کے ساتھ طبع کراؤں مگر میرا خیال تمہارے خیال پر یہ ہوا کہ اس کو تم جیسا ذی علم یہاں رہ کر اس کی نقل وتصحیح کر کے مکمل کر کے ندوہ بھیجتے رہیں تو طباعت میں زیادہ سہولت ہو بس اس میں تمہارے مدرسہ اور شغل تدریس کے حرج کا زیادہ خیال ہے، اگرچہ بذل کی تکمیل کے لئے یہ ناکارہ خود ایک سال کی مدرسے سے چھٹی لے کر مدینہ منورہ جا چکا ہے“۔

اس کے بعد ایک اور خط میں تحریر فرمایا:

”مولانا علی میاں اور مولانا معین اللہ صاحب دونوں کے خطوط اسی مضمون کے آئے کہ مولوی تقی صاحب کا ایک سالہ قیام بہت مناسب ہے یقیناً بذل کے حاشیہ کی تصحیح ان سے اچھی کوئی نہیں کرسکتا“۔

چنانچہ اس ناچیز نے ۲۵/شعبان ۱۳۹۱ھ سے ایک سال تک سہارن پور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قیام کر کے بذل کے حواشی کی ترتیب وتصحیح کا کام مکمل کیا، اور اس عرصہ میں بذل کی چھ جلدیں ندوہ پریس سے طبع ہوئیں، بعد میں اس کی طباعت قاہرہ سے طے ہوئی، اس لئے دوسرے سال ۲۶/شوال ۱۳۹۲ھ سے ایک سال تک بذل کی طباعت کے سلسلے میں قاہرہ میں قیام رہا اس طرح باقی چودہ جلدیں قاہرہ میں طبع ہو کر پوری کتاب بیس جلدوں میں شائع ہوئی، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس خاتمہ بالخیر پر نہایت غیر معمولی مسرت کا اظہار فرمایا اور اس کی

مناسبت سے قاہرہ میں اہل علم کی دعوت کرنے کا حکم دیا چنانچہ تعمیل حکم میں مولانا عبداللطیف صاحب مکی نے قاہرہ میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا جس میں مصر کے مشہور محدث شیخ حافظ تیجانی کے علاوہ وہاں کے متعدد اہل علم نے شرکت فرمائی، مزید برآں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ میں بھی اس پرمسرت تقریب پر دعوت کا اہتمام فرمایا۔

خدا کا جس قدر شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ بذل المجہود دوبارہ بیروت سے بھی فوٹو آفسٹ پر طبع ہوکر ذوق شناسان علم تک پہونچ چکی ہے اوران شاء اللہ العزیز اللہ کے فضل سے اب یہ میری تحقیق وتعلیق اور فہارس کے ساتھ سموالشیخ سلطان بن زاید آل نہیان (حفظہ اللہ) کے خرچ پر چودہ جلدوں میں پھر طبع ہوکر بہت جلد منصۂ شہود پر آرہی ہے۔

۲۔ تالیف وتصنیف

حضرت شیخ کے علمی کارناموں کی دوسری جولان گاہ تالیف وتصنیف تھی اس میں بھی انہوں نے اپنی انفرادیت کے جاوداں نقوش یادگار چھوڑے ہیں، ان کی تالیفات کو درج ذیل دو مختلف نوعیّتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) خالص دعوتی اوراصلاحی

یہ کتابیں نہایت شیریں اور عام فہم اردو زبان میں تحریر کی گئی ہیں، یہ کتابیں اتنی مقبول عام ہوئیں کہ اس کی مثال ماضی قریب کی تاریخ میں مفقود ہے، ان کے لاتعداد ایڈیشن شائع ہوئے اور دنیا کی بکثرت زندہ زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے، آج شاید ہی کوئی دینی مسلم گھرانہ ایسا ہوگا جہاں حضرت شیخ کی اصلاحی اورفضائل کی کتابیں موجود نہ ہوں۔

(۲) خالص علمی اور تحقیقی

اس نوعیت کی جن کتابوں کا تعلق علم حدیث سے ہے (اور یہی زیادہ ہیں) صرف انہی کا

تذکرہ وتعارف پیش نظر مضمون میں ہدیہ خدمت ہے، سطور بالا مین اجمالی ذکر آچکا ہے کہ حضرت شیخ نے اس میدان میں بیحد کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، اسلامی کتب خانہ آج حضرت شیخ کی گراں قدر تالیفات سے مالا مال ہے۔ اہل علم اور حضرات مدرسین ان درہائے آبدار سے اپنے ذہن ودماغ اور سینہ وسفینہ کو روشن کرتے ہیں حضرت شیخ کی علمی کتابوں سے کچھ تو زیور طبع سے آراستہ ہوکر ذوق شناسان حدیث کے ہاتھوں میں ہیں اور کچھ تاہنوز منتظر طباعت ہیں۔

مطبوعہ تالیفات

(۱) أوجز المسالک إلی موطأ مالک

اس کتاب کی تالیف کے وقت حضرت شیخ کی عمر صرف پچیس سال کی تھی۔

یکم ربیع الاول ۱۳۴۵ھ کو آپ نے مسجد نبوی میں اقدام عالیہ کے قریب اس مبارک کام کا آغاز فرمایا اور اللہ عزوجل شانہ نے اس میں ایسی غیر معمولی برکت عطا فرمائی کہ چند ماہ کے اندر اتنا کام ہوگیا کہ ہندوستان میں کئی سال میں نہ ہوسکا تھا۔ ابواب الصلاۃ تک تحریری کام ہونے کے بعد واپسی عمل میں آئی اور پھر ہندوستان میں طویل وقفوں کے ساتھ یہ اہم علمی کام جاری رہا، تقریبا تیس سال کی دیدہ وری اور عرق ریزی کے بعد ۲۸/ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ میں چھ ضخیم مجلدات میں اس کی تکمیل ہوئی، یہ کتاب عرصہ قبل ہندوستان میں طبع ہوکر مشہور عام ہوچکی تھی، شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ میں جب راقم سطور بذل المجھود کی طباعت کے سلسلے میں قاہرہ پہونچا تو محترم مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی نے اس کی دوبارہ طباعت کا آغاز کروادیا تھا، اور میرے وہاں قیام کے زمانہ تک ہماری زیر نگرانی دوسری جلد تک طبع ہوچکی تھی، پھر بذل کی اہمیت کے پیش نظر اس کی طباعت کو مؤخر کردیا گیا۔ بعد میں پندرہ جلدوں میں اس کی طباعت پایۂ تمام کو پہونچی، اور اب ہماری تحقیق وتعلیق اور فہارس کے ساتھ ابوظبی سے اٹھارہ جلدوں میں چھپ کر مقبول خاص وعام ہورہی ہیں۔

یہ کتاب، حدیث وفقہ کے اعتبار سے موطأ کی سب سے زیادہ جامع ومفصل شرح ہے، یہ انسان کو سینکڑوں شروح وحواشی سے بے نیاز کر دیتی ہے بلکہ اگر اسے حدیث وفقہ کی ایک دائرۃ المعارف کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا اس کے شروع میں حضرت شیخ کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ بھی شامل ہے جس میں موطأ اور اس کے نامور مؤلف کے محاسن وکمالات اور سرزمین ہند کے مشائخ واساتذہ اور اکابر محدثین کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے، علاوہ ازیں اس میں اصول حدیث اور بہت سی قیمتی معلومات کا خلاصہ بھی آ گیا ہے۔

بلاشبہ یہ عظیم تالیف حضرت شیخ کی وسعت معلومات، رسوخ فی العلم، عمق نظر، وسعت قلب اور صفائی ذہن کی ایک جیتی جاگتی تصویر وروشن دلیل ہے، ائمہ مذاہب اور ان کے دلائل کو نہایت مستند مآخذ سے نقل فرمایا ہے، ہر امام کا مذہب اسی کی معتمد علیہ کتب سے ماخوذ ہے، ہر راوی کی مختصر تحقیق کی گئی ہے۔

علمائے عرب کے نزدیک بھی یہ کتاب ایک اہم مرجع شمار ہوتی ہے، مکہ مکرمہ کے بہت مشہور عالم سید علوی مالکی نے اس نادرۂ عصر تالیف کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ ''متقدمین میں بھی اس کی نظیر مفقود ہے'' ابوظبی کے قاضی القضاۃ شیخ احمد عبدالعزیز المبارک (جو حضرت شیخ کی کتابوں کے بے حد گرویدہ تھے) اوجز المسالک کے بہت مداح تھے۔

(۲) لامع الدراری علی جامع البخاری

یہ جلیل القدر کتاب حضرت شیخ المحدثین والفقہاء مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے عظیم افادات ونادر تحقیقات کا مجموعہ ہے جن کو ان کے تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد یحيٰ صاحب کاندھلویؒ نے درس بخاری کے دوران عربی زبان میں قلمبند کیا تھا، حضرت شیخ الحدیثؒ نے ان نادر تحقیقات اور جامع افادات کی شرح فرمائی اور اپنے ذاتی مطالعہ وتحقیق سے جن لطیف معانی ونادر معلومات کا اس سلسلہ میں اللہ جل شانہ نے آپ کے قلب پر فیضان فرمایا تھا ان کا اضافہ کیا ہے، آپ نے

اس کتاب کے حواشی وتعلیقات میں جو غیر معمولی محنت فرمائی ہے اس کی حقیقت ایک مستقل کتاب کی ہوگئی ہے اور یہ کتاب حضرت کے نادر معلومات و ذاتی تحقیقات کا سب سے بڑا گنجینہ ہے، اس کتاب پر آپ نے ایک مستقل مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جو امام بخاری کے حالات اور ان کی جامع صحیح کے محاسن پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتا ہے، یہ کتاب پہلے تین ضخیم جلدوں میں ہندوستان میں شائع ہوئی پھر پاکستان سے دس ضخیم جلدوں میں ٹائپ پر شائع ہوئی ہے، برادرم مولانا عبدالحفیظ مکی اسے دوبارہ متن بخاری کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

(۳) الأبواب والتراجم

یہ کتاب خاص طور سے صرف صحیح بخاری کے ابواب وتراجم کی تفصیلی شرح پر مشتمل ہے، اس کتاب میں ان قواعد واصول پر بالتفصیل بحث کی گئی ہے جن سے ابواب وتراجم اور ابواب بلاتراجم کی احادیث کو باب سے تطبیق دی جاتی ہے۔

امام بخاری کے تراجم ابواب ہر عصر وعہد میں پیچیدہ ومشکل سمجھے گئے ہیں علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بخاری کی شرح اس امت پر قرض ہے مگر بقول حافظ سخاوی صاحب الضوء اللامع شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے فتح الباری لکھ کر امت کی طرف سے اس قرض کو ادا کر دیا ہے، لیکن حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ ابھی بخاری کے تراجم ابواب کی شرح کا قرض امت کے ذمہ باقی ہے، چنانچہ حضرتؒ نے تراجم ابواب پر ایک مختصر رسالہ لکھنا شروع فرمایا تھا، مگر افسوس مکمل نہ ہوسکا، اس رسالہ میں حضرت نے پندرہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا بھی اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں حضرت شاہ صاحب نے چودہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں، حضرت شیخ الحدیثؒ نے ان دونوں متذکرۃ الصدر رسالوں کو نیز شراح بخاری کی آراء اور حضرت گنگوہی کی تراجم کے سلسلے کی تحقیقات سب کو ایک کتاب میں یکجا کر دیا ہے اور غور وفکر کر کے سب کو اپنی ذاتی تحقیق وتنقیح کے

بعدان اصولوں کی تعداد ستر تک بیان فرمائی ہے، پھران اصول کی روشنی میں پوری کتاب کے تراجم ابواب کی باہم مناسبت اورابواب وکتب کے مابین مناسبت کوتفصیل سے واضح کر دیا ہے اوراس طرح حضرت شیخ کی تالیف ''الأبواب والتراجم'' کے ذریعہ صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی شرح کا قرض امت کے ذمہ سے ادا ہوگیا۔

یہ کتاب تین جلدوں میں ہندوستان میں چھپی تھی،اب دوبارہ مطابع الرشید مدینہ منورہ سے طبع ہو چکی ہے۔

(۴) الکوکب الدري علی جامع الترمذی

یہ قطب الاقطاب حضرت گنگوہی قدس سرہ کے ترمذی کے امالی ہیں جن کوحضرت مولانا محمد یحيٰ صاحب نے عربی میں قلمبند کیا تھا،اس پر ہمارے شیخ الحدیثؒ نے حواشی تحریرفرما کراسے نہ صرف ایک مستقل تصنیف بنا دیا بلکہ اس کے ایجاز، اختصاراور مجمل ومبہم وغامض عبارات کی تفصیل کردی، اور بہت سی تحقیقات کوحدیث کے مراجع ومصادر سے اخذ فرما کرحسب موقع نقل فرمادیا ہے، نیز ائمہ کے اقوال اور مذاہب کی پوری تحقیق ان کتابوں سے کردی جوحضرت گنگوہی کی حیات میں طبع ہوکر سامنے نہیں آسکی تھیں اسی کے ساتھ ساتھ موضوع سے متعلق اپنے ذاتی مطالعہ وتحقیق کا اضافہ بھی فرمایا، اپنے مشائخ کے علوم وتحقیقات جن کا تعلق وجدانی اورذوقی علوم سے ہےان کوبھی جابجانقل فرمایا ہے، یہ کتاب اختصار کے باوجودطلباءوعلماء دونوں کے لئے مرجع ومصدر بن گئی ہے،ترمذی کی عبارت غامضہ کوحل کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی کتاب اسلامی کتب خانہ میں نہیں ہے،اس کی مناسبت سے حضرت شیخ نے راقم سطورکوایک قصہ سنایا تھا جس کو حضرت ہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔

''مجھے مولانا مناظر احسن گیلانی کی زیارت کبھی نہیں ہوئی تھی ،مگران کا اسم گرامی کثرت سے سنتا رہا،اوران کے علمی وتصنیفی حالات بھی مجھے معلوم ہوتے رہے، وہ دارالعلوم

دیوبند کے ممبر تھے اور مجلس شوریٰ میں ہمیشہ تشریف لاتے تھے، ایک مرتبہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب (سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم) کا آدمی میرے پاس پہونچا کہ مولانا مناظر احسن گیلانی تشریف لائے ہیں وہ تجھ سے ملنا چاہتے ہیں، میں ان کا نام سن کر بہت مرعوب ہوا، ملاقات کو بالکل جی نہیں چاہتا تھا، اس لئے کہ میں بڑے آدمیوں سے ملاقات کرتے ہوئے ہمیشہ گھبراتا رہا، لیکن چونکہ پیام تھا کہ تجھ سے ملنے آئے ہیں اس لئے فوراً حاضر ہوا، مولانا مرحوم نے بڑے تپاک سے اٹھ کر مصافحہ و معانقہ کیا اور فرمایا کہ آپ سے ملنے کا کئی سال سے بہت ہی اشتیاق تھا، اس لئے کہ میری ملاقات روزانہ ایک گھنٹہ رہتی ہے، جب سے الکوکب الدری طبع ہوئی ہے ترمذی پڑھانے کے لئے ایک گھنٹہ اس کا مطالعہ بہت اہتمام سے کرتا ہوں، گویا آپ کی مجلس میں رہتا ہوں، یہ کتاب طالب علموں سے زیادہ مدرسین کے لئے بہت مفید ہے، ترمذی پڑھانے والوں کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں (انتھی بلفظہ) جہاں تک مجھے یاد ہے ایک دو گھنٹہ بعد چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر ڈیڑھ بجے آئے تھے، ۲ بجے دیوبند تشریف لے گئے۔

حضرت شیخ نے اکابر علماء کے اصرار پر کوکب کے حواشی کا کام شروع کیا اور ماہ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ میں اس کی جلد اول اور ۱۶/رجب ۱۳۵۳ھ کو جلد ثانی مکمل کی، یہ پہلے ہندوستان میں دو جلدوں میں طبع ہوئی تھی، پھر حضرت شیخ نے دوبارہ عربی ٹائپ میں اسے ۴ جلدوں میں شائع کرایا۔

ناچیز راقم سطور نے اس کتاب کو "لجنة التراث و التاريخ أبوظبي" کے سامنے پیش کیا، انہوں نے اس عظیم الشان تالیف کو دیکھ کر یہ طے کر دیا کہ یہ سہ بارہ لجنة التراث کی طرف سے جامع ترمذي کے متن کے ساتھ شائع کی جائے اس کی اطلاع حضرت کے انتقال سے تین ہفتہ قبل فون کے ذریعہ کر دی تھی، مولانا محمد عاقل صاحب اور مولانا محمد اسماعیل بدات صاحب نے بتایا کہ حضرت نے اس پر بار بار خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا،

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کتاب حضرتؒ کے منشاء کے مطابق جلد از جلد شائع ہو سکے۔

(۵) حجۃ الوداع وعمرات النبیؐ

یہ رسالہ حضرت شیخ نے اپنے مشکوٰۃ کی تدریس کے زمانے میں صرف ایک دن اور ڈیڑھ رات میں تصنیف فرمایا تھا، اسے محض حضرت شیخ کی کرامت ہی کہا جا سکتا ہے، ورنہ اتنے مختصر وقت میں تو اس رسالہ کی نقل بھی مشکل ہے، پھر اس میں مزید اضافوں اور نظر ثانی کے بعد شعبان ۱۳۹۰ھ میں پہلی مرتبہ لیتھو میں اس کی طباعت ہوئی، اس کے بعد ہندوستان اور بیروت سے اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں، کتاب کو اس حیثیت سے نہایت امتیاز حاصل ہے کہ اس میں ان تمام مباحث کا استیعاب کرلیا گیا ہے جن کا تعلق حجۃ الوداع کے مبارک ونورانی سفر سے ہے، یہاں تک کہ منازل سفر کی تحدید ان کے نام اور اس سفر میں پیش آنے والے مبارک مقامات کی واضح نشان دہی کر دی گئی ہے، اس استقصاء وتفصیل کو دیکھ کر فرط تعجب سے نگاہ کھلی رہ جاتی ہے، بلا شبہ ان تمام محاسن اور مباحث کے باعث یہ رسالہ سفر حجۃ الوداع کا ایک علمی موسوعہ بن گیا ہے، اس کا اردو میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، ابھی حال ہی میں (حجۃ الوداع وعمرات النبی) عزیزی ڈاکٹر ولی الدین ندوی سلمہ کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ وزارۃ الاقاف والشئون الاسلامیہ ابوظبی سے انتہائی خوبصورت اور دیدہ زیب شکل میں شائع ہو کر مقبول ہو رہی ہے۔

(۶) خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی

شمائل ترمذی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشمائل پر سب سے جامع حدیث کی کتاب ہے حضرت شیخ نے اس کا اردو میں ترجمہ اور تشریح فرمائی ہے، جس کے باعث ہر خاص وعام کے لئے اس سے استفادہ وانتفاع آسان ہو گیا ہے، اس کتاب کے حاشیہ پر عربی مشکل کلمات اور مفردات کی شرح بھی تحریر کی ہے، یہ کتاب ہندو پاک میں متعدد بار زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔

بذل اور دیگر عربی تالیفات پر تقدیم کا اہتمام

یہاں یہ بات یقیناً قابل ذکر ہے کہ حضرت شیخ کی تمام عربی تالیفات اور بذل پر مقدمہ نگاری کا شرف مخدومنا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کو حاصل ہوا ہے، حضرت مولانا کا علمی وروحانی مقام معروف عام ہے اور حضرت ان پر بے حد غیر معمولی شفقت اوران کا نہایت اکرام فرماتے تھے، مگر فن حدیث میں مولانا رحمہ اللہ کے بلند مقام اوراس کے مالہ وماعلیہ پر غیر معمولی عبور سے شاید کم ہی لوگ واقف ہوں گے، اس لئے حضرت شیخ نے ان سے بذل پر مقدمہ تحریر کرنے کی فرمائش کی تو بہت سے اہل علم کو تعجب ہوا، اسی طرح دیگر عربی مطبوعات کی تقدیمات کے ساتھ بھی ہوا مگر حضرت شیخ کا یہ اصرار پیہم تھا کہ ہر کتاب پر مولانا کا مقدمہ رہنا ضروری ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا نے پوری عالمانہ شان اور ایک نرالے وانوکھے انداز میں شیخ کی ہر کتاب پر مقدمہ تحریر فرمایا ہے، اسے حضرت شیخ کی توجہ وعنایت کی برکت کا نام دیجئے یا رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے نسبی ارتباط وروحانی نسبت کا نتیجہ یا جانبین کے درمیان غیر معمولی الفت ومحبت کا ثمرہ کہ حضرت مولانا کے وہ مقدمات جوانہوں نے حضرت شیخ کی عربی کتابوں پر سپرد قلم فرمائے ہیں، نہ صرف علم وفن کی تاریخ میں بلکہ ادب عربی میں بلند ترین مقام کے حامل ہیں، ان میں فن کی عظمت، کتاب کی اہمیت ومحاسن، اور مصنفِ علام کی جلالت قدر وعلوشان پوری تابانی کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے، حضرت شیخ نے ہر مقدمہ پر نہایت مسرت کا اظہار فرمایا۔

یہاں اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر غالباً بے محل نہ ہوگا، راقم سطور کے قاہرہ میں قیام کے دوران میں حضرت شیخ نے خواہش ظاہر کی کہ اگر علمائے مصر میں سے کوئی بذل المجہود پر کلمہ لکھ دے تو مناسب رہے گا، چنانچہ میں نے اس وقت کے شیخ الازہر دکتور عبدالحلیم کے سامنے بذل المجہود پیش کی اوران سے چند کلمات لکھنے کی فرمائش کی، انھوں نے کتاب اور مقدمات پر ایک نظر ڈال کر فرمایا کہ یہ عظیم کتاب کسی مقدمہ کی محتاج نہیں ہے، اور شیخ ابوالحسن کی تقدیم کے بعد پھر کوئی

کیسے لکھے گا، اسی سے مماثل شہادت مصر کے مشہور عالم و محقق شیخ ابوزہرہ نے بھی دی تھی، بعد میں مصر کے معروف عالم حدیث حافظ التیجانی نے بذل پر کلمہ لکھا جو کتاب کے آخر میں شامل ہے، حضرت شیخ نے بعد میں حضرت مولانا یوسف بنوری مرحوم سے بھی بذل، اوجز اور حجۃ الوداع پر مقدمات لکھوائے، مولانا بنوری مرحوم کو برصغیر ہند و پاک میں ایک عظیم محقق، ممتاز عالم حدیث اور صاحب اسلوب اہل قلم کی حیثیت سے جو امتیازی مقام حاصل تھا وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے، چنانچہ انھوں نے حضرت شیخ کی کتابوں پر مقدمات نہایت اہتمام و کاوش فکر و قلم کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں جو ہر کتاب کے ساتھ طبع ہو چکے ہیں۔

حضرت شیخ کی غیر مطبوعہ تالیفات

حضرت شیخ کی غیر مطبوعہ تالیفات کی تعداد سو سے متجاوز ہے ان میں سے اکثر کتابوں کا ذکر ''آپ بیتی'' نمبر۲ میں آچکا ہے، لیکن اس کے علاوہ ان کے پاس اپنے اکابر حضرت گنگوہیؒ، حضرت سہارن پوری اور دوسرے مشائخ کے قیمتی افادات و تحقیقات کا مجموعہ بھی تھا، علاوہ ازیں علامہ انور شاہ کشمیری کی ''تقریر ترمذی'' بھی تھی، جس کی ایک نقل اس ناچیز کے پاس بھی ہے، اسی طرح حضرت گنگوہی کی غیر مطبوعہ تقریرات خاص طور پر مولانا محمد حسن مکی (جو حضرت گنگوہی کے تلامذہ خاص میں ہیں) نے دوران درس صحاح ستہ کی جن تقاریر کو قلم بند کیا وہ پورا مجموعہ بھی حضرت کے پاس تھا اس کے علاوہ حضرت مولانا محمد یحیٰ کی لکھی ہوئی تقاریر کا مجموعہ بھی تھا، جس میں تقریر ابوداود جو بہت مفصل اور طویل ہے اور جس سے بذل اور دیگر کتب میں استفادہ کیا گیا ہے، اس کا فوٹو کرا کے حضرت شیخ نے اس ناکارہ کو تعلیق و حاشیہ کے لئے دیا تھا، مگر افسوس کہ اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے اب تک کچھ نہ کر سکا، جیسا کہ مذکور ہوا حضرتؒ کی تالیفات کی تعداد ۱۵۰ ہے اور ان کے علاوہ بہت سی ایسی کتابیں ہیں جن پر جا بجا حضرت کے حواشی ہیں مثلاً مکتوبات امام ربانی، خود قرآن شریف کا نسخہ بھی بہت اہمیت رکھتا ہے جس میں حضرت کا تلاوت کا معمول تھا، اس پر جا بجا کتب تفسیر سے اہم باتوں کو دوران تلاوت نوٹ کرتے گئے ہیں، اگر ان

نوٹس کوسلیقہ سے یکجا کر دیا جائے تو ایک جامع تفسیر بن سکتی ہے، ذیل میں ان کی علم حدیث سے متعلق بعض مخطوطہ کتب کا تعارف پیش ہے۔

۱۔ حواشي الإشاعة في أشراط الساعة

۲۔ حواشي و ذيل التهذيب :۔ حافظ ابن حجر کی تمام کتابوں پر حواشی تحریر فرمائے لیکن تہذیب التہذیب پر کثرت سے لکھے گئے ہیں ، اور ذیل التہذیب کے نام سے مستقل بارہ جلدیں کرا کر تہذیب کے موافق صفحے ڈالے گئے ہیں۔

۳۔ معجم المسند للإمام أحمد :۔ مسند امام کی روایات کی ترتیب صحابہ پر ہے، جس میں احادیث کی تلاش بہت مشکل کام ہے، پیش نظر رسالہ میں حروف تہجی کے اعتبار سے ان سب صحابہ کرام کی روایات کی فہرست لکھی گئی ہے جس میں ہر صحابی کی روایت مع جلد وصفحہ درج ہے۔

٤۔ جزء ملتقى الرواة عن المرقاة :۔ اس میں ان رواۃ حدیث کو جمع کیا گیا ہے جن پر ملا علی قاری نے مرقاۃ میں کلام کیا ہے۔

٥۔ تقرير نسائى شريف :۔ اس میں حضرت گنگوہی اور دیگر اکابر کی جو تحقیقات مل سکی تھیں ان کو یکجا کر دیا گیا ہے، اس کی نقل بھی اس ناچیز کے پاس ہے، حضرت شیخؒ کی خواہش تھی کہ اس کو یہ ناچیز مرتب کر دے تا کہ شائع ہو سکے۔

٦۔ تقرير مشكوٰة :۔ یہ حضرت نے اپنے تدریس مشکوٰۃ کے زمانے میں مرقاۃ اور دیگر شروح و حواشی سے ملخص کر کے تحریر فرمائی ہے، بہت سے اہل علم و مدرسین نے اس کی نقلیں لی ہیں، اس ناچیز کے پاس بھی اس کی ایک نقل محفوظ ہے۔

٧۔ شذرات الحديث :۔ صحاح ستہ، مؤطین، طحاوی اور ہدایہ وغیرہ کتابوں کے سلسلہ میں حضرت شیخؒ نے الگ الگ کاپیاں بنائی تھیں، شروح حدیث میں اگر کوئی اہم بات اثناء مطالعہ گزرتی تو متعلقہ کاپی پر نوٹ فرما لیتے، حضرت کی بعض مطبوعہ تالیفات میں كذا في الشذر اور البسط فى الشذر کے حوالے کہیں کہیں ملتے ہیں، اس سے مراد یہی کتاب ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ

اور

ان کی فقہی خدمات

جناب مولانا عبدالقدوس رومی
(مفتی شہر آگرہ)

استاذ العلماء استاذ محترم حضرت مولانا محمد زکریا صاحب (شیخ الحدیث) علیہ الرحمہ جن کی ولادت ۱۱؍رمضان المبارک کو ضلع مظفر نگر کے مردم خیز ومشہور قصبہ کاندھلہ میں ہوئی اور حفظ قرآن مجید کے بعد چودہ سال کی عمر میں مدرسہ مظاہر علوم میں داخل ہوئے ، داخلہ سے پہلے ابتدائی کتابیں اپنے عم محترم حضرت مولانا محمد الیاس صاحب علیہ الرحمہ سے پڑھ چکے تھے۔

۱۳۲۹ھ میں مظاہر علوم میں تعلیم کی ابتدا ان کتابوں سے ہوئی شرح مأتہ عامل، صغریٰ، کبریٰ، آخر سال تک یہ تعلیمی سلسلہ کافیہ ابن حاجب اور شرح تہذیب تک پہونچ گیا تھا۔

تقریباً انیس سال کی عمر میں ۱۳۳۴ھ میں دورۂ حدیث پڑھا، دورۂ حدیث کے اصل استاذ تو آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحيٰ صاحب علیہ الرحمہ ہی تھے، لیکن کچھ کتابیں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب علیہ الرحمہ سے بھی پڑھیں جس کی وجہ سے دورۂ حدیث میں آپ مدرسہ کے باضابطہ طالب علم نہیں رہ سکے تھے، البتہ دورۂ حدیث سے پہلے ابتدائی کتب اور متوسطات آپ نے بڑی حد تک مدرسہ میں پڑھی تھیں، مظاہر علوم میں آپ کے اول استاذ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا عبداللطیف صاحب پور قاضوی

تھے جن سے معقولات کی کتابیں بھی پڑھیں ان کے علاوہ یہ حضرات بھی آپ کے استاذ میں رہے ہیں، حضرت مولانا سید عنایت علی صاحب پورقاضوی، حضرت مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلی، حضرت مولانا مفتی عنایت الٰہی صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا شیخ علیہ الرحمہ کے اولین تلامذہ میں حضرت استاذ مفتی سعید احمد صاحب علیہ الرحمہ بھی تھے جو مظاہر علوم میں مفتی اعظم اور صدر مدرس بھی ہوئے۔

فراغت کے صرف چار ماہ بعد ۱۳۳۵ھ کے پہلے ہی مہینہ محرم الحرام میں مظاہر علوم کے درجات ابتدائی کے مدرس مقرر کئے گئے اور ماہ رجب ۱۳۴۱ھ میں استاذ حدیث بنا دیئے گئے جس کا سلسلہ ۱۳۸۸ھ تک (تقریباً سینتالیس سال تک) ممتد رہا، اس مدت میں سات سو انتالیس طالبان حدیث شریف نے آپ سے درس حدیث پڑھا۔

۱۳۷۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ اور ۱۳۷۳ھ میں مظاہر علوم کے باضابطہ رکن شوریٰ نامزد ہوگئے تھے، ویسے وہ اپنی دوراندیشی اور فراست وتدبر کی بنا پر رکن شوریٰ مقرر ہونے سے پہلے بھی مدرسہ کے انتظام وانصرام میں کافی دخیل تھے۔

راقم السطور نے مدرسہ مظاہر علوم میں ۱۳۵۷ھ میں داخلہ لیا اور ۱۳۶۵ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت ہوئی جس کی وجہ سے حضرت شیخ الحدیث صاحب علیہ الرحمہ کو طویل زمانہ تک دیکھنے اور مدرسہ کے انتظام وانصرام میں ان کی اہمیت کا بذات خود مشاہدہ کیا ہے۔

اوپر لکھ آیا ہوں کہ حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کی تدریس حدیث کی ابتداء ۱۳۴۱ھ اور انتہا ۱۳۸۸ھ میں ہوئی تھی جس کی مجموعی مدت تقریباً سینتالیس ہوتی ہے، اب اس مدت کا تجزیہ کیجئے تو یہ صورت سامنے آتی ہے کہ حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ احقر کے داخلۂ مظاہر علوم سے سولہ سال پہلے مدرس حدیث ہوچکے تھے، اور احقر کی مظاہر علوم سے رخصت ہونے کے بعد مزید ۲۳ سال تدریس حدیث انجام دیتے رہے، اس تجزیہ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ احقر نے

جس زمانے میں حضرت شیخ علیہ الرحمہ سے حدیث پڑھی ہے اس وقت حضرت الاستاذ کی عمر شریف چوتھی اور پانچویں دہائی کے درمیان تھی یعنی تقریباً تینتالیس سال رہی ہوگی، حضرت کا بدن بھی اس وقت بھاری ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود رفتار اس درجہ تیز تھی کہ ساتھ چلنے والے آدمی کو دوڑنا ہی پڑتا تھا اور یہ کرشمہ تھا رفتار میں پیروی سنت کا کہ حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ کی رفتار کی کیفیت یہی بیان کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ اس طرح چلتے تھے جیسے کوئی شخص کسی ڈھلوان راستہ پر چلتا ہو۔

زمانۂ تعلیم میں احقر کا قیام دارالطلبہ قدیم میں تھا اس لئے حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضری دورہ حدیث سے پہلے نہیں ہوسکی تھی، دارالطلبہ قدیم میں استاذ الاساتذ صدرالمدرسین حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری علیہ الرحمہ احقر کے اولین استاذ مظاہر علوم حضرت العلامہ اسعد اللہ صاحب علیہ الرحمہ کی شخصیات موجود تھیں اس لئے انہی حضرات کی خدمات میں حاضری ہوتی تھی۔

حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ سے باقاعدہ وباضابطہ ربط وتعلق تو دورۂ حدیث ہی کے سال ہوسکا تھا لیکن اس سے پہلے بھی ۱۳۶۱ھ یا ۱۳۶۲ھ میں موقع ایسا آ گیا تھا جب حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ سے متعلق ایک روایت سننے کے لئے احقر کو طلب فرمایا تھا تو اس وقت حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کے دارالمطالعہ ودارالتصنیف میں حاضری کی نوبت بھی آئی تھی جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۹۴۲ء کانگریس نے اپنی تحریک آزادی کو جواب تک ''اہنسا'' پر مبنی چلی آرہی تھی تشدد و تخریب کے ساتھ جوڑ کر پورے ملک میں ایک ''اندولن'' کی فضا پیدا کر دی تھی جس کے نتیجہ میں کانگریسی لیڈروں کے ساتھی ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی علیہ الرحمہ دیوبند سے ایک سفر میں جاتے ہوئے سہارنپور کے درمیان ٹپری اسٹیشن پر گرفتار کر لئے گئے تھے۔

حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ اس وقت حیات تھے، معمول کے مطابق بعد ظہر خانقاہ میں مجلس ہو رہی تھی جس میں مظاہر علوم کے دو طالب علم بھی حاضر تھے، ایک مولوی صوفی نذیر احمد سیالکوٹی تھے (جو برادر محترم مولانا حاجی صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھی تھے) اور دوسرا احقر راقم السطور تھا۔

دوران مجلس سہارنپور سے آنے والی ٹرین سے کوئی صاحب مجلس میں آئے اور حضرت کو اطلاع دی کہ ابھی مولانا مدنی علیہ الرحمہ ٹپری اسٹیشن پر گرفتار کر لئے گئے اس خبر کے سنتے ہی مجلس میں سناٹا ہو گیا اور حضرت حکیم الامت اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر خاموش ہو گئے کچھ توقف کے بعد ارشاد فرمایا کہ ''مجھے اس وقت یہ خبر سن کر دل میں ایک دھکا سا لگا باہم سیاسی اختلافات کی وجہ سے میں سمجھ رہا تھا کہ شاید مولوی حسین احمد سے محبت و تعلق میں کمی آ گئی ہے لیکن اس وقت جو صدمہ ہوا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محبت باقی ہے'' (اس موقع پر یہ بات صاف کر دی جائے کہ اس وقت کے معاشرہ میں القاب و آداب کے استعمال میں آج کل کی سی فراوانی مطلق نہ تھی یہ حضرات آپس میں ایک دوسرے کو مولوی ہی لکھتے اور کہتے تھے) حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کو جب اطلاع ہوئی کہ حضرت حکیم الامت کی اس مجلس میں مظاہر علوم کے بھی دو طالب علم موجود تھے جنہوں نے حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ کا یہ تأثر دیکھا اور یہ کلمات سنے ہیں تو حضرت نے باری باری ہم دونوں کو تصدیق روایت و حکایت کے لئے طلب فرمایا اسی مقصد سے حضرت کی خدمت میں یہ پہلی حاضری تھی۔

ہمارے اکابر علماء میں بیشتر تعداد ایسے ہی علماء کی ہے جن کی شہرت اہل علم کے طبقہ ہی میں محدود ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی حقیقت اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ان کثیر التعداد علماء میں چند حضرات ایسے ہیں جن کی شہرت اہل علم طبقہ کی حد سے نکل کر عامۂ اہل اسلام تک پہنچ گئی ہے جن میں یہ چار حضرات یقینی طور پر اس زمرہ میں پیش کئے جاسکتے ہیں۔

(۱) حضرت مولانا نور محمد صاحب حقانی لدھیانوی علیہ الرحمہ جو ۱۲۹۹ھ میں مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ ہوئے تھے جن کا تصنیف کردہ نورانی قاعدہ یوپی اور پنجاب کے بیشتر مکاتب ومدارس میں پڑھایا جاتا ہے بعد زمانہ کے زیر اثر بہت سے لوگ اب مصنف بزرگوار کے نام سے ناواقف ہیں۔

(۲) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ جن کی مشہور و معروف اور مقبول عام تصنیف بہشتی زیور ہے جو اہل اسلام کے بیشتر گھروں میں موجود ملتی ہے، (یہ دوسری بات ہے کہ ہر گھر میں اس کی تعلیم اور اس پر عمل کا اہتمام عام طور پر مفقود ہے)۔

(۳) مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی علیہ الرحمہ جن کی کتاب تعلیم الاسلام (چار حصے) اس درجہ مقبول ہے کہ اس کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے نام سے مسلمانوں کے بچے بھی اچھی طرح واقف ہیں۔

(۴) استاذ العلماء حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث علیہ الرحمہ جنہیں ان کی تبلیغی کتابوں نے ان کی شہرت کو نہ صرف ملک ہندوستان میں بلکہ بیرون ہند کے بیشتر علاقوں تک پہنچادیا ہے ؎ زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

حضرت شیخ کی فقہی خدمات

حضرت شیخ الحدیث کی حدیث شریف کی خدمت میں انہماک کے ساتھ مشغولیت کو دیکھتے ہوئے بہت عجیب بلکہ بے جوڑ سی یہ بات لگتی ہے کہ آپ کی فقہی خدمات پر کچھ لکھنے کی ناکام کوشش کی جائے، حضرت شیخ کی مجموعی تدریس کا زمانہ انیسویں سال کی عمر سے شروع ہوکر عمر کے تہتر ویں سال تک تقریباً چونسٹھ سال ممتد رہا ہے، جس میں عام کتب کی تدریس صرف پانچ چھ سال کی قلیل مدت ہی تک رہی تھی تدریس حدیث اور مشغولیت حدیث کا زمانہ تقریباً اٹھاون سال رہا ہے، یہ طویل مدت آپ کی مشغولیت حدیث بالکل اس انداز پر گذری ہے جس کے لئے

عبدالماجد صاحب دریابادی نے بجا طور پر آپ کی مشہور تصنیف اوجز المسالک شرح موطا امام مالک پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب جو مدت دراز سے حدیث کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں''۔ (ماخوذ از تبصرہ منقول از علماء کرام مظاہر اوران کی تصنیفات ص ۱۰۶ حصہ دوم)۔

ایسی صورت میں آپ کی فقہی خدمات پر مضمون لکھنے کے لئے آپ کی فقہی سراغ لگانا بظاہر آسان نہیں کہا جا سکتا لیکن علمی مذاکرات کے حضرات منتظمین نے فرمائش کی ہے تو تعمیل فرمائش تو بہر حال کرنی ہی پڑے گی۔

اور اس کی آسان صورت یہی ہو سکتی ہے کہ ہم اس پہلو پر نظر رکھتے ہوئے کہ حضرت شیخ جہاں ایک معتمد مدرس حدیث اور ایک عظیم درسگاہ مظاہر علوم کے شیخ الحدیث ہیں وہی آپ فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی علیہ الرحمہ کے شاگرد و مسترشد خاص حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب کے تنہا وارث و جانشین اور وقت کے مشہور فقہیہ اور محدث عظیم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب علیہ الرحمہ کے خصوصی شاگرد بھی ہیں جن کی تربیت پر حضرت سہارنپوری علیہ الرحمہ نے اپنی خاص توجہ مرکوز کر رکھی تھی، ایسی صورت میں ہمیں یہ بھی غور کرنا ہوگا کہ کیا فقہ احناف کے ان عظیم اہل افتاء کے تفقہ کا کوئی حصہ ان کے مخصوص شاگرد حضرت شیخ الحدیث میں نہ آیا ہوگا جب کہ دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کے اولین تلامذہ میں استاذ حضرت قاری مفتی سعید احمد صاحبؒ جیسے شاگرد رشید کا نام ملتا ہے جس نے حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ سے ان کی تدریس کے پہلے سال میں قدوری پڑھی تھی اور پھر فن فقہ میں اتنا ملکہ اور تجربہ حاصل ہو گیا کہ وہی تلمیذ قدوری مظاہر علوم کے مفتی اعظم کے منصب پر فائز ہو گیا اور صرف ایک یہی شاگرد بلکہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کے ایک دوسرے شاگرد و مسترشد استاذی

المحترم حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ بھی مظاہر علوم میں پہلے نائب مفتی رہے احقر نے اسی دور میں ان سے قدوری اور بعد میں نور الانوار پڑھی ہے بعد کو یہی مفتی صاحب دار العلوم دیوبند میں صدر مفتی ہو کر مشہور و معروف ہوئے، اور پھر ان ہی حضرت شیخ کے تلمیذ اور مفتی محمود حسن صاحب علیہ الرحمہ کے تربیت دادہ مفتی محمد یحیٰ صاحب علیہ الرحمہ مظاہر علوم کے مفتی ہوئے (موصوف احقر راقم السطور کے از اول تا آخر ہم درس رہے ہیں) مثل مشہور ہے کہ ''درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے''۔

چنانچہ حضرت شیخ الحدیث کے تلامذہ میں متعدد اصحاب افتاء قابل ذکر ہوئے جن میں سے تین حضرات کے اسماء گرامی اوپر مذکور ہوئے ان کے علاوہ مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی علیہ الرحمہ مفتی مرکز تبلیغ نظام الدین دہلی، مفتی عبد القیوم صاحب سابق مفتی مظاہر علوم، مفتی عبد العزیز صاحب مرحوم سابق مفتی مظاہر علوم، مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدینہ مفتی دار العلوم کورنگی کراچی، مفتی محمد وجیہ ٹانڈوی مہاجر پاکستان علیہ الرحمہ نے ٹنڈ والہ یار سندھ کے مدرسہ میں مدت دراز تک حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی شیخ الاسلام پاکستان کی نیابت کی (موخر الذکر دونوں حضرات احقر کے ہمدرس رہے ہیں، دار العلوم دیوبند کے موجودہ مفتی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب خیر آبادی اور کانپور کے مفتی منظور احمد صاحب بھی حضرت شیخ الحدیث کے فیض یافتہ اصحاب افتاء میں شمار کئے جائیں گے آخر میں برادر محترم مولانا مفتی عبد الرحمٰن جامی علیہ الرحمہ کا ذکر بھی کر دیا جائے (جو حضرت مصلح الامت کی خانقاہ کے مفتی تھے مولانا عبید اللہ بلیاوی کے ساتھی تھے)۔

پھر اسی کے ساتھ ساتھ دوسری بات بھی قابل غور ہے کہ کتاب وسنت اور فقہ میں جو بنیادی ربط واتصال ہے اس کی بنا پر ناممکن ہے کہ کوئی مفسر قرآن یا شارح حدیث قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح کے دوران اپنے فقہی مسلک سے بے تعلق و دست بردار ہو کر اسے نظر انداز کر

دے اور صرف تفسیر وتشریح کرتے ہوئے بالا بالا گذر جائے۔

کتاب وسنت اور فقہ کے مابین پائے جانے والے اسی لزوم کا نتیجہ حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کی مشہور ومعروف شرح موطا امام مالک اوجز المسالک میں یہ ہوا کہ حضرت شیخ نے فقہی مذاہب کا بیان اس طور پر کیا کہ موطا امام مالک، موطا امام محمد کی نقش جمیل بنا کر اسے اپنے ساتھ مختار فقہی مسلک کے دلائل سے بالکل مذہب احناف کی تائیدی یادگار تصنیف بنا دیا جس نے ایک مشہور مالکی عرب عالم کو مجبوراً یوں داد دینے پر مجبور کر دیا کہ ''ھذا المصنف حنف الموطأ'' (اس مصنف نے تو موطا امام مالک کو بھی ترجمان احناف بنا دیا) موطا امام مالک کی اس شرح کا نام ''اوجز المسالک'' ہی اس حقیقت کی طرف اشارہ کے لئے کافی ہے کہ یہ کتاب فقہی مسالک کے تقابلی مطالعے کو دلائل کے ساتھ پیش کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔

اس محدود ومختصر مقالہ میں چونکہ حضرت شیخ الحدیث کی فقہی خدمات سے متعلق اور بھی مثالیں پیش کرنی ہیں اس لئے اوجز المسالک سے متعلق طول طویل بحث سے تعرض مناسب نہیں ہے تاہم علماء مظاہر علوم اور ان کی علمی وتصنیفی خدمات اوجز المسالک کی چند خصوصیات نقل کی جاتی ہیں جس سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ ''اوجز المسالک'' حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کی فقہی بصیرت پر ایک دستاویز کا درجہ رکھتی ہے۔

(۱) اوجز المسالک میں یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ ہر باب میں ائمہ اربعہ کا مذہب ان کی معتبر کتابوں سے نقل کیا گیا ہے۔

(۲) مذہب احناف کی وضاحت کے بعد اس پر متعدد مفصل دلائل دئے گئے ہیں۔

(۳) ہر باب میں تمام ضروری فقہی اور اصولی مباحث پر بہترین کلام کیا گیا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کی ایک اہم اور خاص تصنیف ''اختلاف الائمہ'' ہے جو ۱۳۴۶ھ میں ''المظاہر'' میں قسطوار شایع ہوئی تھی جسے رسالہ میں ملاحظہ فرما کر حکیم الامت حضرت

تھانوی علیہ الرحمہ نے مدیر رسالہ کو تحریر فرمایا تھا کہ اس اختلاف ائمہ کی مدح کے لئے یہ کافی ہے کہ اس ذات کا لکھا ہوا ہے جو حضرت مولانا سہارنپوری کی خدمت میں نہایت اعتبار کے ساتھ مدت طویلہ خدمت حدیث میں مشغول رہے فقط اشرف علی ربیع الاول ۱۳۴۷ھ۔

حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب علیہ الرحمہ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند نے اس کتاب سے متعلق تحریر فرمایا تھا کہ: ''اس نوعیت کا میرے خیال میں اردو میں یہ پہلا مضمون ہے جو مدرسہ مظاہر علوم کے شیخ الحدیث کے قلم سے نکل رہا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس کو کامیابی کے ساتھ تمام کو پہونچادے ۔ فقط

افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کی یہ دقیق و اہم تصنیف کما حقہ اتمام و تکمیل کو نہ پہونچ سکی ۱۳۹۱ھ میں المظاہر کی شائع شدہ قسطیں کتابی شکل میں شایع ہوئیں اور علمی حلقہ میں پسند کی گئیں جس کی وجہ سے ۱۳۹۵ھ میں حضرت شیخ نے اس کا استدراک لکھا جو عزیزم سید محمد شاہد سلمہ کے زیر انتظام شایع کیا جاچکا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کی فقہی خدمات کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل کتب کی نشاندہی کافی ہوگی۔

(۱) ''داڑھی کا وجوب''، جس کا عربی میں ترجمہ مولانا عاشق الٰہی بلندشہری مہاجر مدنی نے ''وجوب اعفاء اللحیہ'' کے نام سے کردیا ہے۔ (۲) رسالہ ''شریعت وطریقت کا تلازم''۔

(۳) ''اصول الحدیث علیٰ مذہب الحنفیۃ''۔ (۴) حواشی اصول الشاشی۔

(۵) حواشی ہدایہ، ان کے علاوہ حضرت شیخ کا ایک رسالہ ''امارت شرعیہ کی حقیقت'' فقہی روایات کے استقصاء وتتبع کی نہایت اہم اور دقیق دستاویز ہے جسے مولوی سید محمد شاہد سلمہ نے ''معارف شیخ''، نامی مجموعہ میں سرفہرست شائع کردیا ہے، جس کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ
کی
فقہی خدمات اور ان کا فقہی مزاج و مذاق

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
(ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

گذشتہ صدی میں برصغیر میں جو چند اہم ترین عبقری شخصیتیں گذری ہیں اور جنہوں نے علمی دنیا پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں، ان میں ایک شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی شخصیت بھی ہے، انھوں نے اپنی پوری زندگی مطالعہ و تحقیق، تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف میں ایسی یکسوئی کے ساتھ گذاری اور اللہ نے ان کے کام میں اتنی برکت عطا فرمائی جس سے متقدمین اور سلف صالحین کی یاد تازہ ہوتی ہے اور اسی لئے ان کی ''آپ بیتی'' علماء کے لئے ایک نقش موعظت اور درس عبرت ہے، جس سے خشیت الٰہی، ورع و احتیاط اور علمی انہماک، نیز اپنے بزرگوں سے تعلق اور ان کی غایت درجہ توقیر و احترام کا سبق لیا جا سکتا ہے۔

حضرت مولانا کاندھلویؒ جس لقب سے معروف ہوئے اور جو ان کے نام کا حصہ بن گیا، وہ ہے ''شیخ الحدیث''، انھیں حدیث کے فن سے عشق بھی تھا اور گہری مناسبت بھی، اور اللہ تعالیٰ نے حدیث سے جو اشتغال انہیں میسر فرمایا اور جتنے طویل عرصہ تک تعلیم و تعلم اور تصنیف و تالیف کی جہت سے وہ اس فن کی خدمت میں مشغول رہے وہ ایسی سعادت عظمیٰ ہے، جو کم ہی

لوگوں کو میسر آتی ہے، ۱۳۳۲ھ میں آپ نے مشکوٰۃ شریف پڑھی اس وقت سے لے کرتا دم آخر فن حدیث سے آپ کا اشتغال رہا ے

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

چنانچہ آپ کی مصنفات کی تعداد اکانوے (۹۱) ہے، ان میں سے اڑتالیس (۴۸) کا تعلق براہ راست حدیث سے ہے اور بعض اور کتابیں بھی بالواسطہ اس فن سے متعلق ہیں، پھر آپ کی وہ تالیفات جو حجم اور ضخامت کے اعتبار سے دوسری تالیفات پر مقدم ہیں یعنی اوجز المسالک، الابواب والتراجم، لامع اور کوکب کے حواشی، نیز فضائل سے متعلق رسائل ان کا تعلق بھی حدیث ہی سے ہے اور اس موضوع پر آپ کی تالیفات نے عرب وعجم کے علماء سے خراج تحسین حاصل کیا ہے، اس لئے حضرت شیخ کا اصل اور محبوب موضوع حدیث کا فن تھا اور آپ کی علمی خدمت کا بھی غالب حصہ اسی فن سے متعلق ہے۔

لیکن فقہ کا موضوع بھی آپ کے فیض رساں سے محروم نہیں، چنانچہ ''فہرست تالیفات شیخ''، میں فقہ واصول فقہ کے موضوع پر ۶؍ کتابوں کا ذکر آیا ہے :۔

(۱) اختلاف الائمۃ

(۲) جزء المناط

(۳) جزء اختلافات الصلاۃ

(۴) جزء رفع الیدین

(۵) داڑھی کا وجوب

(۶) شذرات: ہدایہ، نور الانوار (فہرست تالیفات شیخ ۳۸؍۴۳)

ان میں سے ''جزء رفع الیدین'' کو بھی اگر حدیثی تالیفات میں رکھا جائے، جیسا کہ

مؤلف کتاب مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری نے صلاۃ الاستسقاء، صلاۃ الخوف وغیرہ کے اجزاء کو رکھا ہے، تو غالباً زیادہ مناسب ہوگا، اس طرح ۵؍کتابیں باقی رہ جاتی ہیں، جن میں سے میرے علم کے مطابق ۲؍کتابیں: (اختلاف الائمۃ) اور (داڑھی کا وجوب) زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور بقیہ تحریریں ابھی تشنۂ طبع ہیں، مگر متعدد تالیفات جن کو قرآن یا حدیث سے متعلق تالیفات میں رکھا گیا ہے، ان کا بھی گہرا تعلق فقہ سے ہے، افسوس کہ حضرت شیخ الحدیث کی بہت سی تالیفات اور حدیثی اجزاء ابھی تک طبع نہیں ہو سکے، اس لئے ان کا سرسری تعارف کرانا بھی دشوار ہے، اسی پس منظر میں فقہ کے مختلف شعبوں میں پہلے آپ کی تالیفات کا ذکر کیا جاتا ہے، پھر فقہی احکام سے متعلق آپ کے ذوق اور طریقہ فکر پر روشنی ڈالی جائے گی۔

فقہ سے متعلق آپ کی تالیفات درج ذیل پہلوؤں پر ہیں:۔

اصول فقہ

فقہ القرآن

فقہ الحدیث

فقہی احکام

اصول فقہ:

اصول فقہ کے موضوع پر آپ کی دو کتابوں کا ذکر ملتا ہے ''اختلاف الائمۃ''، ''جزء المناط''، اس کے علاوہ فن حدیث میں جن کتابوں کا ذکر ہے، ان میں ایک ''اصول حدیث علی مذہب الحنفیہ'' بھی ہے، جیسا کہ معلوم ہے ''مناط'' کے معنی علت حکم کے ہیں، یہ اصطلاح شوافع اور مالکیہ کے یہاں زیادہ استعمال ہوتی ہے، اور اجتہاد کے تین مراتب مقرر کئے جاتے ہیں، تخریج مناط، تنقیح مناط اور تحقیق مناط، حضرت شیخ نے ''جزء المناط'' نامی رسالہ اسی موضوع پر لکھا ہے جو پندرہ صفحات پر مشتمل ہے۔ حنفیہ اور علماء عراق کے نزدیک حدیث کے قبول ورد کے

معیارات فقہائے حجاز سے کسی قدر مختلف ہیں، لیکن ان اصولوں کو اس طرح واضح نہیں کیا گیا جو ان کا حق تھا بلکہ یہ اصول زیادہ تر اصول فقہ کی کتابوں کا حصہ بنے رہے، مولانا عبدالحئیؒ فرنگی محلی لکھنویؒ نے اسی پس منظر میں "الرفع والتکمیل" اور "الاجوبة الفاضلة" تالیف فرمائی، بظاہر اسی پس منظر میں حضرت شیخ نے بھی اصول حدیث علی مذہب الحنفیہ کے عنوان سے ایک مختصر رسالہ مرتب فرمایا ہے، مگر افسوس کہ یہ دونوں کتابیں طبع نہیں ہوئی ہیں۔

البتہ ''اختلاف الائمۃ'' نامی رسالہ طبع ہو چکا ہے، آپ کے ذہن میں اس موضوع پر چار، پانچ سو صفحات کی کتاب تھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ محفوظ کیا گیا ہے، وہ بھی بہت قیمتی اور نافع ہے کیوں کہ اسباب اختلاف کے موضوع پر اردو زبان میں کوئی قابل ذکر تحریر نہیں ملتی اور اسباب اختلاف کے مطالعہ سے ایک طرف علمی بصیرت اور ادلۂ شرعیہ میں ترجیحات کے بارے میں علم بھی حاصل ہوتا ہے اور دوسری طرف سلف صالحین سے حسن ظن بھی باقی رہتا ہے، اور اختلاف رائے میں ان کے اخلاص اور جذبۂ حق طلبی کا ادراک ہوتا ہے، جو خاص کر اس عہد میں بہت ضروری ہے، کیوں کہ کچھ خدا نا ترس اور حقیقت نا شناس لوگ اس اختلاف رائے کو سلف سے بدگمانی بلکہ ان کے حق میں طعن و تشنیع کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔

یہ کتاب ۸۰ر صفحات پر مشتمل ہے، مصنف نے اس کتاب میں بنیادی طور پر اختلاف آراء کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، اختلاف روایات، یعنی احادیث میں بظاہر اختلاف و تعارض پائے جانے کے اسباب، دوسرے اختلاف آثار، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین کے اقوال وافعال میں تعارض، اور تیسرے اختلاف مذہب، یعنی ائمہ مجتہدین میں اختلاف رائے کا سبب، احادیث میں اختلاف کو مصنف نے دس اسباب ص:۳۰ر تا ص:۳۴ر تک بیان کیا ہے، پہلا سبب لوگوں کے احوال کا اختلاف، دوسرا سبب کسی مخصوص شخص کے لئے آپ نے کوئی حکم دیا اور بعض حضرات نے اسے عام سمجھ لیا، تیسرے آپ نے کوئی عام حکم دیا اور بعض حضرات نے اسے

مخصوص سمجھ لیا، چوتھے، مختلف راویوں کا اپنے اپنے فہم کے مطابق آپ کے فرمودات و معمولات کو نقل کرنا، پانچویں، بعض حضرات نے حضور ﷺ کے عمل کو اتفاقی سمجھا اور بعض نے ارادی، چھٹے حضور ﷺ کے ایک ہی عمل کی علت مختلف لوگوں نے الگ الگ سمجھی، ساتویں یہ اختلاف کہ حضور ﷺ کے ارشاد میں لغوی معنی مراد ہے یا اصطلاحی؟ آٹھویں: حکم نبوی کو کسی نے واجب سمجھا اور کسی نے مستحب، نویں: بعض احکام آپ نے غور و فکر اور تنبیہ کے لئے دیئے، لیکن بعض حضرات نے اسے مستقل حکم سمجھ لیا، دسویں: امر نبوی ﷺ کی نوعیت کے بارے میں اختلاف، مثلاً یہ کہ یہ حکم بطور تشریع کے ہے، یا بطور علاج کے؟ اور ممانعت بطور حرمت کے ہے یا شفقت کے؟

اسی طرح آثار صحابہ میں بھی اختلاف کے مصنف نے آٹھ وجوہ ذکر کئے ہیں، جو صفحہ ۳۴ تا ۵۸ پر پھیلے ہوئے ہیں، اور تیسری بحث یعنی فقہائے مجتہدین کے درمیان اختلاف پر گفتگو غالباً نامکمل ہے، البتہ اس میں اختلاف کے دو بنیادی اسباب کا ذکر کیا گیا ہے، ایک حدیث کے قبول ورد کرنے میں اصول و معیارات کا اختلاف، دوسرے متعارض روایات کے درمیان ترجیح کے اصول میں اختلاف۔

واقعہ یہ ہے کہ رسالہ مختصر اور نامکمل ہونے کے باوجود بہت ہی قیمتی اور اہل علم واصحاب ذوق کے لئے بڑا ہی چشم کشا اور بصیرت افروز ہے، یہ کہنا تو درست نہیں ہوگا کہ مصنف نے اس موضوع کی پچھلی کتابوں، خاص کر شاہ ولی اللہ صاحب کی تحریروں سے استفادہ نہیں کیا ہے، اور یہ ساری باتیں آپ ہی کی رشحات فکر ہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ اس میں صرف ''قال''، نہیں ''اقول'' بھی ہے، اور بعض اسباب مصنف کے ذاتی علمی تتبع اور استقراء کا نتیجہ ہے، نیز جن اسباب کا ذکر کیا گیا ہے، کثرت سے ان کے شواہد بھی ذکر کئے گئے ہیں، جس سے مضمون عام فہم بھی ہو گیا ہے اور ذہن اسے قبول بھی کرتا ہے اور مصنف نے جہاں ان غیر مقلدین کو پیش نظر رکھا ہے، جو سلف کے بارے میں بدگمانی سے کام لیتے ہیں، وہیں منکرین حدیث کو بھی سامنے رکھا ہے اور بہت

سے اعتراضات وشبہات کا اصولی جواب دے دیا ہے، واقعہ ہے کہ یہ اپنے موضوع پر بہت مفید اور نافع تحریر ہے اور اگر یہ کام پورا پورا ہو گیا ہوتا تو شاید اس موضوع پر ایک بے نظیر کام ہوتا، فجزاہ اللّٰہ خیر الجزاء۔

فقہ القرآن

قرآن پر مولانا کی ایک تالیف ''تبویب احکام القرآن'' کا ذکر ملتا ہے، جس کو آپ نے خود اپنی ''آپ بیتی'' (۲/۱۶۹) پر لکھا ہے، مگر یہ کتاب ابھی طبع نہیں ہو سکی ہے، اس کتاب میں غالباً ''احکام القرآن للجصاص'' کی فقہی ابواب کی ترتیب پر فہرست سازی کا کام کیا گیا ہے، لیکن ابھی تشنۂ طبع ہے۔

فقہ الحدیث

جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا، حضرت شیخ الحدیثؒ کا اصل موضوع فن حدیث تھا، اور فن حدیث میں بھی آپ کی زیادہ توجہ احادیث احکام پر تھی، کیوں کہ ایک تو آپ مدرس تھے اور مدرسین کو زیادہ تر حدیث کے اسی پہلو سے سابقہ پیش آتا ہے، دوسرے آپ نے حدیث کی جن کتابوں کی خدمت فرمائی وہ بھی فقہی اسلوب پر مرتب کی ہوئی کتابیں ہیں، ان میں پہلی کتاب ''سنن ابوداؤد'' ہے، آپ کے محبوب استاذ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے جس کی مبسوط شرح ''بذل المجہود'' کے نام سے تالیف فرمائی ہے، اس اہم اور جامع ترین شرح کی تالیف میں آپ شروع سے آخر تک اپنے استاذ کے ساتھ شریک ومعاون رہے، پھر اس کے بعد موطأ امام مالک کی موجودہ شروح میں سب سے مفصل ترین شرح ''اوجز المسالک'' طبع ہوئی، جو پہلے تو ہندوستان میں فارسی رسم الخط میں ۶ر ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی تھی اور ابھی تک دستیاب ہے، پھر یہی شرح عالم عرب سے پندرہ جلدوں میں اشاعت پذیر ہوئی، اس کتاب نے علماء، اصحاب

ذوق، عرب، عجم، سلطان اور درویش سبھوں سے خراج تحسین حاصل کیا ہے اور اس میں فقہ مالکی کے نقطۂ نظر کے استیعاب پر خود مالکی علماء وفقہاء نے حیرت کا اظہار کیا ہے کہ امام مالک کے نقطۂ نظر کو جس قدر منقح طریقہ پر اور شرح وبسط نیز مستند ومعتبر نقول کے ساتھ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے، مالکیہ کے یہاں بھی اس کی کم ہی مثالیں مل سکتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ فقہ الحدیث کے اعتبار سے ''اوجز المسالک'' ایک شاہکار کتاب اور ''ورق ورق روشن'' کے مصداق ہے، کتنے ہی مقامات پر تفصیلی بحثیں ہیں اور ہر موضوع پر تمام گوشوں کا احاطہ کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، جیسے ''نهى عن الصلاة بعد الفجر و بعد العصر'' (اوجز المسالک ۲/۱۱-۴۰، ط ہند) کو دیکھا جائے، پہلے نکات اختلاف کی تنقیح ہے، پھر اوقات مکروہ کی تعداد اور ان نمازوں کے ممنوعہ اوقات میں سے ہر ایک پر تفصیل سے مختلف مذاہب اور ان مذاہب میں پائے جانے والے اقوال اور پھر ان میں سے راجح قول پر گفتگو کرتے ہوئے دلائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور دلائل پر ردوقدح کے ذیل میں محدثانہ کلام کیا گیا ہے۔

اسی طرح صلوٰۃ کسوف کی بحث اور اس میں خواتین کے شریک ہونے اور نہ ہونے کے سلسلہ میں اہل علم کی آراء اور دلائل (اوجز المسالک ۲/۳۰۲)، جمع بین الصلاتین کے مسئلہ میں تفصیل کے ساتھ ائمہ مجتہدین کے مذاہب و دلائل اور اسی مسئلہ میں صاحبین کے نقطۂ نظر کے بارے میں امام نوویؒ کی غلط فہمی پر تنبیہ (اوجز المسالک ۲/۵۰) بہت اہم ہیں۔ اختلاف مطالع کی بحث رویت ہلال کے سلسلہ میں جو اہمیت رکھتی ہے وہ ظاہر ہے، اس پر بھی مصنف نے تفصیل سے گفتگو کی ہے، کثرت سے فقہاء کی عبارتیں پیش کی ہیں اور کہا ہے کہ اختلاف مطالع کے واقع ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، اختلاف روزہ کے سلسلہ میں اس کے معتبر ہونے اور نہ ہونے میں ہے: ''ليس المعنى أنهم لا يقولون بإختلاف المطالع بل المعنى أنهم لم

یعتبروا، فی باب الصوم" (۳/ ۷-۶) اسی طرح یوم عرفہ کے ذیل میں "افضل الأیام "اور''یوم عرفہ'' کو جمعہ آنے کی بابت احادیث بڑی خوبی سے جمع کی گئی ہیں اوران امور کی بابت تمام اقوال کو جمع کرنے کی سعی کی گئی ہے (۳/ ۷-۲۲۶) اسی طرح باب العقیقۃ میں عقیقہ سے متعلق دس مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے اور قریب قریب عقیقہ سے متعلق تمام ہی ضروری احکام کا احاطہ کرلیا گیا ہے (دیکھئے اوجز: ۴/ ۲۷۲)، یہ تو بطور نمونہ ومثال کے کچھ اشارات کئے گئے ہیں، ورنہ یہ کتاب ایسے کتنے ہی لعل وگہر سے معمور اور بھرپور ہے۔

اسی طرح ''لامع الدراری'' اور الکوکب الدری'' جن کی ترتیب کا کام آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے انجام دیا تھا، ان پر آپ کے حواشی نہایت اہم ہیں، اور خاص کر کوکب کے حاشیہ میں کثرت سے کتب فقہیہ کے نقول ذکر کئے گئے ہیں اور قول راجح کی نشان دہی کی گئی ہے، اس طرح ''لامع الدراری'' کے حاشیہ پر شرح کے ذیل میں احادیث احکام کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے اور اس سے تراجم بخاری کا مقصد ومنشاء متعین کرنے میں بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے، اس طرح کی مثالیں پوری کتاب میں پھیلی ہوئی ہیں، کسی خاص تجسّس وجستجو کے بغیر اتفاق سے اس وقت میرے سامنے بخاری کا ایک ترجمہ "باب ذبیحۃ الأعراب" ہے، جس پر لامع کے مؤلف نے گفتگو نہیں کی ہے، حضرت شیخ الحدیث نے اس ترجمۃ الباب کی وجہ "نهى رسول اللہ ﷺ عن معاقرۃ الأعراب" والی حدیث کو قرار دیا ہے، اس طرح کی بہت سی توجیہات ''الابواب والتراجم'' اور لامع الدراری'' کے حواشی میں ملتی ہیں، جو احادیث احکام پر وسیع نظر اور گہرے تدبر اور غور وفکر کے بغیر نہیں جانی جاسکتی ہیں، اس لئے واقعہ ہے کہ فقہ الحدیث میں شیخ الحدیث کی نگاہ بہت گہری بھی ہے اور بہت وسیع بھی۔

اس طرح بخاری کے ابواب وتراجم پر آپ کی فاضلانہ تالیف اور اس موضوع کی سب سے مفصل اور مبسوط تالیف "الأبواب والتراجم لصحیح البخاری" بھی فقہ الحدیث کے

سلسلہ میں ایک عظیم الشان خدمت ہے، اور مصنف نے تراجم بخاری کے پس منظر کو واضح کرنے کے لئے بعض ایسے فقہی اختلاف کی طرف متوجہ کیا ہے اور انھیں ڈھونڈ کر نکالا ہے کہ عام طور پر ان کا ذکر نہیں ملتا، بلکہ سچ پوچھئے تو بخاری کے مدرس کے لئے یہ کتاب ایجاز و اختصار کے ساتھ ایک کافی وشافی کتاب ہے۔

فقہی احکام

فقہ کے موضوع پر آپ کی جن کتابوں کا ذکر ملتا ہے، ان میں ایک ''شذرات'' ہیں یہ غالبًا آپ کی درسی یادداشتیں ہیں، اس میں ہدایہ کے شذرات ۱۰ر صفحات پر، نورالانوار کے ۱۰ر صفحات پر اور چند صفحات درمختار اور حسامی پر ہیں، اور ابھی یہ سب مخطوطات کی صورت میں ہیں، جہاں تک اس حقیر کی رسائی نہیں ہوسکی۔

حضرت شیخ الحدیث کی فقہاء کے اختلافات پر گہری نظر تھی، اور ان کی تحریروں میں عام طور پر اختلاف آراء کے استیعاب کی کوشش کی جاتی ہے، چنانچہ آپ نے ''جزء اختلافات الصلاۃ '' کے عنوان سے نماز کی چار رکعتوں میں فقہاء کے اختلاف کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، جن کی تعداد دوسو سے زیادہ ہے، یہ رسالہ ۳۲ر صفحات پر ہے اور ابھی تک تشنۂ طبع ہے، کاش یہ طبع ہو جاتا تو بڑا اہم کام ہوتا، مصنف نے اپنی بعض اور کتابوں میں بھی اس کا ذکر کیا ہے اور مؤلف کا مقصود اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ رفع یدین، قرأت فاتحہ خلف الامام اور آمین بالجہر جیسے چند مسائل کو بہت اہمیت دے دینا مناسب نہیں کہ اختلاف بہت سے مسائل میں ہے اور یہ اختلاف محمود ہے، نہ کہ مذموم اور مخلصانہ ہے نہ کی نفس پرستانہ اور مجادلانہ۔

داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس سلسلہ میں احادیث میں کثرت سے تاکید وارد ہوئی ہے چنانچہ داڑھی اور اس کی مقدار سے متعلق حضرت شیخ الحدیث خاص طور پر لوگوں کو تنبیہ فرماتے تھے اور بیعت لیتے ہوئے بھی اس کا ذکر کرتے تھے، اس سلسلہ میں ''داڑھی کا وجوب'' کے نام سے

آپ نے تیس صفحات کا ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے، جس میں کتاب وسنت اور فقہاء کے ارشادات کی روشنی میں داڑھی کی اہمیت اور شرعی احکام پر روشنی ڈالی گئی ہے، یہ آپ کی بہت مقبول کتابوں میں سے ہے، اردو کے علاوہ عربی، انگریزی، تامل اور ملائی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے، سعودی عرب کے مشہور عالم اور مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے اس کے پچاس ہزار نسخے خرید کر عالم عرب میں تقسیم کرائے اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ نے بھی اس کے سات ہزار نسخے خریدے، پھر تخریج وتعلیق کے ذریعہ متعدد اہل علم نے اس کتاب کی خدمت کی ہے۔

اس کے علاوہ مصنف نے شروح حدیث میں مسائل فقہیہ پر جو کلام کیا ہے، اگر ان کو فقہی ابواب کی ترتیب سے جمع کر دیا جائے تو یقیناً کئی جلدوں میں یہ ذخیرہ جمع ہو سکے گا اور ایک بہت ہی قیمتی چیز ہوگی۔

فقہی مزاج و مذاق

حضرت شیخ الحدیثؒ کے فقہی مزاج و مذاق اور طرز فکر کو چند نکات میں ذکر کیا جا سکتا ہے:

☆ حضرت شیخ الحدیثؒ فتنۂ نفس پرستی کے اس دور میں تقلید کو بہت بڑی ضرورت خیال کرتے تھے، یہ بات آپ کی مختلف تحریروں کے بین السطور سے واضح ہونے کے علاوہ، جہاں تک مجھے یاد ہے ''شریعت وطریقت کے تلازم'' نامی تالیف میں صراحتاً بھی ذکر کی گئی ہے، افسوس کہ یہ کتاب اس وقت مجھے دستیاب نہیں ہو سکی۔

☆ خود آپ کا مزاج و مذاق یہ تھا کہ آپ پوری بصیرت کے ساتھ متصلب حنفی تھے اور پوری طرح حنفیت پر قائم تھے، یہ بات تو آپ کے یہاں ملتی ہے کہ جن مسائل میں مشائخ احناف کا اختلاف ہو، ان میں سے ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دی جائے، لیکن اس کی شاید ہی کوئی مثال مل سکے کہ آپ نے فقہ حنفی سے کسی اور فقہ کی طرف عدول کی راہ اختیار کی ہو اور چونکہ آپ نے فقہ وفتاویٰ کے بجائے تدریس وتالیف کی راہ اختیار کی تھی، اس لئے آپ کو اس کی

چنداں حاجت بھی نہیں تھی ، کیوں کہ ایک فقہ سے دوسری فقہ کی طرف عدول کی ضرورت فتاویٰ میں عام طور پر نئے مسائل کے حل اور اپنے عہد کی مشکلات کو دفع کرنے میں ارباب افتاء کو پیش آتی ہے۔

☆ فقہ حنفی کی تقلید کے ساتھ دوسرے ائمہ کا احترام، ان سے حسن ظن اور ان کی طرف سے حسن تاویل اور حسن توجیہ کا بھی آپ کے یہاں بہت زیادہ لحاظ ہے، بلکہ اس سلسلہ میں آپ کا اسلوب علماء کے لئے اسوہ کا درجہ رکھتا ہے۔

☆ بعض مصنفین کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ مخالف نقطۂ نظر کو بالکل ہی بے بنیاد اور بے دلیل ثابت کر دیں، فقہی اختلافات میں آپ کا طریقہ اس سے مختلف ہے، آپ نہایت انصاف کے ساتھ تمام اہل علم کی آراء کو پیش کرتے ہیں اور ان کے دلائل کو واضح فرماتے ہیں۔

☆ فقہی اختلافات فقہ کا ایک اہم فن ہے، کہا جاتا ہے کہ امام محمدؒ نے اختلاف الفقہاء پر لکھنے کا آغاز کیا، پھر امام شافعیؒ نے اسی نہج کو اختیار کیا، پھر امام طبریؒ اور امام طحاویؒ وغیرہ متعدد اہل علم نے اس فن کو آگے بڑھایا، حضرت شیخ الحدیثؒ کو اس موضوع سے بڑا تعلق تھا اور انھوں نے ''اوجز المسالک'' میں جس شرح وبسط کے ساتھ نیز نامانوس مسائل میں بھی کتابوں کی ورق گردانی کر کے آراء کو نقل اور اکٹھا کرنے کا اہتمام کیا ہے، اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔

☆ پھر آپ کا طریقہ یہ ہے کہ ہر دبستان فقہ کی رائے اسی مذہب کے مصنفین کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں اور مذہب کے صحیح ومعتبر اقوال کو تلاش کرنے کی بھرپور سعی کرتے ہیں، یہ بڑی اہم بات ہے، کیوں کہ عام طور پر آسانی کے لئے لوگ ایک مذہب کے حاملین کی کتابوں سے دوسرے مذہب کے نقطۂ نظر کو نقل کرتے ہیں اور اس میں بھول، چوک کا کافی امکان ہوتا ہے ، چنانچہ فقہاء حجاز کی کتابوں میں امام ابوحنیفہؒ کی طرف ایسی رائیں منسوب کر دی گئی ہیں، جو محض غلط فہمی پر مبنی اور دوسروں کے لئے بدگمانی کا موجب ہیں، اسی طرح امام مالک کی طرف بعض

آراء منسوب ہوگئی ہیں، جو ہرگز امام جلیل کے شایان شان نہیں، اس لئے اہل علم کا طریقہ یہی ہونا چاہئے کہ کسی بھی فقہ کے نقطۂ نظر کو اصل کتابوں سے نقل کیا جائے۔

☆ حدیث کی متداول کتابیں ان علماء کی مرتب کی ہوئی ہیں، جن کا تعلق حجاز کی درسگاہ سے تھا، عراق کی درسگاہ علم وفن کی زیادہ توجہ معانی حدیث اور اخذ واستنباط پر تھی، اس لئے کتب حدیث کی تالیف پر ان کی توجہ کم ہوئی، حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اپنی شروح حدیث میں اس بات کا خاص اہتمام کیا ہے کہ احادیث وآثار میں سے حنفیہ کے زیادہ سے زیادہ مؤیدات کو جمع کردیں اور اس طرح آپ کی شروح حدیث حنفی مستدلات کا گویا ایک موسوعہ بن گئی ہے۔

کلمۂ آخریں

ضرورت اس بات کی ہے کہ شیخ الحدیثؒ کی فقہی تحقیقات ومباحث کی (جو مختلف کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں) پہلے مرحلہ میں فہرست سازی کی جائے اور پھر انھیں یکجا اور مرتب کیا جائے تاکہ لوگوں کو استفادہ میں سہولت ہو اور مدرسین کی طرح فقہی موضوعات پر کام کرنے والے اہل علم نیز ارباب افتاء بھی آپ کے فیوض سے مستفید ہوسکیں۔

اللہ تعالیٰ آپؒ کی ان خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور ہم سب کی طرف سے آپؒ کو بہتر سے بہتر اجر سے سرفراز فرمائے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے درس حدیث کی خصوصیات

جناب مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی
(استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی شخصیت ایک بڑی بافیض شخصیت تھی، علوم نبوت کا ایک دریا ہے جو آپ کے چشمۂ صافی سے رواں ہوا۔

شیخ کا فیضان علمی:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "من یرد اللّٰہ به خیراً، یفقّهه في الدین ، وإنما أنا قاسم ، واللّٰہ یعطي ، ولن تزال هذه الأمة قائمة علی أمر اللّٰہ ، لا یضرّهم من خالفهم حتی یأتي أمر اللّٰہ " (رواه البخاری)

علم شریعت اور نور ہدایت حقیقت میں اس کا دینے والا اللہ ہے، آں حضور ﷺ ذریعہ اور واسطہ ہیں، آپؐ کے ذریعہ سے یہ لوگوں میں تقسیم ہو رہا ہے پھر اس کا سلسلہ قیامت تک اس طرح باقی رہے گا کہ امت کو برابر آپؐ کے واسطہ سے تقسیم ہو کر ملتا رہے گا، مگر یہ دنیا دارالاسباب ہے، آں حضور ﷺ کا ذریعہ ہر کس و ناکس نہیں ہو سکے گا، اس لئے حضرت معاویہؓ کی دوسری

حدیث ہے"إنما العلم بالتعلم "کہ قابل اعتبار علم وہی ہوگا جو انبیاء اور ان کے وارثین کے ذریعہ حاصل ہوا ہو۔ (فتح الباری)

آپ ﷺ کا وارث وہی ہوسکتا ہے جس کے اوصاف وکمالات آپ ﷺ کے اوصاف وکمالات کے مشابہ ہوں، دو چیزوں کے درمیان فرق اور اختلاف کبھی تو اس طرح ہوتا ہے کہ دونوں کی ذات اور آثار واحکام الگ الگ ہوتے ہیں، جیسے انسان، گھوڑے اور گدھے کے درمیان، لکڑی پتھر کے درمیان، اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ دونوں کی ذات اور آثار واحکام یکساں ہوتے ہیں، فرق صرف کامل اور ناقص کا ہوتا ہے، جیسے حرارت وبرودت کے مراتب میں، اور روشنی وتاریکی کے درجات میں، انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے درمیان فرق اسی دوسری نوعیت کا ہے، ان کمالات کا اعلی درجہ انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص ہوتا ہے، مگر اصل کمال اور اس کی بنیاد ہر صحیح الاعتقاد اور قوی الانقیاد مومن ومسلم کے دل میں موجود ہوتی ہے، ادنی درجہ کے مومنین کے کمالات اور انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے درمیان موازنہ کیا جائے تو کوئی مناسبت نہیں ہوتی اور کسی کو اشتباہ والتباس نہیں ہوتا ہے، مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے کمالات کو انبیاء علیہم السلام کے کمالات سے امتیاز وفرق کرنا بے حد مشکل ہوتا ہے، اگر چہ نفس الامر میں امتیاز وفرق موجود ہوتا ہے، بعض کاملین کو ایک کمال میں مشابہت ہوتی ہے، کسی کو دو میں، اور کسی کو تین میں، اور بعض حضرات ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو بہت سے کمالات میں مشابہت ہوتی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی کہ:"لوكان بعدي نبي لكان عمر" یا حضرت علیؓ کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی کہ:"أنت مني بمنزلة هارون من موسیٰ،إلا أنه لا نبی بعدي" اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد گرامی حضرت مہدی کے بارے میں:"إنه يشبه خُلقي ولا يشبه خَلقي" اور حضرت جعفر طیارؓ کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ:"إنه يشبه خُلقي وخَلقي" اور آپ ﷺ کا ارشاد حضرت ابوذر غفاریؓ کے بارے میں:"من أحب أن ينظر إلى

عيسى بن مريم في زهده فلينظر إلي أبى ذرّ" یہ سب احادیث اسی مضمون کی مؤید ہیں۔

جن لوگوں سے علوم نبوت اور نور ہدایت کا فیضان ہوا ہے ان کے بارے میں علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ ان کے اندر تین باتوں کا ہونا ضروری ہے:

(۱) وہ اپنے علم پر عمل پیرا ہوں۔

(۲) ماہرین علم سے تعلیم وتربیت پائے ہوئے ہوں اور ان کے صحبت یافتہ ہوں۔

(۳) ان کے طور طریق کی اتباع اور اقتداء میں سرگرم ہوں۔

فیضان علمی اور نور ہدایت کی اشاعت کی تاریخ گواہ ہے کہ آج تک جن لوگوں کو نور ہدایت کی اشاعت کی شہرت حاصل ہوئی وہ سب کے سب ان اوصاف سے مزین تھے، اور جن سے گمرہی کی اشاعت ہوئی وہ ان اوصاف سے خالی وعاری تھے۔

علامہ شاطبیؒ کی عبارت حسب ذیل ہے:

"للعالم المتحقق بالعلم أمارات وعلامات، وهي ثلاث:

إحداها: العمل بما علم حتى يكون قوله مطابقاً لفعله،

والثانية: أن يكون ممن ربّاه الشيوخ في ذلك العلم، لأخذه عنهم، وملازمته لهم، فهو الجدير بأن يتصف بما اتصفوا به من ذلك، وهكذا كان شأن السلف الصالح ، فأول ذلك ملازمة الصحابة رضى الله عنهم لرسول الله صلى الله عليه وسلم وأخذ هم بأقواله،وأفعاله،واعتمادهم على مايردمنه كائناً ماكان، وعلى أيّ وجه صدر؟ وإنما ذلك بكثرة الملازمة، وشدة المثابرة، وصار مثل ذلك أصلاً لمن بعدهم، فالتزم التابعون في الصحابة سيرتَهم مع النبي صلى الله عليه وسلم حتى فقُهوا، ونالوا ذروة الكمال في العلوم الشرعية، وحسبك من صحة هذه القاعدة أنك لاتجد عالما اشتهر في الناس الأخذ عنه إلا وله

قدوة اشتهر في قرنه بمثل ذلك، وقلما وُجدت فرقة زائغة، ولا أحد مخالفٌ للسنة، إلا وهو مفارق لهذا الوصف۔

والثالثة: الاقتداء بمن أخذ عنه، والتأدب بأدبه، كما علمتَ من اقتداء الصحابة بالنبي ﷺ، واقتداء التابعين بالصحابة رضي الله عنهم، وهكذا في كل قرن ، وبهذاالوصف امتاز مالك عن أضرابه، أعني: بشدة الاتصاف به ، و إلا فالجميع ممن يهتدي به في الدين كذلك كانوا ، ولكن مالكاً اشتهر بالمبالغة في هذا المعنى ، فلما تُرك هذا الوصف رفعت البدع رؤوسها، انتهى۔ (الموافقات ج۱ مقدمه نمبر ۱۲)

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی بے پناہ مقبولیت اور وسیع تر سطح پر ان کے علمی واصلاحی فیضان کا راز مذکورہ بالا صفات میں ان کا کمال ہے، چنانچہ اپنے والد رحمہ اللہ کی بے مثال تربیت کے نتیجہ میں بچپن ہی سے علم پر عمل پیرائی ان کی طبیعت بن چکی تھی، اس چیز کو ان کی آپ بیتی کا قاری بین طور پر محسوس کرے گا۔ جہاں تک صحبت شیخ اور ان کی متابعت میں سرگرمی کا تعلق ہے تو خصوصیت کے ساتھ آپ نے حدیث اپنے والد اور حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارن پوری رحمہما اللہ سے پڑھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے والد یہ دیکھ رہے تھے کہ حدیث نبویؐ کے تعلم کے لئے جس بلند معیار کی متابعتِ شیخ درکار ہے وہ ان ہی دو حضرات کے سامنے پڑھنے کی صورت میں پائی جاسکے گی، دیگر اساتذہ کے ساتھ ممکن ہے اس درجہ کی متابعت شاید متحقق نہ ہو سکے مبادا قبولیت علم میں رکاوٹ پیدا ہو، اس لئے حدیث شریف کا کوئی سبق کسی دوسرے سے پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔ (دیکھئے آپ بیتی ۱/۱۰۷)

والد کے ساتھ تو شب و روز گذرتے ہی تھے، حضرت سہارن پوریؒ کے ساتھ یگانگت ومتابعت کا یہ حال تھا کہ اپنے آپ کو استاذ وشیخ کی منشأ پر قربان کردیا، خصوصی تلمذ وخدمت کے

علاوہ ’’بذل المجہو د‘‘ کے پورے دورِتالیف (۱۳۳۵ھ تا ۱۳۴۵ھ) میں آپ کے دست راست بن کر رہے، مراجع سے مراجعت، پھر حضرتؒ کے املاء کو قلمبند کرنے پر اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا، حضرتؒ کے چشم وابرو کے ایک ایک اشارے کو سمجھنے اوراس کی تعمیل میں حد درجہ محنت اور خلوص کا نتیجہ تھا کہ بذل المجہو د کی تکمیل کے بعد حجاز مقدس کی واپسی صفر ۱۳۴۶ھ پر حضرت سہارن پوری رحمہ اللہ نے انہیں مدرسہ مظاہر علوم کا شیخ الحدیث نامزد کیا جب کہ ابھی آپ اپنی عمر کے تیسویں سال میں تھے، اگر چہ تدریس حدیث کا آغاز اس سے پہلے ہو چکا تھا لیکن باضابطہ منصب مشیخت حدیث پر ۱۳۴۶ھ میں فائز ہوئے اور ۱۳۸۸ھ تک بیالیس سال مسلسل اس منصب جلیل پر فائز رہ کر ہزاروں تشنگان علوم نبوت کو سیراب کرتے رہے، اور مشترکہ ہندوستان میں علی الاطلاق ’’شیخ الحدیث‘‘ کے لقب سے جانے گئے اور جانے جاتے ہیں۔

درس وتدریس میں سب سے پہلے خود مدرس کی ذات اوراس کے کمالات واوصاف دیکھے جاتے ہیں، اس کے بعد خصوصیات درس کا درجہ ہے جس کی بنا پر مذکورہ بالا بات کا تذکرہ ضروری تھا۔

خصوصیات درس

خصوصیات کی تفصیل اگر کی جائے تو ایک دفتر چاہیے، مختصر طور پر کچھ باتیں عرض کی جاتی ہیں جو یقیناً بعد والوں کے لئے نشان راہ ثابت ہوں گی۔

(۱) ابتدائی سالوں میں تو حضرتؒ کا درس انتہائی مفصل ہوتا رہا لیکن جوں جوں طلبہ کی استعدادوں اورقویٰ میں انحطاط آتا گیا آپ کی درسی تقریر مختصر ہوتی رہی، جیسا کہ فرماتے ہیں:

’’میں نے اپنے والد صاحبؒ سے اپنے بچپن میں بار بار ایک فقرہ سنا اور اپنے دور میں اس کا خوب مشاہدہ کیا، وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ: معلوم نہیں کہ ایک رمضان میں کیا تغیر ہوجاتا ہے کہ دو سال کے دورہ والوں میں زمین وآسمان کا فرق ہوجاتا ہے، اپنے پچاس سالہ تدریس

حدیث کے دور میں مشاہدہ بھی کرلیا، حدیث پڑھانے کے ابتدائی دور میں بعض بعض طلبہ ایسے اچھے اشکالات کیا کرتے تھے کہ جی خوش ہوجاتا تھا لیکن انتہا میں بعض دفعہ درمیان میں تقریر کو اس لئے چھوڑنا پڑتا تھا کہ مخاطبین میں سے کوئی اس کو سمجھ نہیں رہا تھا"۔ (آپ بیتی نمبر۲)

(۲) آپ کا درس عشق نبویؐ اور حبّ رسول ﷺ کا نمونہ ہوتا تھا، آنحضرت ﷺ کے اوصاف وکمالات کے ذکر پر انتہائی سوز وگداز سے کلام فرماتے جس کا اثر پورے مجمع پر ہوتا تھا اور حاضرین تک پر گریہ طاری ہوجاتا تھا، خصوصاً مرض الوفاۃ کی حدیث جس وقت پڑھتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آج ہی سانحہ ارتحال پیش آیا ہے۔

(۳) آپ کے درس میں جملہ سلف، ائمہ مجتہدین اور محدثین کرام کے ساتھ انتہائی ادب وعظمت کا معاملہ رہتا تھا، جس محدث یا فقیہ پر رد کرنا ہوتا اس کا اسم گرامی انتہائی عظمت کے ساتھ لیتے، مثلاً حافظ ابن حجرؒ کے متعلق فرماتے کہ حنفیہ کے رجال اور ان کے مذہب کے موافق دلیلوں سے اس طرح آنکھ بچا کر نکل جاتے ہیں جیسے انہیں خبر ہی نہ ہو، حالانکہ اسی راوی یا روایت کو اپنی کتاب میں دوسری کسی ایسی جگہ بطور استدلال ذکر فرماتے ہیں جہاں حنفیہ کو کوئی خاص فائدہ نہ پہونچتا ہو، حافظؒ کے متعلق یہ سب کچھ دلیل کے ساتھ فرمانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے کہ ان سب کے باوجود ہم حدیث کے پڑھنے پڑھانے والوں پر حافظ صاحبؒ کا جتنا احسان ہے اور کسی کا نہیں۔

(۴) ائمہ کے مذاہب کی تحقیق اور ان کے دلائل خصوصاً احناف کے مسلک کے دلائل کو تفصیل سے بیان فرماتے اگر حدیث حنفیہ کے مسلک کے بظاہر خلاف نظر آتی تو اس کی ایسی توجیہات نقل فرماتے کہ مسلکِ حنفیہ حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا۔

(۵) اکثر اہم مسائل میں بطور خلاصہ نشان دہی فرمادیتے کہ اس میں پانچ یا سات یا دس ابحاث ہیں، پھر ہر ایک کی قدرے تفصیل فرماتے، ان میں جس کو امام بخاریؒ نے چھیڑا ہوتا اس

کی مزید تشریح فرماتے۔

(۶) امام بخاریؒ محدث ہونے کے باوجود بلند پایہ فقیہ ومجتہد بھی تھے، ان کی مجتہدانہ شان جامع صحیح کے تراجم ابواب میں پنہاں ہے۔ تراجم ابواب کا مقصد، ابواب کے درمیان باہمی مناسبت، اور باب کے تحت لائی جانے والی حدیثوں سے ان کی مطابقت ہر دور میں مشکل سمجھی گئی، شیخ کو کثرت ممارست اور خداداد ذکاوت کی بنا پر ان تراجم کے دقائق ومعارف کی معرفت میں مہارت تامہ حاصل تھی، بلکہ مجموعی طور پر حضرتؒ نے کچھ اصول متعین فرمائے ہیں جن کی تعداد ستر تک پہونچتی ہے، یہ اصول "الأبواب والتراجم" میں مذکور ہیں، ان اصول کی روشنی میں شیخ جب ابواب واحادیث میں مناسبت بیان فرماتے تو بات بآسانی سمجھ میں آجاتی۔

بعض تراجم پر سارے شراح خاموش ہیں مگر حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے تھے کہ امام موصوف کا کوئی ترجمہ دقّتِ نظر سے خالی نہیں، مثلاً امام موصوف کا ترجمہ "باب الصلوٰۃ إلی الحربۃ" پر سارے شراح خاموش ہیں مگر شیخ کی دوررس نگاہ نے یہاں بھی امام بخاریؒ کی شایانِ شان ایک لطیف توجیہ حضرت گنگوہیؒ کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے وہ یہ کہ چونکہ زمانہ جاہلیت میں ہتھیاروں کی پرستش ہوتی تھی، اس لئے اس ترجمہ سے امام موصوف اس وہم کو دور فرما رہے ہیں کہ نیزہ کو سترہ بنانے میں حرج نہیں ہے۔

(۷) حدیث پاک کے بعض الفاظ اور بعض جملے ایسے ہیں کہ ان کا مطلب لب ولہجہ اور صورتِ واقعہ کی مثالی صورت بنائے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا، اس لئے بھی اس فن کو کسی ماہر فن استاذ سے پڑھنا ضروری ہے، حضرت شیخؒ ان الفاظ اور جملوں کو اسی طرح پڑھ کر سناتے، اور جہاں مثالی صورت بنانے کی ضرورت ہوتی وہاں عملی صورت بنا کر دکھاتے، مثلاً بخاری ۱/۶۹ پر "ووضع یدہ الیمنی علی الیسری و شبك بین أصابعه، ووضع خده الأیمن علی ظهر کفه الیسری" بغیر صورت مثالی بنائے ہوئے محض الفاظ سے مطلب ذہن میں

نہیں آ سکتا، اس کو خصوصیت سے عمل کر کے طلبہ کو دکھاتے۔

(۸) "فاستوصوابهم خيراً" کے بموجب مہمانانِ رسول کی خیر خواہی اور نفع رسانی ہر وقت پیش نظر رہتی، آپ ایک جوہر شناس شخصیت کے مالک تھے، بعض ذہین اور محنتی طلبہ جن میں شیخ محسوس کرتے کہ یہ آگے چل کر کچھ کر سکتے ہیں ان کو درس کے علاوہ خصوصیت سے اپنے قریب بلاتے، ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، تربیت اور علمی رہنمائی میں کوئی کسر نہ چھوڑتے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے شاگردوں میں سے کئی ایک نے قابل رشک نمایاں کارنامے انجام دیئے۔

تعلیم کے ساتھ تربیت

(۹) تعلیم کے علاوہ طلبہ کی تربیت پر آپ کی خصوصی توجہ تھی، چنانچہ ان کے علم کو نافع بنانے کی غرض سے شیخ نے دس اصول بنائے تھے جن کو سال کے شروع میں بطور خاص تلقین فرماتے اور پورے سال ان پر اس شدت سے عمل کراتے کہ بوقت ضرورت پٹائی سے بھی دریغ نہ فرماتے، وہ دس امور یہ ہیں:

(۱) غیر حاضری ان کے نزدیک نا قابل معافی جرم تھا۔

(۲) صف بندی کا اہتمام بہت تھا، اس میں بے ترتیبی انتہائی ناگوار تھی۔

(۳) ہر طالب علم کو شرعی وضع قطع اختیار کرنا ضروری تھا، خصوصا ڈاڑھی کٹانے یا منڈانے والے کا تو گذر ہی نہیں تھا۔

(۴) دورانِ درسِ حدیث ایسے الفاظ اگر آتے جن کے معنی میں تفحش یا گھناؤنا پن ہوتا تو شیخ اشارہ کنایہ کے بجائے ان کا ترجمہ ٹھیٹھ اردو بلکہ علاقائی زبان میں کھل کر فرماتے، جیسے "أنِكتها" یا "امصص بظر اللات" جیسے الفاظ اور جملے، اس پر اگر کسی نے ذرا بھی مسکرا دیا تو اس کی خیریت نہ ہوتی بقول حضرت شیخ: ''میں اس کی جان کو آجاتا''۔

(۵) کتاب کا حد درجہ ادب واحترام ضروری تھا، چنانچہ اس پر کہنی وغیرہ رکھ دینا قطعاً

برداشت نہ تھا۔

(۶) دورانِ درس طالب علم کا اونگھنا یا ہاتھ پر منہ رکھ کر سونا تو اس سے بڑی گستاخی تھی۔

(۷) طالب علم کی نشست مؤدب ہونی ضروری تھی چنانچہ چوکڑی مار کر یا ٹیک لگا کر بیٹھنا سخت جرم تھا۔

(۸) طالب علم کا لباس اس قسم کا ہونا ضروری تھا جو صلحاء وعلماء کے شایانِ شان ہے، اور لباس وحلیہ میں کسی بھی طرح سے غیروں کی نقالی نہیں ہونی چاہئے۔

(۹) ہر طالب علم کو سخت ہدایت تھی کہ جملہ ائمہ حدیث اور ائمہ فقہ کے ساتھ نہایت ادب و احترام کا معاملہ ضروری ہے، تکرار اور آپسی گفتگو میں ہرگز کوئی ایسا جملہ منہ سے نہ نکلے جس سے ان میں سے کسی کی کسر شان ہو۔

(۱۰) اس بات کی تاکید کہ کبھی کسی طالب علم کو کوئی اشکال ہو تو شیخ کے معاصر مدرسین کی بتائی ہوئی بات ان کے نام کی صراحت کے ساتھ ہرگز نہ پیش کرے، مبادا دونوں میں سے کسی کی کسر شان ہو۔ (آپ بیتی نمبر۶ ص۷۴۹ تا ۷۵۳)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
کی
فقیہانہ نظر

مولانا عتیق احمد صاحب قاسمی بستوی
(دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری دامت برکاتہم کا حکم ہے کہ ''حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی فقیہانہ نظر کے موضوع پر مقالہ لکھ کر'' دوروزہ مذاکرہ علمی بعنوان شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنیؒ'' میں پیش کروں، موضوع کی اہمیت وندرت اور وقت کی قلت کی وجہ سے طبیعت میں ہچکچاہٹ ہے لیکن حضرت مولانا تقی الدین صاحب کے حکم کو ٹالا نہیں جاسکتا اس لئے انتہائی عجلت میں یہ مختصر مضمون تیار کیا گیا اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے علم وفضل کے بعض نئے گوشوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی جامعیت

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنی بیسوی صدی عیسوی کے ان بافیض عبقری علماء میں سے تھے جنہوں نے اپنی تدریسی، تصنیفی، اصلاحی وتربیتی خدمات سے سلف

صالحین کی یاد تازہ کردی، ان کا خاص فن اور موضوع علم حدیث ہے علم حدیث کی تدریس اور اس میں تصنیف کو انہوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، عمر عزیز کو اس فن شریف کے لئے وقف کردیا، علم حدیث پر ان کی تصنیفات و تعلیقات نے انہیں حدیث اور علوم حدیث کے چند ممتاز ترین مصنفین میں شامل کردیا، لیکن ہمارے پرانے بزرگوں کی طرح حضرت شیخ الحدیثؒ بھی جامعیت کی شان رکھتے تھے، حدیث ان کا خصوصی فن ضرور تھا لیکن دوسرے علوم اسلامیہ (تفسیر، فقہ وغیرہ) میں بھی انہیں دستگاہ حاصل تھی جیسا کہ ان کی تصنیفات سے یہ بات روشن ہے۔

فقہ واصول فقہ کی تعلیم وتکمیل

حضرت شیخؒ نے تمام علوم کی تحصیل بڑے باکمال اساتذہ سے کی، انہوں نے ''آپ بیتی'' میں تفصیل سے اپنے تعلیمی مراحل، اساتذہ اور دور طالب علمی کے واقعات کا سادہ اور دلچسپ انداز میں تذکرہ کیا ہے، شیخ کے بیان کے مطابق انہوں نے فقہ کی ابتدائی کتابیں اپنے چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ بانی تبلیغی جماعت) سے اور فقہ کی بڑی کتابیں اپنے والد ماجد (حضرت مولانا محمد یحیی صاحبؒ کاندھلوی خادم خاص حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) سے پڑھیں، حضرت شیخ ''آپ بیتی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ غالباً میں لکھوا چکا ہوں کہ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے بار بار ارشاد فرمایا کہ میں تجھے فقہ، حدیث اپنے اور حضرت (یعنی حضرت مولانا خلیل احمدؒ انبیٹھوی) کے علاہ کسی سے پڑھنے نہیں دوں گا، منطق ونطق جس سے چاہے پڑھ لے، اس لئے کہ تو بے ادب اور گستاخ ہے، حدیث اور فقہ کے علاوہ کسی اور کتاب کے استاد کی بے ادبی کرے گا اور وہ علم ضائع ہوجائے گا بلا سے۔ لیکن حدیث اور فقہ کی کوئی کتاب ضائع ہوجائے یہ مجھے گوارا نہیں، اس لئے میں نے فقہ کی ابتدائی کتابیں تو اپنے چچا جان سے پڑھی ہیں اور انتہائی اپنے والد صاحب سے، اور حدیث کی کتابیں صرف اپنے والد صاحب اور حضرت قدس سرہ سے۔ (آپ بیتی نمبر۲ ص ۷۹)

اس دور میں فقہ واصول فقہ کی جو کتابیں نصاب میں شامل تھیں اور مدارس میں انہیں پڑھا پڑھایا جاتا تھا وہ یہ تھیں مالا بدمنہ، نورالایضاح، قدوری، کنزالدقائق، شرح وقایہ، ہدایہ اولین واخیرین، اصول الشاشی، نورالانوار، حسامی، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کتابیں اپنے چچا جان اور والد ماجد سے پڑھی ہوں گی، لیکن اصول الشاشی کے بارے میں ''آپ بیتی'' میں صراحت ہے کہ یہ کتاب میری پڑھی ہوئی نہیں تھی۔

فقہ واصول فقہ کی تدریس

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کو تمام علوم اسلامیہ کی طرح علم فقہ واصول فقہ سے بھی مناسبت تھی، انہوں نے مظاہرالعلوم میں اپنے ابتدائی تدریسی دور میں فقہ واصول فقہ کی کتابوں کا محنت اور توجہ سے درس دیا، اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ مصنف بذل المجہود سے فرمائش کر کے ہدایہ کا سبق اپنے ذمہ لیا، ہدایہ ملنے کا قصہ بھی انہوں نے لطف لے لے کر آپ بیتی میں ذکر کیا ہے۔

حضرت شیخ نے ''آپ بیتی'' نمبر۲ میں اپنی زیر تدریس کتابوں کی جو تفصیل درج کی ہے اس کے مطابق انہوں نے اپنی تقرری کے پہلے سال محرم ۱۳۳۵ھ تا شعبان ۱۳۳۵ھ جو کتابیں پڑھائیں ان میں ''منیۃ المصلی'' اور ''اصول الشاشی'' شامل تھیں اصول الشاشی انہوں نے کتنی محنت اور تیاری کے ساتھ پڑھائی اس کا اندازہ خود شیخ کی اس تحریر سے ہوسکتا ہے، قدرے طویل ہونے کے باوجود دلچسپ اور مفید ہونے کی وجہ سے ہم اسے مکمل نقل کرتے ہیں۔

''میرے ابتدائی تقرر کے وقت جو محرم سے ہوا تھا دو سبق ایک میرے چچا جان نوراللہ مرقدہ کے یہاں سے ''اصول الشاشی'' کا اور دوسرا حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی حال شیخ الاسلام پاکستان جو اس وقت مظاہرالعلوم کے مدرس تھے علم الصیغہ منتقل ہو کر آیا اور دونوں کتابیں میری بے پڑھی تھیں، علم الصیغہ کی کچھ زیادہ فکر نہ ہوئی البتہ اصول الشاشی اہم تھی،

جماعت بھی اس کی کچھ بڑی تھی، میں نے چچا جان نور اللہ مرقدہ سے پوچھا کہ سبق کہاں سے ہوگا ؟ انہوں نے بتایا کہ ''فصل فی الامر'' کے ایک ورق بعد سے ہے، مگر میں نے اس لئے کہ مجھے طلبہ کا اندازہ تھا کہ طالب علم دھوکہ دیا کرتے ہیں چچا جان سے امر کی بحث کے دو ورق پڑھ لئے، ایک طلبہ کا پڑھا ہوا دوسرا بے پڑھا، ان سے تو اپنے ہی ضابطے پر پڑھے کہ جلدی جلدی لیکن چونکہ اعلان بدھ کو ہوگیا تھا اور شنبہ سے سبق شروع تھے اس لئے دو تین دن میں نے کتب اصول میں اصول الشاشی کے شروح وحواشی، نور الانوار و منار، اس کی شرح کشف الاسرار، حسامی اور اس کی جتنی شروح مل سکیں توضیح وتلویح دو دن میں امر کی ابتدائی بحث سب میں نے خوب دیکھے اور درس گاہ میں پہونچنے کے بعد اجنبیانہ پوچھا سبق کہاں سے ہے؟ سب نے متفق اللسان ہوکر کہا فصل فی الامر سے، میں تو پہلے ہی سمجھ رہا تھا کہ دھوکہ دیں گے میں نے ایک گھنٹہ امر کی بحث میں خرچ کردیا، معلوم نہیں کیا کیا کہا ہوگا، اتنا یاد ہے کہ پہلا دن تو صرف فصل فی الامر پر خرچ ہوا تھا اس کے بعد پورا ایک ہفتہ کچھ اس ایک ورق میں لگا جو چچا جان ایک دو دن میں پڑھا چکے تھے، مولوی ادریس صاحب کو اللہ جزائے خیر دے ان ہی کی نصیحت اور تجربے کا ثمرہ تھا۔ ایک ہفتہ بعد میرے پاس اصول الشاشی کی جماعت کی نہایت موکد تحریری اور زبانی درخواست پہونچی کہ ہم اصول الشاشی تجھ سے اول سے پڑھنا چاہتے ہیں، میں نے کہہ دیا: مدرسہ کا سبق ہے میرا ذاتی نہیں، مہتمم صاحب حکم دیں گے تو مجھے انکار نہیں، چونکہ ایک بڑے مدرس کے یہاں سے منتقل ہوکر آئی تھی اس لئے باضابطہ تحریری درخواست کی تو لوگوں نے ہمت نہیں کی، البتہ خصوصی لوگوں نے زبانی ان سے کہا تو انہوں نے انکار کردیا''۔ (آپ بیتی نمبر ۲ ص ۹۸، ۹۹)

تقرری کے دوسرے سال (شوال ۱۳۳۵ھ تا شعبان ۱۳۳۶ھ) کتب فقہ واصول فقہ میں سے نور الایضاح، قدوری، اصول الشاشی ان کے زیر درس رہی، تیسرے سال (شوال ۱۳۳۶ھ تا شعبان ۱۳۳۷ھ) انہوں نے کنز الدقائق، قدوری، اصول الشاشی کا درس دیا۔

تدریس کے چوتھے سال (شوال ۱۳۴۷ھ تا شعبان ۱۳۴۸ھ) ہدایہ اولین کا درس حضرت شیخ الحدیثؒ سے متعلق ہوا اور ایسا حضرت کی خواہش اور فرمائش پر ہوا، جس سے علم فقہ سے شیخ کی دلچسپی اور مناسبت کا اندازہ ہوتا ہے، حضرت شیخ ہدایہ اولین ملنے کا قصہ دلچسپ انداز میں یوں لکھتے ہیں۔

"اس سلسلے کا اہم مسئلہ آئندہ سال شوال ۴۷ھ میں پیش آیا، میں نے اپنے حضرت قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت دل یوں چاہتا ہے کہ حضرت کے زیر سایہ فقہ کی کتابیں پڑھ لیتا، ہدایہ ایک دو سال حضرت کی زیر تربیت پڑھ لیتا تو پوچھنے میں سہولت رہتی حضرت قدس سرہ نے فرمایا: بہت اچھا، میں نے عین تقسیم اسباق سے تھوڑی دیر پہلے حضرت قدس سرہ سے عرض کیا تھا؟ جب حضرت قدس سرہ، مہتمم صاحب وغیرہ حضرات تقسیم کے لئے بیٹھے تو بیٹھتے ہی حضرت قدس سرہ نے مجھ سے دریافت فرمایا: کہ تم نے ہدایہ اولین کہا تھا یا اخیرین کو میں نے عرض کیا: حضرت اولین کو حضرت قدس سرہ نے مہتمم صاحب سے فرمایا: ہدایہ اولین پہلے اس کے نام لکھ دو پھر آگے چلو، اس پر سارے ہی مدرسین کی آنکھیں کھلی رہ گئیں حتی کہ جو حضرات گذشتہ سال معلقہ میں میرے حامی تھے وہ بھی سوچ میں پڑ گئے کہ کنز صرف ایک سال ہوئی ہے اور اس وقت دستور یہ تھا کہ ہر مدرس کے پاس نئی کتاب کم سے کم تین سال ہونا ضروری تھا اور شرح وقایہ پڑھانے کی نوبت نہیں آئی تھی مگر حضرت کے حکم کے بعد پھر کون بول سکتا تھا، ہدایہ اولین لکھا گیا اور جو گذشتہ سال معلقہ میں اپنی مساعی کو ناکام دیکھ چکے تھے ان کو پھر اپنا غصہ نکالنے کا موقع ملا اور تقسیم اسباق کا نقشہ چسپاں ہوتے ہی ایک محاذ اس ناکارہ کے خلاف پیدا ہوا۔ (آپ بیتی نمبر۲ ص ۱۱۴)

آپ بیتی کے مطابق شیخ نے ہدایہ اولین تین سال پڑھائی، نور الانوار بھی ان کے زیر درس رہی، لکھتے ہیں: میں نے تین سال نور الانوار پڑھائی اور ہر سال نور الانوار کے بعد اس کی جگہ حسامی ہوا کرتی تھی۔ (ص ۱۰۱)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث نے اپنے ابتدائی تدریسی دور میں جوان کے بھرپور شباب اور محنت کا زمانہ تھا فقہ واصول فقہ کی تقریباً تمام درسی کتابیں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ اور دوسرے اکابر اساتذہ کی سرپرستی میں پڑھائیں اور ان کتابوں کو پوری علمی تیاری اور گہرے مطالعہ کے ساتھ پڑھایا۔

اوجزالمسالک میں فقہی مباحث

حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی تمام تصانیف بڑی گراں قدر اور مفید ترین ہیں لیکن اوجزالمسالک بلاشبہ ان کا تصنیفی شاہ کار ہے، یہ کتاب ان کے علوم وفنون اور فکروفن کی نمائندہ کتاب ہے، اس کتاب سے اگر ایک طرف حدیث وعلوم حدیث اور فن رجال میں ان کی مہارت وغواصی کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف فقہاء کے مسالک ودلائل اور فقہ اسلامی کے ذخیرہ پر ان کی گہری نظر اور وسیع مطالعہ کا یقین ہوتا ہے، کتاب کا نام ''اوجزالمسالک'' بھی اس کا غماز ہے کہ مصنف نے اس کتاب میں فقہی مسالک کی تحقیق پر زیادہ توجہ صرف کی ہے، موطا امام مالک احادیث احکام کا مستند ترین مجموعہ ہے، ہر دور میں فقہاء ومحدثین نے اس کتاب پر اعتماد کیا، اس کی بے شمار شرحیں لکھی گئیں اور مختلف گوشوں سے اس کتاب کی خدمت کی گئی، حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنی صحت اور جوانی کا بہترین حصہ لگا کر بڑی علمی ریاضت اور انہماک کے ساتھ اوجزالمسالک لکھی۔

فقہی مباحث کے تعلق سے اوجز کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے خود مصنف کتاب نے چند باتیں تحریر فرمائی ہیں۔

(۱) میں نے مذاہب کے بیان میں ائمہ اربعہ کے مذاہب پر اکتفا کیا ہے، دوسرے مذاہب کو ذکر نہیں کیا کیوں کہ ان کا ذکر زیادہ سودمند نہیں ہے............

(۲) مذاہب کے بیان میں میں نے اکثر وبیشتر ان مذاہب اربعہ کی کتب فروع پر اعتماد کیا

ہے، شراح کے نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا، کیوں کہ شراح نقل اقوال میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں اور کبھی کبھی نقل میں غلطی ہو جاتی ہے۔

(۳) میں نے اکثر مقامات میں اجمالی طور پر حنفیہ کے دلائل ذکر کر دیئے ہیں، کیوں کہ ہمارے دیار کے طلبہ کو اس کی بہت ضرورت ہے، کیوں کہ ان میں سے اکثر حنفی ہیں، اور اختصار کی خاطر میں نے دوسرے ائمہ کے دلائل سے صرف نظر کیا اور اس اعتراف کی بنا پر بھی کہ دوسرے ائمہ کے دلائل کے بارے میں میری واقفیت کم ہے۔

(۴) میں نے کتب مالکیہ کی طرف مراجعت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، کیوں کہ اصل کتاب انہیں کے مسلک پر ہے اور اس سلسلے میں امام مالک کے جو اقوال آئے ہیں ان کی تائید میں میں نے المدونہ وغیرہ کی عبارتیں دی ہیں۔

(۵) بحمد اللہ میں نے ائمہ اور مشائخ کی شان میں بے ادبی کرنے سے اجتناب کیا ہے باوجودیکہ کہ جہاں میرے فکر کوتاہ نے رہنمائی کی میں نے بعض کو بعض پر ترجیح دینا نہیں چھوڑا، کیوں کہ تمام ائمہ اور مشائخ (اللہ تعالی ان سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے) نے روایات کی تنقیح اور مسائل کی تحقیق میں پوری کوشش کی، اور ان کا اختلاف امت کے لئے رحمت ہے اور ان میں سے ہر ایک کے وہ صحابہ قدوہ ہیں جو ہدایت کے چراغ ہیں، اور سب کو ان شاء اللہ اس پر ثواب ملے گا............ ۔ (اوجز المسالک اول نیا ایڈیشن ص ۱۷۰، ۱۷۱)

حضرت شیخ الحدیثؒ نے اوجز المسالک کے مقدمہ میں اپنے مراجع کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ انہوں نے اوجز کی تالیف میں کن کتابوں سے نقل و استفادہ کیا ہے، مراجع کی اس فہرست میں چاروں فقہی مسالک کی بہت اہم اور بنیادی کتابیں ہیں، بہت سی وہ کتابیں ہیں جو ہمارے درسی حلقوں میں معروف و مروج نہیں تھیں، پھر مصنف نے ان کتابوں سے جس طرح نقل و استفادہ کیا ہے اس سے ان کی فقیہانہ نظر اور تصنیفی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اوجز المسالک کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ائمہ کے مسالک نقل کرنے میں بڑی تحقیق واحتیاط سے کام لیا گیا ہے، عام طور پر شارحین حدیث اس میں غیر محتاط واقع ہوئے ہیں، ایک دو کتابوں سے تمام ائمہ کے مسالک واقوال نقل کردیتے ہیں، اس کا اہتمام نہیں کرتے کہ ہر امام کا مسلک اس کے فقہ کی مستند کتابوں سے نقل کریں، حضرت شیخ نے اس کا اہتمام فرمایا کہ ائمہ فقہ کے مذاہب خود ان کی فقہ کی مستند کتابوں سے نقل کریں، پھر حضرت شیخ کو اللہ تعالی نے اختصار وتلخیص کا غیر معمولی ملکہ عطا فرمایا تھا، بہت مفصل مباحث کو وہ چند صفحات میں بڑی مہارت اور ہنرمندی سے سمو دیتے ہیں اور ان کا ذہن چونکہ موسوعی (انسائیکلوپیڈیائی) تھا اس لئے بحث لکھتے وقت اس کی کامیاب کوشش کرتے ہیں کہ مسئلہ کا کوئی قابل ذکر پہلو چھوٹ نہ جائے، اس لئے شیخ کے چند صفحات میں بسا اوقات کئی کتابوں کا مواد سمٹ آتا ہے، میں نے جب بھی کسی مسئلہ کی تحقیق میں اوجز المسالک کی طرف رجوع کیا اور وہ بحث مجھے اوجز میں مل گئی تو اتنے نقول اور حوالے ہاتھ آگئے جو اس مسئلہ کے تمام اطراف کو جاننے کے لئے کافی تھے۔

اوجز المسالک میں سینکڑوں فقہی مسائل پر کافی تفصیل اور تحقیق سے لکھا گیا ہے، ایک ایک مسئلہ پر چار پانچ صفحات کی بحثیں اور بہت سے مسائل پر دس پندرہ صفحات کی بحثیں مختلف جلدوں میں بکھری ہوئی ہیں، انہیں اگر یکجا کر کے نئے انداز سے تحقیق وتعلیق کے ساتھ مرتب کیا جائے تو کئی جلدوں پر مشتمل کتاب بن سکتی ہے۔

فقیہ النفس محدث وفقیہ کی طویل صحبت

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کاندھلوی کے مخصوص ترین استاد اور شیخ حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ تھے، حضرت شیخ ان کے در سے اس طرح وابستہ ہوگئے کہ اپنے استاد کی وفات تک ان کے ساتھ رہے، ان کے تمام علمی وتصنیفی کام میں ان کے دست راست رہے

خصوصاً بذل المجہود کی تالیف میں اپنے شیخ کی بہترین معاونت کی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ بجا طور پر اپنے شیخ و مرشد کے جانشین ہوئے اور ان کے علمی ذوق و مزاج کو بھی پایا، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جلیل القدر محدث ہونے کے ساتھ بلند پایہ فقیہ و مفتی بھی تھے، فقہ و فتاوی میں ان کی مہارت ان کے معاصرین کے نزدیک مسلم ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ جیسے عباقرہ بھی فقہی مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، اور مختلف فیہ مسائل میں مفتیان کرام ان کو حکم مانتے تھے جیسا کہ فتاوی مظاہر العلوم جلد اول میں درج ان کے فتاوی سے ظاہر ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی صحبت میں طویل عرصہ رہ کر اور ان کے جانشین ہو کر ان کا فقہی ذوق و مزاج حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ میں منتقل نہ ہوتا تو حیرت ہوتی، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے اگرچہ فتوی نویسی کی دنیا سے اپنے کو دور رکھا لیکن فقہ اسلامی میں ان کا رسوخ ان کی تحریروں سے واضح ہے۔

فقہی تصانیف

فقہی موضوعات پر مستقل طور سے ان کی تصنیفات اور تحریریں بہت مختصر ہیں، جناب مولانا محمد شاہد صاحب نے اپنی کتاب ''فہرست تالیفات شیخ'' میں تالیفات شیخ کی فن وار فہرست سازی کرتے وقت فقہ و اصول فقہ کے تحت حضرت شیخ کی درج ذیل کتابوں کا نام تحریر کیا ہے۔

(۱) اختلاف الائمہ
(۲) جزء المناط
(۳) جزء اختلافات الصلوۃ
(۴) جزء رفع الیدین
(۵) داڑھی کا وجوب
(۶) شذرات ہدایہ، نور الانوار۔

ان کتابوں کا مختصر تعارف ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اختلاف الائمہ

یہ کتاب حضرت شیخ کا مضمون ہے جو ماہنامہ ''المظاہر'' سہارنپور میں قسط وار شائع ہوا، اس کتاب میں مصنف نے اختلاف ائمہ کے اسباب پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ جب تمام ائمہ مجتہدین قرآن پاک اور احادیث نبویہ سے احکام کا استنباط کرتے ہیں تو ان حضرات کے درمیان مسائل میں اتنے زیادہ اختلافات کیوں ہیں مصنف کے تصنیفی منصوبہ کے اعتبار سے تو یہ تحریر مکمل نہیں ہوسکی تھی لیکن جتنی بھی ہے بڑی چشم کشا اور فکر انگیز ہے، پہلی مرتبہ ۱۳۹۱ھ میں یہ مضمون کتابی صورت میں سہارنپور سے شائع ہوا۔

جزء المناط

یہ پندرہ صفحات کا رسالہ ہے جس میں تنقیح مناط، تحقیق مناط اور تخریج مناط پر بحث کی گئی ہے، مناط کی بحث بڑی اہم اصولی بحث ہے جس پر قیاس واستنباط احکام کا مدار ہے، شیخ نے اس موضوع پر یہ مختصر تحریر تیار کی، میری معلومات کی حد تک یہ تحریر اب تک شائع نہیں ہوئی ہے۔

جزء اختلافات الصلوۃ

اس کتاب کا پس منظر اور تعارف خود مصنف علیہ الرحمہ کے الفاظ میں یہ ہے:

''مشکوۃ شریف'' پڑھانے کے زمانہ میں میری تقریر کا خلاصہ یہ رہا کہ رفع یدین، فاتحہ خلف الامام آمین بالجہر وغیرہ تین چار مسائل کی کیا خصوصیت ہے کہ جس پر یہ معرکے مناظرے مجادلے ہر جگہ ہوتے رہتے ہیں۔ اختلاف یہ ہے کہ رفع یدین سنت ہے یا عدم رفع، اسی طرح سے آمین بالجہر وغیرہ میں اسی نوع کے اختلاف ہیں، اس کے لئے میں نے نماز کی چار رکعتوں کے اختلاف جمع کرنے شروع کئے تھے اس وقت دوسو سے زائد ہوگئے تھے بعد میں ان پر اور اضافے بھی ہوئے۔ میں یہ بیان کرتا ہوں کہ ان چار مسائل میں اور ان دوسو میں کیا فرق ہے، وہی سنت اور عدم سنت کا اختلاف اور وہی روایات سے استدلال، پھر ان چار میں کیا خصوصیت

ہے کہ یہ اعتقادیات کے درجہ میں ہو گئے۔ (آپ بیتی نمبر۲ ص ۱۵۸)

حضرت شیخ الحدیثؒ کی یہ کتاب میری معلومات کی حد تک اب تک شائع نہیں ہوئی ہے، جناب مولانا شاہد صاحب کے بیان کے مطابق اس کتاب کا مسودہ درمیانی سائز کے ۳۲ ر صفحات پر ہے۔

جزء رفع الیدین

رفع یدین کا مسئلہ محدثین اور فقہاء کے یہاں کافی اہمیت کا حامل رہا ہے خود اس مسئلہ پر دورِ قدیم سے دورِ جدید تک بہت سی تحریریں لکھی گئی ہیں، حضرت شیخ نے بھی اس موضوع پر مفصل رسالہ لکھا ہے جو ''فہرست تالیفات شیخ'' کے مطابق بڑے سائز کے اسی صفحات پر مشتمل ہے، اگرچہ ''آپ بیتی'' (نمبر۲ ص ۱۵۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے خاکہ کے مطابق یہ کتاب مکمل نہ ہو سکی لیکن جتنی بھی ہے اس کی اشاعت ہونی چاہئے۔

داڑھی کا وجوب

داڑھی کے وجوب اور اس کی اہمیت و ضرورت پر یہ ایک مختصر لیکن جامع رسالہ ہے جس میں اختصار کے ساتھ وجوب کے دلائل، احادیث اور فقہاء کی تصریحات یکجا کی گئی ہیں، اس کتاب کی پہلی اشاعت کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے تیس صفحات پر ہوئی، اس رسالہ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی، بے شمار ایڈیشن نکلے، اس کے عربی ترجمہ کی بھی متعدد بار بڑے پیمانے پر اشاعت ہوئی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (فہرست تالیفات شیخ جلد دوم ص ۵ تا ۲۵)

شذرات ہدایہ، نور الانوار، درمختار، حسامی

یہ کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ حضرت شیخ نے ہدایہ، نور الانوار، درمختار، حسامی کی تدریس کے دوران جو تعلیقات و حواشی لکھے تھے ان کا مجموعہ ہے، یہ سب غیر مطبوعہ ہیں، ان کے

تعارف کے لئے ملاحظہ ہو۔ (فہرست تالیفات شیخ ج دوم ص:۴۴ تا ۴۷)

فقہی ذوق ومزاج

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فتوی نویسی سے بہت بچتے تھے ان کی یہ روش سلف کی پیروی میں تھی، خیر القرون میں اہل علم فتوی دینے سے بہت گریز کرتے تھے، ایک عالم کے پاس کوئی فتوی کے لئے جاتا، وہ خود فتوی دینے کے بجائے سائل کو دوسرے کے پاس بھیجتا، دوسرا تیسرے کے پاس بھیجتا، حتی کہ بسا اوقات سائل چکر لگاتا ہوا پھر پہلے شخص کے پاس پہونچ جاتا، دور سلف میں عام طور پر فتوی سے اجتناب واحتیاط کی روش تھی، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ سلف کی اسی روش پر پوری مضبوطی کے ساتھ قائم تھے۔

حدیث غزوہ قسطنطنیہ اور مغفرت یزید کے موضوع پر ایک استفتاء کے جواب میں حضرت شیخ نے مدیر تجلی دیوبند مولانا عامر عثمانی مرحوم کو جو تحریر بھیجی اس کا ابتدائی حصہ یہ ہے:

''کئی دن ہوئے اول رسالہ تجلی اور پھر گرامی نامہ پہونچا'' رسالہ کی آمد سے تعجب ہوا کہ کیوں آیا، معمولی ورق گردانی سے بھی پتہ نہ چلا کہ کیوں آیا، پھر گرامی نامہ کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کوئی استفتاء اس میں ہے تو خیال ہوا کہ دارالافتاء میں بھیج دوں اس لئے کہ یہ ناکارہ مفتی نہیں ہے، نہ فتاوی کے جواب لکھتا ہے، اس ناکارہ کے نام جو فتاوی آتے ہیں وہ دارالافتاء ہی میں بھیج دیتا ہے، بلکہ زبانی بھی کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہے تو مفتی صاحب کے پاس بھیج دیتا ہوں کہ افتاء کی ذمہ داری سخت ہے اور یہ ناکارہ افتاء کا اہل نہیں ہے''۔ (معارف شیخ اول ص ۵۴)

جے پور کے ایک عالم مولانا عبدالجبار صاحب تھے، انہوں نے بار بار حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے مختلف علمی سوالات کئے، زیادہ تر سوالات احادیث نبویہ کی تشریح وتوضیح کے بارے میں ہوا کرتے تھے، صحاح ستہ کی مختلف احادیث اور ان کی مشکلات کے بارے میں ان کے سوالات ہوتے تھے، کچھ سوالات فقہی مسائل وغیرہ کے بارے بھی ہوا کرتے تھے اور ان

کا اصرار ہوتا تھا کہ حضرت شیخ خود ان کے جوابات دیں۔ دارالافتاء وغیرہ کے حوالہ نہ کریں۔ ان کے اصرار پر حضرت شیخ نے ان کے بعض فقہی سوالات کے جوابات بھی لکھے، ''مکتوبات علمیہ'' مرتب کردہ جناب مولانا محمد شاہد سہارنپوری میں زیادہ تر انہی مولانا عبدالجبار صاحب کے سوالات اور حضرت شیخ کے قلم سے ان کے جوابات ہیں، کاش مرتب نے مکتوب الیہم کا تعارف بھی کرادیا ہوتا اس مجموعہ کا ایک سوال اور اس کا جواب نقل کررہا ہوں جس سے حضرت شیخ کے فقہی ذوق ومزاج اور کشادگیٔ ذہن کا بھی اندازہ ہوتا ہے، مولانا عبدالجبار صاحب سوال کرتے ہیں۔

غیر مقلدین غیر متشددین جو ہم اہل سنت والجماعت کو فرقۂ ناجیہ سمجھتے ہیں اور ہمارے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور اختلافات کو فروعی اختلافات سمجھتے ہیں وہ فرقۂ ناجیہ میں داخل ہیں یا نہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (نوٹ) آپ لکھ دیا کرتے ہیں کہ ایسے سوالات کے جوابات مفتیٔ مدرسہ سے دریافت کریں! سو مجھ کو مولانا آپ کے بغیر کسی مفتی سے تسلی نہیں ہوتی اس لئے یہ تکلیف آپ کو دی گئی ہے، ورنہ ان مسائل میں رسائل بہت لکھے گئے ہیں میں صرف اپنی دلی تسلی آپ کے علمی فیوض سے چاہتا ہوں جو آپ کی تحقیق ہو وہ لکھ دیں اللہ تعالی آپ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور آپ کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے، مولانا یہ آپ ہی کی ہستی ہے جو میرے سوالات پر علمی توجہ فرماتی ہے، ورنہ میں نے کئی علماء پر اپنے شکوک پیش کئے سب نے اپنے اعذار باردہ پیش کرکے سوالات واپس کردیئے۔ فواأسفاً على علمائنا المدرسين والمفتيين فالى الله المشتكى و قال الله تعالى: فاسئلوا اہل الذكر ان كنتم لا تعلمون و قال تعالى و فوق كل ذى علم عليم، پس آپ خدارا میرے سوالات پر خاص توجہ فرماکر جواب روانہ فرمائیں۔

عبدالجبار غفرلہ

اس سوال کے جواب میں حضرت شیخ نے تحریر فرمایا:

الجواب! اس سوال کا تعلق یقیناً اہل فتاوی سے ہے، بندہ مفتی نہیں ہے اس لئے فتوی میں بندہ کا قول حجت نہیں اور بندہ ذاتی طور پر اس میں متشدد بھی نہیں، ان کو فرقۂ ناجیہ میں بے تردد سمجھتا ہے، ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتا ہے بشرطیکہ کوئی ایسا فعل امام نہ کرے جس کی وجہ سے حنفی مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے مثلاً ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھی جائے جس پر منی لگی ہوئی ہو یا خون وغیرہ نکلنے کے بعد وضو نہ کی ہو وغیرہ وغیرہ۔

محمد زکریا کاندھلوی

انہیں مولانا عبدالجبار صاحب نے ایک دوسرے موقع پر شیخ سے یہ سوال کیا عقائد غیر مقلدین واحناف دیوبند میں مساوات ہے یا نہیں؟ اس پر ضرور تبصرہ فرمائیں۔

حضرت شیخ نے مختصر جواب تحریر فرماتے ہوئے لکھا:

جہاں تک مجھے علم ہے عقائد میں کوئی اختلاف نہیں، اعمال میں اختلاف ہے فقط۔

(مکتوبات علمیہ اول ص ۱۱۸)

مکتوبات علمیہ جلد اول میں بہت سے فقہی مسائل اور فوائد ہیں جن کا مطالعہ کرنے سے حضرت شیخ کے فقہی ذوق ومزاج اور اعتدال کا پتہ چلتا ہے، مکتوبات علمیہ اول کے بعد ہمیں اس کے دوسرے اجزاء کا شدت سے انتظار ہے، کاش اس کتاب کے مرتب جناب مولانا محمد شاہد صاحب دامت برکاتہم اس اہم کتاب کو مکمل فرمادیں اور حضرت شیخ کے دوسرے علمی مکاتیب کو بھی زیور طبع سے آراستہ فرمائیں۔

معارف شیخ کے نام سے بھی جناب مولانا محمد شاہد صاحب نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے گہر پاروں کی اشاعت شروع کی تھی اس کی جلد اول ہمارے پیش نظر ہے، اس میں حضرت شیخ کی چھ تحریریں شامل ہیں، پہلی تحریر جو تیس صفحات پر مشتمل ہے

’’امارت شرعیہ کی حقیقت واہمیت اوراس کے اصول وآئین‘‘ کےعنوان سے ہے،مسئلہ امارت و قضا پر شیخ کا یہ رسالہ کتب فقہ پران کی وسیع نظر کا غماز ہے،اس مختصرسی تحریر میں فقہ کی ایسی بہت سی کتابوں کے حوالے اور اقتباسات ہیں جو عام اہل افتاء کی دسترس سے باہر تھیں خصوصاً اس زمانے میں جب یہ تحریر مرتب کی گئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی فقہی ذخیرہ پر بڑی وسیع نظر تھی،شروح حدیث میں انہوں نے فقہی مسائل پر فاضلانہ اورمحققانہ کلام کیا ہے،فقہاءمجتہدین اورفقہائے متاخرین کے اقوال وآراءکواصل مراجع سے نقل کرنے کا بڑااہتمام فرمایاہے،ضرورت ہے کہ حضرت شیخ کی فقہی تحریروں اور فقہی مباحث کو الگ سے مستقلاً شائع کیا جائے تا کہ ان کا فقہی مقام زیادہ اجاگر ہواوران کی آراء سے استفادہ زیادہ عام ہو۔

تصنیفات وتالیفات

الكوكب الدري على جامع الترمذي
کی
اہم خصوصیات

حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
(دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الأمين سيدنا محمد و على آله و صحبه أجمعين۔

یہ بات راقم ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام دینی وعلمی حلقوں کے لئے باعث مسرت وطمانینت ہوگی کہ ایسی شخصیت پر مجلس مذاکرہ منعقد ہورہی ہے اور اس میں ہمیں شرکت کی سعادت حاصل ہورہی ہے، جوایک حقیقت شناس، بالغ نظر مفکر(۱) کے بقول، برکۃ العصر تھی، اوراس میں ذرہ برابر نہ مبالغہ ہے نہ کسی واقف کے نزدیک شک وشبہ کی گنجائش ہے، حضرت شیخ الحدیثؒ (جو حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کے لئے 'صفت' کے بجائے ان کا گویا ''علَم'' بن گیا تھا) کے برکات وفیوض اورافادات وافاضات کے پہلوؤں کا شمارواحاطہ آسان نہیں، ان پر بھی، سمینار کے اورشرکاء توقع ہے کہ بھرپور روشنی ڈالیں گے۔

۱؎ یہ بات بہت معروف ہے کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو متعدد بار ''برکۃ العصر'' فرمایا تھا۔

راقم کوتو سمینار کے ذمہ داروں نے عنوان بالا پر خامہ فرسائی کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ اچھا ہی ہوا کہ شرکاء کے لئے عنوانات کا تعین کر دیا گیا، اس طرح زیادہ سے زیادہ گوشوں پر نظر پڑ سکے گی، اور ایک طرح سے آں مخدوم کے کمالات کا فی الجملہ احاطہ ہو سکے گا، ورنہ بعض پہلوؤں کے مکرر ہونے کا امکان تھا، اور بعض کے مخفی رہ جانے کا۔

الکوکب الدري جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں، اگرچہ قطب الارشاد محدث عصر حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے ترمذی شریف کے درسی افادات کا مجموعہ ہے جو انہیں کے چہیتے اور ہونہار شاگرد (جو بمنزلۂ فرزند کے تھے) نے قلم بند کیے، اور افادۂ عام کی غرض سے انہیں شستہ وشگفتہ عربی کا جامہ پہنایا، لیکن چونکہ موصوف کے فرزند جلیل اور نجل رشید، برکۃ العصر حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے اپنے نہایت بیش قیمت حواشی کے ساتھ مزین کر کے شائع فرما کر استفادہ کے لئے وقف عام کیا، اس لئے حضرت شیخ الحدیث کے کارناموں میں ہی شامل سمجھنا بالکل صحیح اور برمحل ہے، کیونکہ اگر حضرت اقدس کی مساعی شامل نہ ہوتیں تو یہ کنزِ مخفی ہی رہتا، اور اس سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکتا، چنانچہ حضرت کے سبط عزیز مولانا محمد شاہد صاحب زید فضلہ نے ''تالیفات شیخ'' کے ہی اندر اسے شامل فرما کر تعارف کرایا ہے۔

اس مقالہ کی ابتداء میں اسی سے لے کر ''الکوکب الدري'' کی ترتیب واشاعت کی بابت ضروری ابتدائی معلومات ذیل میں فراہم کی جا رہی ہیں، جن سے بعض ممتاز علماء عصر کی قدر دانی اور کوکب کی اہمیت وفیض رسانی کا بھی کچھ حال معلوم ہوگا، بعد ازاں راقم اپنی معروضات پیش کرے گا۔

کوکب کی ترتیب سے متعلق کچھ باتیں حضرت شیخ الحدیثؒ کے حوالہ سے مذکور ہیں: ''یہ قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ترمذی کی تقریر ہے جس کو میرے والد صاحب نے پڑھنے کے زمانہ میں عربی میں لکھا تھا اور مشائخ درس بہت کثرت سے اس کی نقلیں بہت گراں

قیمت پر طلبہ سے کراتے تھے، جہاں تک مجھے یاد ہے حضرت مولانا الحاج اصغر حسین صاحب دیو بندیؒ (شیخ الہند کے ممتاز وصاحب نسبت شیخ وقت شاگرد، دارالعلوم دیو بند کے استاد حدیث) نے پچہتر روپئے (آج سے تقریباً پون صدی قبل کے، آج کے ہزاروں روپئے) میں نقل کرائی تھی، ....احباب کا شدید اصرار اس کی طباعت پر رہا، بالخصوص حضرت مدنی قدس سرہ کا، مگر میرے ذہن میں تھا کہ جب تک علماء میں سے کوئی نظر ثانی اور مختصر حواشی اس پر نہ لکھے طبع نہ کرائی جائے، حضرت مدنی قدس سرہ وغیرہ سے بار بار درخواست کی لیکن مشاغل کی وجہ سے کوئی بھی راضی نہ ہوا، اس لئے ''اُوجز المسالک'' کی تالیف چند سال کے لئے روک کر اس کا کام شروع کرنا پڑا۔

......حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے بخاری شریف اور ترمذی شریف کی درسی تقریریں کامل تیقظ و بیداری وحاضر دماغی کے ساتھ قلم بند فرمائیں، ۔اور حسب تحریر خود۔ جب تک تقریر کے لکھنے سے فارغ نہ ہوجاتے کسی دوسرے کام میں مصروف نہ ہوتے۔

طباعت اور حواشی کی تفصیلات

کوکب جلد اول کے حواشی سے فراغت ربیع الاول ۱۳۵۲ھ اور جلد ثانی سے فراغت رجب ۱۳۵۳ھ میں ہوئی، صفر ۱۳۵۲ھ میں حضرت ہی کے قلم سے اس پر مزید حواشی کا اضافہ ہوا، ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ میں اس کی طباعت واشاعت پہلی مرتبہ (دو جلدوں میں) عمل میں آئی، دوسرا ایڈیشن ۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور مولانا سید محمد عاقل مظاہری کے مقدموں کے ساتھ عربی ٹائپ پر چار جلدوں میں شائع ہوا، اس کے بعد چند ایڈیشن مختلف جگہ سے اور شائع ہوئے (جن کی تفصیل وہاں دیکھی جاسکتی ہے)، زیادہ تر وہ مطبوعات اسی (لکھنوی) نسخہ کا چربہ ہے، آئندہ سطروں میں اسی لکھنوی نسخہ کے حوالے دیے جائیں گے، یہاں اس نام ''الکوکب الدري'' کے انتخاب پر حسن ذوق کی داد نہ دینا بھی بیدادی ہوگی۔

ترمذی شریف کی شرحیں اور حواشی

صحاح میں ترمذی کا جو مقام ہے اس سے کوئی صاحب علم ناواقف نہ ہوگا، حکیم الاسلام حضرت الامام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اہمیت اور قدر و قیمت بڑے بلیغ و مؤثر انداز میں بیان کرتے ہوئے آخر میں یہ تک فرمادیا:

إنه كاف للمجتهد و مغن للمقلد (حجة الله البالغة ص ١٥١ ج ١، طبع منبريه، دمشق)

مگر عجب بات ہے کہ اس کی شرح کرنے والے حافظ ابن حجرؒ وعلامہ عینیؒ نیز امام نوویؒ و خطابیؒ (جنھوں نے بالترتیب صحیح البخاری، صحیح مسلم، اور ابوداؤد کی گراں قدر شروح لکھیں) کی سطح و مرتبہ کے علماء نظر نہیں آتے بلکہ شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ 'تحفۃ الأحوذی' سے پہلے کی۔ کوئی مفصل شرح جس سے کتاب کا حق ادا ہو سکے، نہیں ملتی (الله أعلم بأسرار قضاءه) البتہ مختصر شروح، یا حواشی و تعلیقات متعدد قدیم اور عصر قریب کے اکابر علماء سے منقول و دستیاب ہیں۔

ادھر کوئی ایک صدی کے اندر کبار علمائے اہل درس کی درسی تقریروں کے منضبط کرنیکی ہند میں ایک اچھی روایت قائم ہوئی تو متعدد قیمتی اور اہم علمی یادداشتیں مرتب ہوکر منظر عام پر آگئیں، ان میں غالبًا سب سے اولین اور نہایت بیش قیمت، ''ماقل ودل'' دریا بکوزہ' کا مصداق وہ مجموعۂ افادات ہے جس کے تعارف اور خصوصیات کے بیان کا شرف اس وقت حاصل کیا جارہا ہے۔

اجمالی طور پر یہ کہنا یقیناً درست ہوگا کہ اس مختصر مجموعہ میں وہ سب کچھ ہے جو کسی کتاب کی شرح و توضیح کے لئے کافی و وافی ہو مگر اس کی تفصیل کے لئے بڑے بڑے دفتر درکار ہیں، یہاں یہ وضاحت غیر ضروری نہ سمجھی جائے گی کہ ترمذی شریف صرف احادیث صحاح وحسان وغیرہ کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ فقہ مقارن، (تقابلی مطالعہ) کی بہترین اور اولین مثالوں میں سے ایک اہم مثال ہے، اس جیسی کتاب کی شرح و بسط کے لئے جن جن امور کی ضرورت ہونی چاہئے

انہیں یہ مجموعہ بطریق احسن۔مگر ایجاز واختصار سے۔پورا کرتا ہے اور کتاب کے ہر ہر گوشے کو نیر تاباں کی طرح منور کرتا ہے (گویا اسم بامسمی کی اسے نمایاں مثال کہا جاسکتا ہے)۔

ترمذی شریف جیسی حدیث کی کتاب جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔جسے فقہ مقارن کی اہم مثال قرار دیا گیا ہے۔کی شرح کے لئے جن جن امور کی ضرورت ہے ان کے ضروری عنوانات کچھ اس طرح ہو سکتے ہیں:۔(۱) تحقیق متن (۲) تحقیق سند (۳) رفع تعارض وتطبیق (۴) ترجیح (اگر تطبیق ممکن نہ ہو) اور قول وفعل کا اظہار واختیار (۵) جو مسلک راجح ہو اس کی تائید (صاحب 'مجموعہ' کے نزدیک عموماً فقہ حنفی راجح ہے لہٰذا اس کی اکثر جگہ ترجیح وتائید) جسکے لئے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اقوال سلف سے استدلال (۶) فقہ اور اصول فقہ وحدیث سے گہری مناسبت (۷) دقیق ومشکل مقامات کا حل (۸) لغوی تحقیقات (۹) احادیث، بالخصوص نادر احادیث کی تشریح اور مراد کا تعین (۱۰) فن رجال (۱۱) اصول حدیث (۱۲) مقاصد شریعت کا لحاظ (۱۳) تقوی اور مسئولیت عنداللہ کا استحضار (۱۴) تزکیۂ نفس (۱۵) غامض ودقیق مضامین کی اطمینان بخش وسہل تشریح (۱۶) اقوال علماء کی تنقیح، عموماً ان کے فقہی اصول کی روشنی میں (۱۷) ادبی ذوق (۱۸) فن طب کا لحاظ (ظاہر ہے کہ ان عنوانات کے اندر احاطہ نہیں ہو جاتا اس کے علاوہ بھی بعض اور عنوانات ذکر کئے جاسکتے ہیں) اس ''کوکب دری'' میں یہ سب امور دستیاب ہو سکتے ہیں مگر تلاش وجستجو اور غور وفکر شرط ہے، مزید برآں صاحب تقریر کی ذہانت وبصیرت اور ژرف نگاہی وبالغ نظری اور قلب کی پاکیزگی نے چار چاند لگا دئے اور سونے پر سہاگہ کا مصداق بنا دیا فجزاهم الله أحسن الجزاء۔

قبل اس کے کہ اس دعوی بلکہ دعاوی پر شہادتیں پیش کی جائیں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب بلکہ ضروری معلوم ہو رہا ہے کہ اس مجموعہ کی قدر وقیمت بڑھانے میں مرتب کے ذوق جمیل، فطرت سلیم، ذکاوت طبع، قوت اخذ اور ذہن ثاقب کا جہاں بہت کچھ دخل ہے وہاں ان

کے خلف الرشید اور نجل اعظم شیخ العرب والعجم یعنی محدث جلیل (حضرت شیخ الحدیث مولانا ومرشدنا محمد زکریا قدس اللہ سرہ) کے نہایت بیش قیمت فنی حواشی کا بھی بڑا حصہ ہے، ان شاء اللہ یہاں اس کے بھی کچھ نمونے پیش کئے جائیں گے (ان حواشی کی قدر و قیمت کا فی الجملہ اعتراف بعض ایسے علماء نے بھی کیا ہے جو ''الکوکب الدري'' کو چنداں اہمیت دینے پر آمادہ نہیں نظر آتے)، مثلاً مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبیداللہ مبارک پوری نے اپنے والد مولانا عبدالسلام کی مشہور تصنیف ''سیرت البخاری'' کے اخیر میں حاشیہ پر ترمذی کی نئی شروح وحواشی کا تعارف کراتے ہوئے ''الکوکب الدري'' کے بارے میں لکھا ہے ''(حضرت) شیخ الحدیث ناشر کے تحشیہ نے اسے کچھ کارآمد بنا دیا ہے، (ص ۳۶۵، طبع چہارم ۱۹۸۶ھ)، ان جیسے لوگوں کی طرف سے اتنے الفاظ میں تعریف کر دینا بھی اس کا ثبوت ہے کہ اس کتاب کے حواشی بڑے ہی قابل قدر ہیں۔

اصل مقصد کے بیان سے پہلے ایک خاص بات کی طرف توجہ دلانا شاید بے محل نہ ہوگا کہ حضرت گنگوہیؒ اگر چہ مسلکاً پکے حنفی تھے مگر ادب تام ائمہ کا ملحوظ رکھتے تھے، چناچہ ائمہ کا نام احترام سے ذکر فرماتے تھے اور ناموں کے ساتھ ترحیم وترضی کے کلمات بھی عموماً ذکر فرماتے تھے۔

اب ہم اس اجمال کی تفصیل پیش کرتے ہوئے ان امور کے کچھ شواہد پیش کرتے ہیں جن کا ذکر اوپر آیا مگر خیال رہے ان سب کا احاطہ بہت مشکل بلکہ تھوڑے وقت اور مقالہ کے لئے جو حجم مقرر کیا گیا ہے، اس میں سمیٹنا عملاً ناممکن ہے، اس لئے ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے بطور اور'' اذا لم يدرك كله لم يترك كله'' کے اصول پر چند ہی مثالوں پر اکتفا کیا جائے گا۔

(۱) یہاں مجتہدین کے اختلاف کی تنقیح کے سلسلہ میں یا یوں کہہ لیجئے کہ ان کے فقہی اصول کی تنقیح کا (ابتدائے کتاب سے) ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

حدیث نبوی (على صاحبه الف تحية و سلام) '' لا تقبل صلوة بغير

طھور‘‘الخ) کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ومما ينبغي أن يتنبه له أن الأئمةالأربعة رضوان الله عليهم و على من تبعهم قد تفرقت أصولهم التي يتفرع اختلافهم في المسائل الشرعية ......فمن ذلك أنهم اختلفوا في وجه ترجيح المرويات المختلفة فيما بينها فقال مالك رحمه الله تعالى يترجح رواية المدنيين على غيرهم...... و مالم يكن فيه شئى وجب المصير إلى غيرهم، وقال الشافعي رحمه الله : يترجح الحديث بقوة الإسناد فاذا ثبتت الرواية وجب القول بمقتضاها، وإن خالف بعض الأصول الشرعية الثابتة بالروايات الأخر أو الآيات ، غاية الأمر أن تلك الجزئية بنوعها تستثنى من هذه الكلية ، وكان رضى اللّٰه عنه مدة

یہ بات ملحوظ رہے کہ ائمہ کرام (رضوان اللہ علیہم) کے درمیان اصولی اختلاف کی بنا پر ان کے درمیان مسائل شرعیہ میں فروعی اختلاف پایا جاتا ہے ، چنانچہ انہی اختلافات میں سے وہ اختلاف بھی ہے جو باہم مختلف روایات کے درمیان ترجیح کے سلسلہ میں پایا جاتا ہے، چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں : اہل مدینہ کی روایات کو دوسرے لوگوں کی روایات پر ترجیح حاصل ہوگی اوران کی روایت نہ ہونے کی صورت میں دوسرے لوگوں کی روایات کولیا جائے گا اورامام شافعیؒ فرماتے ہیں: اسناد کی قوت کی بنیاد پر روایت کوترجیح حاصل ہوگی ، چنانچہ جب کوئی روایت ثابت ہوجائے گی تو اس پر عمل کرنا واجب اورضروری ہوگا ، اگرچہ وہ بعض ان اصول شرعیہ کے خلاف ہو جو دوسری روایات یا قرآنی آیات سے ثابت ہوں اوراس مخصوص جزئیہ کو قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے گا ،

إقامتها بالحجاز يعمل برواياتهم لكونها أصحح عنده، فلما وردمصر أخذ برواياتهم ...... فتفرقت أقاويله فى مسئلة واحدة وهذا هو المراد بما يذكر فى (كتب) الفقه من قوله القديم والجديد بل الذى ثبت أن له أقاويل ثلاثةً أو أزيد فى بعض المسائل...... وأماأحمد بن حنبل فأكثر أخذه بظاهر الحديث لا غير، و قلما يسيغ فى الحديث اجتهادا، و اذاتعددت الروايات فى مسئلة كان العمل عنده على أيها أحب بل كان له العمل بهذا تارة و بذلك أخرى، وأما إمامنا العلامة (أبو حنيفة) فقال : إن النبى ﷺ كان مقننا يقنن، القوانين و يضع الأصول ليعمل بها و ترجع الفروع إليها وهى العمدة فى العمل فأما ما ورد من

اورامام شافعیؒ قیام حجاز کے زمانہ میں اہل مدینہ کی روایات پرعمل کرتے تھے، اس لئے کہ وہ ان کے نزدیک زیادہ صحیح تھیں اورمصر آنے کے بعد دوسرے لوگوں کی روایات کو آپ نے اختیارکیا، جس کی وجہ سے ایک ہی مسئلہ میں آپ کے اقوال مختلف ہوگئے ،اور کتب فقہ کے اندران کےقول قدیم اورقول جدید کا جوذکرآتا ہےاس سے یہی مراد ہے، بلکہ بعض مسائل میں تو آپ سے تین یااس سے بھی زیادہ اقوال ثابت ہیں ، اور جہاں تک امام احمد بن حنبلؒ کی بات ہےتو آپ زیادہ ترصرف ظاہرحدیث پرعمل کرتے ہیں، اور بہت ہی کم آپ کے یہاں حدیث کے اندر اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے ، اوراگرکسی مسئلہ کے اندرمختلف روایات ہوں توان میں سے کسی ایک پربھی عمل کرنا ان کےنزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، بلکہ کبھی آپ ایک حدیث پرعمل کرتے ہیں اورکبھی دوسری حدیث پر، اور ہمارےامام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: نبی کریمﷺ ایک قانون ساز تھے،آپ قوانین ترتیب دیتے تھےاوراصول مرتب کرتے تھے

الجزئيات التى خالفت بظاهر تلك الأصول المقررة وجب عند الإمام الهمام جمعها بتلك الأصول بضرب من التاويل كزيادة قيد أو تعميم أو تخصيص أو غير ذلك من وجوه التوفيق و مالم يكن جمعها بالأصول وجب قصرها على موردها، و كان عاما استثنى من الأصول بشخصه لا بنوعه"۔ (باختصار یسیر ص ۲۶/۲۷، ج/اول)

تاکہ ان پر عمل کیا جائے اور فروعی مسائل کو ان کی طرف لوٹایا جائے، اور انہی اصول و قوانین پر عمل کا دارومدار ہے، پس وہ جزئیات جو ظاہری طور پر ان ثابت شدہ اصول وکلیات کی مخالف دکھائی دیتی ہیں، امام اعظم کے نزدیک کسی اضافہ یا تعمیم یا تخصیص یا تاویل یا اس کے علاوہ تطبیق کی دوسری صورتوں کے ذریعہ ان کو ان اصول و کلیات کے ساتھ منطبق کرنا ضروری ہے اور ان کے اور اصول کے درمیان تطبیق نہ ہونے کی صورت میں ان کو ان کے مورد تک ہی محدود رکھا جائے گا اور یہ ایسا عام ہوگا کہ صرف اسی کو اصول سے بطور خاص مستثنیٰ قرار دیا جائے گا نہ کہ پوری نوع کو۔

غور فرمایئے کہ ائمہ اربعہ کے اصول ان چند سطروں میں کس خوبی سے بیان ہوگئے جس سے صاحب تقریر کے صرف حنفی اصول پر نہیں بلکہ تمام ائمہ کے اصول پر حاوی ہونے اور ان کے درمیان باریک فرق تک سے باخبر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

(۲) سند کے بارے میں افادات کی بھی ایک مختصر مثال پیش کی جاتی ہے، امام ترمذی نے اسی حدیث کی سند بیان کرتے ہوئے 'سماک' نامی راوی کو دوبار (ایک بار تحویل کے بعد) ذکر کیا ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انما كرر قوله " عن سماك" ليعلم موضع التحويل ، ولأنهما روايتان على أصل أهل الحديث (أي المحدثين) فان السماك في الأول منسب و في الثاني غير منسب و تختلف الرواية عندهم لمثله ۔ (ص۲۶/، ج۱/)

اور ''عن سماک'' دو مرتبہ اس لئے ذکر کیا تاکہ موضع تحویل کا پتہ چل جائے، اور تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ محدثین کے اصول اور ضابطہ کے لحاظ سے یہ دو روایتیں ہیں، اس لئے کہ ''سماک'' پہلی سند کے اندر نسب کے ساتھ مذکور ہیں اور دوسری روایت میں ان کا نسب مذکور نہیں ہے اور اس صورت میں محدثین کے نزدیک روایت الگ الگ مانی جاتی ہے۔

(۳) حدیث کی لطیف تشریح اور مراد کی تعیین کا ایک نمونہ:

حدیث شریف" اذا توضأ العبد المسلم أو المومن فغسل وجهه خرجت من وجهه كل خطيئة ...... حتى يخرج نقيا من الذنوب" کی شرح اس طرح فرمائی:

لما كان الحكم على المشتق يستلزم عليه مأخذ الاشتقاق للحكم وجب القول بأن ذلك الموعود من الأجر اذا كان المتوضى قد أسلم وجهه لله و قد أيقن بقلبه الحضور إلى الله و لما كان كذلك كان العبد تائبا إلى

چونکہ مشتق پر حکم لگانا حکم کے مادہ اشتقاق کی علت ہونے کو لازم ہے تو یہ بات ماننا لازم ہو جاتا ہے کہ جس اجر کا وعدہ کیا گیا ہے یہ اس وقت حاصل ہوگا کہ جب متوضی اپنے آپ کو اللہ کے تابع کر لے اور اپنے دل میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا یقین رکھے، اور جب ایسا ہوگا تو بندہ اللہ

اللہ تعالیٰ بقلبه نادما على ما فرط في جنب الله، مقنعا عما اقترفته يداه، اذاً التيقن بالحضور والإسلام له لا يتركه لا هيا عن ذلك و هذه هي التوبة التي لا تغادر صغيرة و لا كبيرة و لاتترك في كتاب حسابه جريمة و لا جريرة و على هذا لا يفتقر إلى التخصيص بالصغائر و ما ذكروا في أسفارهم من أن المراد الصغائر فقط فمحتمل و يحمل على أن المراد بلفظ العام بعض أفراده و القرينة عليه قوله تعالى: " إن تجتنبوا كبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سيآتكم علق تكفير السيئآت بالاجتناب عن الكبائر۔ (ص۳۲،ج۱)

سے اپنے دل سے توبہ کرنے والا ہوگا، اور جو گناہ اس سے صادر ہوئے ہیں ان پر شرمندہ ہوگا، اور ان سے بچے گا اور پھر اسے اللہ کا ایسا استحضار اور اس کی فرمانبرداری کا ایسا عزم حاصل ہوجائیگا کہ پھر وہ اس سے غافل نہیں رہیگا، اور اسی کا نام توبہ ہے جو صغیرہ وکبیرہ گناہ کو معاف کردیتی ہے اور اس کے نامہ اعمال میں نہ کوئی خطاء باقی رہتی ہے نہ کوئی لغزش اور اس تشریح کے مطابق صغائر کی شرط کی ضرورت نہیں رہے گی اور شارحین کی کتابوں میں جو ذکر ملتا ہے کہ اس سے صرف صغائر کا معاف ہونا مراد ہے، تو اس کا بھی احتمال ہے وہ یوں کہ عام لفظ سے اس کے بعض افراد مراد لیے جائیں اور اس کا قرینہ اللہ تعالی کا یہ قول ہے: ﴿إن تجتنبوا كبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سيئآتكم﴾ کہ یہاں پر اللہ تعالی نے گناہوں کی معافی کو کبائر سے اجتناب پر موقوف فرمایا ہے۔ (ص۲۳ رج۱)

اس توجیہ وتشریح۔ بالخصوص اس کے پہلے حصہ۔ کی لطافت اہل ذوق محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مذکورہ بالا توجیہ کی مزید وضاحت حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے حاشیہ سے ہوتی

ہے، اسے بھی یہاں ذکر کر دینا ''سونے پر سہاگہ'' کے مصداق ہوگا۔

اسی صفحہ کے حاشیہ میں (''لما كان الحكم'' عبارت پر ۱دیکر) حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں:

" يعنى عبر النبى ﷺ بلفظ "المسلم أو "المؤمن" ولم يعبر ه بلفظ " الرجل" فكان فيه إشارة إلى مراعاة صفة الإسلام أو الإيمان" .

حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں: '' اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لفظ ''مسلم'' یا لفظ ''مومن'' استعمال فرمایا ہے، لفظ ''رجل'' استعمال نہیں فرمایا، تو اس کے اندر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ صفت ایمان واسلام کی رعایت کرتا ہو''۔

یہاں حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنے والد ماجدؒ کی ایک اور لطیف توجیہ بھی نقل فرمائی ہے اس کا ذکر بھی فائدہ سے خالی نہیں اور وہ یہ ہے:

" إن المراد بالخطيئة الأعم المطلق لكن لا يمكن أن يبقى على ذمة المسلم كبيرة، فان المسلم إذا صدر عنه كبيرة فيبعدعنه أن يغفل عنه حتى يغسلها بعبرات التوبة، فمن شأن المسلم أن لا يبقى عليه إلا صغيرة"

''خطیئۃ'' سے مراد اعم مطلق ہے، لیکن کسی مسلمان کے ذمہ کبیرہ کا ہونا ناممکن ہے اس لیے کہ مسلمان سے جب کوئی گناہ کبیرہ صادر ہو جائے تو اس سے یہ بعید ہے کہ وہ اس سے غافل ہو، تا آنکہ توبہ کے اشکوں سے اس کو دھو نہ ڈالے، اس لیے کہ مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ اس کے ذمہ صرف صغیرہ ہی ہو۔

(۴) مشکل مقامات کے حل کی ایک مثال: حدیث

لا تشد الرحال إلا إلى ثلثة مساجد المسجد الحرام و مسجدي هذا و المسجد الأقصى۔

کجاوے نہ کسے جائیں مگر صرف تین مساجد کے لئے، مسجد حرام و مسجد نبویؐ اور مسجد اقصیٰ۔

ان احادیث میں سے ہے جن کی تشریح اور مراد کی تعیین میں علماء کے اقوال مختلف رہے ہیں اور مراد کی تعیین میں دشواری محسوس کرتے رہے ہیں، لیکن دیکھئے حضرت گنگوہی کی تشریح:

إعلم أن فى مسئلة شد الرحال إلى الأمكنة الشاسعة والديار النازحة خلافا بين الأئمة فمنهم من حمل على أن النهى عنه عليه السلام إنما صدر لشفقته على أمته، فإنه لو سافر أحد إلى مسجد مصر بعيد يلاقى فى سفره مشاق و تكاليف وليس له فى ذلك المسجد الذى ذهب إليه كثير أجر... ولذا لم يذكر فيها مسجد قباء لأن الصلوة فيها ليست إلا كعمرة، و ثواب العمرة حاصل بجلوسه فى مسجده بذكر الله إلى الطلوع... و أما إذا سافر إلى هذه المساجد الثلاثة التى ذكرت ففى أجرها انجبار لما ناله فى السفر من مكروهات۔ (ص۳۲۱ج۱)

یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ دور دراز مقامات اور جگہوں کا سفر کرنے کے مسئلہ میں ائمہ کرام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ ائمہ میں سے بعض نے اس نہی کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ آپ نے امت پر شفقت کی وجہ سے منع فرمایا، اس لئے کہ اگر کوئی کسی دور دراز شہر کی مسجد کا سفر کرے گا تو اس کو سفر میں بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کو اس پر بہت زیادہ اجر بھی نہیں ملے گا، اسی لئے اس میں مسجد قباء کو شامل نہیں کیا اس لئے کہ اس میں نماز پڑھنا صرف عمرہ کا درجہ رکھتا ہے اور عمرہ کا ثواب آدمی کو اپنی مسجد میں (فجر کی نماز کے بعد سے) طلوع آفتاب تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہنے سے حاصل ہو جاتا ہے اور جب مذکورہ تینوں مسجدوں کا سفر کرے گا تو اس کو اس قدر اجر ملے گا کہ ان کے سفر میں لاحق ہونے والی دشواریوں کی تلافی ہو جائے گی۔

(۵) حدیث کے غامض و دقیق مضامین کی گرہ کشائی اور مقاصد شریعت پر عبور کا نمونہ:

امام ترمذی نے " باب ما جاء فی الصلوۃ فی الحیطان" کا عنوان قائم کیا ہے، اس پر عام لوگوں کا متعجب ہونا مستبعد نہیں، کیوں کہ حیطان (باغات) میں نماز صحیح ہونے میں شبہ کی بظاہر گنجائش نہیں معلوم ہوتی تو پھر امام نے ایسا عنوان کیوں قائم کیا؟ اس کی عقدہ کشائی حضرت نے یوں فرمائی:

الحائط بستان علیه إحاطة ولما کان ھٰھنا مظنة توھم عدم جواز الصلوۃ علی أرض البستان لما تلقی فیھا من المزابل ، دفعه النبی ﷺ بالصلاۃ علیھا۔	حائط اس باغ کو کہا جاتا ہے جس کو چاروں طرف سے گھیر دیا گیا ہو، اور چونکہ باغات کی زمین پر نماز کے عدم جواز کے وہم کا احتمال تھا اس لئے کہ وہاں پر گندگیاں ڈالی جاتی ہیں، تو آپ ؐ نے وہاں نماز پڑھ کر اس کو دور فرمایا۔

اس کے بعد ایک اہم اصل شرعی کا بھی اظہار فرمایا:

و ھذا تصریح منه ﷺ بأن لتبدیل الماھیة تاثیرا فی تنجیس الأشیاء و تطھیرھا۔	اور یہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس بات کی صراحت ہے کہ ماہیت کی تبدیلی کا چیزوں کی تطہیر اور تنجیس میں بڑا اثر ہوتا ہے۔

پھر اس اصل کی مزید توضیح بایں طور فرمائی:

إعلم أن مسئلة تبدل الماھیة کلت فیه الأفھام و زلت فیه الأقدام و أصله أن تبدل المادۃ والصورۃ کلتیھما مؤثر فی ذلك لا	جاننا چاہئے کہ ماہیت کی تبدیلی کے مسئلہ میں لوگوں کے ذہن تھک گئے اور قدم خطا کر گئے اور اس کی اصل یہ ہے کہ مادہ اور صورت دونوں کی تبدیلی اس میں اثر انداز

تبدل الصورة فقط كما توهمه بعضهم، إذ لو كان كذلك لكان خبز العجين المخلوط بالبول طاهرا ولم يقل به أحد۔(ص۳۲۷ج۱)

ہوتی ہے اور فقط صورت کی تبدیلی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو پیشاب سے گوندے گئے آٹے کی روٹی پاک ہونی چاہئے تھی ، حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

حضرتؒ نے یہاں اس مسئلہ پر خاص تفصیلی گفتگو فرمائی ہے مگر اختصار کی غرض سے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے، باذوق سامعین نے اس جگہ زبان کی چاشنی اور ادبیت کا لطف بھی اٹھایا ہوگا! اسی (دقیق ومشکل مقام کے حل) کی ایک اور مثال پیش کی جاتی ہے:

حدیث شریف میں خواب کے سلسلے میں وارد ہوا ہے'' وھی علی رجل طائر'' اس کا مطلب شراحِ حدیث کے لئے عموماً لاینحل سا بنا رہا ہے اور اطمینان بخش توجیہ عموماً نہیں کر پائے ہیں مگر حضرت نے جو توجیہ فرمائی ہے وہ بڑی حد تک قابل فہم اور جی لگتی ہے، فرماتے ہیں:

لعل مراده ﷺ بكونه " على رجل طائر" أن صاحبه لايكون منه استقرار على أمر ما و إنما يتخلج فى نفسه تعبير لرؤياه ثم يبدو له ثان و ثالث فيأخذ فى تغليط ما فهم أو لًا و هكذا فكأنّ رؤياه على رجل طائر فلا يستقر على مقر حتى إذا

ہوسکتا ہے کہ آپؐ کے قول ''کسی پرندے کے پیر پر'' کا مطلب یہ ہو کہ یہ خواب دیکھنے والا کسی ایک حالت پر برقرار نہیں رہتا، بلکہ اس کے دل میں اس کے خواب کی پہلے ایک تعبیر آتی ہے پھر دوسری اور پھر تیسری کوئی تعبیر اس کی سمجھ میں آتی ہے تو یہ پہلی تعبیر کو غلط قرار دینے لگتا ہے اور پھر اسی طرح یہ سلسلہ چلتا

عبـره أول الـمعبرين رسخ قوله فی قلبه لعدم المزاحم۔ (ص۱۹۸ج ثالث)

رہتا ہے، تو گویا کہ اس کا خواب ''کسی پرندہ کے پیر پر'' ہے کہ کسی ایک جگہ نہیں ٹھہرتا حتی کہ جب پہلا معبر اس کی تعبیر بتلاتا ہے تو کسی مزاحم کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کے دل میں بیٹھ جاتی ہے۔

(٦) حدیث کے درسی حلقوں میں یہ بات معروف و مسلم ہے کہ متعارض احادیث میں تطبیق دینا ایک بہت ہی اہم کام ہے، اس تطبیقی عمل کا ہی ایک حصہ یہ بھی ہے کہ حدیث کی ایسی توجیہ کی جائے جس سے دوسری حدیث سے تعارض رفع ہو جائے اور اگر اس عمل میں کسی امام کی تائید یا اس پر وارد ہونے والا کوئی اعتراض رفع ہو جائے تو بہت بہتر سمجھا جاتا ہے، اس کی بہت سی مثالیں جا بجا اسی کتاب (الكوكب الدري) میں ملتی ہیں، ان میں سے ایک یہاں نقل کی جاتی ہے۔

عموماً اہل علم جانتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عشری زمین میں پیدا ہونے والی ہر چیز کی ہر مقدار میں عشر (زکوۃ) واجب ہو جاتا ہے، دیگر ائمہ کا یہ مسلک نہیں ہے، جس کے لئے ان حضرات کی دلیل حدیث'' ليس فی الخضراوات صدقة'' ہے، حضرت گنگوہیؒ اس حدیث کی (امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے) یہ توجیہ فرماتے ہیں:

هـذا عند الإمام مؤول بأن الخطاب فيـه ليـس لـلـمالك و إنما ذلك حكم لـعـمـال الـصـدقة إذا الواجـب فـی الـخـضراوات لا يأخذه السلطان و إنما يدفعه إلى الفقير بنفسه۔ (ص۱۵ج۲)

امام اعظمؒ اس کی یہ تاویل فرماتے ہیں کہ اس کے اندر مالک کو خطاب نہیں ہے بلکہ آپ نے یہ حکم صدقات وصول کرنے والوں کے بارے میں دیا ہے، اس لئے کہ سبزیوں کے اندر واجب ہونے والی مقدار کو سلطان خود نہیں لے گا بلکہ اس کو کسی فقیر کو دے گا۔

اس طرح کی مثالیں بہت ملتی ہیں، یہاں ایک اور مثال نقل جاتی ہے:

اہل علم میں عام طور پر معروف ہے کہ حنفیہ کے یہاں مسجد میں نماز جنازہ (بلا عذر) پڑھنا مکروہ ہے مگر احادیث میں بعض واقعات اس قبیل کے ملتے ہیں، ایسے ہی ایک واقعہ کا ذکر جس حدیث میں آیا ہے اسے یہاں بیان فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

صلى رسول الله ﷺ على سهل بن بيضاء فى المسجد استدلوا بذلك لكنه غير تام فانه ﷺ صلى فى المسجد لعذر المطر و لذلك لم يصل على النجاشي فى المسجد الذى تصلى فيه الصلوات الخمس مع أنه لم تكن الجنازة حاضرة فعلم أن الصلوة فى المسجد من غير عذر مكروه۔ (ص ۱۸۷ ج ثانی)

نبی کریم ﷺ نے مسجد (نبویؐ) کے اندر سہل بن بیضاء کی نماز جنازہ پڑھائی، اس حدیث سے بہت سے لوگوں نے استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال ناقص ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے بارش کے عذر کی وجہ سے مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھائی، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ اس مسجد کے اندر نہیں پڑھائی جس میں نماز پنجگانہ ادا کی جاتی ہے باوجودیکہ جنازہ حاضر بھی نہ تھا، معلوم ہوا کہ بلا عذر مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔

(۷) حضرت گنگوہیؒ جیسا کہ واقفین جانتے ہیں فن طب کے بھی ماہر تھے، چنانچہ بعض مواقع پر اس فن کی روشنی میں حدیث کی توجیہ فرمائی ہے، چنانچہ کتاب الطلاق میں (باب العدۃ) میں زمانۂ جاہلیت کے اندر معتدہ کی حالت زار کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے:

و قد كانت إحدا كن فى الجاهلية ترمي با لبعرة على رأس الحول۔

زمانہ جاہلیت میں معتدہ سال کے اختتام پر مینگنی پھینکتی تھی، (یادرہے کہ زمانۂ جاہلیت میں معتدہ کی مدت عدت ایک سال تھی)۔

سنن ابی داؤد میں اس اجمال کی تفصیل کرنے والا جو واقعہ مذکور ہے وہ بڑا ہی حیا سوز اور ناقابل بیان ہے، (خاص طور پر اس کا آخری جزء، مدارس میں ترمذی کا جو نسخہ متداول ہے

اس کے حاشیہ پر بھی اسے مختصراً نقل کیا گیا ہے) جس میں یہ ہے۔

ثم تؤتی بدابة حمار أو شاة أو طائر فتمسح به قبلها فتفتض به فقلما تفتض بشئی الا قد مات۔

پھر کوئی جانور، گدھا، بکری یا کوئی پرندہ لایا جاتا اور عورت کی شرمگاہ سے اس کو مس کرایا جاتا اور پھر اس طرح وہ معتدہ اپنی عدت سے نکل جاتی اور اکثر ایسا ہوتا کہ جس جانور سے مس کرانے کے بعد وہ عورت عدت سے نکلتی وہ جانور مر جاتا تھا۔

اس کی طبی توجیہ کرتے ہوئے حضرت گنگوہی فرماتے ہیں:

لعل السبب فی موتها ما یحدث فی المرأة من السمیة لعدم الاغتسال و عدم خروجها فی الفضاء والمکان الواسع۔ (ص۲۷۲ج ثانی)

ہو سکتا ہے کہ جانور کی موت کا سبب عورت کے کشادہ جگہ اور کھلی فضا میں نہ نکلنے اور غسل نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہونے والا زہریلا مادہ ہو۔

اگرچہ جانور کے مر جانے کی اور بھی وجوہ ہوسکتی ہیں، مثلاً عورت کا بے چین ہو کر اسے زور سے پٹکنا۔ طب کے ہی قبیل کی ایک اور اہم مثال یہ ہے کہ حضرتؒ نے وہ غلط فہمی دور کی ہے جو "الحبة السوداء" کے بارے میں لوگوں کو ہوئی ہے "الحبة السوداء" کی تاثیر کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، ان سے عموماً لوگوں کے درمیان غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ ہر مرض اور ہر مریض کے لئے بہر حال اس کے اندر شفاء ہے، حضرت نے اس کی صحیح مراد بایں طور بیان فرمائی جس سے غلط فہمیاں پوری طرح دور ہو جاتی ہیں۔

و لا یستلزم ذلك أن یکون کل ترکیبه مفردا أو مرکبا لکل داء

اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو مفرد یا مرکب استعمال کرنے کا ہر طریقہ ہر مرض

بل المراد أنه مفيد لكل داء إذا استعمله الواقف بقاعدة تناسب مزاج المريض بزيادة بعض الأدوية و غيرها۔	میں مفید ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ اس وقت مفید ہوگا جب کوئی ماہر فن شخص اس کو بعض دواؤں کی کمی زیادتی کے ساتھ اس طریقہ سے استعمال کرے کہ جو مریض کے مزاج
(ص۸۳ ج ثالث)	اور طبیعت کے مناسب ہو۔

حضرتؒ کی یہ تشریح بڑی ہی چشم کشا، غلط فہمیوں کو دور کرنے والی اور اصولی انداز کی ہے، اس سے ایسی تمام آیات واحادیث کی صحیح مفہوم ومصداق متعین کیا جاسکتا ہے جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں۔

(۸) جیسا کہ باخبر جانتے ہیں کہ حضرت گنگوہیؒ کا اصل رنگ تو تزکیہ واحسان کا تھا جس کی جھلک اس مقدس ہستی کی ہر ہر ادا میں نظر آتی تھی تو بھلا حدیث نبویؐ کے درس میں کیوں نہ محسوس ہوتی؟ مگر اس رنگ میں عالمانہ بصیرت اور محدثانہ اعتدال تھا، افراط وتفریط نہ تھی، کتاب میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں مگر یہاں صرف ایک نمونہ پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے، مشہور حدیث:

إن الدنيا ملعونة و ملعون ما فيها إلا ذكر الله و ما والاه۔	دنیا اور اس کے اندر کی تمام چیزیں ملعون ہیں مگر اللہ کا ذکر اور وہ جس سے اللہ محبت کرے۔

کی جو تشریح حضرتؒ نے فرمائی وہ ان کے فن تصوف اور حدیث وفقہ میں کامل ہونے کی ایک اہم شہادت قرار دی جاسکتی ہے، حالانکہ عموماً اس حدیث سے ترک دنیا کے مطلوب ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے مگر حضرت فرماتے ہیں:

"ما والاه" أى الذى والاه الله أى أحبه أو المعنى والذى يكون سبب ذكر الله و اتباعه فيدخل فى ذلك أسباب الذكر كا لمناكح و المعايش و العلوم الأدبية و غيرهما مما يحتاج إليه ذكره سبحانه۔ (ص۲۳۸ج ثالث)

''وما والاہ'' کا مطلب یہ ہے کہ جس سے اللہ محبت کرے اور اپنا تقرب عطا کرے، یا یہ مطلب ہے کہ وہ چیز ملعون نہیں ہے جو اللہ کے ذکر اور اس کی اتباع کا ذریعہ ہو چنانچہ اس میں ذکر کی تمام صورتیں داخل ہو جائیں گی جیسے نکاح کرنا ذرائع معاش کا اختیار کرنا اور ادبی علوم اور ان کے علاوہ تمام چیزیں جن کی اللہ کے ذکر کے لئے ضرورت پڑتی ہے۔

معلوم ہوا کہ فکر آخرت کے ساتھ جو عمل بھی۔ شریعت کے دائرہ میں رہ کر۔ کیا جائے وہ سب ''ذکراللہ'' میں شامل ہونے کے لائق ہے، ایسی قیمتی بات وہی کہہ سکتا ہے جو اس بحر کا شناور ہو۔

(۹) تفسیر قرآن مجید پر بھی حضرت کی نظر بڑی گہری اور محدثانہ تھی، سورۃ الانعام کی آیت " لا تدركه الأبصار و هو يدرك الأبصار " کے تحت امام ترمذیؒ نے حضرت عائشہؓ کا یہ معروف اثر نقل کیا ہے جسے آں مخدومہ کے مشہور شاگرد حضرت مسروقؒ یوں بیان کرتے ہیں:

كنت متكأ عند عائشةؓ فقالت: يا أبا عائشة! ثلاث من تكلم بواحدة منهن فقد أعظم الفرية على الله من زعم أن محمدا رأى ربه فقد أعظم الفرية على الله والله يقول: "لا تدركه الأبصار و هو يدرك الأبصار و هو اللطيف الخبير"۔

میں حضرت عائشہؓ کے پاس ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا تھا کہ انہوں نے کہا کہ: اے ابو عائشہ: تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر کوئی ان میں سے کسی کے بارے میں کلام کرے تو وہ اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھنے والا ہوگا، وہ شخص جس نے یہ کہا کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو یقیناً اس نے اللہ پر بڑا جھوٹ باندھا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرتا ہے اور وہ باریک بیں اور تمام چیزوں سے باخبر ہے۔

اس پر حضرت قدس سرہ۔ علم وعرفان سے مملو۔ کیا ہی عجیب کلام فرماتے ہیں:

و من ادعى رؤيته بالأ بصار التى هى له فى الدنيا فلا شك أنه كذب بـآيـات ربـه، ثم إن ابن عباس رضى الله عنه قائل بها،و لا يبعد الـجمع بين المذهبين بأن رؤيته وقعت بقوة قلبه الشريف و قد حلت فى بصره ، إذاً فمن قال برؤيته بقلبه صدق كما قال برؤيته بباصرته۔

اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ آپ ﷺ نے اللہ کو اپنی دنیوی نگاہوں سے دیکھا ہے تو بلا شبہ اس نے اپنے پروردگار کی آیات کو جھٹلایا پھر حضرت ابن عباسؓ اس بات کے قائل ہیں (کہ آپ ﷺ نے اللہ کو دیکھا ہے) اور دونوں مسلکوں کے درمیان اس طور پر تطبیق دی جا سکتی ہے کہ آپ نے اپنے قلب اطہر کی قوت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا جو آپ کی نگاہوں میں آ گئی تھی اور اس صورت میں جو دل کے ذریعہ رویت کا قائل ہے اس کی بات درست ہو جاتی ہے، اور اسی طرح ان لوگوں کی بات بھی درست ہو جاتی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ نگاہوں کے ذریعہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

اس جگہ حضرت نے وہ عقدہ بھی حل فرمایا کہ حضرت عائشہؓ نے اسے ”على الله الفرية“ (اللہ پر بہتان) کیوں فرمایا؟ بظاہر تو ”الفرية على رسول الله ﷺ“ کہنا چاہئے تھا، وہ اس طرح پر کہ:

فلانه تعالى يقول فى كتابه ” و ان لم تفعل فما بلغت رسالته“ ثم انه تبارك وتعالى دعا فى كتابه رسولاً و نبيا ولم يحول رسالته

تو یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر یہ ارشاد فرمایا ہے ”اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو تحقیق کہ آپ نے اللہ کے پیغام کو نہیں پہونچایا“ پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن

منه إلى غيره ﷺ فعلم بذلك أنه لم يكتم أمرا مما أمر بتبليغه۔
(ص۱۳۶،۱۳۷ج رابع)

کریم کے اندر آپ کو رسول اور نبی کی حیثیت سے مخاطب کیا، اور اپنے پیغام کو آپ سے لے کر آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو نہیں دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو جن امور کی تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا آپ نے ان میں سے کسی ایک کام کو بھی نہیں چھپایا۔

(۱۰) آخر میں ایک ایسی مثال پیش کی جاتی ہے جسے حضرتؒ کی ذہانت وفطانت کے ساتھ احادیث نبوی کے مغز تک پہنچنے کی ایک عمدہ شہادت قرار دیا جاسکتا ہے، معروف حدیث نبوی " أنا عند ظن عبدی بی" کی منفرد اور سادہ انداز میں تشریح کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا:

و لا يذهب عليك الفرق بين السفه (السفاهة) والظن ، والموعود هو الثانی دون الأول، مثل الفاسق يظن له نعما جزيلة و هو مصر على كبائره فيكون كمن يرجو بيادر الحبوب ولم يبذر و هو قريب عما ذكره سبحانه فی كتابه فقال:" و لئن أذ قناه نعماء بعد ضراء مسته ليقولن هذا لی و ما

اور آپ کے ذہن میں "سفہ" اور "ظن" کے درمیان فرق ملحوظ رہنا چاہئے، اور یہ کہ یہاں پر ظن مراد ہے نہ کہ سفہ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے قریب بھی ہے" اور جب ہم اس کو اس تنگی کے بعد راحت پہونچاتے ہیں، جو اس کو لاحق ہوئی تھی تو کہتا ہے کہ یہ میرے لئے ہے اور میرا گمان نہیں ہے کہ قیامت آنے والی ہے اور اگر مجھ کو میرے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو یقیناً وہاں مجھے اچھا ٹھکانا ملے گا"،

أظـن الساعة قائمة و لئن رجعت إلـى ربـى إن لى عنده للحسنى " فبـحسبك سفاهته فى عقله، جزم بـنيل الثواب هناك و ان لم يجزم بـا لـحشـر و النشر ، ولذا صدره بلفظ الشك۔ (۳۷۶ج رابع)	تو اس سے آپ اس کی بیوقوفی کو سمجھ سکتے ہیں، آخرت میں ثواب کے حصول کا یقین کئے بیٹھا ہے خواہ حشر ونشر کا یقین نہ کیا ہو، اس لئے تو قیامت کے وقوع کو شک کے صیغہ سے تعبیر کیا ہے۔

سامعین اور خود اپنے وقت کی قلت کا احساس کرتے ہوئے بس ان دس قسم کی مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے (تلک عشرۃ کاملۃ) اس سے زیادہ کا تحمل بالعموم سمیناروں میں نہیں کیا جاتا اگرچہ "الکوکب الدري" فن حدیث۔ بالخصوص ترمذی۔ سے اشتغال رکھنے والے اساتذہ وطلبہ کے لئے نعمت عظمی ہونے کے ساتھ علم کا وہ بحر بیکراں ہے کہ اس میں جتنی غواصی کی جائے گی آبدار اور قیمتی موتی برآمد ہوتے رہیں گے۔

آخر میں سامعین کا حسن استماع کے لئے اور منتظمین کا اس خیر میں شرکت کا موقع دینے کے لئے شکریہ ادا کرنا احقر ضروری سمجھتا ہے۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين محمد و آله و صحبه أجمعين ۔

الفیض السمائی

ایک تعارف

مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی
(جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ، یوپی)

’’شیخ الحدیث‘‘ کا لقب و وصف ہم اہل مدارس کے عرف میں اس شخص کے لئے معروف ومختص ہے جو’’صحیح بخاری‘‘ کے درس وتدریس کی ذمہ داری انجام دے۔اب سے کچھ پہلے تک ایک ہی استاداس ذمہ داری کوانجام دیتا تھاتوایک ادارے میں ایک ہی شخص اس منصب ولقب کا حامل ہوتا تھااور جس کثرت سے اب دورہ کا سلسلہ مختلف اداروں میں ہوگیا پہلے تھا بھی نہیں اب دو دو...... بلکہ بسا اوقات زائد افراد بھی اس کام کو انجام دیتے ہیں تو دونوں افراد وحضرات اس لقب سے موصوف کئے جاتے ہیں۔

ہمارے مخدوم وممدوح حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی علیہ الرحمۃ جنکی شیخ الحدیث کے لقب و وصف سے عالمی شہرت بھی ان کا امتیاز ہے، ان کا معاملہ یہ ہے کہ اگرچہ اس لقب کے ساتھ اتصاف کا آغاز اسی نسبت وبنیاد پر ہوا جو ہمارے مدارس کا عرف ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کا اسی لقب کے ساتھ اتصاف جیسے مدرسے اور اہل علم کے دائرہ میں محدود

نہیں رہا اسی طرح وہ درس حدیث یا درس بخاری میں محدود نہیں رہا، واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ اس معنی میں ''شیخ'' اور شیخ الحدیث یا صاحب الحدیث تھے جس معنی میں ماضی ومتقدمین میں ایسے اوصاف کے ساتھ متصف حضرات کا شمار واعتبار تھا۔

حضرت علیہ الرحمۃ شیخ الحدیث ''صاحب الحدیث'' اور ''رجل حدیث'' کے معنی میں کہ حضرت کا سارا کام ہی حدیث کا تھا پڑھنا پڑھانا تالیف وتصنیف، تحقیق وتدقیق سب کا دائرہ کار یہ فن شریف تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت نے اس میدان میں ایک بڑی تعداد میں اپنی تالیفی یادگاریں چھوڑی ہیں جن کا بڑا حصہ طبع بھی ہو چکا ہے اور قبول عام اختیار کر چکا ہے، دعوت وتبلیغ کے کام کے مناسب جو رسائل حضرت نے تالیف فرمائے جو اصلاً اردو میں ہیں اور برصغیر ہندو پاک میں تبلیغی نصاب اور فضائل اعمال کے نام وعنوان سے مقبول ومروج ہیں، اردو سے وہ دوسری زبانوں عالمی وعلاقائی زبانوں میں منتقل کئے گئے حتی کہ عربی میں بھی، اور ہندوستان کے علاقائی زبانوں کے علاوہ دوسری عالمی زبانوں میں بھی ان کا ترجمہ کیا گیا، یوں حضرت علیہ الرحمہ کا یہ علمی شاہکار جو بنیادی طور پر جمع حدیث وشرح حدیث کے سلسلہ کا ہی ایک کام ہے عامۃ المسلمین کے درمیان حضرت کے نام ولقب کی مقبولیت وشہرت کا باعث بنا۔

اور خواص واہل علم کے لئے حضرت نے اپنی تحقیقی تالیفات کے ساتھ اپنے والد ماجد مولانا محمد یحیٰ صاحب علیہ الرحمہ اور اپنے شیخ اور مرشد ومربی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری علیہ الرحمہ اور ان دونوں حضرات کے استاد اور شیخ ومرشد اور فن حدیث وفقہ میں سرخیل علماء دیوبند حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی علیہ الرحمہ ان حضرات کی اس سلسلہ کی خدمات کو عام کیا یوں کہ ان کی بہتر سے بہتر اشاعت کا اور مفید سے مفید صورتوں میں طباعت کا نظم کیا۔

چنانچہ صحیح بخاری سے متعلق حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ کے افادات کو ''لامع الدراری'' کے نام سے اور جامع ترمذی سے متعلق افادات کو ''الکوکب الدری'' کے نام سے اپنے مفید حواشی کے ساتھ شائع فرمایا اور حضرت گنگوہی کے دیگر درسی افادات کو بھی اپنے حواشی وتعلیقات کے

ساتھ مفید سے مفید تر بنانے کی سعی فرمائی جو کام خود کر سکے خود کیا اور جس میں یہ محسوس کیا کہ رہ جائے گا دوسرے معتمد حضرات کو لگایا اور ایسے حضرات کو جنہیں حضرت شیخ نے اپنے کام میں اپنے ساتھ شامل رکھا اور ان سے تعاون لیا جس کی وجہ سے وہ حضرت شیخ کے کام و مزاج و اسلوب سب سے بخوبی واقف رہے۔

صحیح بخاری و جامع ترمذی ان دو کتابوں کے متعلق حضرت گنگوہی کے افادات کو تو حضرت نے خود اپنی تعلیقات سے مزین کر کے شائع کرایا۔ جبکہ حضرت گنگوہی کے درسی افادات صحاح ستہ کی دوسری کتب سے متعلق بھی موجود ہیں۔

سن درازی اور مشاغل و عوارض ان سب نے خود شیخ کے کام کرنے کا موقع نہیں رکھا تو حضرت نے ان افادات کی خدمت کے لئے اپنے معتمد عزیز اور رفیق کار مولانا محمد عاقل صاحب کو متعین فرمایا۔

چونکہ جیسے حضرت گنگوہی کے افادات تحریری طور پر محفوظ ہیں متعلقہ کتابوں کی بابت شیخ کے حواشی بھی زمانۂ طالب علمی اور زمانۂ تدریس کے محفوظ رہے معاملہ دونوں کو یکجا مرتب کرنے کا تھا۔ یہ سعادت مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ کے حصے میں آئی۔ انہوں نے صحیح مسلم سے متعلق بھی دونوں کے افادات کو یکجا و مرتب کیا۔ اور نسائی سے متعلق بھی۔

''الفیض السمائی'' جس کا تعارف مقصود ہے سنن نسائی سے متعلق دونوں اکابر کے افادات کا مجموعہ ہے۔ اور اس سلسلہ کی گویا چوتھی کڑی ہے جو اشاعت کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔

اہل علم بخوبی واقف ہیں کہ ''صحاح ستہ'' کے لقب و عنوان سے معروف معتبر و معتمد کتب حدیث کے مجموعے میں امام نسائی کی ''سنن صغریٰ'' بالاتفاق شامل ہے جیسے سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی کی بابت بھی اتفاق ہے۔ ہاں اس میں ضرور اختلاف ہے کہ صحیحین کے بعد کی ترتیب میں نسائی کی ''سنن صغریٰ'' کا کیا مقام ہے بالخصوص احادیث کی صحت و قوت کے اعتبار

سے زیادہ تر حضرات کا رجحان یہی ہے کہ صحاح ستہ میں صحیحین کے بعد اور سنن اربعہ میں پہلے مرتبہ و درجے پر ہے، جیسا کہ ''الفیض السمائی'' کے مقدمہ میں علامہ سخاوی کے کلام کا حاصل و مفہوم ذکر و نقل کیا گیا ہے۔

سنن نسائی کی ترتیب وہی ہے جو سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی کی ہے، البتہ مشتملات و مندرجات میں فرق واختلاف وکمی بیشی ضرور ہے۔

بہر حال سنن نسائی کا شمار صحاح ستہ میں سے ہے اور امام دہلوی کے عہد سے کتب حدیث کے درس و تدریس کا جو نصاب ولی اللہی حلقے اور سلسلے میں اور اس کے طفیل پورے برصغیر میں مروج و معمول پر ہے اس میں یہ کتاب اہمیت کے ساتھ شامل ہے بالخصوص دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور میں ابتدا ہی سے اہتمام کے ساتھ ان کتب کا درس ہوتا رہا اور آج بھی جاری ہے، درس و تدریس کی برکت سے ہمارے علماء نے ان ساری کتابوں کی مختلف انداز میں خدمت کا اور حق ادا کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

''الفیض السمائی'' جس کا تعارف مقصود ہے وہ بھی اسی سلسلے کی چیز ہے۔ بنیادی طور پر ''الفیض السمائی'' حضرت گنگوہی کے مختصر درسی افادات اور حضرت شیخ الحدیث کی ان تعلیقات کا مجموعہ ہے جن کو انہوں نے دوران درس و تدریس کتاب سے متعلق ضبط وتحریر فرمایا۔ اسی طرح دو اکابر کے افادات کا مجموعہ ہے۔

البتہ اپنی مرتب اور موجودہ شکل میں ایک تیسرے اہم وقیمتی افادہ کا حامل ہے۔ اور وہ ہے مرتب کا مقدمہ مطبوعہ اور حسب موقع حواشی وتعلیقات۔

اس طرح کتاب ''الفیض السمائی'' تین حضرات کے علمی افادات کا مجموعہ ہے۔ اور موضوعِ مذاکرہ کی مناسبت سے تعارف کا مقصود وہ حصہ ہے جو حضرت شیخ علیہ الرحمہ کا تحریر کردہ ہے اگرچہ وہ حضرت گنگوہی کے افادات پر بھی مشتمل ہے۔

کتاب موجودہ مرتب و مطبوعہ شکل میں مرتب کی طرف سے تحریر کردہ ایک مبسوط مقدمہ

پر مشتمل ہے جو تقریباً ۴۵ صفحات میں ہے جس میں مرتب نے امام نسائی کے ذاتی احوال وصفات وکمالات کے ساتھ ان کی مصنفات اور کتب حدیث کی انواع واقسام اور امام نسائی کی سنن صغری کے خصائص وامتیازات کا تذکرہ کیا ہے۔

اس کے بعد اصل کتاب ہے جو بنیادی طور پر شیخ کے قلم سے ہے۔ اور کہیں کہیں ضرورت کا احساس کرتے ہوئے یا بیاض واشارہ پائے جانے کی بنا پر حضرت مرتب نے تعلیقات کا اضافہ کیا ہے جو کتاب کی اصل حیثیت کے شایان شان ہے اور اس میں زیادہ تر حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی تحریرات وتحقیقات سے ہی استفادہ کیا گیا ہے۔ بالخصوص ایسے مواقع میں فاضل مرتب نے اپنی طرف سے کوئی بات ضرور ذکر کی ہے جہاں سنن نسائی کے تمام شراح ومحشین خاموش ہیں ان کے حواشی وتعلیقات میں بیان مذاہب اور اختلاف نسخے وغیرہ پر کلام کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

جیسے کہ فاضل مرتب نے حضرت گنگوہی کے افادات کو اسی طرح ممتاز کر دیا ہے جیسے کہ خود شیخ علیہ الرحمہ نے ''لامع الدراری'' اور ''الکوکب الدری'' میں کیا ہے۔ اصل ومتن کی حیثیت سے افادات گنگوہی کو رکھا گیا ہے۔

حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے جو کام کیا تھا وہ کام اپنی جگہ پر مکمل اور مرتب بلکہ مہذب بھی ہے البتہ اشاعت کے مرحلے میں لانے وآنے کے لئے تبیض کا مرحلہ رہ گیا تھا۔

حضرت شیخ نے کیا کیا؟ اور کیوں نیز کب؟ اس کی تفصیل شیخ کے تحریر کردہ مجموعہ پر موجود ہے جو دراصل ایک مختصر مقدمہ ہے دو صفحات پر مشتمل ہے۔

شیخ نے اس میں تحریر فرمایا ہے کہ میرے شیخ ومرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری علیہ الرحمہ نے اپنی کبرسنی وعوارض اور تدریسی مشاغل کو کم کر دینے کے ساتھ بذل کی تالیف میں مشغولیت کے باوجود میری یہ درخواست منظور فرمائی کہ امام نسائی کی مایہ ناز تصنیف سنن صغری میں ان سے پڑھ لوں تو میں نے زیادتی استفادہ کی غرض سے خود کو پابند کیا اور

اہتمام کیا۔

جس کا آغاز جمعہ ۴؍ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ سے ہوا اور اختتام جمعہ کو بوقت مغرب جمادی الاخری کے آخر میں ہوا۔ یعنی تقریبا تین ماہ کی مدت میں یہ کام کیا گیا۔

اور یہ سارا کام ۱۶،۱۶ صفحات کے ۱۲۵ اجزاء میں تھا۔ شیخ نے اس کے لئے کیا کیا اور کیا جمع کیا۔ ملاحظہ ہو۔

شیخ نے اپنے شیخ سے اس کتاب کا درس لینے کی تیاری کے لئے کتاب سے متعلق جو مراجع انہیں میسر ہو سکتے تھے سب کو یکجا کیا اور سب کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ہر مرجع کے خصوصی اور قابل ذکر و ضبط افادہ و فائدے کو حوالے کے ساتھ تحریر فرمایا جس کی مقدمہ میں وضاحت فرمادی ہے۔

مراجع میں بڑا حصہ شیخ کے والد ماجد نیز استاد و مربی حضرت مولانا محمد یحیی صاحب علیہ الرحمہ کا ضبط کردہ ہے۔ چنانچہ نسائی سے متعلق حضرت گنگوہی کے افادات پر مشتمل تین تقریریں انہیں کی ضبط کردہ یا ان کے ذاتی کتب خانہ کی تھیں چوتھی تقریر ان کی وہ ہے جو انہوں نے نسائی کے نسخہ پر بین السطور میں ضبط کی ہے۔

اس کے ساتھ حاشیہ سندمتن حاشیہ سیوطی محمد علی تھانوی و دیگر بعض حواشی جس پر مظاہر علوم کے اکابر اساتذہ زیر درس رہنے والے نسخے کے حواشی بھی ہیں ان سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اور محدث سہارنپوری علیہ الرحمہ کی بذل بھی سامنے ہے اس سے بھی فوائد نقل کئے ہیں۔

اور بوقت درس حضرت محدث سہارنپوری نے جو کوئی خاص بات ارشاد فرمائی اس کو تو ضبط کیا ہی گیا کہ اصل مقصود تو یہی تھا۔

شیخ کے ضبط کردہ افادات و تعلیقات پر حضرت گنگوہی کے افادات کو فاضل مرتب نے کتاب کی پیشانی پر کر دیا ہے اور بقیہ کو نیچے رکھا ہے اور ''الاجزاء'' کے حوالے کے ساتھ اس کو نقل و ذکر کیا ہے اور کہیں کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ ''فی الاجزاء'' وغیرہ کہہ کر شیخ کی تحریر کو نقل کیا گیا ہے۔

فاضل مرتب نے اپنے حواشی وتعلیقات کو عموماً شیخ کے افادات والے حصے میں ذکر کیا ہے اور صراحت کردی ہے البتہ کہیں کہیں ......اگرچہ ایسا کم ہے......اپنی عبارت کو بطور حاشیہ ذکر کیا ہے۔

حضرت شیخ علیہ الرحمہ اوران کے مشائخ کے افادات کے ساتھ سامنے آنے والی صحاح ستہ کی شروح میں ''الفیض السمائی'' احقر کے علم کے مطابق چوتھی کڑی ہے، پہلی ''لامع'' اور دوسری ''کوکب'' یہ دونوں حضرت شیخ کی حیات میں اوران کی عملی توجہ وعنایت کے ساتھ سامنے آچکی ہیں۔

تیسری صحیح مسلم سے متعلق ''الحل المفہم'' اور چوتھی ''الفیض السمائی'' ہے۔ان دونوں میں مذکورہ اکابر کے افادات کے ساتھ حضرت مولانا محمد عاقل صاحب کے قلم و ہاتھ اور فکر وتحقیق کا استعمال ہوا ہے۔فاضل مرتب نے اپنے مقدمہ میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ پوری کتاب تین اجزاء میں آئے گی۔ان کے اس خیال کی بنیاد حضرت شیخ علیہ الرحمہ کا تیار کردہ مسودہ ......اور اس کے ساتھ خود مرتب کا عملی خاکہ ہے۔

احقر کے علم کے مطابق اب تک صرف ایک جلد منظر عام پر آسکی ہے، اگرچہ اس کام کا آغاز حضرت شیخ کی وفات (شعبان ۱۴۰۲ھ کے سال سوا سال بعد (شوال ۱۴۰۳ھ میں ہوگیا تھا)۔

فاضل مرتب مدظلہ خود صاحب مشاغل اور سب سے بڑھ کر مشغول اکابر مدرسین میں سے ہین ان حالات میں ایسے کام کے مواقع کم نکلتے ہیں حق تعالی ان کی مدد فرماتے ہوئے جلد اس سلسلے کی تکمیل فرمائے کہ خود فاضل مرتب کے ہاتھوں یہ کام جس انداز پر انجام پائے گا دوسرے لوگ شاید نہ کرسکیں۔(۲۶/۱۰/۱۲ھ/۱۲/۲۴)

لامع الدراری

امتیازات وخصوصیات

جناب مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی
(شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنارس)

لامع الدراری بنیادی طور پر فقیہ النفس، محدث عصر، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ (ف۱۳۲۳ھ) کے درسی افادات کا مجموعہ ہے، جوان کے خادم خاص اور تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (ف۱۳۳۴ھ) نے درس بخاری کے دوران قلمبند فرمائے تھے، جو ایجاز واختصار کے باوجود جامعیت کا مرقع اور دریا بکوزہ کے مصداق تھے، لیکن حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے صاحبزادے بقیۃ السلف حجۃ الخلف حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے اپنے مفصل اور مفید حواشی وتعلیقات کے ذریعہ ان کی افادیت کو چار چاند لگا دیا اور انہیں ایک علمی شاہکار اور جامع شرح کی حیثیت سے ارباب علم کے سامنے پیش فرمادیا۔

اس کتاب کے علمی استناد کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ یہ حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کے طویل علمی اشتغال اور تدریسی تجربات کا عطر ہے، ان کے مزاج شناس، مخلص خادم اور ماہر علوم شاگرد مولانا یحییٰ صاحبؒ کی جمع وترتیب ہے، اور ایک ایسے ماہر حدیث کی تعلیقات وحواشی

سے مزین ہے جن کی پوری زندگی عنفوان شباب سے لے کر انتہائی معذوری تک کتب حدیث کے مطالعہ وتدریس اورامہات الکتب کی شروح وحواشی کی تصنیف میں گذری۔

لامع الدراری کے امتیازات وخصوصیات کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مختصر تعارف پیش کر دیا جائے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے لامع الدراری کے شروع میں ایک مفصل مقدمہ تحریر فرمایا ہے، اس مقدمہ کے آغاز میں حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ وہ ماہ شوال میں امہات الکتب یعنی صحاح ستہ کی تدریس کا سلسلہ شروع فرماتے تھے اور اواخر شعبان تک تکمیل فرمادیتے، یہ ساری کتابیں حضرتؒ بنفس نفیس خود پڑھاتے کسی کو عمل تدریس میں شریک نہیں فرماتے تھے۔

نماز اشراق کے بعد سے دوپہر تک اور پھر بعد ظہر سے عصر تک مسلسل درس کا سلسلہ جاری رہتا تھا، درس وتدریس کا یہ معمول ۱۳۰۹ھ تک تسلسل کے ساتھ جاری رہا، اس دوران حضرت سے بے شمار شائقین علم حدیث مستفیض ہوئے اور حضرت کے درس میں شریک ہو کر صحاح ستہ کی تکمیل کی۔

۱۳۰۹ھ میں حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ شدید امراض کا شکار ہوئے، امراض کا سلسلہ مہینوں چلتا رہا جس کے نتیجہ میں اعضائے رئیسہ میں انتہائی ضعف پیدا ہو گیا، ساتھ ہی ساتھ حضرت کے گھرانے میں کئی ایک صبر آزما اور جاں گداز حادثات پے بہ پے پیش آئے، سب سے پہلے آپ کے محبوب پوتے حافظ محمد اسحاق کا انتقال ہوا، پھر ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۰ھ کو حضرت کے محبوب صاحبزادے حضرت مولانا حافظ محمد محمود صاحب کی وفات ہوئی اور اس کے ایک سال کے بعد ۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۱ھ کو آپ کی اہلیہ محترمہ داغ مفارقت دے گئیں، مسلسل بیماری کی وجہ سے نقاہت پہلے ہی سے تھی، ان حادثات نے حضرت کی کمر توڑ دی، ادھر فتاویٰ کے ہجوم، واردین وصادرین کی کثرت اور اہل سلوک ومنتسبین کی آمد ورفت نے مزید مصروف رکھا،

اس لئے تین سال تک حضرت کے یہاں درس حدیث کا سلسلہ منقطع رہا۔

ادھر شائقین علم حدیث اور حضرت کے مخصوص اہل تعلق کا اصرار تھا کہ حضرت والا تدریس حدیث کا سلسلہ دوبارہ جاری فرمائیں، بالخصوص میرے جدامجد حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کاندھلویؒ جو حضرت گنگوہیؒ کے خاص دوستوں میں تھے اور میرے شیخ ومرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ صاحب بذل المجہود کا شدید اصرار تھا کہ حضرت اقدس میرے والد محترم یعنی مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ کو ضرور دورۂ حدیث شریف پڑھادیں، آخر کار حضرت مولانا گنگوہیؒ نے وعدہ فرمالیا اور یکم ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ کو ترمذی شریف کے درس کا آغاز فرمادیا، لیکن ضعف ونقاہت اور صدمات کی بنا پر پہلے کی مانند تسلسل کے ساتھ صبح وشام درس وتدریس کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا، حتی کہ ایک سال ڈیڑھ ماہ میں ۱۸/ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ بروز پنج شنبہ ترمذی شریف کا درس مکمل ہوسکا، پھر سوموار ۲۲/ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ کو ابوداؤد شریف کا درس شروع ہوا، ادھر آنکھوں میں نزول ماء کے آثار شروع ہو چکے تھے اس لئے اندیشہ ہوا کہ کہیں دورۂ حدیث کی تکمیل سے پہلے بینائی ختم نہ ہو جائے، لہذا درس کے سلسلے میں غیر معمولی محنت شروع کردی، چنانچہ ۷/ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو درس ابوداؤد شریف کی تکمیل فرمادی۔

پھر ۹/ربیع الاول کو بخاری شریف جلد اول کا آغاز فرمایا اور یکم جمادی الاولیٰ کو جلد اول کی تکمیل فرما کر جلد ثانی شروع کرادی اور ۱۷/جمادی الاخریٰ ۱۳۱۳ھ کو بخاری شریف کی تکمیل ہو گئی اور اواخر شعبان ۱۳۱۳ھ تک دورۂ حدیث کی بقیہ کتب مسلم شریف، نسائی شریف اور سنن ابن ماجہ کی بھی تکمیل فرمادی اور ۲۳/شعبان ۱۳۱۳ھ کو دورۂ حدیث میں شریک طلبہ کو سند واجازت سے سرفراز فرمایا"۔ (مقدمہ لامع الدراری ص ۳)

حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ کے درسی افادات کو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ درس سے فراغت کے بعد قلمبند فرماتے رہے، اس طرح ترمذی شریف، ابوداؤد شریف اور بخاری شریف سے متعلق افادات کا مسودہ حضرت مولانا کے خلف الرشید حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ شیخ

الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے پاس محفوظ رہا، جس میں سے اول الذکر یعنی تقریر ترمذی کو حضرت شیخؒ نے اپنے مفید حواشی کے ساتھ الکوکب الدری کے نام سے شائع فرمایا، پھر اوجز المسالک شرح موطأ امام مالک کی تکمیل کی طرف پورے طور سے متوجہ ہوگئے، ادھر اکابر واحباب کا اصرار تھا کہ الکوکب الدری کے طرز پر درس بخاری کے افادات کو بھی اپنی تعلیقات وحواشی کے ساتھ مرتب کر کے شائع فرمادیں، اصرار کرنے والوں میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند سر فہرست تھے، کبھی اصرار کبھی بزرگانہ خفگی کے ساتھ کتاب کا مطالبہ فرماتے رہے۔

آخر کار ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ میں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ جب اوجز المسالک کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو ۷/محرم الحرام ۱۳۷۶ھ کو لامع الدراری کے نام سے حضرت گنگوہیؒ کے افادات درس بخاری کی ترتیب وتحشیہ کا آغاز فرمادیا اور ۱۲ سال کی شبانہ روز محنت کے بعد ۱۰/رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ بروز جمعہ صبح ۹ بجے اس کی تکمیل فرمادی۔

لامع الدراری کی ۳ جلدیں ہیں، پہلی جلد کے شروع میں ایک وقیع مقدمہ ہے، جو بڑے سائز کے ۱۵۲ صفحات پر مشتمل ہے، اس مقدمہ کی حیثیت مقدمۃ الکتاب کی ہے، حضرت شیخ خود فرماتے ہیں:

"وقدمت على أصل التقرير مقدمة تحتوى على إفادات عديدة لا بد منها لطلبة البخارى خاصة ، فإن ما يتعلق بمقدمة علم الحديث أجملت عليها الكلام فى أول أوجز المسالك على الموطأ للإمام مالك "۔(مقدمہ ص ۳)

چونکہ علم حدیث سے متعلق ضروری باتیں اوجز المسالک کے مقدمہ میں آچکی ہیں اس لئے یہ مقدمہ بخاری شریف سے متعلق ضروری مباحث پر مشتمل ہے۔

مقدمہ کی چار فصلیں ہیں۔ فصل اول امام بخاریؒ کے حالات سے متعلق ہے جس میں ۱۰ فوائد کے تحت مصنف کی ولادت ، وفات، تاریخی حالات، مشائخ، قوت حفظ، سیرت

ومناقب، امام بخاری اور دیگر ائمہ حدیث کے مسالک اور آخر میں امام بخاری کی تصانیف سے بحث کی ہے۔

دوسری فصل خود بخاری شریف سے متعلق ہے اور ۱۳ فوائد پر مشتمل ہے، جس میں اس عظیم کتاب کا مرتبہ وحیثیت شروط، طبقات رواۃ، کتاب کی خصوصیات، ثلاثیات بخاری، براعت اختتام، تصنیف کے دوران امام صاحب کا اہتمام، مدت تالیف، روایت بخاری کی تعداد، حدیث کے ابواب ثمانیہ، کتب حدیث کی ۱۲۷ اقسام، بخاری شریف کے نسخوں، روایت بخاری پر نقد اور ان کے جوابات اور ابواب وکتب کے درمیان ربط وترتیب جیسے اہم عنوانات کے تحت سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

تیسری فصل تراجم ابواب سے متعلق ہے، تراجم ابواب درس بخاری میں سب سے زیادہ اہمیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں، اسی لئے کہا گیا ہے فقه البخاری فی تراجمه، اور مختلف ائمہ واکابر نے تراجم ابواب بخاری سے متعلق مستقل رسائل اور کتابیں تصنیف کی ہیں، حضرت شیخ الحدیثؒ نے بھی اپنے مقدمے میں تراجم بخاری سے متعلق بہت ہی قیمتی گفتگو کی ہے۔

چوتھی فصل میں بخاری شریف کی شروح اور متعلقات پر کلام فرمایا گیا ہے، جس میں ۱۱۰ شروح اور متعلقات کا تعارف کرایا گیا ہے، مقدمہ کے آخر میں حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے حالات بھی مختصراً درج ہیں۔

اصل کتاب:

مقدمہ کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے جو تین ضخیم جلدوں پر پھیلی ہوئی ہے، پہلی جلد بخاری شریف کی پہلی حدیث سے شروع ہوکر باب سرعة انصراف النساء وقلة مقامهن فی المسجد پر ختم ہوتی ہے، اس جلد کے صفحات ۳۶۰ ہیں۔

شرح کی دوسری جلد کا آغاز کتاب الجمعة سے ہوا ہے اور اختتام کتاب الجهاد

کے آخر پر، یہ جلد ۵۱۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

تیسری جلد کے صفحات ۴۷۲ ہیں، اس جلد کا آغاز کتاب بدء الخلق سے اور اختتام بخاری شریف کی آخری حدیث پر ہے، اس طرح مقدمہ کے علاوہ اصل کتاب ۱۳۴۶ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور ہر صفحہ عموماً باریک خط کی ۳۴-۳۵ سطروں پر مشتمل ہے۔

امتیازات وخصوصیات:

کتاب کے تعارف کے ذیل میں یہ بات آ چکی ہے کہ بخاری شریف کے جس درس کے افادات پر یہ کتاب مشتمل ہے وہ درس حضرت گنگوہیؒ نے ایسے وقت میں دیا ہے جب کہ پیرانہ سالی کے ساتھ شدید امراض اور پیہم صدمات سے دوچار تھے، بینائی بھی متأثر ہو چکی تھی، نیز بخاری شریف سے پہلے ترمذی شریف اور ابوداؤد شریف کے درس میں جن مسائل پر گفتگو فرما چکے تھے ان کے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں تھی اس لئے درس بخاری میں صرف ضروری مقامات پر کلام فرمایا گیا اور یہ کلام بھی کتاب الایمان تک قدرے تفصیلی ہے اس کے بعد بتدریج اختصار بڑھتا گیا لیکن حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ نے اپنے حواشی میں اشارات کی توضیح اور اجمالات کی تفصیل کا حق ادا کر دیا ہے۔

راقم سطور کو اپنی کوتاہ نظری اور کم فہمی کے باوصف جو نمایاں خصوصیات اس کتاب میں محسوس ہوئیں وہ درج ذیل ہیں:

(الف) صاحب درس حضرت مولانا گنگوہیؒ کسی حدیث پر کلام فرماتے ہوئے عموماً مختلف اقوال میں صرف راجح قول کو ذکر فرماتے ہیں، جب کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ اس رائے کی ترجیح و توثیق کے ساتھ دوسری آراء کی طرف بھی اشارہ فرما دیتے ہیں۔

(ب) بعض مواقع پر حضرت گنگوہیؒ کی تقریر درس میں کوئی لفظ یا مختصر جملہ دفع ایراد کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، حضرت شیخؒ اشکال وجواب کی مکمل تقریر فرما دیتے ہیں۔

(ج) بعض مقامات پر اصل تقریر میں بیاض فی الاصل کا لفظ موجود ہے، جس سے محسوس ہوتا

ہے کہ مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کچھ لکھنا چاہتے تھے مگر اس کا موقع نہیں مل سکا، حضرت شیخ الحدیثؒ چونکہ ان دونوں بزرگوں کے مزاج شناس ہیں اس لئے حاشیہ میں تحریر فرما دیتے ہیں کہ غالباً حضرتؒ کا ارادہ اس مقام پر فلاں بات لکھنے کا تھا، اس طرح اس خلا کی بہترین تلافی ہو جاتی ہے۔

(د) حضرت گنگوہیؒ کے ایک تلمیذ مولانا محمد حسن مکی کی ضبط کردہ تقریر درس بخاری حضرت شیخ الحدیثؒ کے پیش نظر تھی اس لئے بہت سے مقامات پر حضرت شیخ نے اس تقریر سے استفادہ فرمایا ہے اور جگہ جگہ اس تقریر کے حوالہ سے حضرت گنگوہیؒ کے افادات ضبط فرمائے ہیں۔

(ہ) درس بخاری سے قبل حضرت گنگوہیؒ درس ترمذی اور ابوداؤد کی تکمیل فرما چکے تھے اور دونوں درس کے افادات ضبط تحریر میں آچکے تھے اور حضرت شیخ کے پیش نظر تھے اس لئے حضرت شیخؒ نے بہت سے مواقع پر ان دونوں تقریروں سے بھی استفادہ فرمایا ہے، اس لئے بہت سے ایسے مسائل پر بھی حاشیہ میں کلام فرمایا گیا ہے جن پر اصل تقریر میں کوئی کلام نہیں ہے۔

(و) حضرت گنگوہیؒ کی شخصیت، حدیث، فقہ اور سلوک واحسان کے سلسلہ میں مرجع کی حیثیت رکھتی تھی اس لئے اصل تقریر میں بھی ان تینوں خصوصیات کے اثرات نمایاں ہیں اور حضرت شیخ الحدیثؒ کو بھی فن حدیث، اختلاف ائمہ اور تزکیہ واحسان سے وافر حصہ ملا تھا اس لئے شرح بھی ان تمام امتیازات کی حامل ہے۔

غرض لامع الدراری جہاں حضرت گنگوہیؒ کی طویل علمی ممارست، درس وتدریس، فتویٰ نویسی اور اصلاح وتربیت کا عطر ہے وہیں حضرت شیخ الحدیثؒ کی شش جہات شخصیت کی آئینہ دار بھی ہے۔

ان متنوع خصوصیات اور امتیازات کی بنا پر بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ لامع الدراری، بخاری شریف پڑھانے والوں کے لئے ایک بہترین شرح اور جامع دلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی چند اہم تصنیفات

اور

ندوۃ العلماء

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
(مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء و مدیر ''البعث الاسلامی''، لکھنؤ)

محرم ۱۳۸۹ھ کے آخری ہفتہ اور اپریل ۱۹۶۹ء کے پہلے ہفتہ میں اپنے والدین سے ملنے کے لئے میں اپنے وطن (مئو) گیا ہوا تھا، وہیں مجھے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی طرف سے ایک تار ملا، جس کا مضمون یہ تھا کہ ''تم جلد چلے آؤ، باہر کے سفر میں میرے ساتھ چلنا ہے''، میں دوسرے ہی دن لکھنؤ واپس آ گیا، حضرت مولاناؒ سے ملا تو فرمایا کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی مجلس استشاری کا جلسہ آئندہ ماہ صفر کے مہینہ میں ہونے والا ہے، اور اس کا دعوت نامہ میرے پاس آ گیا ہے اور بحیثیت رفیق سفر میں نے اس دفعہ تم کو اپنے ساتھ لے چلنے کا فیصلہ کیا ہے، لہذا تم سفر کی تیاری شروع کر دو، کچھ ہی دنوں کے بعد سعودی سفارت خانہ کے ذریعہ ویزے اور ٹکٹ کا انتظام ہو گیا تھا۔

حضرت شیخؒ کی ہم رکابی میں حجاز کا سفر

اس زمانہ میں شیخ الحدیث علامہ محمد زکریاؒ نے بھی مدینہ منورہ حاضری کا ارادہ فرمایا تھا، اور حضرت مولانا نے اپنے خصوصی تعلق کے بنا پر اس بات کی کوشش فرمائی کہ مدینہ منورہ کا یہ سفر حضرت شیخ الحدیثؒ کی معیت میں ہو، چنانچہ سفر کی تاریخیں طے ہوگئیں، اور حضرت مولاناؒ نے اس سفر میں جناب مولانا معین اللہ صاحب نائب ناظم ندوۃ العلماء کو بھی ان کی خواہش کے مطابق اپنے ساتھ لے چلنے کا فیصلہ کرلیا، اور ۸/صفر ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۶/اپریل ۱۹۶۹ء کو سفر کی ابتداء لکھنؤ سے ہوئی اور دہلی ہوتے ہوئے کراچی کے راستہ سے جدہ حاضری ہوئی، اور پھر وہاں سے حضرت شیخ الحدیث کو جدہ میں اہل تعلق و معتقدین نے روک کر عمرہ کی سعادت سے فیض یاب ہونے کی خاطر مکہ معظّمہ لے جانے کا فیصلہ کرلیا۔ میں حضرت مولاناؒ کی ہمرکابی میں دوسرے ہی دن مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوگیا، چند دنوں کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ تشریف لائے اور وہاں ''مدرسہ علوم شرعیہ'' کے مہمان خانہ میں مع اپنے خدام کے قیام فرمایا۔

جامعہ اسلامیہ میں مجلس استشاری کے جلسوں میں حاضری

میں حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے ساتھ روزانہ جامعہ اسلامیہ کے مجلس استشاری کے جلسہ میں شرکت کے لئے ساتھ جایا کرتا تھا، شیخ نور ولی صاحبؒ کے بستان میں جو ایک کشادہ باغ کی شکل میں تھا، ہمارا قیام ہوا، اور روزانہ جامعہ اسلامیہ کی نشستوں میں شرکت کرنے کے بعد حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضری ہوا کرتی تھی، اور عصر کے بعد سے عشاء تک کا وقت مسجد نبوی میں حضرت شیخ کے قریب گذرتا تھا اور شام کے کھانے میں روزانہ حضرت شیخؒ کے ساتھ شرکت ہوا کرتی تھی، یہ سلسلہ کئی ہفتہ تک جاری رہا، یہاں تک کہ حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ حضرت شیخ الحدیثؒ کے مشورہ سے اپنی آنکھ کے علاج کے سلسلہ میں چھ جون کو جدہ سے جنیوا

ہوتے ہوئے لندن تشریف لے گئے، اس سفر میں رفیق سفر کی حیثیت سے جناب مولانا معین اللہ صاحب ندوی اور جناب مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی کا انتخاب عمل میں آیا، یہ دونوں حضرات، حضرت مولاناؒ کے ساتھ سفر پر روانہ ہوگئے، اور میں حضرت شیخؒ سے اجازت لے کر ہندوستان واپس آگیا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی عظیم شخصیت

حرمین شریفین میں ایام قیام کے دوران حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں بار بار حاضر ہونے اور حضرت کی مجلسوں میں کچھ وقت گذارنے کی وجہ سے حضرت شیخ کی عظیم شخصیت اوران کی علمی اور روحانی بلندی کا احساس ہوا، حضرت شیخ الحدیثؒ شدید گرمی کے زمانہ میں مسلسل روزہ رکھتے تھے، بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے مدینہ منورہ حاضری کے شکرانہ کے طور پر دو مہینہ کے روزہ کی نذر مان لی ہے۔ چنانچہ روزانہ اقدام عالیہ کے قریب بیٹھ کر اپنے معمولات میں مشغول ہوتے تھے، اور اذان مغرب کے ساتھ کھجور اور زمزم سے افطار فرمایا کرتے تھے، یہ طریقہ نذر کے پوری ہونے تک قائم رہا، اور حضرتؒ ''مدرسہ علوم شرعیہ'' میں جو باب جبرئیل سے قریب تھا، قیام پذیر رہے، اس سفر میں تقریباً نو مہینے مدینہ منورہ میں قیام فرمانے کے بعد ملک کے حالات اور اہل تعلق کے شدید اصرار کے بنا پر ذیقعدہ ۱۳۸۹ھ میں پاکستان ہوتے ہوئے سہارنپور تشریف لائے اور اہل تعلق اور معتقدین کا ایک سیلاب تھا جو ہر جگہ نظر آتا تھا، اور لوگ آپ سے تعلق قائم کرنے اور مستفید ہونے کی تمنائیں کرتے تھے۔

پھر مدینہ منورہ کا سفر اور وہاں کے معمولات

ہندوستان میں کچھ وقت گذار کر پھر مدینہ منورہ کا قصد فرمایا، اور مستقل قیام کی نیت سے ۱۸؍ربیع الاول ۱۳۹۳ھ ۱۳؍اپریل ۱۹۷۳ء کو وہاں کا سفر ہوا، اور یہ سفر مستقل اقامت اور

ہجرت کی نیت سے فرمایا۔ اس سفر کے کچھ حالات اور مدینہ منورہ کے نظام الاوقات کا مختصر ذکر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔

''مدینہ کے قیام میں صبح کی نماز کے بعد مجلس ذکر ہوتی، پھر شیخ تھوڑی دیر آرام فرماتے اور رفقاء ناشتہ کرتے، بیدار ہونے کے بعد کچھ علمی اور تصنیفی مشاغل رہتے، یا ڈاک لکھوائی جاتی، ظہر، عصر، مغرب، عشاء، سب مسجد شریف میں ادا ہوتی، عصر بعد ''مدرسہ علوم شرعیہ'' کے صحن میں عام مجلس ہوتی، جس میں اکثر کوئی کتاب پڑھی جاتی، اس دوران خاص زائرین اور ممتاز علماء جو ملاقات کے لئے آتے، ان سے تعارف و ملاقات ہوتی، عشاء کے بعد عام دسترخوان بچھتا، سہارنپور کے برخلاف جہاں دوپہر کا کھانا اصل تھا جس میں شیخ بڑے اہتمام سے شرکت فرماتے، اور رات کا کھانا برائے نام ہوتا، جس میں شیخ کی شرکت ضروری نہ تھی، یہاں مدینہ طیبہ کے قیام میں اصل کھانا رات کا تھا، جس میں کسی عزیز مہمان کی غیر حاضری حضرت شیخ کو بہت محسوس ہوتی، راقم سطور کو اس سے بہت واسطہ پڑ چکا ہے، اس لئے وہ بالعموم مدینہ طیبہ میں کسی دوسری جگہ رات کی دعوت قبول نہ کرتا، اس وقت حضرت شیخ کی طبیعت مبارکہ پورے نشاط و انبساط پر ہوتی، عزیز مہمانوں کی خاطر داری، اور ان کی نگہداشت اسی طرح ہوتی جیسی دوپہر کے دسترخوان پر سہارنپور میں، مہمانوں کے کھانے کا انتظام زیادہ تر صوفی محمد اقبال صاحب کے ذمہ ہوتا، ڈاکٹر اسماعیل مرچنٹ اور دوسرے خدام اہل تعلق بھی اس میں پیش پیش رہتے، مسجد نور میں (جو مدینہ پاک کا تبلیغی مرکز ہے) اہم اجتماعات میں شرکت فرماتے، اور بقیع کی زیارت کو بھی جاتے''۔

مقدمہ اَوجز المسالک کی طباعت ندوہ پریس میں

حضرت شیخ الحدیثؒ نے ذیقعدہ ۱۳۸۹ھ میں ہندوستان واپسی سے کچھ پہلے ہی اپنی کتاب ''اوجز المسالک'' جو مؤطا امام مالک کی شرح ہے، اس کی نہایت مفصل مقدمہ کو الگ سے

چھپوانے کا ارادہ ظاہر فرمایا، اور اس سلسلہ میں مولانا معین اللہ صاحب ندوی کو خط لکھا کہ اگر تم اس مقدمہ کو ندوہ کے پریس میں عربی ٹائپ کے حروف پر چھپوا سکو تو میرے لئے بڑی خوشی کا سبب ہوگا، اور اس پر ایک مقدمہ بھی حضرت مولانا علی میاں صاحب سے لکھوا دو۔ اس اشارہ کے ساتھ مقدمہ اوجز المسالک کے نئے سرے سے طباعت کا کام اس خاکسار نے شروع کر دیا، اس زمانہ میں ندوہ کے پریس کو ترقی دینے اور اس کو زیادہ وسیع کرنے کی غرض سے میں اپنا قیمتی وقت اس میں لگایا کرتا تھا، ''البعث الاسلامی'' کی طباعت بھی اسی پریس کے ذریعہ ہوا کرتی تھی، لیکن حضرت شیخ الحدیثؒ کے اس اہم کام کے لئے پریس کو کچھ اور زیادہ وسعت حاصل ہوئی اور ٹائپ کے حروف کا زیادہ سے زیادہ انتظام کیا گیا، کچھ نوجوانوں کو کمپوزنگ سکھانے کا بیڑا بھی پریس نے اٹھایا، الحمدللہ مقدمہ کی طباعت کا یہ کام لیتھو کے ایڈیشن کو سامنے رکھ کر نئے انداز سے شروع کیا گیا، سب سے پہلے کتاب کی پیرا گرافنگ کی گئی، اور جن حواشی کی ضرورت تھی وہ حواشی دیئے گئے، لیتھو کے اغلاط کی تصحیح کا اہتمام بھی ہوا، اور اللہ کا نام لے کر اپنے محدود وسائل کے باوجود مقدمہ اوجز المسالک کی طباعت کا کام شروع ہوا، جو دو سو بارہ (۲۱۲) متوسط سائز کے صفحات میں پورا ہوا، اس اثناء میں حضرت مولانا علی میاںؒ کا مقدمہ تیار ہو چکا تھا، وہ کتاب کے شروع میں لگا دیا گیا، اس کی ضخامت تقریباً ۱۸ر صفحات کی تھی اور حروف ابجدیہ کو صفحات کے نمبر کے طور پر لگا دیا گیا، اور صفحات کا نمبر اس طرح ہوا ا، ب، ج، د، ھ، و، ز، ح، ط، ی، ک، ل، م، ن، س، ع، ف، ص، وسائل کی کمی ہی نہیں بلکہ کمزور وسائل کے باوجود یہ کتاب پہلی مرتبہ عربی حروف کے ٹائپ سے طبع ہوئی اور ظاہری لحاظ سے بھی خوبصورت ثابت ہوئی، اس میں حضرت شیخؒ کی خاص توجہ اور برکت کا دخل تھا، جب کتاب کے نسخے حضرت شیخؒ کی خدمت میں پہونچے تو انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا۔ اور اپنی خاص دعاؤں میں اس خاکسار کو بھی شامل فرمانے کی عزت عطا فرمائی۔ اس کے بعد سے پھر متعدد اہم کتابوں کی طباعت کا سلسلہ عربی ٹائپ سے ندوہ کے

معمولی پریس سے شروع ہوا۔

مقدمہ ''لامع الداری علی جامع البخاری'' کی طباعت

یہ مقدمہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ کے قلم سے لیتھو پریس سے شائع ہوا، بعد میں اس کو عربی ٹائپ پر ندوہ پریس سے اس خاکسار کو طبع کرانے کی سعادت حاصل ہوئی اور اس کے لئے بھی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے مقدمہ تحریر فرمایا۔ اس کتاب میں جامع بخاری کے مشکل مسائل کا حل اور اس کا شافی جواب اور بخاری کے رموز و اصطلاحات کی مکمل شرح اور امام بخاریؒ کے تراجم و ابواب جن مقاصد اور لطیف اشارات پر مشتمل ہیں ان سب کا ذکر بتفصیل موجود ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ اربعہ اور ان کے فقہی مسالک کے بارے میں نہایت قیمتی معلومات درج ہیں، اور اصول حدیث اور اسماء الرجال کے علمی مباحث پورے شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہیں۔ ٹائپ پر طبع شدہ نسخہ ۴۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور سن طباعت ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء درج ہے۔

''الأبواب والتراجم'' کی طباعت

جامع بخاری کے سلسلے کی دوسری اہم تصنیف حضرت شیخ کے قلم سے ''الأبواب والتراجم للبخاری'' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں ابواب وتراجم کے سلسلے میں ان تمام اصول وقواعد کا ذکر ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، حافظ بدرالدین عینیؒ کی شرحوں میں مذکور ہیں، حضرت شیخ نے اس میں ایسے اصول وقواعد کا اضافہ کیا ہے جن کا تعلق حضرت کے علمی وتحقیقی ذوق سے ہے، ان کی تعداد ستر تک پہونچ گئی ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ بخاری کے ابواب وتراجم کے جملہ لطائف ونکات اور حقائق ودقائق کے سمجھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ یہ عربی ٹائپ پر تین جلدوں میں ندوہ پریس سے شائع ہوئی۔

’’حجۃ الوداع وعمرات النبی ﷺ‘‘ کی طباعت

حجۃ الوداع اور حضور اکرم ﷺ کے عمرات کے بارے میں حضرت شیخؒ کی توجہ سے یہ کتاب بھی لیتھو پریس سے شائع ہوئی تھی، اس میں پھر حضرت کے اشارہ سے عربی ٹائپ پر ندوہ کے پریس سے شائع کرنے کی سعادت بھی اسی خاکسار کو حاصل ہوئی، اس کتاب میں حضور ﷺ کے حجۃ الوداع اور عمرات کی جملہ تعداد مذکور ہے، اور اس موضوع پر جو کچھ بھی اب تک لکھا گیا ہے اس کا پورا جائزہ لیا گیا ہے، یہ ایک مستقل انسائیکلو پیڈیا کا درجہ رکھتی ہے۔ جس میں حضور ﷺ کے حجۃ الوداع اور عمرات کے ذریعہ جو احکام و تعلیمات مستنبط ہوتے ہیں وہ پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اور ائمہ مذاہب وفقہاء ومحدثین کی رائیں اور ان کے اختلافات کا بھی تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔

اس موقع پر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ حجۃ الوداع نامی رسالہ صرف تیس گھنٹے میں مرتب ہوا اور بعد میں عمرات النبی ﷺ پر تفصیلی کتاب جو ۱۳۹۰ھ میں تصنیف فرمائی گئی اسی کے ساتھ ملحق کردی گئی اور یہ ’’حجۃ الوداع وعمرات النبی ﷺ‘‘ کے نام سے عربی ٹائپ میں شائع ہوئی، اور نہ صرف یہ کہ ہندوستان کے علماء بلکہ عالم اسلام کے علمی حلقوں میں اس کو مقبولیت حاصل ہوئی۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کا ایک گرامی نامہ

اس موقع پر حضرت شیخؒ کا وہ خط شائع کردینا مناسب ہوگا جو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے نام سے تحریر فرمایا گیا۔ اور وہ ’’فہرست تالیفات شیخ‘‘ کے جلد اول ص ۲۸۸۔۲۸۹ پر موجود ہے۔

عزیز گرامی قدر و منزلت الحاج محمد رابع سلمہ!

بعد سلام مسنون ! تم نے ''جزء العمرات'' کے درمیان میں میرے استفسار پر جو مقامات کی تفصیل بھیجی تھی کہ جزءالعمرات کتابت کے بعد مطبع میں جا چکا تھا اور کاپی جم چکی تھی، اسی وقت سے میرا خیال ہو رہا تھا کہ لیتھو کی طباعت پر تو یہ آنہ سکا، ٹائپ کی طباعت کے وقت اس کو حاشیہ پر لکھوا دیا جائے۔

اب عزیزم مولوی سعید الرحمٰن سلمہ کے خط سے معلوم ہوا کہ ٹائپ کی طباعت شروع ہوگئی۔ اللہ کرے جلد پوری ہو جائے، میرا خیال ہے کہ ص: ۷۹ پر جہاں بالغمیم کا لفظ متن میں آیا ہے، اس پر دس (۱۰) کی علامت لگا کر نیچے بطور حاشیہ کے ''افاد العزیز الحاج محمد رابع الندوی هذه المواضع هكذا'' لکھ کر اور مختصر سی عبارت میں اپنے اس مضمون کا اختصار لکھ دیں۔ ''غدیر الاشطاط'' کے بارے میں جو اشعار آپ نے لکھے ہیں ان کی ضرورت نہیں، البتہ مختصر الفاظ میں تعین کا آجانا مناسب ہے، غمیم اور کراع الغمیم کا ایک ہونا تو اپنے رسالہ میں لکھ چکا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہر موضوع کے لئے الگ الگ نمبر ڈال کر حاشیہ لکھنے کی ضرورت نہیں، بلکہ الغمیم پر نمبر ڈال کر مختصر عبارت ان سب کے ساتھ ہی آجائے گی۔ یہ تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ میں نے جزء حجۃ الوداع میں بہت کثرت سے تمہارے مقالے سے حوالے نقل کئے ہیں۔ وہ بھی اسی عنوان سے نقل کئے ہیں جو اوپر لکھا یعنی افاد العزیز محمد الرابع الندوی .... الخ۔ میری رائے بھی یہی ہے کہ ''بعض الطریق'' کی تفسیر جس نے بھی عسفان سے کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اس وقت بھی اس کے متعلق اپنا رد لکھوانے کا ارادہ کیا تھا مگر خیال یہ تھا کہ میری رائے کی تائید کسی بڑے کلام سے مل جائے تو لکھواؤں، البتہ میں اب تک اس خیال میں ہوں کہ حضور ﷺ نے خالد بن ولید کے غمیم میں ہونے کی خبر جاسوس کے بیان سے نہیں دی، بلکہ اپنے کشف اور الہام سے اس سے پہلے ہی دے دی تھی، اس کی تائید جاسوس کے بیان سے ہوئی ہے، میرا خیال ہے کہ تمہارا مضمون

بہت اچھا ہے مگر طویل ہے، اور نقشہ بھی اچھا ہے، لکھنے کے بعد میرے پاس بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے، علی میاں کو ضرور دکھلا دیں، اور اس کو اللہ کا نام لے کر طبع کروا دیں۔ جزء العمرات کے طبع ہونے میں دیر لگ گئی، تین ہی جزء تھے اور مسلسلات کے موقع پر حجۃ الوداع چھپ چکا تھا، ان چیزوں نے ایک ماہ لگا دیا، میرا خیال یہ ہے کہ تمہارا نقشہ تو بعینہ پورا آجائے اور مواضع کا تعین ذرا اختصار سے آجائے بالخصوص اشعار اور اس کے متعلق شرح کی ضرورت نہیں ہے۔

فقط والسلام

حضرت شیخ بقلم سلمان

۲۱ر شعبان ۱۳۹۰ھ

اس کتاب کی مقبولیت اہل علم کے حلقے میں

یہ کتاب اہل علم کے بڑے طبقہ میں بھیجی گئی، ان میں محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ کا اسم گرامی سرفہرست ہے، حضرت مولانا اعظمی نے کتاب ملاحظہ فرمانے کے بعد ''جزء خطبات النبی ﷺ فی حجۃ الوداع'' مرتب فرمائی۔ اور اس کی ابتدائی سطور میں حضرت شیخ کا والہانہ ذکر کیا، حضرت شیخ الحدیثؒ کے قلم سے محدث اعظمی کا یہ رسالہ (جزء خطبات النبی ﷺ) اس خاکسار کی نگرانی میں ندوۃ العلماء کے پریس سے خوبصورت ٹائپ میں شائع ہوا۔

''الکوکب الدری علی جامع الترمذی'' کی طباعت

اس کتاب کا تعارف حضرت شیخؒ نے اپنی کتاب ''آپ بیتی'' (ج ۱۵۰/۲) میں اس طرح کرایا ہے: ''یہ کتاب قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ترمذی شریف کی تقریر ہے، جس کو میرے والد صاحب نے پڑھنے کے زمانہ میں عربی میں لکھا تھا، اور مشائخ درس بہت کثرت سے اس کی نقلیں بہت گراں قیمت پر طلبہ سے کراتے تھے، جہاں تک مجھے یاد ہے حضرت مولانا الحاج اصغر حسین صاحب دیوبندی نے ۷۵ روپئے میں نقل کرائی تھی، میں نے بھی

اس کی نقل دینے میں کبھی بخل نہیں کیا، اگر چہ بہت سے لوگوں نے مجھے بہت منع کیا، بالخصوص منطقی علماء اور بہت سے احباب کا شدید اصرار اس کی طباعت پر رہا، بالخصوص حضرت مدنی قدس سرہ کا، مگر میرے ذہن میں یہ تھا کہ علماء میں سے جب تک کوئی نظر ثانی اور مختصر حواشی اس پر نہ لکھے، طبع نہ کرائی جائے، حضرت مدنی قدس سرہ اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے بار بار درخواست کی، لیکن مشاغل کی وجہ سے کوئی راضی نہ ہوا، مجھے ۱۳۵۱ھ میں معلوم ہوا کہ ایک صاحب اس کو بحالہ شائع کررہے ہیں جس پر مجھے خیال ہوا کہ یہ غلط چھپ جائے گی اس لئے ''اوجز المسالک'' کی تالیف چندسال کے لئے روک کر اس کا کام شروع کرنا پڑا''۔

اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء میں ندوۃ العلماء پریس سے عربی ٹائپ پر چار جلدوں میں شائع ہوا، اور تیسرا ایڈیشن ''لجنۃ التراث والتاریخ'' عرب متحدہ امارات کی جانب سے حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کی مخلصانہ کوششوں سے شائع ہوا، اس کتاب پر پہلا مقدمہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا ہے، اور دوسرا مقدمہ حضرت الحاج مولانا سید محمد عاقل صدر المدرسین جامعہ مظاہر علوم سہارنپور نے تحریر فرمایا ہے۔

''بذل المجھود علی سنن أبي داوٗد'' اور اس کی جدید طرز پر طباعت

حضرت شیخ کو اس بات کی بہت فکر تھی کہ ان کے مرشد و مربی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کی نہایت ہی مہتم بالشان تصنیف ''بذل المجھود علی سنن ابی داوٗد'' بھی کسی طرح ندوہ کے پریس سے شائع ہو جائے، چنانچہ حضرت کے ایماء اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے حکم سے عربی ٹائپ میں بذل المجھود کی طباعت کا کام ندوۃ العلماء پریس سے شروع ہوا، اور حضرت شیخ الحدیثؒ کی دعاؤں سے اس کی چھ جلدیں طبع ہوگئیں، اور بقیہ چودہ جلدیں مصر سے شائع ہوئیں، اور حضرت مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری کی دلچسپی سے اس کے حاشیہ کا کام بھی ہوگیا، اور اس کی طباعت کے سلسلہ میں مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی اور

مولانا عبدالحفیظ مکی اور مولانا عبدالرحیم متالا نے تا طباعت کتاب مصر میں قیام فرمایا، اور ہمہ تن اس کی طباعت کی طرف متوجہ رہے اور ۱۳۹۳ھ میں بذل المجہود کی طباعت بیس جلدوں میں مکمل ہوئی، اس موقع پر حضرت شیخ الحدیثؒ نے جو گرامی نامہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اور مولانا معین اللہ صاحب اور از راہ شفقت اس خاکسار کو تحریر فرمایا تھا اس کا ایک حصہ نقل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بذل المجہود کی طباعت کی تکمیل پر حضرت شیخؒ کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين ۔ وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها۔ من لم يشكر الناس لم يشكرالله۔

مکرمان ومحترمان مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں صاحب ومولانا معین اللہ ومولانا سعیدالرحمٰن صاحب، بعد سلام مسنون سب سے پہلے تو مالک کا شکر، کہ وہی رب الناس ورب العالمین ہے، مصرف القلوب ہے، آدمی اس کے بغیر ارادہ کچھ نہیں کرسکتا...... وما تشاؤن الا أن یشاء اللہ رب العالمین، اس کے بعد ثانیاً تم تینوں حضرات کا شکر مجھ پر واجب ہے۔ اولاً مولانا معین اللہ صاحب، ثانیاً علی میاں کا اور ثالثاً مولانا سعیدالرحمٰن صاحب کا کہ یہ ناکارہ تقریباً ۴۵ برس سے اس تمنا وکوشش میں تھا کہ بذل المجہود کسی طرح ٹائپ پر چھپ جائے اس لئے کہ حجازی لوگ پسند بھی کرتے تھے، خریدتے بھی تھے، لیکن معلوم ہوتا تھا کہ ان سے پڑھی نہیں گئی تو کسی ہندوستانی کو کہ اس وقت ہندوستان و پاکستان ایک ہی تھا، ہدیہ دے دی گئی، کچھ کا حال معلوم ہوا کہ ان کو حجازی لوگوں نے ہدیہ میں دی، کئی سال تک میں اور مولانا یوسف مرحوم حیدرآباد میں کوشش کرتے رہے، کئی دفعہ معاملے بھی ہوئے، سوا لاکھ روپئے ٹھیکہ بھی ہوگیا جو میری حیثیت سے تو زیادہ تھا مگر شوق میں اس کی بھی ہمت کرلی تھی، کہ مولانا یوسف صاحب کی ’’حیاۃ الصحابۃ‘‘

چھپ رہی تھی، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ اس میں تو کوئی بدمعاملگی درمیان میں ہے، دس بارہ برس تک اس کے پیچھے پڑا رہا، اور حجاز و مصر سے بھی بواسطہ کوشش کرتا رہا، اس میں مولوی حسین احمد بنارسی نے بھی ہندوستان میں ٹائپ پر مستقل کئی سال تک کوشش کی، مگر کوئی صورت بن نہیں پڑی، سب سے پہلے مولانا معین اللہ صاحب نے بیت اللہ کے سامنے زوروشور سے اس کی طباعت پر مستعدی ظاہر کی، اور علی میاں نے ان کی مستعدی پر سیمنٹ لگا کر اس کو پختہ کر دیا اور پھر مولانا سعید الرحمٰن صاحب کی مساعی جمیلہ نے چھ جلدوں میں طبع کرادی، شروع میں تو میری تمنا صرف ''بذل'' کی تھی، حاشیہ کا خیال بھی نہ تھا مگر مولانا تقی صاحب کی مساعی جمیلہ سے حاشیہ بھی ہوگیا، اور ۲۷؍رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ کو بذل محشی پہلا پروف پہونچا، اس کے بعد ثالثاً عزیزم مولوی عبدالحفیظ سلمہ، اللہ اس کو بہت ہی بلند درجہ عطا فرمائے، دین و دنیا کی بے حد ترقیات نصیب فرمائے، اپنی رضا و محبت زیادہ سے زیادہ اور اپنی شراب عشق کا جرعہ نصیب فرمائے۔ کہ وہ عزیز میری ان کتب حدیث کو ٹائپ پر منتقل کرنے میں ہمہ تن ایسا متوجہ ہوا کہ جان و مال دونوں بے دریغ اس میں صرف کرنی شروع کر دی، اور مولوی عبدالرحیم متالہ اور مولوی تقی صاحب کی مساعی سے ''بذل المجہود'' مکمل بیس جلدوں میں پوری ہوئی'' ۔

(فہرست تالیفات شیخ ج ۳ ص ۲۷۱-۲۷۲، مرتب، مولانا محمد شاہد سہارنپوری)

ایک اور اہم کتاب کا عربی ترجمہ اور طباعت

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تصنیف ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' ہے، یہ تقسیم ہند کے نازک حالات کے موقع پر چند سوالات کے جوابات میں تحریر کی گئی ہے، پھر یہ '' اسلامی سیاست'' کے نام سے شائع ہوئی، یہ کتاب چونکہ عوام وخواص دونوں حلقوں کے لحاظ سے اہم اور ضروری تھی اس لئے اس کے بہت سے اڈیشن شائع ہوئے، اور ''اسلامی سیاست'' کے نام سے بھی اس کا تعارف ہوا۔ اور حضرت شیخ کے ایماء سے اس کا عربی ترجمہ راقم الحروف نے کیا، یہ

ترجمہ " اسباب سعادة المسلمین و شقائهم فی ضوء الکتاب و السنة " کے نام سے ندوۃ العلماء پریس سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے بیش قیمت اور مفید مقدمہ کے ساتھ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔ اور پھر اس کے متعدد ایڈیشن مختلف ملکوں سے شائع ہوئے۔ پہلا ایڈیشن ندوۃ العلماء پریس سے، دوسرا ایڈیشن المجلس العلمی دارالعلوم کراچی ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا، تیسرا ایڈیشن دارالقلم دمشق سے ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔ چوتھا ایڈیشن مکتبہ دینیات رائے ونڈ ضلع لاہور سے شائع ہوا، پانچواں ایڈیشن المکتبۃ الامدادیۃ باب العمرہ مکہ معظّمہ سعودی عرب سے شائع ہوا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مدینہ منورہ میں قائم کیا جانے والا پریس ''مطابع الرشید'' کا افتتاح حضرت شیخؒ کے دست مبارک سے ۳۰/رجب، ۱۳۹۸ھ مطابق جولائی ۱۹۷۸ء میں ہوا۔ اور اس پریس سے سب سے پہلی شائع ہونے والی کتاب یہی تھی۔ اس طرح اس کتاب کے اس وقت چھ ایڈیشن شائع ہوئے۔ اور اس کے بعد مسلسل اس کتاب کے مختلف ایڈیشن مختلف جگہوں سے مختلف اوقات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ جو خصوصیت کے ساتھ جماعت تبلیغ کے عربی حلقوں اور دوسرے دینی حلقوں میں بھی مقبول ہے۔

''فضائل قرآن'' اور ''فضائل نماز'' کا عربی ترجمہ اور طباعت

" اسباب سعادة المسلمین و شقائهم " کی عربی زبان میں اشاعت اور اس کی عام پذیرائی کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ کی کتاب ''فضائل قرآن'' کا عربی ترجمہ و تلخیص '' الرائد'' عربی اخبار کے مدیر اور کلیۃ اللغۃ کے عمید حضرت مولانا سید محمد واضح رشید صاحب ندوی نے کیا۔ اور اس پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے مقدمہ تحریر فرمایا، یہ کتاب بھی ندوۃ العلماء کے پریس سے عربی ٹائپ پر شائع ہوئی۔ اس کے صفحات ۱۴۰ ہیں، اور سن طباعت ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء ہے۔

اس کتاب کی عربی زبان میں اشاعت اور تبلیغی حلقوں میں مقبول ہونے کے بعد فضائل نماز کا عربی ترجمہ ''البعث الاسلامی'' کے سابق ایڈیٹر اور مؤسس حضرت مولانا سید محمد الحسنی صاحبؒ نے کیا، اور وہ بھی ندوہ پریس میں عربی ٹائپ پر طبع ہوئی، اس پر بھی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا مقدمہ ہے، اور ضخامت ۹۹ر صفحات کی ہے، یہ کتاب ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء میں شائع ہوکر علمی اور تبلیغی حلقوں میں مقبول ہوچکی ہے۔

''اوجز المسالک الی موطأ امام مالک'' کی تحقیق اور شاندار طباعت

گذشتہ چند سالوں سے حضرت شیخ کی مہتم بالشان تصنیف '' أوجز المسالك الى موطأ مالك '' پر تحقیق وتعلیق کا کام حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری حکومت ابوظبی کے ایک اہم ذمہ دار اور نائب رئیس الوزراء سمو الشیخ سلطان بن زاید آل نہیان کے ایماء سے بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے کتاب کو زیادہ سے زیادہ تحقیق وتعلیق کے زیور سے آراستہ کر کے طباعت کے لئے تیار کردیا، اور اس کی طباعت نہایت خوبصوت ۱۸ر جلدوں میں مکمل ہوگئی۔

الحمدللہ یہ ایک عظیم کارنامہ ہے جس کی مثال علمی دنیا میں بہت کم ملتی ہے، حضرت شیخؒ اس کتاب کو اسی انداز سے طبع کرانے کے خواہش مند تھے، اور ان ہی کی دعاؤں اور نیک تمناؤں کی برکت سے یہ عظیم کارنامہ ایک بڑی اور قدآور شخصیت کے ذریعہ انجام پایا، اور پوری دنیا کے علمی حلقوں کے لئے، ایک عظیم علمی تحفہ ثابت ہوا، طباعت نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب ہے۔ اور اس کی تقسیم کا عمل جامعہ اسلامیہ کے ''مرکز الشیخ ابی الحسن علی الحسنی الندوی للبحوث والدراسات الاسلامیہ'' کی طرف سے مرکز کے افتتاح کے موقع پر انجام پائے گا۔ ان شاء اللہ۔

حضرت شیخؒ کی تصنیفات اور ان کی تعداد

یوں تو حضرت شیخ کی تصنیفات کی تعداد ۱۰۰؍ سے زائد ہے اور ان میں بہت سی اہم تصنیفات ہیں جن کا تعارف کرانا اس موقع پر بہت مناسب تھا لیکن مقالہ کی طوالت اور عنوان کی مناسبت کی وجہ سے اس وقت اتنے ہی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ خاص طور سے اس لئے بھی کہ حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری مدظلہ العالی نے ’’تالیفات شیخ‘‘ کی فہرست اور تعارف اور ان کا تفصیلی جائزہ تین جلدوں میں پیش کیا ہے۔ اور وہ بجائے خود ایک نہایت مہتم بالشان علمی خدمت ہے ’’فجزاه الله تعالى بأحسن ما يجزى به عباده العاملين‘‘۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا آخری سفر ہند:

حضرت شیخ باجود اپنی علالت اور ضعف ونقاہت کے، ۱۵؍ محرم ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۲؍ نومبر ۱۹۸۱ء کو آخری بار مدینہ طیبہ سے ہندوستان تشریف لائے اور دہلی کے ایام قیام میں ضعف اور کمزوری کا غلبہ ہوا، اور اہل تعلق کے مشورہ سے دہلی کے ایک بڑے ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ جہاں کچھ دنوں تک قیام فرمانے کے بعد جب طبیعت قابل اطمینان ہوئی، تو اسپتال سے واپسی نظام الدین کے علاقے میں حافظ کرامت اللہ صاحب کی کوٹھی پر ہوئی، پھر سہارنپور تشریف لے جانا ہوا، اور مرض میں تخفیف ہوئی تو مدینہ منورہ واپسی کا عزم فرمالیا، ۱۸؍ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۶؍ جنوری ۱۹۸۲ء کو براہ کراچی جدہ کے لئے روانگی ہوئی، اور الحمدللہ مدینہ منورہ بعافیت پہنچنا ہوا، وہاں پہنچ کر علاج اور پرہیز کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اور طبیعت میں نشاط کی خبریں ملنی شروع ہوئیں۔

حضرت شیخ کے آخری ایام میں میری حاضری

راقم الحروف برابر حضرت شیخ کی زیارت کی تمنا پوری کرنے کے لئے موقع کا منتظر تھا کہ رجب ۱۴۰۲ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ اور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری دی اس

زمانے میں طبیعت خاصی کمزور تھی، لیکن برابر میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ اور وہاں کی بابرکت فضا میں سانس لینے کا موقع ملتا تھا، ۲؍شعبان ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۵؍مئی ۱۹۸۲ء کی صبح کو طبیعت بظاہر بہتر تھی۔ میں صبح کی مجلس میں حاضر تھا اور پھر ظہر کے بعد مجلس طعام میں شرکت کا موقع ملا، میں عصر سے کچھ پہلے وہاں سے واپس آکر اپنے کمرے میں مقیم تھا اور عصر کی نماز کے بعد حضرت کی قیام گاہ پر پہنچتے ہی حادثۂ جانکاہ کی خبر معلوم ہوئی (انا لله و انا اليه راجعون)۔

میں نے اسی وقت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو بذریعہ تار اس حادثہ کی خبر دی، اور حضرت کے جملہ انتظامات غسل، تجہیز و تکفین، نماز جنازہ اور جنت البقیع میں تدفین کے تمام معاملات میں پوری طرح حاضر رہا، اس سوگوار فضا میں کچھ دن رہنے اور مسجد نبوی میں ایک اچھا وقت گذارنے کے بعد، میں ہندوستان واپس ہوا، اور اس عظیم شخصیت کی زندگی کے آخری لمحات میں وہاں اپنے موجود رہنے کو محض اللہ کا فضل سمجھتا رہا، جبکہ بہت سے اہل تعلق جو ہمیشہ حضرت شیخ کے قریب رہا کرتے تھے اس موقع پر موجود نہیں تھے ذلك فضل الله يوتيه من يشاء، والله ذوالفضل العظيم۔ اب حضرت شیخ کے جانشین فرزند عالی مرتبت حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی ہیں، جو حضرتؒ کے تمام حلقوں میں مقبول و معروف ہیں، اطال الله بقاء ه للاسلام۔

موطأ کی شرح أوجز المسالک

کا

جدید ایڈیشن

مولانا ضیاء الدین اصلاحی
(دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی پرکمالات ذات گرامی شریعت وطریقت اورعلم و عرفان کی جامع ہے، سلوک وتصوف میں امتیاز ومشیخت کے ساتھ دینی علوم خصوصاً حدیث نبوی پر ان کی نظر بڑی گہری اور وسیع ہے، حدیث نبوی سے شغف اوراس کا ذوق انہیں اپنے اسلاف کرام سے ورثہ میں ملا ہے۔خود ان کی عمر مبارک کے بیشتر لمحات اسی فن شریف کی خدمت اور درس وتدریس میں بسر ہوئے جس کا کوئی معاوضہ لینا گوارا نہیں فرمایا۔

اس جذبۂ صادق اور ولولۂ کامل کی بنا پر اللہ تعالی نے حضرت شیخ کے لئے اس فن شریف کو سہل اور آسان فرما دیا تھا، حدیث میں تاعمر انہماک اور درس وتدریس سے برابر اشتغال کی بنا پر ان کی نظر اس کے مشکلات ومہمات مباحث پر بڑی وسیع وعمیق تھی، درس وتدریس کے

علاوہ عربی اور اردو دونوں زبانوں میں اس فن شریف کی خدمات انجام دیں اور کتابیں یادگار چھوڑیں۔ عربی میں حدیث کی کئی مشہور ومتداول کتابوں کے شروح وتعلیقات تحریر فرمائے ہیں جن میں صحاح کی کتابوں پر بھی ان کے حواشی وتعلیقات شامل ہیں، وہ بذل المجہود کی تالیف و تصنیف میں بھی جو سنن أبی داؤد کی مشہور شرح ہے اپنے نامور شیخ واستاد عالی مقام مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری کے شریک ومعاون رہے ہیں۔ یہ سب شروح وتعلیقات حضرت شیخ الحدیث کے علمی وفنی تبحر، دقت نظر اور وسعت مطالعہ کا ثبوت اور متقدمین کی شروح وتعلیقات کے ہم پایہ ہیں۔

شروح حدیث میں ان کا سب سے مہتم بالشان اور مایہ ناز کارنامہ أوجز المسالک ہے جو موطأ امام مالکؒ کی ضخیم ومبسوط شرح اور حضرت شیخ کی تمام تصنیفات میں ممتاز اور نمایاں درجہ رکھتی ہے۔

أوجز المسالک متقدمین کے شروح وافادات کا خلاصہ والتقاط ہے، اس میں موطأ کے جو شروح وحواشی پہلے لکھے گئے تھے ان سب کا عطر شیخ نے کشید کر دیا ہے۔ تاہم یہ قدیم شروح و تعلیقات سے ماخوذ ومستفاد ہونے کے باوجود ان پر حسب ضرورت وموقع مفید اضافہ بھی ہے، فاضل شارح نے حدیث، سیر، اور تاریخ کی کتابوں سے بڑے قیمتی اور گوناگوں معلومات اس طرح اکٹھا کر دئے ہیں جن سے نفس مسئلہ اور اصل واقعات واحکام میں کوئی فرق نہیں آنے پایا ہے اور غیر متعلق وغیر ضروری بحثیں حذف ہوگئی ہیں۔

روایات مختلفہ اور مختلف فیہ امور میں شیخ الحدیث نے حتی الامکان جمع وتطبیق یا تاویل و توجیہ کی راہ اختیار کی ہے لیکن جہاں ایسا نہیں ہوسکا ہے وہاں پوری تحقیق اور دلیل کے ساتھ اپنی ترجیح وتصویب کا ذکر کیا ہے۔

أوجز المسالک کا آغاز فاضل مصنف کے مبسوط، جامع اور محققانہ مقدمہ سے ہوا ہے جو بجائے خود ایک مستقل کتاب ہے اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اسے علاحدہ سے شائع بھی کیا تھا، یہ حدیث اور اصول حدیث کے فنی مباحث اور قیمتی معلومات کا خزانہ ہے۔

مقدمہ سات ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں گوناگوں اور متعدد فوائد و نکات تحریر کیے گئے ہیں۔ پہلے باب میں علم حدیث کی تعریف، اس کی غرض و غایت، اس کی فضیلت و اہمیت اور جمع و تدوین اور کتابت حدیث کی تاریخ بیان کی گئی ہے، دوسرے باب میں امام دارالہجرت کے فضائل و مناقب اور موطا امام مالک کا مبسوط تعارف اور اس کے مزایا وخصوصیات وغیرہ پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، تیسرے باب میں اس شرح کے مآخذ وخصوصیات اور شارح سے مصنف تک کے سلسلہ اسانید کا تذکرہ اور اس سلسلہ کے جملہ شیوخ اور خود شارح کا مختصر ترجمہ درج ہے چوتھے باب میں شارح کے فقہ و درایت حدیث کے اسانید کے مرجع حضرت امام ابوحنیفہؒ کے فضائل و کمالات اور فن حدیث میں ان کے درجہ و مرتبہ کا تعین اور حنفی مذہب کے اصول و مبانی کا ذکر ہے۔ پانچواں باب مصطلحات حدیث کی توضیح وتشریح پر مشتمل ہے، چھٹے اور ساتویں باب میں ان اصول و آداب کا ذکر ہے جن کو محدث اور طالب علم کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے،

یہ مقدمہ کے مباحث کا نہایت سرسری اور مختصر جائزہ ہے اس کنز مخفی کی قدر و قیمت اور مصنف کے علمی تبحر اور فاضلانہ ژرف نگاہی کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔

اصل شرح أوجز المسالک علم حدیث کا دائرۃ المعارف اور انسائیکلوپیڈیا ہے، اس کے متعدد اڈیشن نکل چکے ہیں، پہلی مرتبہ ۱۳۴۸ھ میں اسے مکتبہ یحیویہ سہارنپور نے چھ جلدوں میں لیتھو پر شائع کیا تھا، پھر قاہرہ اور بیروت سے ۱۵ر جلدوں میں شائع ہوا، سب سے آخر میں

دارالکتب العلمیہ بیروت سے ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء میں شایع ہوا، ان سب ایڈیشنوں میں غلطیاں در آئی تھیں اور آخری ایڈیشن میں غلطیاں سب سے سوا تھیں، یہ صورت حال حضرت شیخ الحدیث کے عقید تمندوں اور تلامذہ کے لئے بڑی تکلیف دہ تھی۔

اسی بنا پر مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری اطال اللہ بقاءہ کو جو حضرت شیخ الحدیث کے علمی جانشین، لائق مسترشد اور ممتاز و نمایاں شاگرد ہیں اُوجز المسالک کا صحیح اور اغلاط سے خالی ایڈیشن تیار کرنے کا خیال ہوا، وہ حضرت شیخ الحدیث کی صحبت و تربیت میں رہ کر مدتوں ان سے استفادہ اور اپنی علمی تشنگی بجھاتے رہے ہیں، مولانا تقی الدین صاحب کی بھی حضرت شیخ الحدیث کے فیض اور توجہ سے حدیث اور اس کے متعلقات پر اچھی نظر ہے، ان سے بھی ہزاروں طلبہ مستفیض ہوئے ہیں، ہندوستانی مدارس و جامعات کے علاوہ جامعۃ العین میں بھی کتب حدیث کا درس دے چکے ہیں، انہوں نے محدثین عظام کے حالات و کمالات، فن حدیث و اسماء الرجال میں مشہور و مقبول کتابیں لکھی ہیں جو اہل علم وفن کے نزدیک مستند و معتبر ہیں۔

اس سے پہلے بھی وہ احادیث کی تحقیق و مراجعت اور تصحیح و مقابلہ کا کام کرتے رہے ہیں خود حضرت شیخ الحدیث کے متعدد مؤلفات اور مولانا خلیل احمد محدث سہانپوری کی سنن اُبی داؤد کی مشہور شرح بذل المجہود کے مقابلہ و مراجعت کی خدمت بھی انجام دے چکے ہیں، اب انہوں نے شیخ کی شرح موطا اُوجز المسالک کو تصحیح و مقابلہ کے بعد شائع کر کے حدیث نبوی کی خدمت کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے جو طلبہ حدیث کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے ان کی مراجعت و تحقیق کے بعد یہ نیا ایڈیشن ۱۸/ جلدوں میں مکمل ہوا ہے۔ اور ۲۰۰۳ء میں سمو الشیخ سلطان بن زاید آل نھیان حفظہ اللہ کے مصارف سے یہ چھپا ہے۔

مولانا تقی الدین صاحب نے اُوجز المسالک کی تصحیح میں بڑی محنت و جاں فشانی اور

دقت نظر سے کام لیا ہے، اس شرح کے ہندوستانی نسخہ کو اصل و بنیاد قرار دے کر پہلے اڈیشنوں کی غلطیوں کی تصحیح کی ہے کیوں کہ ہندوستانی نسخہ مصنف کی اصل کے مطابق تھا مگر ہر جگہ اس کی صراحت نہیں کی ہے، صرف اسے مقدمے میں اس کی بعض مثالیں دی ہیں، ہندوستانی نسخہ میں اغلاط کا علم ہونے پر انہوں نے ان مصادر اور مراجع کی جانب رجوع کیا ہے جن سے حضرت شیخ نے انہیں نقل کیا تھا اس کی صراحت و تنبیہ کا التزام بھی نہیں کیا ہے۔

جہاں تک ممکن ہوسکا ہے نصوص کی تخریج ان مصادر سے کی گئی ہے جن سے مصنف نے انہیں نقل کیا تھا، لیکن طوالت کے خوف سے اور اس بنا پر پوری کتاب میں اس کا التزام نہیں کیا ہے کہ مشہور شروح موطأ میں یہ نصوص موجود ہیں حسب ضرورت و موقع مفید تعلیقات و حواشی کا اضافہ کیا ہے۔

متن میں استاد محمد فؤاد عبدالباقی کے نسخہ کو پیش نظر رکھا ہے لیکن فائدے کے خیال سے شرح میں شیخ کی تمام نقل باقی رکھی ہے، استفادے میں آسانی اور سہولت کے لئے تفصیلی فہرست تیار کی ہے۔

یہ اور اسی طرح کے گوناگوں امور کو مدنظر رکھ کر مولانا تقی الدین صاحب نے یہ نیا اڈیشن مرتب کیا ہے جس سے حضرت شیخ الحدیث کی شرح کی اہمیت دوبالا ہوگئی ہے۔

جہاں تک اصل شرح کا تعلق ہے وہ لاریب حضرت شیخ کے رسوخ فی العلم اور حدیث میں امتیاز و تبحر کا بے مثال نمونہ اور لازوال کارنامہ ہے اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا تھا یہ ایک ممزوج شرح جس میں اس سے پیش تر کی اہم شرحوں کا لب لباب اور عطر کشید کیا گیا ہے، اس کی وجہ سے اس کا مطالعہ موطا کی سینکڑوں شروح و حواشی سے طالب فن کو بے نیاز کردیتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث نے روایات مختلفہ اور مختلف امور میں مقدور بھر جمع و تطبیق یا تاویل و

توجیہ کا طریقہ اختیار کیا ہے لیکن جہاں ایسا نہیں ہوسکا ہے وہاں پوری تحقیق کے بعد دلیل سے اپنی ترجیح وتصویب کا ذکر کیا ہے۔

نقل مذاہب کا اہتمام والتزام کیا ہے، جمہور فقہاء ومحدثین اور ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے قابل ذکر علماء ومجتہدین کے آراء واقوال بھی تحریر کیے بلکہ شاذ وغریب اقوال بھی ذکر کیے ہیں اور وجوہ اختلاف وترجیح بھی بیان کردیے ہیں۔

نقل مذاہب اور ان کی تائید وترجیح میں احتیاط وانصاف کو ملحوظ رکھا ہے، حنفی مذہب کی طرف طبعی میلان کے باوجود ترجیحات میں استدلال وتحقیق کا سرا ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ حنفیہ کی تعدد اقوال میں جمع وتطبیق ناممکن ہونے پر صحیح ومرجح کی تعیین کی ہے۔ شارح نے احکام کے مصالح وحکم بھی دل نشیں انداز میں بیان کیے ہیں اور ہر طرح کے فوائد واسرار اور بعض جگہ علمی وفنی نکات بھی قلمبند کیے ہیں صرف فقہی احکام کا استنباط ہی نہیں کیا ہے بلکہ تفسیری وکلامی وغیرہ مختلف النوع علمی بحثیں بھی کی ہیں۔

رجال واسناد اور حدیث کے فنی مباحث، روایات کے درجہ ومرتبہ کی تعیین، صحت وقوت اور ضعف وسقوط کے لحاظ سے اقسام حدیث کی تعیین بھی کی ہے، بعض احادیث سے متعلق اشکالات واوہام کا ازالہ بھی کیا ہے۔

اسماء الرجال کی شرح میں استقصاء کے ساتھ اسماء واعلام اور اماکن کی تحقیق کا حق بھی ادا کیا ہے۔ الفاظ ولغات کے معانی بیان کرنے اور اعراب وحرکات کی تعیین کی جانب بھی خاص توجہ کی ہے، اصطلاحات اور فقروں کی تشریح، عربی کے اسالیب اور استعمالات اور نحوی وصرفی مباحث بھی جا بجا مذکور ہیں۔

یہ شرح کی عام خصوصیات ہیں، مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب کا شائع کردہ یہ اڈیشن

اٹھارہ جلدوں میں ہے، ان سب جلدوں سے مثالیں پیش کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ وہ عام دلچسپی کی چیزیں ہیں اس لئے ہم صرف پہلی جلد سے بعض مثالیں یہاں درج کرتے ہیں:

امام مالکؒ نے موطأ کا آغاز صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا ہے اور حمد وتصلیہ کو چھوڑ دیا ہے، مولانا محمد زکریا صاحب اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

''مصنفؒ نے اپنی کتاب یعنی موطأ کی ابتداء تسمیہ (بسم اللہ) سے کی ہے اور اسی پر اختصار کیا ہے اکثر محدثین کا یہ طریقہ ہے اور وہ حمد (الحمد للہ) اور شہادت کو نہیں تحریر کرتے، حالانکہ ان کے بارے میں بھی روایات وارد ہیں مگر چونکہ ان میں ان دونوں میں سے کسی ایک کی بھی کتابت کی قید کی تصریح نہیں کی ہے، اس کے علاوہ محدثین کے اصول وقاعدے کے مطابق ان روایات میں کلام کی گنجائش بھی ہے، ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ ایسا نزول قرآن کی اقتداء میں کیا گیا ہے کیونکہ قرآن مجید میں اولاً ''اِقرا'' ہی نازل ہوا ہے۔ یا بادشاہوں کے نام نبی ﷺ نے جو خطوط لکھے تھے یا قضایا کے بارے میں آپ نے جو رسالے لکھے تھے ان کی پیروی میں یہ کیا گیا ہے اور یہ بات معلوم ومعروف ہے کہ حدیث کی ساری کتابیں عبادات ومعاملات وغیرہ سے متعلق آپ ﷺ کے قضایا ہی پر مشتمل ہیں۔

اس سلسلے میں یہ عذر بھی ممکن ہوسکتا ہے کہ یہ کتاب مصنف کے نزدیک کوئی اہم چیز نہیں تھی۔

امام مالکؒ نے بسم اللہ لکھ کر جو پہلا باب قائم کیا ہے اس کا عنوان ''باب وقوت الصلوۃ'' ہے، شارح نے اس سلسلے میں لکھا ہے۔

''وقوت وقت کی جمع کثرت ہے جس طرح بدر کی بدور ہے، (موطأ) اکثر روایات میں یہی ہے لیکن ابن بکیر کی روایت میں ''اَوقات الصلوۃ'' آیا ہے، جمع قلت کے ساتھ آیا ہے

اور انہوں نے اس روایت کو اس لئے راجح قرار دیا ہے کہ نمازیں پانچ ہیں اس لئے جمع قلت لانا ہی زیادہ مناسب تھا، لیکن پہلی صورت کی یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ نماز کے روزانہ تکرار کی وجہ سے وہ کثیر کے درجہ میں ہوگئی ہے، یا اصل فرضیت اور ۵۰/نمازوں کے اجر کے اعتبار سے جمع کثرت لائی گئی ہے یا پھر اس بنا پر کہ ہر وقت ان تین اوقات پر مشتمل ہوتا ہے، وقت استحباب، وقت جواز اور وقت قضا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے دونوں جمع میں سے ایک کا استعمال دوسرے کی جگہ شائع وذائع ہے، یا یہ کہا جائے کہ بعض محققین کے نزدیک دونوں جمع کا فرق صرف غایت میں ہے مبدا میں نہیں ہے۔

جمہور کے قول کے مطابق صلاۃ اس لئے نام رکھا گیا ہے کہ وہ رحمت کے معنی میں ہے، اسی لئے صلوۃ الجنازہ بھی کہا جاتا ہے حالانکہ اس میں رکوع اور سجدہ نہیں ہوتا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ صلوین سے بنا ہے جو پیچھے کے حصے کی دور گیں ہیں اور نماز میں مڑ جاتی ہیں، یہ قول باجی کے بیان کے مطابق مبرد وغیرہ سے مروی ہے۔

کتاب کے سارے ابواب سے پہلے یہ باب اس لئے لایا گیا ہے کہ نماز ام العبادات ہے جس کے وجوب میں اصل اور بنیاد وقت ہوتا ہے جس کے شروع ہونے پر نماز واجب ہوجاتی ہے پھر وضو وغیرہ واجب ہوتے ہیں۔

پھر آگے فقہاء کے اختلافات بیان کیے ہیں کہ وجوب کا سبب تمام وقت ہوتا ہے جو اکثر مالکیہ کا قول ہے یا اول وقت سبب وجوب ہے اور یہ شافعیہ کا قول ہے یا پھر آخر وقت ہوتا ہے۔ لیکن طوالت کی بنا پر ہم اس بحث کو قلم انداز کرتے ہیں۔ (دیکھئے ص ۲۵۷و۲۵۸)

اس سلسلے میں صاحب تعلیقات مولانا ڈاکٹر تقی الدین نے متن وحاشیے میں جو کچھ کیا ہے، وہ یہ ہے۔

متن میں مصنف وشارح نے صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تھا مگر تعلیق نگار نے قوسین (وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ) لکھا ہے، مصنف وشارح نے باب وقوت الصلوۃ لکھا تھا لیکن چونکہ بعض نسخوں میں کتاب وقوت الصلوۃ بھی آیا ہے اس لئے مولانا ڈاکٹر تقی الدین نے اصل کو باقی رکھتے ہوئے اسے بھی تحریر کردیا ہے۔

مولانا تقی الدین نے شرح میں وارد جمع کثرۃ پر یہ حاشیہ تحریر کیا ہے۔

''ابن عربی نے کہا ہے کہ ایسا ہی امام مالکؒ نے بھی کیا ہے کیونکہ ترجمہ باب کے اندر انہوں نے ۱۳ر وقتوں کو داخل کیا ہے اور ہر وقت دوسرے سے کسی حکم میں منفرد اور کسی وجہ سے مغایر ہے'' اور اس کے لئے قبس جلد ۱ ص ۶۷ر کا حوالہ دیا ہے''

شارح نے باجی کے حوالے سے مبرد وغیرہ کی جس روایت کا ذکر کیا تھا اس کے لئے محشی نے المنتقی (۴/۱) کا حوالہ دے دیا ہے۔

شرح کی جلد اول میں مقدمہ کے علاوہ دو باب شامل ہیں باب وقوت الصلوۃ اور کتاب الطہارۃ، اس سے ایک مثال تحریر کی جاتی ہے، شارح گرامی باب ماجاء فی المسح بالرأس و الأذنین میں لکھتے ہیں۔

''اذنین اذن کی تثنیہ ہے اور شروع کے دونوں حرف مضموم ہیں اور کبھی ذال ساکن بھی مستعمل ہے، مسح راس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے، باب کے اس عنوان سے مصنف کا منشاء یہ ثابت کرنا ہے کہ مسح راس بعینہ واجب ہے، عمامہ کی نیابت کافی نہیں مسح اذنین کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ سر کے بچے ہوئے باقی پانی سے ان کا مسح کیا جائے گا یا نئے پانی سے۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ کانوں کے لئے نیا پانی لیا جائے گا اور امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ کانوں کا مسح سر کے ساتھ ایک ہی پانی سے کرلیا جائے گا۔

حافظ ابن قیم ''الهدی'' میں لکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لیا، بذل میں بھی نیل کے حوالے سے یہی تحریر ہے، شعرانی میزان میں فرماتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ کے قول کی بنیاد یہ ہے کہ دونوں کان سرہی میں شامل ہیں اور ان کا مسح اسی کے ساتھ مستحب ہے مگر امام شافعی کے نزدک یہ دو مستقل عضو ہیں جن کا مسح نئے پانی سے کیا جائے گا۔

زہری کا قول ہے کہ دونوں کان چہرے (وجہ) میں ہیں اس کے ساتھ انہیں بھی دھویا جائے گا، شعبی اور ایک جماعت کا خیال ہے کہ سامنے کا حصہ چہرے میں ہے اس لئے اسے چہرے کے ساتھ دھویا جائے گا مگر کانوں کا اندرونی حصہ سر میں شامل ہے اس لئے اس کا مسح کیا جائے گا۔

بذل وغیرہ میں منقول امر سے شعرانی کے قول کا مختلف ہونا باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس بارے میں مذاہب کے ناقلین کے اقوال بہت مختلف ومضطرب ہیں، شعرانی ہی کے مانند شرح السنۃ وغیرہ سے قاری نے بھی نقل کیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ کانوں کا مسح تینوں دفعہ نئے پانی سے کیا جائے گا، لیکن اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ کان سرہی کا حصہ ہیں اور اسی کے ساتھ ان کا مسح کیا جائے گا۔ اسی کو ابوحنیفہ، مالک اور احمد نے اختیار کیا ہے، امام ترمذی نے بھی امام احمد سے اسی کو نقل کیا ہے، محلی کے حوالے سے موطأ کے حواشی میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ امام مالک کے اور امام شافعی اور احمد کے ساتھ ہیں، اضطراب اقوال کا سبب اس بارے میں ائمہ کی روایات کا اختلاف ہے، میرے نزدیک مرجح یہ ہے کہ اکثر کتابوں کے مطالعہ وملاحظہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد متحد الرائے ہیں اور امام مالک امام شافعی کے ساتھ ہیں ابن رسلان عثمان کی حدیث کے لفظ '' فأخذ ماء فمسح براسه و أذنيه '' کے تحت لکھتے ہیں کہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح ایک ہی پانی سے کیا تھا اور یہی امام احمد کا مذہب ہے۔

میرا معروضہ یہ ہے کہ وضو کے کفارہ سیئات ہونے کی حدیث سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے اور آپ سے مروی ہے کہ الأذنان من الراس "آپ کے وضو کے طریقہ کا ذکر روایتوں میں جس طرح ملتا ہے کہ" ثم مسح رأسه و أذنيه ظاهرهما و باطنهما "ان سب سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے، زیلعی نے اس پر مبسوط بحث کی ہے، لیکن اس مختصر کتاب میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے" اس پوری بحث میں حاشیہ نگار نے صرف دو حاشیے لکھے ہیں ایک تو اس پر کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک کان کا مسح سر کے ساتھ ایک ہی پانی سے کیا جائے گا اس کے لئے حاشیے میں الاستذکار کا حوالہ جلد وصفحات کی تعیین کے ساتھ دیا ہے اور جہاں صرف بذل لکھا تھا وہاں حاشیے میں پورا نام بذل المجہود مع جلد وصفحات دیا ہے۔ ہمارے خیال میں جس طرح فاضل محقق نے شرح میں مذکور "بذل" کا پورا نام حاشیے میں دیا ہے، اسی طرح اور کتابوں جیسے الاستذکار، قبس، المنتقی، الہدی، نیل، میزان، شرح السنۃ اور محلی وغیرہ کے بھی اگر مکمل نام اور ان کے مصنفین کا نام لکھ دیتے تو پڑھنے والوں کو سہولت ہوتی، اسی طرح شرح میں جن لوگوں کے نام آئے ہیں جیسے شوکانی، شعرانی، زہری، باجی، مبرد، شعبی اور قاری وغیرہ ان پر بھی مختصر نوٹ لکھ کر ان کا تعارف کرانا چاہئے تھا۔ اس سے اس کا فائدہ بیش بہا ہو جاتا۔ (۱)

---

(۱) أوجز المسالک کے مقدمہ میں شارح نے ان مصادر اور مؤلفین کا پورا نام بیان کر دیا ہے، کتاب میں وہ اکثر اختصار پر اکتفا کرتے ہیں، اسی لئے انہیں کی پیروی کی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو جلد اول)

اُوجز المسالک کا تعارف

مولانا عمیر الصدیق ندوی
(رفیق دار المصنفین، اعظم گڑھ)

امام دار الہجرۃ ابو عبد اللہ مالک بن انسؒ (متوفی ۱۷۹ھ) کی کتاب موطأ کو قرآن مجید کے بعد کتب خانہ اسلام کی دوسری کتاب قرار دیا جاتا ہے، اس کی عظمت کے لئے یہ شرف اولیت ہی کافی ہے، صحیح بخاری کی یہ شہرت درست ہے کہ وہ قرآن مجید کے بعد اصح الکتب کا درجہ رکھتی ہے لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ قدمائے محققین اور بعض ائمہ متأخرین موطأ کو بخاری سے مقدم اور اہم سمجھتے ہیں اور اس میں تو شبہ نہیں کہ کاملان مدینہ منورہ کی روایات کا پہلا مدون مجموعہ بہر حال موطأ ہی ہے اور شاید اسی لئے شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا کہ حقیقت میں یہ صحیفہ اور احکام شریعت کا مجموعہ صحیح ترین، مستند ترین اور کامل ترین ہے، یہ اعتراف بھی حقیقت پر مبنی تسلیم کیا گیا کہ:

فإن الموطأ الشمس و الغير كواكب کہ آفتاب تو موطأ ہے باقی کتابیں ستارہ ہیں۔

ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ گوفقہ کے ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کے نام سے ایک ایک مجموعۂ حدیث منسوب ہے لیکن امام مالکؒ کے سوا دیگر تینوں ائمہ مجتہدین کے قلم سے علم حدیث کی کوئی تصنیف ظاہر نہ ہوئی، یہ بھی ثابت ہے کہ اگرچہ موطائیں کئی اور لکھی گئیں لیکن وہ سب عدم شہرت کی نذر ہو گئیں۔

موطأ کے امتیاز وانفراد کے متعلق دلائل اور بھی ہیں، یہاں ان کا ذکر مقصود نہیں لیکن یہ شان کیا کم ہے کہ موطأ ہر زمانے میں ائمہ شارحین ومحشین کا مرجع ومرکز نظر رہی، ابن حبیب مالکی ابوسلیمان خطابی، ابن رشیق قیروانی اور ابن عبدالبر جیسے ائمہ متقدمین سے امام سیوطی اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے قریب پچیسوں ائمہ نے اس کی شرح وتعلیق، تلخیص وتوضیح کا فریضہ انجام دیا اور آخر میں یہ سعادت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنیؒ کے نصیب خاص میں آئی جنہوں نے اوجز المسالک اِلی موطأ مالک کے نام سے ایسی شرح تالیف کی جو اپنے لطیف مباحث، علمی نفائس اور نہایت اعلیٰ پایہ کی تحقیق کی خوبیوں کی وجہ سے اس مقام بلند پر فائز ہوئی کہ اہل نظر کی زبان نے اعتراف کیا کہ فإنه يغني عن مئات الشروح والحواشي کہ اس تالیف انیق نے سینکڑوں شرحوں اور حواشی سے بے نیاز کر دیا، کتاب کی برکت ومقبولیت میں شک تو اسی دن نہ رہا جب حضرت شیخ نے امام دارالہجرۃ کے شہر مبارک میں اور روضۂ اطہر کے سائے میں اس شرح موطأ کا آغاز کیا، روئے زمین کے سب سے مبارک اور سب سے پاکیزہ ارض مقدسہ کے جوار میں جس خدمت کا آغاز ہو اس کے حسن قبول میں شک کی گنجائش ہی کب رہتی ہے، حضرت شیخ نے جب چھ جلدوں میں اس شرح کو مکمل کیا تو یہی کہا گیا کہ یہ محض شرح نہیں بلکہ ایک موسوعہ ہے، انسائیکلوپیڈیائی کارنامہ ہے، اس دعوی کی توثیق کے لئے صرف حضرت شیخ کا مقدمہ ہی کافی ہے جس میں انہوں نے حدیث کے علم وفن شریف، امام مالکؒ کے سوانح، ان کے مشائخ وتلامذہ، موطأ کے علاوہ دیگر کتب کے نہایت محققانہ تعارف کے بعد خود موطأ کے فضل وکمال، موطأ کے تمام نسخوں، راویوں، روایتوں پر سیر حاصل بحث کی، ایک باب میں اصح الکتب کی وضاحت بھی کی، اور پھر امام ابومحمد یحییٰ بن یحییٰ اور ان کے اس نسخہ کا تعارف پیش کیا جو حضرت شیخ کا مرجع رہا اور جو ہندوستان کے حلقۂ حدیث میں متداول تھا اور جس پر امام سیوطی، زرقانی اور باجی اور شیخ ولی اللہ دہلوی نے شرحیں سپرد قلم کیں، اس کے بعد حضرت شیخ نے

اپنے مشائخ یعنی حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اور اپنے والد ماجد شیخ محمد یحییٰؒ کے ساتھ اپنے اور مشائخ اور اسانید کا ذکر کیا اور اُوجز المسالک کے سلسلے میں انہوں نے جن مہمات امور کو پیش نظر رکھا ان کو بھی بڑی وضاحت سے بیان کر دیا، ان میں مآخذ کتب کا ذکر خاص طور پر قابل ذکر ہے، مقدمے میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ذکر بھی مفصل اور جامع اور اعلیٰ تحقیق کا نمونہ ہے، امام اعظم کے ذکر کی شمولیت کی وجہ سے حضرت شیخ نے عنوان ہی سے ظاہر کر دی کہ الباب الرابع فی ذکر الإمام الأعظم أبی حنیفة رضی اللّٰه عنه الذی هو مرجع أسانید المؤلف فی الفقه و الحدیث کہ امام اعظم ابوحنیفہ کی فقہ اور حدیث میں ان کی اسانید کے مرجع ہیں، قریب تیس صفحات میں امام اعظم کی زندگی کے ہر پہلو کو کوزہ میں سمندر کی طرح سمیٹ دیا گیا ہے، اس مقدمے کے آخر میں حضرت شیخ نے علم وفن حدیث کی متداول اصطلاحات اور پھر آداب علم حدیث پر بھی بڑی جامع گفتگو فرمائی، اس طرح اوجز المسالک کا یہ مقدمہ بجائے خود ایک مستقل اور اہم تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے، اس گراں قدر مقدمے کے ساتھ اوجز المسالک کے باحث نے حضرت شیخ کی وسعت علم، صفائے ذہن، دلائل و براہین میں ان کی وسعت و دقت نظر چاروں مکاتب فقہ کے اصول وشواہد کے اخذ وقبول اور اختلافی مسائل میں توازن و اعتدال کی غیر معمولی صلاحیت کا حیرت انگیز مشاہدہ کرا دیا، ان کے بے مثال ذوق تحقیق وجستجو، تفحص وتلاش کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ اس مہتم بالشان کتاب کی تکمیل کا عرصہ قریب تیس سال پر محیط ہے، لیکن اسی بے مثال دیدہ ریزی وژرف نگاہی کا ثمرہ تھا کہ علامہ حجاز اور مفتی مالکیہ سید علوی مالکی نے اس کی ثنا خوانی اس طرح کی کہ:

”اگر شیخ زکریا مقدمہ میں اپنے کو حنفی نہ لکھتے تو میں کسی کے کہنے سے بھی ان کو حنفی نہیں مانتا، میں ان کو مالکی بتاتا، اس لئے کہ اوجز المسالک میں مالکیہ کے جزئیات اتنی کثرت سے ہیں کہ خود ہمیں اپنی کتابوں میں ان کی تلاش میں دیر لگتی“۔

علماء وفقہائے مالکیہ میں اوجز المسالک کی یہ قدردانی دراصل حضرت شیخ الحدیث کے حسن نیت کی برکت تھی اس کا عملی ظہور اس وقت ہوا، جب امارات عربیہ متحدہ کے رئیس القضاۃ اور فقہ مالکیہ کے نامور عالم شیخ احمد عبدالعزیز بن مبارک نے اس کے طبع جدید میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا، چنانچہ یواے ای کے علم پرور فرمانروا شیخ زاید بن سلطان آل نہیان کی مساعدت سے شیخ آل مبارک نے اس کی جدید طباعت کا اہتمام کیا، قاہرہ و بیروت سے اوجز کا یہ نیا ایڈیشن پندرہ جلدوں میں دیدہ زیب طباعت سے آراستہ ہوا، مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ متعدد ایڈیشن اور بھی شائع ہوئے اور ان پندرہ مجلدات کا آخری ایڈیشن ۱۹۹۹ء میں طبع ہوا، لیکن خوب سے خوب تر اور صحیح سے صحیح تر کی گنجائش ہر انسانی کاوش کے لئے ناگزیر رہتی ہے اور اسی گنجائش کو اللہ تعالیٰ نے پیش نظر ایڈیشن کے لئے مقدر فرمادیا جس کے نتیجہ میں علم حدیث کی خدمت میں ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ وجود میں آیا جو حسن افادیت، جامعیت اور فن کی کاملیت میں اسی طرح یکتا کہا جاسکتا ہے جس طرح عجائبات عالم میں فن تعمیر کے نمونے کی شکل میں تاج محل کی مثال پیش کی جاتی ہے، اور اس کے لئے قرعۂ فال، قسام ازل نے حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری کے لئے منتخب کیا، اس حسن انتخاب اور جواز استحقاق کے لئے تقدیر و مشیت کا یہ کرم بے پایاں یونہی نہیں تھا۔

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری کی پوری علمی زندگی کا اگر کوئی اور عنوان ہوسکتا ہے تو وہ صرف خدمت علم حدیث کی سرخی ہے، انہوں نے علم حدیث کی خدمت کو جس طرح اپنی زندگی کا حاصل قرار دیا ہے اس کی مثال ہمارے موجودہ اکابر میں تو یقیناً نہیں ہے، وہ اس وقت ہندوستان میں خدمت علم حدیث کی شاندار اور قابل فخر و شکر روایات کے تنہا اور نمایاں ترین امین ہیں، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے حضرت شیخؒ کے متعلق لکھا تھا کہ ”حدیث سے اشتغال آپ کا علمی مشغلہ اور پیشہ نہیں ہے، ذوق و حال ہے جو کسی لمحہ آپ سے جدا نہیں ہوتا ہے

اورآپ اسی کے روح پرور ماحول میں رہتے اور سانس لیتے ہیں'' دکتو رندوی کے متعلق بھی بعینہ یہی کہا جا سکتا ہے، ان کی عربی اوراردو تصانیف وتالیف میں امام بیہقی کی کتاب الزہدالکبیر، مولانا عبدالحئیؒ لکھنوی کی التعلیق المجد شرح موطأ امام محمد اور ظفرالامانی کی تحقیق وتعلیق اوران کی اشاعت جدید، مولانا ندوی کو بقائے دوام کے دربار میں شہرت عام عطا کرنے کے لئے کافی ہے، اس کے علاوہ امام مالک، امام بخاری اور امام ابوداؤد پر ان کی تصانیف اور محدثین عظام اور علم رجال حدیث جیسی کتابیں اب طالبان علم حدیث کے لئے مرجع وماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کا ایک اور عظیم الشان کارنامہ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی بذل المجہود فی حل اَبی داؤد کی مراجعت و تحقیق ہے جو قریب اکیس جلدوں میں انشاء اللہ عنقریب زیور طباعت سے آراستہ ہو جائے گی، لیکن مولانا ندوی کے شاہکار کا مرتبہ اگر کسی کو حاصل ہے تو پیش نظر اوجزالمسالک کی یہ ضخیم اٹھارہ جلدیں جو انتہائی دیدہ زیب اور طباعت کی تمام خوبیوں سے اس طرح آراستہ ہیں کہ خود مکتبات عربیہ کا بلند معیار طباعت اس پر رشک کرسکتا ہے۔

مولانا ندوی نے ابتداء میں اپنے عالمانہ مقدمہ میں اس شاہکار کے عالم وجود میں آنے کے چند اسباب بیان کئے ہیں، مثلاً یہ کہ اوجز کے نسخہ بیروت وقاہرہ میں اخطاء وتحریفات اور مطبعی اغلاط پر جب انہوں نے نظر کی تو معلوم ہوا کہ صرف جلد اول میں قریب بارہ سو پچپن بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ غلطیاں راہ پاگئی ہیں، ان کے علاوہ کتاب کے ہندوستانی ایڈیشن میں بھی غلطیاں تھیں، ایک دیانت دار اور تحقیق کے جویا صاحب علم کی حیثیت سے مولانا کے ذوق نظر اور میلان طبع کے لئے ان کو انگیز کر لینا ممکن نہیں تھا، تاہم تصحیح ومراجعت کی یہ گراں بار ذمہ داری قامت کے لئے زیبا بھی نہیں تھی، یہ رتبۂ بلند اسی کو ملا جس کو ملنا تھا، چنانچہ مولانا نے مصادر ومراجع کی مدد سے تعلیق وتحشی اور تصحیح وتقویم کی ایک ناقابل یقین مثال عملاً پیش کردی، انہوں نے بطور مثال کئی عبارتوں کو اصل غلطی اور بعد درستگی، مقدمہ میں پیش کردیا ہے، اس طرح اس کتاب میں نسخہ ہندیہ سے مراجعت وتصحیح ہوئی اور اگر ہندوستانی ایڈیشن میں بھی غلطی یا تحریف پائی

گئی تو اس کو ان مصادر و مراجع سے دیکھا گیا جن سے حضرت شیخ نے ان کو نقل کیا تھا، اس پر مستزاد یہ کہ حضرت شیخ کے اصل مصادر سے نصوص کی تخریج کا اہتمام بھی کیا گیا، مزید برآں اقتضائے کلام و مقام کی مناسبت سے تعلیق کا فریضہ بھی انجام دیا، فاضل گرامی مولانا ندوی نے متن میں استاذ محمد فؤاد عبدالباقی کے نسخہ کو پیش نظر رکھا لیکن شرح میں حضرت شیخ نے متن و روایات کے جتنے اختلافات نقل کئے گئے تھے ان سب پر انہوں نے نظر کی، تدوین و تعلیق و تخریج کا یہ عمل کتنا محنت طلب بلکہ جاں گسل ہوتا ہے اس کا اندازہ صرف انہی کو ہوسکتا ہے جو اس راہ میں دیدہ و دماغ کی اپنی ساری پونجی صرف کر کے کہتے ہیں کہ ؎

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

ہم یہاں طوالت کے خوف سے حضرت مولانا ندوی کی تعلیقات و حواشی کو بیان نہیں کر سکتے کہ بجائے خود یہ ایک اہم کام ہے، لیکن چند مثالوں سے مولانا کی محنت اور دقت نظر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے مثلاً اوجز کے پہلے صفحے پر ہی پہلا باب وقوت الصلوۃ کا ہے جس میں حضرت شیخ کی عبارت اس طرح ہے کہ:

الوقوت جمع كثرة لوقت، کثرۃ پر حاشیہ دے کر مولانا ندوی لکھتے ہیں، قال ابن العربی كذا فعل هو (الإمام مالك) رضى الله عنه ، فإنه أدخل تحت الترجمة ثلاثة عشر وقتا ، فكل وقت منها ينفرد عن صاحبه بحكم و يغايره من وجه '' القبس'' (۷۶/۱) ۔

اسی طرح آگے حضرت شیخ نے ایک جگہ لکھا کہ: قاله الباجی ، قال الزرقانی .... و كذا نقل عليه الإجماع ابن عبدالبر و صاحب المغنى '' ظاہر ہے اس میں کتاب، صفحہ وغیرہ کا ذکر نہیں، مولانا نے ان سب پر نظر کی اور لکھا کہ انظر المنتقى (۴/۱) شرح الزرقانی (۲۱/۱) انظر الاستذكار (۱۹۰/۱) المغنى (۹/۲) اسی طرح باب العمل فی التیمم کی ایک حدیث کی تشریح میں حضرت شیخ نے لکھا کہ و قد

عرفت أن ظاهر كلام الإمام فى الموطأ ، إيجاب التيمم إلى المرفقين و هو ظاهر المدونة للإمام مالك ۔

مولانا ندوی نے اس پر حاشیہ دیا کہ:

قال ابن عبدالبر فى الاستذكار (١٦٥/٣) لما اختلفت الآثار فى كيفية التيمم كان الواجب فى ذلك الرجوع إلى ظاهر القرآن ، و هو يدل على ضربتين : ضربة للوجه و ضربة لليدين إلى المرفقين ، قياساً على وضوء اتباعاً لفعل عمر رضى الله عنه ۔

اسی طرح ایک اور حاشیہ پر نظر گئی جس سے مولانا کی بلند تحقیقی نظر کا اندازہ ہوتا ہے، باب المستحاضة میں ایک روایت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شیخ نے اس عبارت یعنی (فقال تغتسل من طهر إلى طهر) کے متعلق لکھا ہے کہ هكذا فى جميع النسخ بالمهملتين ، فاضل محشی نے اس پر یہ حاشیہ دیا کہ أى المصرية من المتون و الشروح وهى التى كانت عندى وقت التسويد فى المدينة المنورة ثم رأيت النسخ الهندية بعد الرجوع عن البلدة الطاهرة فهى كلها بالمعجمتين ، فليحرر ''ش''

یہ صرف برسبیل تذکرہ چند مثالیں ہیں ورنہ قریب ہر صفحہ تخریج و مراجعت اور تصحیح کے ان جواہر پاروں سے لبریز ہے، سترہ جلدوں میں قریب گیارہ ہزار ایک سو باسٹھ صفحات کی اس محنت و کاوش کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے، اور اس کے لئے قریب دوسو سترہ امہات کتب، نادر مراجع اور نایاب مآخذ کی سطر سطر اور لفظ لفظ کو دیکھنا، بظاہر ہر ایک انسان کے امکان عمل سے بعید نظر آتا ہے، جو کام علماء و محققین کی ایک بڑی جماعت کا تھا، محض اللہ اور اس کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ یہ کام ایک انسان کے ذریعہ ممکن ہوا۔

ان سترہ جلدوں کا تتمہ اٹھارویں جلد ہے اور یہ گویا اٹھارہوں جلدوں کا عطر مجموعہ ہے، جس میں نہایت خوش سلیقگی سے اٹھارہوں جلدوں کی آیات، احادیث، آثار، اشعار و ادبیات،

رواۃ، اعلام، کتب و ابواب، موضوعات، مراجع و مصادر کی فہرست مرتب کی گئی ہے، اشاریہ سازی کا فن، علوم جدیدہ میں خاص اہمیت کا حامل ہے، اس کتاب میں یہ فن بھی اپنے معیار کی انتہائی بلندیوں پر نظر آتا ہے، حروف تہجی کے اعتبار سے آیات واحادیث کا یہ اشاریہ کتنا جامع اور کتنا مفید ہے، یہ کوئی ان کے دل سے پوچھے جو تحقیق کی انتہائی سخت، دشوار اور سنگلاخ وادیوں سے گزرتے ہیں، ہمارا تو خیال ہے کہ جس قدر محنت و جانفشانی سترہ جلدوں میں ہوئی اس سے زیادہ شاید اس آخری اٹھارویں جلد میں ہوئی ہوگی۔

مولانا ندوی کے اس بے مثال اور عظیم الشان کارنامے کی داد تو عالم اسلام بلکہ دنیائے علم و تحقیق کے شہسوار ہی دے سکتے ہیں، ہم جیسے طالب علموں کے لئے یہ تو صرف عالم حیرت میں سرگردانی کا منظر ہے۔

یہاں یہ بھی یاد آیا کہ موطأ امام مالک کی تالیف میں خلیفۂ وقت مہدی عباسی کی درخواست بھی ایک وجہ خاص بنی، بلکہ کہا تو یہ گیا کہ امام صاحب نے مہدی کے لئے ہی موطأ لکھی یہ درست نہ بھی ہو تو یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مہدی نے اپنے شہزادہ ہارون کو اس کی سماعت کے لئے امام صاحب کی خدمت میں بھیجا، یہی ہارون جب ہارون الرشید ہوئے باوجود دنیا کے سب سے طاقتور اور صاحب سطوت و حشمت بادشاہ ہونے کے وہ پھر امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علماء و فقہا کی ایک مجلس میں سماعت کی، یہ حسن اتفاق ہی تو ہے کہ موطأ کی تالیف میں علم پرور سلاطین کی فرمائش تھی تو اس کی شرح کی طباعت و اشاعت میں ایک اور سلطان کی علم پروری شامل ہے، سلطان آل نہیان خوش بخت ہیں کہ اوجز المسالک کی اس خدمت سے تاریخ نے ان کا سلسلہ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے سب سے روشن نقوش مہدی و ہادی و ہارون رشید سے جوڑ دیا، اور اس عمل سے بجا طور پر یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ جس طرح موطأ نے ہارون کو اپنی نسبت سے مبارک و ممنون کیا، اوجز کی نسبت سے شیخ سلطان بن زاید آل نہیان بھی علم و عرفان کی دنیا میں ہمیشہ سرخرو رہیں گے، اوجز المسالک کی جملہ خوبیوں کے علاوہ شاہکار

ایڈیشن اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ یہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا سید محمد رابع ندوی کی بلند پایہ تحریروں سے بھی مزین ہے، حضرت مولانا علی میاںؒ کے قلم سے مقدمہ ہے اور اوجز وصاحب اوجز کے متعلق ایک بسیط تقدیم بھی ہے، مولانا یوسف بنوریؒ نے بھی اوجز کے خصائص کو عالمانہ بصیرت کے ساتھ بیان کیا، اٹھارویں اور آخری جلد میں مولانا سید محمد رابع ندوی نے یہ لکھ کر علمائے ہند بلکہ علمائے اسلام کے جذبات کی سچی ترجمانی کی ہے کہ:

''استطاع فضيلة الدكتور الشيخ تقى الدين الندوى إنجاز عمله من إخرج الكتاب فى أحسن صورة و أكملها بعد ما بذل جهدا مضنيا و عكوفا طويلا على العمل ، فاستحق بذلك تقدير العلماء و المشتغلين بعلوم السنة الشريفة و استحق تقديرهم و سيكون جزاؤ هم عند اللّٰه أو فى و أكثر '' ۔

واقعہ یہی ہے کہ ایسے مہتم بالشان علمی کارنامے کی اصل جزا اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے، اللہ تعالیٰ فاضل گرامی مولانا ندوی کو صحت وعافیت کی دولت سے مالا مال کرے کہ آئندہ بھی علوم حدیث کی اس روشن ترین خدمات کی تجدید ہوتی رہے، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس خطۂ ہند کو خاص اپنی رحمت وعنایت سے نوازا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس موسوعہ حدیث کے نشر واشاعت کا شرف ''مركز الشيخ أبى الحسن الندوى للبحوث و الدراسات الإسلامية''، مظفرپور اعظم گڑھ کو حاصل ہوا، مرکز الشیخ الندوی کے علمی وتحقیقی سفر کا آغاز اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے، فلله الحمد ۔

”جزء حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ پر ایک نظر

پروفیسر شفیق احمد خان ندوی
(استاذ شعبۂ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی مدینہ منورہ ۲۴/مئی ۱۹۸۲ء) بیسویں صدی کے نامور محدث، محقق، مؤرخ اور اعلیٰ درجے کے شعری وادبی ذوق رکھنے والے مؤلف، مبلغ اور ادیب تھے جن کے ادب وانشاء کا دلکش مظاہرہ درحقیقت ان کی اردو تصانیف خصوصاً فضائل حج اور فضائل قرآن میں ہوتا ہے۔ پیش نظر کتاب حجۃ الوداع وعمرات النبیؐ کی تالیف بھی صحیح معنوں میں ان کی عبقریت کی غماز ہے جو اختلاف زمان ومکان کے باوجود صرف دو مہینے سے کم کی مختصر مدت میں مکمل ہوئی حجۃ الوداع کے حصہ کی تکمیل اس وقت ہوئی جب حضرت شیخ کی عمر صرف ۲۷ سال کی تھی۔

رسالہ حجۃ الوداع درحقیقت امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی زادالمعاد میں مذکور وموجود حضرت جابرؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی واقعۂ حجۃ الوداع کی تفسیر وتشریح وتعلیق ہے جسے انھوں نے ۲۲/ربیع الاول ۱۳۴۱ھ کی رات میں ۱۲ بجے لکھنا شروع کیا اور ایک دن اور ڈیڑھ رات

میں مکمل کیا، حواشی کا اضافہ بعد میں ہوا۔ ایک زمانہ تک یہ نسخہ غیر مطبوعہ پڑا رہا۔ عرصۂ دراز کے بعد ۱۳۹۰ھ موافق ۱۹۷۰ء میں جب وہ آنکھ کے آپریشن کے سلسلے میں علی گڑھ تشریف لائے تو آپریشن کے بعد اس پرانے مسودے کی تکمیل فرمائی، تکمیل اس طرح کی کہ کہیں کہیں رجال کی تفصیل اور قابل توضیح چیز کی توضیح فرمائی اور جہاں جہاں طویل عبارتوں کا حوالہ دیا گیا تھا ان کو نقل کروایا، جن مقامات کے نام آئے تھے ان کی تعیین اور تشریح فرمائی اور اس میں بعض دوسرے نیاز مندوں سے بھی مدد لی۔ اور بعد از آں عمرات نبوی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتسلیم سے متعلق اضافی معلومات شامل کیں، عمرات رسول ﷺ کی تعداد اور تحدید کی تحقیق اور ان سے فقہی احکام کا استخراج بھی فرمایا جس کو شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کی مرضی سے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ کے مفصل مقدمے اور مولانا محمد یونس کے دعائیہ و اختتامیہ کلمات کے ساتھ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ نے ۱۳۹۰ھ موافق ۱۹۷۰ء ہی میں مطبعہ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا، مولانا علی میاں ندویؒ نے اپنے مقدمہ میں مولانا سعید الرحمٰن اعظمی کا خصوصی ذکر اور شکریہ ادا کیا ہے۔ قابل ذکر بات یہ کہ حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ نے متعدد بار استاذ گرامی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے مقامات کی توصیف وتحدید کے سلسلے میں استفادہ فرمایا اور ان کے نام کے حوالے سے تفصیلات بیان کیں۔ بطور مثال صفحہ ۲۸۰ ملاحظہ فرمایا جائے جہاں جغرافیائی نقشے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”أفاد العزيز المحترم الحاج المولوي محمد الرابع الندوي عن هذه المواضيع فقال ...... إلخ“ صفحہ ۴۸ اور صفحہ ۳۰۷ پر بھی ذوالحلیفہ اور ململ کے مقامات کی نشاندہی مولانا مدظلہ کے حوالے سی کی گئی ہے۔

اس کے بعد ۱۴۲۰ھ موافق ۱۹۹۹ء میں فاضل گرامی ڈاکٹر ولی الدین بن تقی الدین ندوی نے از سرنو اس کتاب کا نیا ایڈیشن تیار کیا، احادیث کی تخریج اور ان پر مفید حواشی لکھے اور بتوفیق ایزدی متحدہ عرب امارات کی وزارت عدل وامور اسلامیہ واوقاف کی طرف سے نہایت

خوبصورت کاغذ وکمپیوٹر طباعت کے ساتھ وزیر امور اسلامیہ امارات جناب محمد نخیرہ الظاہری کے پیش لفظ کے ساتھ شائع کیا، ۴۱۲ صفحات پر مشتمل اس نسخے میں ڈاکٹر ولی الدین نے:

(۱) پچھلے نسخوں سے ملا کر نظر ثانی وتصحیح کی۔

(۲) مشکل الفاظ وتعبیرات کی تشریح کی۔

(۳) مذکورہ احادیث کی فنی تخریج اور متعلق حدیث کے درجے کی حسب ضرورت وضاحت کی۔

(۴) منقولہ عبارات ونصوص کے حوالے حتی المقدور مکمل طور پر درج کیے۔

(۵) سب سے بڑی بات یہ کہ ۱۳۹۰ھ (مطابق ۱۹۷۱ء) کے مطبوعہ نسخے (نسخۂ ندوۃ العلماء لکھنؤ) کی فہرست کی روشنی میں اصل کتاب کے اندر وارد مسائل کے بغل میں ذیلی عنوانات قائم کیے، جن سے افادہ واستفادہ کی راہیں اور بھی آسان ہوئیں۔

اس نئے ایڈیشن میں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے مقدمہ کے ساتھ ساتھ مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا مقدمہ اور مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کے تیار کردہ نصوص خطبۂ حجۃ الوداع بھی شامل ہیں اور شروع میں شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کی مختصر ترین سیرت بھی مذکور ہے۔

اب یہ کتاب حجۃ الوداع وعمرات رسول اللہ ﷺ سے متعلق معلومات کا ایسا بیش بہا خزانہ ہے کہ جس میں مذاہب اربعہ کے افکار، ائمہ کے اختلاف، محدثین وفقہاء اور شارحین حدیث کے خیالات بہ تمام وکمال کچھ اس طرح جلوہ گر ہیں کہ وہ ائمہ وفقہاء اور محدثین کی رایوں سے متعلق جزئیات وکلیات پر مؤلف کی دقت نظر اور عدل وتوازن کی بھی غماز ہے۔ علاوہ ازیں مؤلف علام جا بجا مخالفین کی آراء سے اختلاف کرنے کے متوازن اسلوب سے بھی واقفیت کا مظاہرہ نہایت احترام وادب اور چابک دستی وخوش اسلوبی کے ساتھ کرتے ہوئے قاری کو فن حدیث کے دقائق کی تعلیم دیتے ہوئے اختلاف فکر ونظر کا سلیقہ بھی سکھاتے ہیں۔

زیر بحث کتاب کا مہتم بالشان حصہ وہ ہے جو آخر میں بطور ملحق مولانا حبیب الرحمٰن

اعظمی علیہ الرحمہ کے قلم سے حجۃ الوداع کے موقع پر دیئے گئے خطبات نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے اصلی متون پر مبنی ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ کے کام کی تعریف وستائش کرتے ہوئے انتہائی انکسار کے ساتھ نہایت شستہ وشگفتہ اور سادہ و پرکار عربی زبان میں خطبۂ حجۃ الوداع کے مکمل متن کے وجود کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اغتبطت جدا حين بدأت بقراءة بعض مباحث هذا الكتاب ، فوجدت فيها متعة لكل باحث، وفوائد غزاراً لكل طالب و قد بنى المؤلف كتابه هذا على أساس ماكتبه الشيخ شمس الدين بن القيم في زاد المعاد فيحكي كلامه ثم يزيد على زيادات كثيرة ، بسطاً له و إيضاحاً أو تكميلاً و تتميماً أو نقداً لكلامه ، و إثباتاً لما هو الصواب عنده و يذكر مذاهب الائمة المتبوعين في كل مسألة ، و يرجح ما ذهب إليه إمامه بإيراد دلائله ، فجاء كتابه حافلا في الموضوع جامعاً لكل ما يتعلق به ـ

وقد خطر ببالي حين كتابتي هذه الأسطر أنّ أهل العلم ربما التمسوا في كتاب الشيخ نصوص خطبة النبي ﷺ في حجة الوداع لعظم مكانتها ولا حتوائها على أمور هامة ووصايا نافعة ، تجب على كل مسلم أن يجعلها نصُبَ عينيه ، وعلى كل حاج أن يعيدها إلى ذاكرته إذا وقف بذلك الموقف الذي يفيض بالنور والبركات و الشيخ - متعنا اللّٰه به- و إن ألم ببعضها بلفظ الشيخ ابن القيم ولكنى أحب أن أتطفل على مائدة الشيخ باستعراض نصوصها نقلا من دواوين الحديث كمجمع الزوائد و المطالب العالية ـ

اس کے بعد علامہ اعظمیؒ نے خطبہ حجۃ الوداع کے نصوص حرف بحرف مکمل حوالوں کے ساتھ نقل کر دیئے اور اس طرح انھوں نے پیش نظر کتاب کی قدر و قیمت اور افادیت میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ اور نوجوان محقق نے کتاب میں اس بیش بہا حصے کا اضافہ کر کے اپنی ذکاوت و ذہانت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقدمے میں حضرت شیخ کے حسن انتخاب اور لیاقت فن کی بھرپور ستائش کرتے ہیں اور ان کی عربی عبارتوں کو بطور نمونہ پیش کرتے ہیں، جنہیں پڑھ کر شیخ کی عربی دانی اور زبان و بیان کی قدرت کا بھی پتہ چلتا ہے، صفحہ ۴۶ پر مذکور ایک عبارت بطور نمونہ ملاحظہ فرمائی جائے، اس سے شیخ کے اسلوب اور انداز بیان کا اندازہ ہوگا

الطرق المعروفة من المدينة إلى مكة أربع أحدها : الطريق السلطاني، والثاني: الغائر؛ والثالث : الفرعي ؛ والرابع : الشرقي؛ والطريق السلطاني طريق الشجرة ، إلى آخرما حقّقه من الطرق و تعيين يوم الخروج من المدينة، هل كان لست بقين من ذي القعدة؟ كما يُرَجِّحه العيني اتباعا لا بن حزم و ابن العربي؛ أو لخمس بقين ؟ كما يختاره ابن القيم -

غدير خم کے سلسلے میں ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اتنا کہا تھا کہ غدیر خم پر پہنچ کر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان فرمائی: ثم ارتحل رسول الله ﷺ راجعا إلى المدينة ، فلما وصل إلى غدير خم خطبؐ و ذكر فيها فضل على رضى الله عنه حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے اس پر معلومات کا دریا بہا دیا، صفحہ ۲۴۲ پر حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی محققانہ نظر کا مشاہدہ فرمائیے جہاں وہ یاقوت حموی وغیرہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

غـديـرخـم بـفتـح أولـه و كسـر ثـانيه ، وغديرخم بين مكة والمدينة و بين الـجحفة ميلان ، وخم اسم رجل صبّاع أضيف إليه الغدير و قيل هو على ثلاثة أميال من الجحفة ۔

پھراس کے بعدفرماتے ہیں: هـذا خـم الـذي نـزل رسـول اللّٰه ﷺ وصلـى الظهر تحت شجرة و أخذ بيد علّي رضي اللّٰه عنه و قال: ''اللهم مـن كنت مولاه فعلي مولاه'' یہی وہ حدیث ہے جس کی بناپر حضرات شیعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوخلیفہ اول بلافصل قرار دیتے ہیں اوراس تاریخ کو تیسری عید کے طور پر جشن کی طرح مناتے ہیں۔حضرت شیخ ان تمام باتوں کی وضاحت کرتے ہوئے خلفاءثلاثہ کی ترتیب وتفصیل مدلل کرتے ہیں اور مذکورحضرات کی بھرپورتردید کرتے ہیں۔ساڑھے پانچ صفحے کی یہ بحث قابل توجہ ہے، ملاحظہ کیجئے اور شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کی دقت نظر، وسعت مطالعہ اورطرزِ استدلال کی بلند پروازی کی داددیجئے۔

کتاب کا دوسرا جزءعمرات النبی ﷺ ۱۰۱ صفحات پر مشتمل ہے،شروع میں ۷ صفحات کی تمہید کے لغوی و اصطلاحی مفہوم پر گفتگو ہے، پھر ۶۹ صفحے عمرۂ حدیبیہ پر ہیں جس میں ترتیب خلفائے راشدین اور حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کے مقام ومرتبہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ۱۵ صفحات عمرۃ القضاء کی تشریح ، ۸ صفحے عمرۃ الجعرانہ کی حقیقت و ماہیت کے موضوع پر اور ۹ صفحات عمرے سے متعلق دیگرمتفرق مضامین پر مشتمل ہیں۔

پوری کتاب کے مطالعے کے بعد مولانا بنوریؒ کی درج ذیل آراء سے اتفاق کئے بغیر چارہ نہیں کہ:

☆ حضرت شیخ کی حیثیت محض ایک وسیع الاطلاع اسکالر ہی کی نہیں بلکہ ان کی حیثیت پر خارراہوں کے نشیب وفراز سے گزر کر تجربہ کی آخری حد پر فائز ہوکر مرض کے علاج کرنے والے کہنہ مشق طبیب کی ہوتی ہے جو اپنے طالب علم اور جویائے حق کو پیچیدہ حالات سے نکال کر دلجمعی، طمانینت اور مشکل کشائی کے پرسکون مقام پر پہنچاتا ہے۔

☆ مؤلف وشارح کی قدرت تلخیص وتنقیح کی بے پناہ صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

☆ مسائل حج وعمرہ کے لب لباب سے واقفیت کے ساتھ ساتھ سیرت طیبہ اور شمائل مبارکہ سے مؤلف کی وارفتگی اور والہانہ شیفتگی کا پتہ چلتا ہے۔ اور

☆ مؤلف گرامی حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کے قلب کی سادگی، قلم کی سلاست وروانی بے جالفاّظی سے گریز اور ان کے انکسار واخلاص کی یہ کتاب پوری طرح عکاسی کرتی ہے۔

والله هو الموفق وهو الهادي إلى سواء السبيل ، وذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔

’’فضائل اعمال‘‘ پر ناقدین

کے

اعتراضات، ایک اصولی جائزہ

جناب مولانا عبداللہ معروفی

دارالعلوم دیوبند (سہارنپور)

حامداً ومصلیاً!

شیخ الحدیث، برکۃ العصر حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی برد اللہ مضجعہ کی شہرۂ آفاق و مقبول ترین کتاب ’’مجموعۂ فضائل اعمال‘‘ محتاج تعارف نہیں ہے، نو قیمتی کتابوں (حکایات صحابہ، فضائل نماز، فضائل تبلیغ، فضائل ذکر، فضائل قرآن مجید، فضائل رمضان، فضائل درود شریف، فضائل صدقات، فضائل حج)، اور ایک فکری مضمون (مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج) کا یہ مجموعہ ایک گنجینۂ علم ومعرفت اور مرقع درس عبرت ہے، دلوں میں شریعت مقدسہ اور اس کے احکام کی عظمت کا سکہ بٹھانے میں ایک لاجواب کتاب ہے، دعوت اسلامی کا فریضہ انجام دینے والے ہر عالم وغیر عالم کے ہاتھ میں ایک روشن قندیل ہے جس کی روشنی میں راستہ کے نشیب

وفراز سے باخبر ہوکر دعوتی سفر تیز رفتاری کے ساتھ طے کیا جاسکتا ہے؛ بالخصوص ایک عالم اور صاحب تحقیق کوتو اس کتاب کے ذریعہ متعلقہ مضامین پر نصوص قرآن وحدیث اور اقوال وآثار کا ایک وافر مواد ہاتھ آجانے کے علاوہ مشکل نصوص کے سمجھنے میں بے حد مدد ملتی ہے، کتاب کا ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف نہ جانے اخلاص وللّٰہیت کی کس چاشنی میں ڈوبا ہوا ہے کہ جس نے بھی ایک بار چکھا دلدادہ وگرویدہ ہوئے بغیر نہ رہا، اور یہ امر واقعہ ہے کہ اس کتاب نے لاکھوں انسانوں کے دلوں میں انقلاب پیدا کردیا اور بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ:

''ان (کتب فضائل) سے جو دینی وعملی نفع پہنچا اس کے بارے میں ایک ممتاز معاصر عالم کا یہ کہنا مبالغہ آمیز نہیں معلوم ہوتا کہ: ان کتابوں کے ذریعہ ہزاروں بندگان خدا ولایت کے درجہ تک پہونچ گئے''۔ (ایک عالمی وبین الاقوامی کتاب فضائل اعمال از مولانا محمد شاہد صاحب سہارنپوری ص ۱۴)

آخر تو کوئی وجہ ہے کہ نو اعمال کے فضائل پر مشتمل یہ مجموعہ:

(۱) آج دنیا کی اکتیس زبانوں میں اس کے ترجمے ہوچکے ہیں۔

(۲) سعودی عرب، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان، ایران، ازبکستان، برما، ملیشیا، انڈونیشیا، انگلینڈ، افریقہ، امریکہ، کناڈا، ترکی، جاپان، زامبیا، سری لنکا، فرانس، فلپائن، کمبوڈیا، کینیا، پرتگال جیسے تیئس ممالک کے ایک سو پینتالیس محققین اور اہل علم ''فضائل اعمال'' کی علمی، تحقیقی خدمت اور اس کو دیگر زبانوں میں منتقل کرنے میں مصروف ہیں۔ (ایضاً ص ۲۱)

(۳) صرف ہندوپاک کی حد تک چوہتر (۷۴) اشاعتی ادارے اس کتاب کو مسلسل شائع کررہے ہیں۔

(۴) اس لئے بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ مختلف زبانوں میں اس کے نسخوں کی مجموعی تعداد کروڑوں کیا شمار سے باہر ہے۔

کتب فضائل پر ایک تاریخی نظر

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی اس کتاب کا موضوع کوئی نیا نہیں، بلکہ عام کتب حدیث کے علاوہ مستقل طور سے دوسری صدی ہجری (جبکہ حدیث نبوی کی باضابطہ تدوین ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی) میں آداب واخلاق، زہد ورقاق، اور فضائل وترغیب پر تصنیف کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، اورآج تک قائم ہے، کچھ تصنیفات حسب ذیل ہیں:

۱۔ كتاب الزهد للإمام عبدالله بن المبارك (ت ۱۸۱ھ)۔ ۲۔ فضائل القرآن للإمام الشافعي (ت ۲۰۴ھ)۔ ۳۔ فضائل القرآن لأبي عبيد (ت ۲۲۴ھ)۔ ٤ كتاب الزهد للإمام أحمد بن حنبل (ت ۲٤۱ھ)۔ ٥۔ الأدب المفرد للإمام البخاري (ت ۲٥٦ھ)۔ ٦، ۷، ۸۔ كتاب الآداب، كتاب الزہد، و فضائل الأوقات للإمام البيهقي (ت ٤٥٨ھ) ۹۔ الترغيب و الترهيب لابن شاہين (۳۸٥ھ)۔ ۱۰۔ الترغيب والترهيب لأبي القاسم إسماعيل بن محمد الأصفهاني (ت ٥۳٥ھ) ۱۱۔ الترغيب والترهيب للحافظ عبدالعظيم بن عبد القوي المنذري (ت ٦٥٦ھ)، اذکار اور دعاؤں میں: ۱۲۔ عمل اليوم و الليلة للنسائي (ت۳۰۳ھ) ۱۳۔ عمل اليوم والليلة لابن السني (ت ۳٦٤ھ) ١٤۔ كتاب الدعاء للطبراني (ت ۳٦۰ھ)، ۱٥۔ الدعوات الكبير للبيهقي، الأذكار للنووي (٦۷٦ھ) درود شریف اوراس کے مخصوص صیغوں کے فضائل پر حافظ شمس الدین سخاوی (ت۹۰۲ھ) کی " القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع " زیادہ مشہور ہیں۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک نمایاں کڑی شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا مجموعہ ''فضائل اعمال'' ہے جو اردو زبان میں اس جامعیت اور شرح وبسط کے ساتھ منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

اعتراضات اوران کی حیثیت

جیسا کہ دنیا کی ریت ہے کہ ہر پھلدار درخت پر ڈلے مارے جاتے ہیں، سورج اپنی بھرپور ضیاء پاشی سے عالم کو منور کرتا ہے موش کور کو اس کی تابانی یکسر نا قابل برداشت ہوتی ہے، چنانچہ اس کتاب پر بھی مختلف حلقوں کی جانب سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی، طرح طرح کی نکتہ چینیاں کی گئیں، ہمیں اس حقیقت سے قطعاً انکار نہیں کہ روئے زمین پر خدا کی کتاب کے علاوہ کوئی کتاب نقص وخلل سے محفوظ نہیں، بڑے بڑے اصحاب علم سے ان کی گراں قدر تصنیفات میں کچھ نہ کچھ فروگذاشتیں ہوئی ہیں جو کتاب کی گوناگوں خوبیوں کے بالمقابل نہ کچھ حیثیت رکھتی ہیں، اور نہ ہی علمی حلقوں نے کوئی حیثیت دی ہے۔

اس کتاب پر جو اعتراضات ہوئے ان کی جزئیات میں جانے کا تو موقع نہیں، اصولی طور سے کچھ معروضات پیش خدمت ہیں، ان اعتراضات کی تین قسمیں ہیں:

نمبرا:۔ اشکالات جو کسی طالب حق کو پیش آتے ہیں اور اس کا ذہن تھوڑی بہت وضاحت سے صاف ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے وضاحتی خطوط کے مجموعہ ''کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات'' میں اس کی بہت مثالیں موجود ہیں مثلاً دیکھئے مکتوب نمبر ۱۱ جس میں حضرت امام شافعیؒ کے متعلق دن رات میں قرآن کریم کے ۶۰ ختم کرنے کی بات پر استبعاد کا جواب دیا گیا ہے، اور مکتوب نمبر ۱۲ جس میں ممبر نبوی کے متعلق اس استفسار کا جواب ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ممبر تین درجوں کا تھا یا اس سے کم وبیش کا؟

نمبر۲:۔ وہ اعتراضات جن کا تعلق اس عقلیت پسندانہ رجحان سے ہے جو تمام ہی نصوص حدیث کو اپنی نام نہاد عقل سلیم کے خلاف قرار دے کر یا اپنی عقل نارسا کے بموجب قرآن سے معارض قرار دیتے ہوئے ٹھکرا دینے کا قائل ہے، خواہ ثبوت واستناد کے اعتبار سے ان کی حیثیت کتنی ہی مضبوط ہو، اور خواہ علماء امت نے اس کی کتنی ہی معقول توجیہات کی ہوں، جیسے:

(۱) فضلات نبی ﷺ کی طہارت پر اعتراض ، جناب تابش مہدی صاحب نے ''تبلیغی نصاب ایک مطالعہ'' (ص ۳۵ تا ۳۹) میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، اور حضرت مالک بن سنان کے رسول اللہ ﷺ کے نکلے ہوئے خون کو پینے یا چوسنے کے واقعات اور اس سے فضلات نبی کی طہارت پر شیخ کے استدلال کا بڑے گھناونے انداز میں مذاق اڑایا ہے، حالانکہ اولاً تو ثبوت کے اعتبار سے اس طرح کے واقعات میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ متعدد سندوں سے مروی ہے (دیکھئے: مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۵۴)، مجمع الزوائد (۸/۲۷۰)، امام بیہقی نے سنن کبریٰ (۷/۶۷) میں فرمایا و روي ذلك من أوجه اخر عن أسماء بنت أبي بكر، و عن سلمان في شرب ابن الزبير دمه - حافظ ہیثمی نے فرمایا: رواه الطبراني و البزار ورجال الصحيح غير هنيد ابن القاسم، و هو ثقة - حافظ ذہبی نے بھی سیر أعلام النبلاء (۳/۳۶۶) میں اس پر صحت کا حکم لگایا ہے۔

اسی طرح حضرت مالک بن سنان کا واقعہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الإصابة (۳/۳۴۶) میں ابن ابی عاصم، صحیح ابن السکن، اور سنن سعید بن منصور کے حوالے سے نقل کیا ہے۔لیکن بے چارے ناقد نے حکایات صحابہ میں صرف تاریخ الخمیس اور قرۃ العیون کا حوالہ پا کر اس کو ''میلاد گوہر'' اور ''یوسف زلیخا'' جیسی کتاب کی روایت قرار دے دیا۔ نیز آیت قرآنی ''إنما حرم عليكم الميتة والدم إلخ'' کے منافی قرار دیتے ہوئے عقل صریح کے بھی خلاف قرار دیا ہے حالانکہ روایات کی قوت کو دیکھتے ہوئے مذاہب اربعہ کے محققین نے اس کو آنحضرت ﷺ کی خصوصیت قرار دیا ہے، آیت کریمہ کا سرے سے کوئی ٹکراؤ ہی نہیں ہے اس مسئلہ پر تفصیلی و محققانہ کلام کے لئے دیکھئے مضمون مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ ماہنامہ بینات کراچی بابت ماہ شوال ۱۴۰۹ھ۔

(۲) مسئلہ توسل میں حد درجہ افراط وتفریط پایا جاتا ہے، ادلہ شرعیہ کی روشنی میں علمائے دیوبند نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ انتہائی معتدل ہے، حضرت رسول پاک ﷺ کے وسیلے سے دعاء کے جواز کے سلسلے میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فضائل اعمال میں جو کچھ لکھا ہے افراط و تفریط سے محفوظ اور مضبوط دلائل پر مبنی ہے، فضائل ذکر باب دوم کی فصل نمبر ۳ میں حدیث " عن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ لما أذنب آدم الذنب الذي أذنبه رفع رأسه إلى السماء، فقال: أسئلك بحق محمد ألا غفرت لي فأوحى الله إليه إلخ" متعدد کتب حدیث کے حوالے اور کئی ایک متابعات وشواہد کے ساتھ درج ہے جس سے مسئلہ توسل بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ مگر کوئی صاحب غیظ وغضب میں بھرا ہوا خط شیخ کو لکھتے ہیں کہ یہ حدیث سراسر موضوع ہے، قرآن کریم کی آیات و قال ربکم ادعونی استجب لکم إلخ (مومن ۶۰) " و إذا سئلك عبادي عنى فإني قريب إلخ" وغیرہ کے منافی ہے، اور عقل کے بھی خلاف ہے کہ اس دعاء سے اللہ کے متعلق سوء ظن پیدا ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ، شیخ رحمہ اللہ نے نہایت ٹھنڈے انداز میں تفصیلی جواب مرحمت فرمایا کہ آپ کو تو قرآن وحدیث میں کھلا ہوا تعارض نظر آتا ہے، اور مجھے اس کا واہمہ بھی نہیں ہوتا، آپ نے لکھا کہ حدیث موضوع ہے مجھے اب تک بھی اس حدیث کا موضوع ہونا کہیں نہیں ملا۔ مسئلہ کے متعلق مزید تسلی وتشفی کے لئے دیکھئے وضاحتی خطوط کا مجموعہ (کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات ص ۱۳۹ تا ۱۵۴، نیز ص ۱۷۰ تا ۱۸۴)۔

نمبر ۳:۔ وہ تنقیدات جن کی حیثیت علمی ہے، اور ان میں بعض پہلوؤں سے وزن بھی محسوس کیا جاتا ہے، ان تنقیدات کا محور مجموعہ فضائل اعمال کی حدیثوں کی استنادی حیثیت ہے، ناقدین کے بقول شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے ان رسائل میں کثرت سے ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کو داخل کر دیا ہے جس سے اصل دین کی شبیہ مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔

آخر الذکر دونوں قسم کی تنقیدات عموماً مخلصانہ تنقید کے بجائے ایسے لوگوں کی جانب سے کی گئی ہیں جو مؤلف رحمہ اللہ سے مسلکی اختلاف رکھتے ہیں چنانچہ ان کی تنقیدات حد درجہ جارحانہ ہیں، اپنے نظریہ کے خلاف احادیث پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بجائے ان کی طرف سے کتاب، مصنف، اور کتاب سے استفادہ کرنے والوں پر کھل کر تہمتوں کی بوچھاڑ کی گئی ہے۔

(۱) **ملاحظہ ہو ایک ناقد صاحب کا لب ولہجہ:**

’’ وأہم كتاب عند التبليغيين كتاب ’’ تبليغى نصاب‘‘ الذي ألفه أحد رؤسائهم المسمّٰى محمد زكريا الكاندهلوي، و لهم عناية شديدة بهذا الكتاب ، فهم يعظمونه كما يعظم أہل السنة ’’ الصحيحين‘‘ وغيرهما من الكتب، و قد جعل التبليغيون هذا الكتاب عمدة، و مرجعا للهنود وغيرهم من الأعاجم التابعين لهم، و فيه من الشركيات، والبدع، والخرافات، والأحاديث الموضوعة، والضعيفة شئى كثير فهو في الحقيقة كتاب شر و ضلال و فتنة‘‘۔ (حمود بن عبدالله التويجري في كتابه ’’ القول البليغ في التحذير من جماعة التبليغ ص ۱۱) ۔

یعنی تبلیغی جماعت والوں کے نزدیک اہم ترین کتاب تبلیغی نصاب (مجموعہ فضائل اعمال) ہے جس کو محمد زکریا نامی ان کے کسی پیشوا نے تالیف کیا ہے، یہ لوگ اس کتاب کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح اہل سنت صحیحین وغیرہ کتب حدیث کی کرتے ہیں، ان لوگوں نے اس کتاب کو ہندوستانیوں اور دوسرے عجمی وابستگان تبلیغ کے حق میں اصل مدار اور مرجع کی حیثیت دے رکھی ہے، جب کہ اس کتاب میں مشرکانہ اعمال ، بدعات وخرافات اورضعیف و موضوع حدیثوں کی ایک بڑی مقدار ہے، درحقیقت یہ کتاب برائی، گمراہی اور فتنہ کا پلندہ ہے۔

(۲) ملاحظہ ہو ایک اور صاحب کی گل افشانی:

''یہودیوں کی سازش یہ رہی ہے کہ وہ عالمی سطح پر مسلمانوں کے اندر سے روح جہاد ختم کر دیں، اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لئے یہودی مشن نے ہر دور میں علماء اور مذہبی جماعتوں کو ہی استعمال کیا......اور مسلمانوں کے اندر سے روح جہاد کو ختم کرنے میں اب تک تمام لٹریچر میں تبلیغی نصاب کو نمایاں مقام حاصل ہے، یہ اس لئے بھی کہ لوگ اسے حدیث کی کتاب کہنے لگے ہیں جبکہ حدیث نام کی کوئی چیز اس میں مشکل ہی سے مل پاتی ہے''۔

(تابش مہدی، تبلیغی نصاب ایک مطالعہ ۵۷)۔

(۳) یہی صاحب ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اپنی اس کتاب میں بے سند اور دین سوز روایتیں نقل کی ہیں، یا انہوں نے چند ایسے مشاغل دین میں شامل کئے ہیں جن کا ثبوت نہ احادیث نبوی سے ملتا ہے، اور نہ صحابہ کرام کی مقدس زندگیوں سے''۔ (ایضاً ص ۶۷)

(۴) ایک ناقل صاحب قدرے ٹھنڈے لب ولہجہ میں ناصحانہ تبصرہ یوں فرماتے ہیں:

''ایسی حدیثوں کو عوام کے سامنے پیش کر کے یہ تأثر دینا کہ ارشادات رسول ہیں دین کے لئے کمزور بنیادیں تلاش کرنے، اور لوگوں کی نظروں میں دین کو مشتبہ بنا دینے کا باعث ہے، اس سے بدعات کی راہیں کھلتی ہیں، ملت کے اندر تفرقہ بندی، طرح طرح کے فتنوں کا سامان ہوتا ہے''۔ (شمس پیرزادہ، موضوع اور ضعیف حدیثوں کا چلن ص ۲۰)

بات چاہے کتنی ہی غلط ہو آج کی پر آشوب دنیا پروپگنڈے کے زور سے غلط کو صحیح باور کرانے میں کسی نہ کسی حد تک کامیاب ہو ہی جاتی ہے، ہمارے نزدیک ان تنقیدات کی حیثیت سوائے تشکیکات کے اور کچھ نہیں، اور یہ تشکیکات عام قاری کے سامعہ و دماغ میں جب تسلسل کے ساتھ پہنچتی ہیں تو وہ ایک حد تک ضرور متأثر، اور غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے، اس لئے پہلے ہم اصولی طور سے کچھ غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

ہمارے سامنے غور غوض کے تین نکتے ہیں:

(۱) مجموعہ فضائل اعمال کی معتبریت اس کے مصادر و مآخذ کے آئینے میں کیا ہے؟

(۲) حدیثوں سے استدلال و استشہاد کے وقت کیا اصطلاحی اعتبار سے ان کا صحیح ہونا ضروری ہے، یا اس سے کم تر درجہ کی حدیثیں بھی کافی ہیں؟ اگر ہیں تو کس حد تک؟ علمائے امت کا کیا معمول رہا ہے؟

(۳) ترغیب و ترہیب کے باب میں نصوص قرآن وسنت کے علاوہ بزگوں کے اقوال، افعال، حکایت اور منامات ومبشرات کا سہارا لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حد تک؟

پہلا نکتہ

پوری کتاب پر سرسری نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ براہِ راست جن مصادر و مآخذ سے حضرت شیخ نے استفادہ کیا ہے ان کی تعداد سیکڑہ سے متجاوز ہے، کسی بھی باب کا آغاز ان قرآنی آیات سے فرماتے ہیں جن سے زیر بحث موضوع پر صراحۃً، دلالۃً، یا اشارۃً روشنی پڑتی ہو، پھر مختلف کتب تفسیر وغیرہ کی ورق گردانی کے بعد ان کی مناسب تصریح وتوضیح فرماتے ہیں، اس میں زیادہ تر اعتماد تفسیر ابن کثیر، اور حافظ سیوطی کی الدر المنثور پر ہوتا ہے جو تفسیری روایات کے اہم و مستند مجموعے ہیں۔

پھر احادیث کے انتخاب میں عموماً درج ذیل کتابوں پر اعتماد فرماتے ہیں:

(۱) الترغیب والترھیب للحافظ عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (ت ۶۵۶ھ) شروع سے آخر تک دیکھ جایئے سب سے زیادہ حدیثیں اسی کتاب سے شیخ نے لی ہیں، اس لئے ''فضائل اعمال'' کی کسی ایسی حدیث پر تنقید جو ترغیب منذری سے ماخوذ ہو درحقیقت حافظ منذری رحمہ اللہ پر تنقید ہوگی۔

حافظ منذری کی حدیث میں مہارت تامہ کی تعریف حافظ ذہبیؒ نے کی ہے، منذری کے شاگرد حافظ عزالدین الحسینی (ت ۶۹۵ ھ) کی زبانی ان کے مقام ومرتبہ کو سنئے، فرماتے ہیں:

’’كان عديم النظير في معرفة علم الحديث على اختلاف فنونه، عالماً بصحيحه، و سقيمه، و معلوله، متبحراً في معرفة أحكامه، و معانيه، و مشكله ، قيّماً بمعرفة غريبه، و إعرابه، و اختلاف ألفاظه، ماہراً في معرفة رواته، وجرحہم ، و تعديلہم و وفياتہم و مواليدهم، وأخبارہم، اماماً ، حجةً، ثبتاً، ورعاً، متحرياً فيما يقوله و ينقله، متثبتاً فيما يرويه و يتحمله۔ ا ھ ‘‘ (تقدمة جواب الحافظ المنذري للأستاذ الشيخ ابو غدہؒ ص ۲۹ نقلاً عن كتاب ’’ المنذري و كتابه التكملة لوفيات النقلة للدكتور بشار عواد‘‘۔

یعنی تمام علوم حدیث کی معرفت میں اپنی نظیر آپ تھے، حدیثوں میں صحیح، ضعیف، معلل کے شناور تھے، حدیثوں کے معانی، ان کے مدلول فقہی، مشکل کلمات کے ضبط، متعارض و مختلف الفاظ حدیث میں تطبیق وترجیح کے ماہر، راویان حدیث کی جرح وتعدیل، ان کے حالات، ولادت و وفات کی معرفت تامہ رکھتے تھے، بذات خود ثقہ، حجت، اور متقی تھے، جو کچھ نقل کرتے پوری چھان پھٹک کے بعد کرتے۔

ترغیب وترہیب میں مصنف نے امہات کتب حدیث سے انتخاب کیا ہے؛ جس میں صحیح، حسن، ضعیف، واہی، ہر طرح کی حدیثیں جمع کی ہیں، بلکہ بعض حدیثوں پر بعض حضرات نے وضع کا بھی حکم لگایا ہے، یہ کتاب آپ نے اپنے بعض زاہد صفت، اور عملی ترقی کے خواہش مند طلبہ کے اصرار پر ان کے حسن نیت اور اخلاص کو دیکھتے ہوئے لکھی، اور انہیں خیال تک نہ گذرا کہ کہیں روح جہاد ان سے ختم نہ ہو جائے، ان کا عقیدہ فاسد نہ ہو جائے، اور یہ صرف مسجد کے

لوٹے بن کر اپنا دین دنیا برباد نہ کرلیں، کتاب کے مشتملات کی استنادی حیثیت جاننے کے لئے مصنف کی درج ذیل عبارت بغور پڑھئے:

’’ فإن كان الحديث صحيحاً، أو حسناً، أو ما قاربهما ؛ صدره بلفظه’’ عن‘‘ و كذلك إن كان مرسلًا، أو منقطعاً، أو معضلًا، أو في إسناده راو مبهم، أو ضعيف وثق أو ثقة ضعف ، بقية رواة الإسناد ثقات، أو فيهم كلام لا يضر أو روى مرفوعاً؛ والصحيح و قفه أو متصلًا؛ والصحيح إرساله، أو كان إسناده ضعيفاً لكن صححه، أو حسنه بعض من خرجه، ثم اشير إلى إرساله أو انقطاعه، عضله،أو ذلك الراوي المختلف فيه ...... و إذاكان في الإسنا دمن قيل فيه: كذاب ، وضاع، أو متهم أو، مجمع على تركه ، أو ضعفه ، أو ذاهب الحديث ، أوهالك ، أو ساقط ، أو ليس بشئى ، أو ضعيف جدا ، أو لم أر فيه توثيقا بحيث لا يتطرق إليه احتمال التحسين صدرته بلفظة ’’ روي ‘‘ و لا أذكر ذلك الراوي و لا ما قيل فيه ‘‘۔

یعنی مصنف کے نزدیک جو صحیح، حسن یا ان دونوں کے قریب ہوتی ہے اس کو تو ’’عن‘‘ کے ذریعہ شروع کرتے ہیں جو علامت ہے اس بات کی کہ حدیث قابل عمل ہے، اسی طرح یہ علامت ان حدیثوں پر بھی لگاتے ہیں جن کی سند مرسل، منقطع یا معضل ہوں یا اس کا کوئی راوی نام کے بغیر مبہم طور سے مذکور ہو، یا جمہور کے نزدیک ضعیف ہو بعض نے اس کو ثقہ قرار دیا ہو، یا جمہور کے نزدیک ثقہ ہو بعض نے اس کو ضعیف ٹھہرایا ہو جبکہ سند کے بقیہ رجال ثقہ ہوں، یا ان پر ایسا کلام ہو جو مضر نہ ہو، ان تمام صورتوں میں حدیث کو ’’عن‘‘ سے شروع کرنے کے بعد ان کی علتیں ذکر کرتے ہیں۔اور اگر سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس کے ائمہ جرح وتعدیل نے کذاب،

وضاع، متہم، یا متفقہ طور سے ضعیف یا متروک کہا ہو، یا ذاہب الحدیث، ہالک، ساقط، لیس بشئی، ضعیف جدا وغیرہ کے الفاظ کہے ہوں، یا مصنف کے دیکھنے میں حدیث کی تحسین کا کوئی امکان نہ ہوتو اس وقت اس حدیث کو ذکر کرتے وقت ''روی عن'' سے تعبیر کرتے ہیں، اور کوئی تبصرہ نہیں کرتے، گویا ضعف کی دو علامتیں ہیں، ایک ''روی'' کی تعبیر، دوسری مصنف کی خاموشی۔ دیکھئے اول الذکر صورتوں میں کئی ایک موجب ضعف ہیں، لیکن حافظ منذری ترغیب وترہیب میں ان کو نقصان دہ نہیں مانتے۔ شیخ رحمہ اللہ بھی بالکل اسی نقش قدم پر چلتے ہوئے شدید ضعف والی حدیثوں کو ''روی عن'' سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ مثال آرہی ہے۔

شیخ محمد عبدالحی الکتانی اپنے رسالہ '' الرحمة المرسلة في شأن حديث البسملة'' میں حافظ سیوطی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ : '' إذا علمتم بالحديث أنه في تصانيف المنذري صاحب الترغيب و الترهيب؛ فا رووه مطمئنين'' (كما في تعليق الشيخ أبو غدةؒ على الأجوبة الفاضلة ص ۱۲۱) اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ حافظ منذری اگر کسی حدیث پر اعتماد کریں تو وہ قابل اعتماد ہے۔

(۲) حافظ منذری نے اگر حاکم کا حوالہ دیا ہوتا ہے تو شیخ براہِ راست مستدرک اور اس پر حافظ ذہبی کا نوٹ بھی ملاحظہ فرما کر درج کرتے ہیں۔

(۳) حافظ منذری کسی حدیث کو احمد، طبرانی، ابویعلیٰ، بزار، کے حوالے سے اگر نقل کرتے ہیں تو شیخ اسی پر اکتفاء کرنے کے بجائے حافظ ہیثمی (ت ۸۰۷ھ) کی ''مجمع الزوائد'' کی طرف بھی مراجعت فرماتے ہیں، کیونکہ اس کتاب میں احمد، بزار، ابویعلی کے مسانید اور طبرانی کے معاجم ثلاثہ کے زوائد کو جمع کرنے کے ساتھ ان کی اسنادی حیثیت پر بھی کلام کیا گیا ہے، چنانچہ شیخ وہاں سے اختلاف الفاظ اور ہیثمی کا کلام نقل فرماتے ہیں۔

(۴) اسی طرح حافظ سیوطی کی جامع صغیر سے بکثرت نقل فرماتے ہیں جو مختصر متون حدیث کا

انتخاب صحیحین سمیت تقریباً تیس امہات کتب سے کیا گیا ہے، اور حدیثوں کے درجات صحیح، حسن، ضعیف کی نشاندہی رموز کے ذریعہ کی گئی ہے، چنانچہ شیخ اس سے نقل کرتے وقت " ورقم له بالصحة" کی تعبیر اختیار کرتے ہیں۔

(۵-۶) کتب صحاح وسنن کا مشہور ومتداول مجموعہ مشکوۃ المصابیح، اور جمع الفوائد (جو چودہ کتب حدیث کا مجموعہ ہے) سے بھی گاہ بگاہ انتخاب کرتے ہیں۔

(۷) فضائل درود میں خاص طور سے زیادہ انحصار حافظ شمس الدین سخاوی (۹۰۲) کی '' القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع '' پر ہے، اور حافظ سخاوی اپنے ذوق تنقید، وسعت نظر اور اعتدال پسندی میں ممتاز ہیں، ان کی کتاب ''المقاصد الحسنة'' لوگوں کی زبان زد حدیثوں کی تحقیق میں مرجع ہی نہیں بلکہ عمدۃ المراجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

مذکورہ بالا معروضات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ مجموعہ فضائل اعمال اپنے حدیثی مآخذ کے اعتبار سے معتبر کتاب ہے۔ البتہ ایک خلجان ہنوز باقی ہے کہ حضرت رحمہ اللہ آیات واحادیث کی تشریح کے ذیل میں بکثرت ایسی کتابوں کے حوالے سے احادیث و آثار نقل کرتے ہیں جن کی استنادی حیثیت کمزور ہے، اور ان میں موضوعات کی کثرت ہے، نیز وہ حدیثیں دوسری مستند کتب میں نہیں ملتیں، مثلاً فقیہ ابواللیث سمرقندی کی تنبیہ الغافلین (جس کے متعلق حافظ ذہبی نے فرمایا: ''فيه موضوعات كثيرة''۔ سیر أعلام النبلاء ۱۶/۳۲۳) یا جیسے ''قرۃ العیون'' (جس کو شیخ نے تو جگہ جگہ فقیہ ابواللیث ہی کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن مجھے کافی تلاش کے باوجود ان کی اس نام کی کوئی کتاب نہیں ملی، بلکہ یہ کتاب درحقیقت شیخ ابوبکر الاحسائی کی ہے جو حافظ ابن الجوزی کی کتاب ''التبصرۃ'' کی تلخیص واختصار ہے، پورا نام ''قرۃ العیون المبصرۃ بتلخیص کتاب التبصرۃ'' ہے) بہرکیف اس میں بھی موضوعات کی تعداد خاصی ہے، جیسے امام غزالی کی احیاء العلوم (جس میں موضوعات کی تعداد اتنی ہے کہ علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات

الشافعیۃ الکبریٰ (۱۴۵/۴) میں اس کی بے اصل روایات کو بیان کرنا شروع کیا تو یہ سلسلہ اڑتیس صفحات تک پہونچ گیا، یا جیسے ابن حجر عسقلانی سے منسوب ''المنبہات'' (جس کا حافظ کی طرف انتساب محتمل ہے) اس کتاب میں بھی موضوعات کی کثرت ہے، اس خلجان کا ازالہ اگلے نکتہ میں خود بخود ہوگا۔

مؤیدات وشواہد کا اہتمام

واضح رہے کہ روایت میں اگر ضعف ہوتا ہے تو کئی ایک مصادر کو کھنگال کر اس کے شواہد ومؤیدات جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جن کی مجموعی حیثیت اس مضمون کو وزنی بنا دیتی ہے۔ مثلاً:

رُوی أنه علیه الصلاة والسلام قال: من ترك الصلاة ، حتی مضیٰ وقتها ، ثم قضیٰ عُذّب في النار حُقبا، و الحقب ثمانون سنة، والسنة ثلاث مائة و ستون یوماً، کل یوم کان مقدراه ألف سنة، کذا في مجالس الأبرار،قلت: لم أجده فیما عندی من کتب الحدیث إلا أن مجالس الأبرار مدحه شیخ مشائخنا الشاه عبدالعزیز الدهلوي......و أخرج ابن کثیر في تفسیر قوله تعالیٰ'' فویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون'' عن ابن عباس أن في جهنم لواد تستعیذ جهنم من ذلك الوادي فی کل یوم أربع مائة مرة، أعدذلك الوادي للمرائین من أمة محمد ﷺ، و ذکر أبو اللیث السمرقندي في قرة العیون عن ابن عباس، وهو مسکن من یؤخر الصلاة عن وقتها، وعن سعد بن أبي وقاص مرفوعاً: '' الذین هم عن صلاتهم ساهون'' قال : هم الذین یؤخرون

الصلاة عن وقتها، و صحح الحاكم ، والبيهقي وقفه ، و أخرج الحاكم عن عبدالله في قوله تعالىٰ: '' فسوف يلقون غيّاً'' قال: و اد في جهنم بعيد القعر، خبيث الطعم، وقال : صحيح الإسناد۔

ہم نے اس مثال کواس لئے اختیار کیا کہ یہ خاص طور پر ناقدین کے نشانہ پر رہی ہے، حضرت شیخ کی زندگی میں اوران کے بعد بھی خوب اعتراضات ہوئے، اس کو نقل کرنے کے بعد شیخ نے خود لکھا کہ مجالس الأبرار میں ایسے ہی ہے، مجھے اپنے پاس موجودہ کتب میں نہیں ملی، ہاں مسند الہند شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تعریف کی ہے، اس کے باجود شیخ جانتے ہیں کہ اتنی بات کافی نہیں، اور چونکہ مذکورہ حدیث کا مضمون نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کر کے پڑھنے پر سخت وعید ہے؛ اس لئے تفسیر ابن کثیر سے ''فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون الذین ھم یراؤن'' کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر (جو حکما مرفوع ہے) نقل کیا کہ جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنم ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے جو امت کے ریاکاروں کے لئے تیار کی گئی ہے، پھر قرۃ العیون سے ابن عباس کا اثر نقل کیا کہ یہ وادی ان لوگوں کا ٹھکانہ ہے جو نماز قضا کر کے پڑھتے ہیں، اور یہی مضمون حضرت سعد بن أبي وقاص سے بھی مرفوعاً نقل کیا ہے، اور حاکم وبیہقی نے اس کا موقوف ہونا صحیح قرار دیا ہے، غور کیجئے مجموعی طور سے یہ معلوم ہوا کہ نماز میں غفلت کرنے اور قضا کر کے پڑھنے والے کی سزا جہنم میں سخت ترین رکھی گئی ہے خواہ ایک حقب کی تعیین ثابت نہ ہو، اسی لئے بعض حضرات نے شیخ کو اس سے خارج کرنے کا مشورہ دیا تو شیخ نے جواب دیا کہ ''ابھی تک اس ناکارہ کی سمجھ میں اس حدیث کے نکالنے کی وجہ سمجھ میں نہ آئی''۔ (کتب فضائل پر اشکالات......ص ۱۳۱)

دوسرا نکتہ

اس میں شک نہیں کہ اصل کتاب ہدایت قرآن کریم ہے، حدیث نبوی اس کی تفسیر و تشریح ہے جس کو نظر انداز کر کے صرف قرآن کے ذریعہ راہ یاب نہیں ہوا جا سکتا، جیسا کہ قرآنی ارشاد اس پر صریح دلالت کر رہا ہے'' و أنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نُزّل إليهم '' الآیہ، اور حدیث ایک اتھاہ سمندر ہے، سرکار دو عالم ﷺ نے تیئیس سالہ زندگی میں آپ کے اقوال، افعال، تقریرات، خلقی و خلقی احوال کا مجموعہ جو دربار نبوی کے حاضر باش صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے ذریعہ نقل در نقل ہوتا ہوا امت کو پہونچا ہے روایت و درایت کے اعتبار سے اس کی صحت و صداقت کو جانچنے کے لئے محدثین اور فقہاء امت نے اس قدر ممکنہ تدابیر و قوانین اپنائے جو صرف اور صرف اسی امت محمدیہ کی خصوصیت ہیں، ثبوت و استناد کے اعتبار سے حدیثوں کے مختلف درجات قائم کئے جن کو صحیح، حسن، ضعیف وغیرہ سے جانا جاتا ہے، چنانچہ عمل اور استدلال کے اعتبار سے بھی ان میں فرق مراتب لابدی امر ہے۔

حدیث صحیح کی پانچ شرطین ہیں، سند کا اتصال ہونا، راویوں کی عدالت، ضبط، اور شذوذ و علت قادحہ سے محفوظ ہونا۔ حدیث حسن بھی انہیں صفات کی حامل ہوتی ہے، البتہ اس کے کسی راوی میں ضبط کے اعتبار سے معمولی کمی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کی حدیث نہ تو صحیح کہی جا سکتی ہے اور نہ ہی ضعیف میں شمار ہوتی ہے، حسن کی ایک قسم وہ ضعیف ہے جو تعدد طرق کی وجہ سے قوت پا کر حسن بن جاتی ہے، اور جو حدیث اس سے بھی فروتر ہو وہ ضعیف کہلاتی ہے جس کے مراتب مختلف ہوتے ہیں، سب سے گھٹیا موضوع ہے۔

صحیح اور حسن کے تو قابل استدلال ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، چنانچہ جمیع ابواب دین میں ان سے استدلال کیا جاتا ہے۔ البتہ ضعیف کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے،

جمہور کا خیال ہے کہ احکام یعنی حلال وحرام کے باب میں تو ضعیف کو حجت نہیں بنایا جاسکتا ہے، البتہ فضائل اعمال، ترغیب وترہیب، قصص، مغازی وغیرہ میں اس کو دلیل بنایا جاسکتا ہے بشرطیکہ موضوع نہ ہو، چنانچہ ابن مہدی، امام احمد وغیرھم سے منقول ہے: " إذا روينا فى الحلال و الحرام شدّدنا، و إذا روينا في الفضائل و نحوها تساهلنا" (فتح المغيث، و ظفرا لأماني ص ١٨٢ نقلا عنه) بعض کے نزدیک باب احکام میں بھی حجت ہے، جبکہ دوسرے بعض کے نزدیک سرے سے حجت نہیں۔

قال العلامة اللكنوى بعد ذكره الآراء الثلاثة في المسئلة: و منع ابن العربي العمل بالضعيف مطلقا ولكن قدحكى النووي في عدة من تصانيفه إجماع أهل الحديث وغيرهم على العمل به فى فضائل الأعمال و نحوها خاصة، فهذه ثلاثة مذاهب۔ (الأجوبة الفاضلة)

اور جیسا کہ آگے معلوم ہوگا کہ جمہور عملاً باب احکام میں بھی ضعاف کو کسی نہ کسی درجہ میں قابل عمل مانتے ہیں۔

بدقسمتی سے آج بعض حلقوں کی جانب سے پوری شدومد کے ساتھ یہ غلط فہمی پھیلائی جارہی ہے کہ ضعیف حدیث قطعاً ناقابل اعتبار ہے، اس کا محل موضوع کی طرح ردی کی ٹوکری ہے، حجت صرف صحیح حدیث ہے، صحیح کے مصداق میں کچھ باشعور حضرات حسن کو تو شامل کر لیتے ہیں، ورنہ عام سطح کے لوگ اس کے بھی روادار نہیں ہوتے ہیں، اور بعض غلو پسند طبیعتیں تو صحیحین کو چھوڑ کر بقیہ کتب حدیث کو " صحيح الكتاب الفلاني " و " ضعيف الكتاب الفلاني " جیسے عمل جراحی کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں، فإلى الله المشتكى ۔آیئے ضعیف حدیثوں کی استدلالی حیثیت کا مختصر جائزہ لیں۔

ضعیف حدیث باب احکام میں

جہاں تک احکام شرعیہ میں ضعیف حدیث کے استعمال کا تعلق ہے تو جمہور محدثین و فقہاء کے طرز عمل سے صاف ظاہر ہے کہ ضعیف سے حکم شرعی پر استدلال کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ ضعف شدید نہ ہو یعنی سند میں کوئی متہم یا کذاب راوی نہ ہو، ضعیف سے استدلال کی چند صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: مسئلہ میں اس کے علاوہ کوئی مضبوط دلیل نہ ہو، مختلف مکاتب فکر کے تعلق سے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(الف) حنفیہ: امام ابوحنیفہ کا ارشاد ہے: " الخبر الضعيف عن رسول الله ﷺ أولىٰ من القياس ، و لا يحل القياس مع وجوده" (المحلی لابن حزم ۳/ ۱۶۱) یعنی باب میں اگر ضعیف حدیث بھی موجود ہو تو قیاس نہ کر کے اس سے استدلال کیا جائے گا۔ چنانچہ:

(۱) نماز میں قہقہہ سے نقض وضو والی حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے، آپ نے اس کو قیاس پر مقدم کیا۔ (۲) " أكثر الحيض عشرة أيام " حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے، حنفیہ نے اس کو قیاس پر مقدم کیا۔ (۳) " لا مهر أقل من عشرة دراهم " اس کے ضعف پر محدثین متفق ہیں، اور حنفیہ نے قیاس نہ کر کے اس کو معمول بہ بنایا۔ (أعلام الموقعين ۱/۳۱، ۳۲)

(۲) محقق ابن الہمام فرماتے ہیں: " الاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع " ضعیف جو موضوع کی حد تک نہ پہونچی ہوئی ہو اس سے استحباب ثابت ہوتا ہے (فتح القدیر باب النوافل ۲/۱۳۹) مثلاً (۱) حاشیہ الطحطاوی علی المراقی وغیرہ میں مغرب کے بعد چھ رکعات (جنہیں صلاۃ الأوابین کہتے ہیں) کو مستحب لکھا ہے، دلیل حضرت ابو ہریرہ کی حدیث

’’من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتي عشرة سنة‘‘ امام ترمذی نے اس حدیث کو عمر بن أبي خثعم کے طریق سے روایت کر کے فرمایا: ’’حديث أبي هريرة حديث غريب لا نعرفه إلا من حديث زيد بن الحباب عن عمر بن أبى خثعم‘‘ امام بخاری نے عمر کو منکر الحدیث کہا ہے، اور بہت ضعیف قرار دیا، حافظ ذہبی نے میزان میں فرمایا: له حديث منكر أن من صلى بعد المغرب ست ركعات...... و وهّاه ابوزرعة‘‘۔ (۲) مردہ کو دفن کرتے وقت تین لب مٹی ڈالنا، پہلی بار منها خلقنا كم، دوسری بار و فيها نعيدكم، اور تیسری بار و منها نخرجكم تارة أخرىٰ پڑھنے کو طحاوی (ص ۶۱۰) میں مستحب لکھا ہے، دلیل حاکم و احمد کی حدیث بروایت أبو امامہ رضی اللہ عنہ کہ: جب حضرت ام کلثوم بنت النبی ﷺ کو قبر میں رکھا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے پڑھا: منها خلقناكم الخ، آخر میں بسم الله، و في سبيل ا لله وعلى ملة رسول الله کی زیادتی ہے، اس حدیث کی سند بہت ہی ضعیف ہے، ذہبی نے تلخیص میں کہا: ’’و هو خبر واه لأن على بن زيد متروك‘‘۔

(ب) مالکیہ: امام مالک کے نزدیک مرسل بمعنی عام یعنی منقطع حجت ہے، جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، مالکیہ کی معتمد ترین کتاب ’’نشر البنود علی مراقي السعود‘‘ میں ہے: علم من احتجاج مالك بالمرسل أن كلا من المنقطع، والمعضل حجة عندهم لصدق المرسل بالمعنى الأصولى على كل منها‘‘ (۶۳/۲ كما في ’’التعريف بأوهام من قسم السنن إلى صحيح و ضعيف‘‘ للدكتور محمدسعيد ممدوح)۔

(ج) شافعیہ: ۱۔ مرسل حدیث امام شافعی کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن اگر باب میں صرف مرسل ہی ہو تو اس سے احتجاج کرتے ہیں، حافظ سخاوی نے ماوردی کے حوالہ سے یہ بات فتح المغیث میں نقل کی ہے۔ (۱/۱۷۰)

(۲) حافظ ابن قیم نے نقل کیا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس پر مقدم ہے، چنانچہ: (ا) انہوں نے صید وج کی حدیث کو ضعف کے باوجود قیاس پر مقدم کیا۔ (۲) حرم مکی کے اندر اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے کے جواز والی حدیث کو ضعف کے باوجود قیاس پر مقدم کیا (۳) ''من قاء أو رعف؛ فليتوضأ، وليبن على صلاته'' کو اپنے ایک قول کے مطابق باوجود ضعف کے قیاس پر ترجیح دی۔ (اعلام الموقعین ۱/۳۲)

(د) حنابلہ: ا۔ ابن النجار حنبلی نے شرح الکوکب المنیر (۲/۵۷۳) میں امام احمد کا یہ قول نقل کیا ہے: '' لست أخالف من ضعف من الحديث إذا لم يكن في الباب ما يدفعه''، یعنی باب میں ضعیف حدیث ہو اور اس کے معارض کوئی دلیل نہ ہو تو میں اس کو چھوڑتا نہیں ہوں۔

(۲) حافظ ہروی نے ''ذم الکلام'' میں امام عبداللہ بن احمد سے نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ایک شخص کو مسئلہ درپیش ہے، اور شہر میں ایک محدث ہے جو ضعیف ہے (ایک روایت میں: جو صحیح وسقیم میں تمیز نہیں کر پاتا)، اور ایک فقیہ ہے جو اہل رائے وقیاس میں سے ہے، وہ کس سے مسئلہ پوچھے؟ فرمایا: اہل رائے سے تو پوچھے نہیں کیونکہ ضعیف الحدیث قوی الرائے سے بہتر ہے۔ (ذم الکلام ۲/۱۷۹، ۱۸۰)

(۳) فقہ حنبلی کی مستند ترین کتاب ''المغنی'' میں ابن قدامہ نے لکھا کہ: '' النوافل و الفضائل لا يشترط صحة الحديث فيها'' نیز امام کے خطبہ کے دوران حاضرین کے احتباء کی بابت لکھا کہ کوئی حرج نہیں کیونکہ چند ایک صحابہ سے مروی ہے، لیکن بہتر نہ کرنا ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے خطبہ کے دوران حبوہ سے منع فرمایا ہے، اس لئے اگر چہ حدیث ضعیف ہے افضل حبوہ کا ترک ہی ہے۔ (المغنی ۲/۸۸، ۲۰۶)

(ہ) حافظ ذہبی نے امام اوزاعی کے متعلق لکھا کہ وہ مقطوعات اور اہل شام کے مراسیل سے استدلال کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۷/۱۱۴)

(و) امام داؤد کے متعلق حافظ بن مندہ نے کہا: '' و یخرج الإسناد الضعیف إذا لم یجد في الباب غیرہ؛ لأنه أقوی عندہ من رأی الرجال'' کہ امام ابوداؤد کا مذہب ہے کہ جب کسی باب میں انہیں ضعیف حدیث کے علاوہ نہیں ملتی تو اسی کا اخراج کر لیتے ہیں، کیونکہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک قیاس سے قوی تر ہے۔ (تدریب الراوی)

(ز) ابومحمد بن حزم ظاہری جن کا تشدد مشہور ہے محلیٰ میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھنے سے متعلق حدیث بروایت حسن بن علی رضی اللہ عنہما لائے، اور اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ: یہ حدیث اگرچہ اس لائق نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے، لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلہ میں اور کوئی حدیث ہمیں نہیں ملی اس لئے ہم اسے اختیار کرتے ہیں۔ (محلی ۳/۶۱)

دوسری صورت: اگرچہ ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں احتیاط ہو تو اس کو تمام حضرات اختیار کرتے ہیں، چنانچہ امام نووی نے '' الأذکار'' میں عمل بالضعیف کی استثنائی صورتوں کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا: '' إلا أن یکون في احتیاط في شيء من ذلك کما إذا ورد حدیث ضعیف بکراهة بعض البیوع، و الأنکحة؛ فالمستحب أن یتنزہ عنہ'' اس کی شرح میں ابن علان نے مثال دی کہ جیسے فقہاء کرام نے دھوپ میں گرم پانی کے استعمال کو مکروہ لکھا ہے حدیث عائشہ کی بناء پر جو ضعیف ہے۔

(شرح الأذکار ۱/۶۸، ۸۷ کما فی التعریف بأوهام لخ)

تیسری صورت: اگر کسی آیت یا صحیح حدیث میں دو یا دو سے زائد معنوں کا احتمال ہو اور کوئی ضعیف حدیث ان معانی میں سے کسی ایک معنی کو راجح قرار دیتی ہو، یا دو چند حدیثیں متعارض ہوں اور کوئی حدیث ضعیف ان میں سے کسی کو ترجیح دیتی ہو تو علماء امت اس موقع پر ضعیف حدیث کی مدد سے ترجیح کا کام انجام دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ کسی ثابت شدہ حکم کی مصلحت و فائدہ معلوم کرنے کے سلسلہ میں بھی ضعیف کا سہارا لیا جاتا ہے، نیز حدیث ضعیف اگر متلقی بالقبول ہو جائے، اور اس سے مطابق فقہاء یا عام امت کا عمل ہو جائے تب تو ضعیف ضعیف ہی نہیں رہتی، اور اس کے ذریعہ وجوب اور سنیت تک کا ثبوت ہوتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: ''أثر الحديث الشريف في اختلاف الأئمة الفقهاء للشيخ محمد عوامه''، اور ''الأجوبة الفاضلة'' کے آخر میں شیخ حسین بن محسن کا مقالہ)۔

سید احمد بن الصدیق الغماری المالکی رحمہ اللہ کی اس چشم کشا عبارت کے ترجمہ پر اس کڑی کو یہیں ختم کیا جا رہا ہے، فرماتے ہیں:

''احکام شرعیہ میں ضعف سے استدلال کوئی مالکیہ ہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام ائمہ استدلال کرتے ہیں، اس لئے یہ جو مشہور ہے کہ ''احکام کے باب میں ضعیف پر عمل نہیں کیا جائے گا'' اپنے عموم و اطلاق پر نہیں ہے جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں، کیونکہ ہر مسلک کی ان احادیث احکام کا آپ جائزہ لیں جس سے سب نے یا بعض نے استدلال کیا ہے تو آپ مجموعی طور سے ضعیف حدیثوں کی مقدار نصف یا اس سے بھی زائد ملے گی، ان میں ایک تعداد منکر، ساقط، اور قریب بموضوع کی بھی ملے گی، البتہ بعض کے متعلق وہ کہتے ہیں: ''اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے''، بعض کے متعلق: ''اس کے مضمون پر اجماع منعقد ہے''، بعض کے متعلق: ''یہ قیاس کے موافق ہے''، مگر ان سب کے علاوہ ایسی بہت سی حدیثیں بچیں گی جن سے ان کی تمام تر علتوں کے باوجود استدلال کیا گیا ہے، اور یہ قاعدہ کہ ''احکام میں ضعیف حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا'' یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے، کیونکہ شارع علیہ السلام سے جو کچھ منقول ہے اگر چہ اس کی سند ضعیف ہو اسے چھوڑ کر دوسری دلیل اختیار نہیں کی جا سکتی، اور ضعیف کے متعلق یہ قطعی نہیں کہا جا سکتا کہ ''یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے جبکہ وہ موضوع نہ ہو، یا اس سے قوی اصل شرعی

سے معارض نہ، لہذا اقوی دلیل کی عدم موجودگی میں ضعیف سے استدلال کو ہمیں برا سمجھنے کے بجائے اولیٰ بلکہ واجب کہنا چاہئے ، ہاں یہ بات ضرور بری ہے کہ اس کے تئیں دو رخا طرز اپنائیں، پسندیدگی اور اپنے مذہب کے موافق ہونے کے وقت تو اس پر عمل کریں، اور ناپسندیدگی یا اپنے مذہب کے خلاف ہونے پر ضعیف کہہ کر رد کر دیں۔انتہی (المثنونی والبتار ۱/ ۱۸۰، ۱۸۱ کما فی التعریف......)

خلاصہ کلام یہ کہ جب باب احکام میں ضعیف حدیث مقبول ہے تو دیگر ابواب میں بدرجۂ اولی مقبول ہوگی۔

ضعیف حدیث باب احکام کے علاوہ میں

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ضعیف غیر موضوع عقائد و احکام کے علاوہ میں جمہور کے نزدیک قابل عمل ہے،عقائد واحکام کے باب میں تشدد، اور فضائل ،ترغیب وترہیب اور مناقب وغیرہ میں تساہل کی بات حافظ سخاوی نے امام احمد، ابن معین،ابن المبارک،سفیان ثوری،ابن عیینہ سے نقل کی ہے۔

حافظ نووی نے تو اس پر اجماع کا دعوی کیا ہے اپنی کتاب '' جزء اباحۃ القیام لأہل الفضل '' میں فرماتے ہیں:

'' أجمع أہل الحدیث و غیرھم علی العمل في الفضائل و نحوھا۔ مما لیس فیه حکم، و لا شيء من العقائد، و صفات الله تعالی - بالحدیث الضعیف'' (نقلاً عن التعریف بأوھام ......)

امام نووی کی '' الأربعین '' اور اس کی شرح فتح المبین لابن حجر المکی الہیثمی کے الفاظ ہیں:

قد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف فى فضائل الأعمال ، لأنه إن كان صحيحاً في نفس الأمر؛ فقد أعطى حقه، وإلا لم يترتب على العمل به مفسدة تحليل، و لا تحريم و ضياع حق الغير۔

یعنی فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے، کیونکہ اگر وہ واقعتاً صحیح تھی تو اس کو اس کا حق مل گیا، ورنہ اس پر عمل کرنے سے نہ تو حرام کو حلال کرنا لازم آیا نہ اس کے برعکس، اور نہ ہی کسی غیر کا حق پامال کرنا۔

معلوم ہوا کہ مسئلہ اجماعی ہے، اور کوئی بھی حدیث ضعیف کو شجرۂ ممنوعہ قرار نہیں دیتا، لیکن چند بڑے محدثین و اساطین علم کے نام ذکر کئے جاتے ہیں جن کے متعلق یہ نقل کیا جاتا ہے کہ وہ فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کے قائل نہیں ہیں (قواعد التحديث للشيخ جمال الدين القاسمى ص ١١٦) ان اساطین میں امام بخاری، مسلم، یحیٰ بن معین، ابوبکر بن العربی ہیں، بعض حضرات نے ابوشامہ مقدسی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، اور علامہ شوکانی کا نام بھی لیا ہے، تفصیل کا تو موقع نہیں، آیئے ان حضرات کی آراء کے متعلق کچھ تحقیق کرلیں۔

امام بخاری کا موقف

علامہ جمال الدین قاسمی صاحب قواعد التحدیث کے بقول بظاہر امام بخاری کا مذہب مطلقاً منع ہے، اور یہ نتیجہ انھوں نے صحیح بخاری کی شرط اور اس میں کسی ضعیف حدیث کو داخل کتاب نہ کرنے سے نکالا ہے، علامہ شیخ زاہد الکوثری نے بھی اپنے مقالات (ص ۵۴) میں یہی بات کہی ہے، لیکن یہ بات درست نہیں، بلکہ اس مسئلہ میں امام بخاری کا موقف بالکل جمہور کے موافق ہے۔

جہاں تک صحیح بخاری کا تعلق ہے تو اولاً اس میں امام نے صرف صحیح حدیثوں کا التزام کیا ہے، لہذا اس میں کسی ضعیف حدیث کا نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ امام کے نزدیک ضعیف

سرے سے نا قابل عمل ہے جیسا کہ کسی حدیث کا اس میں نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ غیر صحیح ہے، چنانچہ خود آپ نے احادیث آداب واخلاق کا ایک گراں قدر مجموعہ '' الأدب المفرد '' مرتب فرمایا جس کی شرط یقیناً ان کی جامع صحیح سے بہت فروتر ہے حتی کہ عصر حاضر کے بعض علم برداران حفاظت سنت کو '' صحیح الأدب المفرد ''اور'' ضعیف الأدب المفرد '' کے جراحی عمل کی مشقت اٹھانی پڑی۔

اس کتاب میں امام بخاری نے ضعیف احادیث وآثار کی ایک بڑی مقدار تخریج کی ہے، بلکہ بعض ابواب تو آباد ہی ضعیف سے ہیں اور آپ نے ان سے استدلال کیا ہے، چنانچہ اس کے رجال میں ضعیف، مجہول، منکر الحدیث، متروک ہر طرح کے پائے جاتے ہیں، مثال کے طور پر علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ " الأدب المفرد "کی شرح " فضل الله الصمد" سے بائیس احادیث وآثار اوران کے رجال کے احوال نقل کیے ان میں سے بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اثر نمبر۲۳ میں علی بن الحسين بن واقد المروزي: ضعيف الحديث۔ (۲) حدیث نمبر۴۳ میں محمد بن فلان بن طلحة، مجهول أو ضعيف متروك۔ (۳) اثر نمبر۴۵ میں عبيدالله بن موهب، قال أحمد لا يعرف۔ (۴) اثر نمبر ۵۱ أبوسعد سعيد بن المرزبان البقال الأعور، ضعيف۔ (۵) حدیث نمبر۶۳ میں سليمان أبو إدام يعني سليمان بن زيد: ضعيف،ليس بثقة، كذّاب، متروك الحديث۔ (۶) حدیث نمبر۱۱۱ میں ليث بن أبي سليم القرشي أبو بكر: ضعيف۔ (۷) حدیث نمبر۱۱۲ میں عبدالله بن المساور: مجهول۔ (۸) حدیث نمبر ۱۳۷ میں يحيىٰ بن أبي سليمان: قال البخاري: منكر الحديث۔

شیخ ابو غدہ نے تقریب التہذیب سے الأدب المفرد کے رجال کو کھنگالا تو مستورین کی تعداد: دو، ضعفاء کی تعداد بائیس، اور مجہولین کی تعداد اٹھائیس نکلی، مجموعہ باون

رواۃ، اس جائزہ سے بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ فضائل کی حدیثوں کے تئیں امام بخاری کا مسلک وہی ہے جو جمہور کا ہے۔

صحیح بخاری میں متکلم فیہ رجال کی حدیثیں

ثانیاً خود الجامع الصحیح میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن کی روایت میں کوئی متکلم فیہ راوی موجود ہے جس کی حدیث محدثین کے اصول پر کسی طرح حسن سے اوپر نہیں اٹھ سکتی بلکہ بعض حدیثوں میں ضعیف راوی منفرد ہے، اور اس کو داخل صحیح کرنے کی اس کے علاوہ کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی کہ اس کا مضمون غیر احکام سے متعلق ہے۔

(۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مقدمہ فتح الباری (ص ۶۱۵) میں محمد بن عبدالرحمٰن الطفاوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

" قال أبو زرعة : منكر الحديث ، وأورد له ابن عدي عدة أحاديث قلت له في البخاري ثلاثة أحاديث ، ليس فيها شيء مما استنكره ابن عدي...... ثالثها في الرقاق: " كن في الدنيا كأنك غريب "، و ہذا تفرد به الطفاوي،و هو من غرائب الصحيح ، وكان البخاري لم يشدد فيه لكونه من أحاديث الترغيب و الترهيب"۔

یعنی" كن في الدنيا كأنك غريب " (بخاری کتاب الرقاق) حدیث کی روایت میں محمد بن عبدالرحمٰن الطفاوی منفرد ہے، حافظ فرماتے ہیں کہ شاید امام بخاری نے اس کے ساتھ تساہل کا معاملہ صرف اس وجہ سے کیا ہو کہ یہ ترغیب وترہیب کی حدیثوں میں سے ہے۔

(۲) عن أبي بن عباس بن سهل بن سعد ، عن أبيه عن جده قال: كان للنبي ﷺ في حائطنا فرس يقال له اللحيف۔ (کتاب الجہاد باب الفرس والحمار)

حافظ نے تہذیب التہذیب میں اُبی بن عباس بن سہل کی بابت امام احمد، نسائی، ابن معین، امام بخاری سے تضعیف کے جملے نقل کیے، عقیلی نے کہا اس کی کئی حدیثیں ہیں، اور کسی پر اس کی متابعت نہیں کی گئی ہے، پھر حافظ نے فرمایا کہ مذکورہ حدیث پر اس کے بھائی عبدالمہیمن بن عباس نے متابعت کی ہے، لیکن وہ بھی ضعیف ہے، ملاحظہ ہوں یہ الفاظ:

''وعبدالمهيمن أيضاً فيه ضعف، فاعتضد، انضاف إلى ذلك أنه ليس من أحاديث الأحكام، فلهذه الصورة المجموعة حكم البخاري بصحته'' انتہیٰ۔

ابی بن عباس کے ضعف کی تلافی اس کے بھائی سے اس قدر نہیں ہو سکی کہ حدیث کو صحیح کا درجہ دیا جائے تو خلل کو اس پہلو سے پر کیا گیا کہ حدیث احکام سے متعلق نہیں ہے، اس لئے چل جائے گی۔

(۳) محمد بن طلحة، عن طلحة عن مصعب بن سعد قال: رأى سعد أن له فضلاً على من دونه، فقال النبي ﷺ هل تنصرون و ترزقون إلا بضعفائكم''۔ (کتاب الجہاد، باب من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب)

محمد بن طلحہ بن مصرف الکوفی، ان کا سماع اپنے والد سے کم سنی میں ہوا تھا، امام نسائی، ابن معین، ابن سعد وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے، تقریب میں ہے: صدوق له أوهام، و أنكروا سماعه من أبيه لصغره، حافظ مقدمہ (ص ۶۱۳) فرماتے ہیں:

بخاری میں ان کی تین حدیثیں ہیں، دو متابعت کی وجہ سے درجۂ صحت کو پہونچ جاتی ہیں، تیسری (مذکورہ بالا حدیث) ہے اس کی روایت میں محمد بن طلحہ منفرد ہیں، مگر یہ فضائل اعمال سے متعلق ہے، یعنی فضائل اعمال کی حدیث ہونے کی وجہ سے چشم پوشی کی گئی۔

امام مسلم کا موقف

علامہ جمال الدین رحمہ اللہ نے امام مسلم کے متعلق یہ دلیل دی کہ انہوں نے مقدمہ میں ضعیف ومنکر احادیث کے روایت کرنے والوں کی سخت مذمت کی ہے، اور اپنی صحیح میں ضعیف حدیث کا اخراج نہیں کیا ہے، لیکن امام مسلم کی اس تشنیع سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ضعفاء سے روایت کرنا مطلقا ناجائز ہے، انہوں نے تو صحیح حدیثوں کو جمع کرنے والے پر یہ بات ضروری قرار دی ہے کہ وہ مشہور ثقہ راویوں کی حدیثوں کو تلاش کر کے جمع کرے، ضعیف حدیث کے علی الاطلاق مردود ہونے پر ان سے کوئی صراحت منقول نہیں ہے۔

تاہم امام مسلم نے بعض ضعفاء کی حدیثیں صحیح میں متابعات وشواہد کے طور پر اخراج کی ہیں، آپ نے مقدمہ میں حدیثوں کی تین قسمیں قرار دی ہیں:

(۱) وہ حدیثیں جو حفاظ متقنین کی روایت سے ہیں۔

(۲) وہ حدیثیں جو ایسے لوگوں کی روایت سے ہیں جو حفظ واتقان میں متوسط اور بظاہر جرح سے محفوظ ہیں۔

(۳) وہ حدیثیں جو ضعفاء ومتروکین کی روایت سے ہیں۔

امام مسلم کی اس صراحت اور صحیح میں ان کے طرز عمل کے درمیان تطبیق میں شراح نے مختلف باتیں کہی ہیں، قاضی عیاض نے جو توجیہ کی علامہ ذہبی اور نووی نے اس کو پسند کیا اس کا خلاصہ یہ ہے:

امام مسلم نے جن طبقات کا ذکر کیا ہے ان میں سے آخری طبقہ ان رواۃ کا ہے جن کے متہم ہونے پر تمام یا اکثر علماء کا اتفاق ہے، اس سے پہلے ایک طبقہ ہے جس کا ذکر امام نے اپنی عبارت میں نہیں کیا ہے، اور وہ لوگ ہیں جن کو بعض تو متہم سمجھتے ہیں، اور بعض صحیح الحدیث قرار دیتے ہیں، یہ کل چار طبقے ہوئے، میں نے امام مسلم کو پایا کہ وہ پہلے دونوں طبقوں کی

حدیثیں لاتے ہیں اس طرح باب میں اولا طبقۂ اولیٰ کی حدیث تخریج کرتے ہیں، پھر مزید تقویت کے لئے طبقۂ ثانیہ کی حدیثیں ذکر کرتے ہیں، اور جب کسی باب میں طبقۂ اولیٰ سے کوئی حدیث ان کے پاس نہیں ہوتی تو ثانیہ ہی کی حدیث پر اکتفاء کرتے ہیں، پھر کچھ ایسے لوگوں کی حدیثیں بھی تخریج کرتے ہیں جن کی بعض نے تضعیف اور بعض نے توثیق کی ہوتی ہے، رہے چوتھے طبقہ کے لوگ تو ان کو آپ نے ترک کر دیا ہے۔ (مقدمہ شرح نووی)

حافظ شمس الدین ذہبی فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ طبقۂ اولیٰ و ثانیہ کی حدیثیں مساویانہ طور پر لیتے ہیں ثانیہ کی معدودے چند کو چھوڑ کر جس میں وہ کسی قسم کی نکارت سمجھتے ہیں، پھر متابعات وشواہد کے طبقۂ ثالثہ کی حدیثیں لیتے ہیں جن کی تعداد بہت زیادہ نہیں، اصول میں تو ان کی حدیثیں شاید و باید ہی لیتے ہیں، یہ عطاء بن السائب، لیث بن ابی سلیم، یزید بن ابی زیاد، ابان بن صمعہ، محمد بن اسحاق، اور محمد بن عمرو بن علقمہ اور ان کی حیثیت کے لوگ ہیں''۔ (سیر اعلام النبلاء ۵۷۵/۱۲)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اوپر صحیحین کے تعلق سے جو کچھ عرض کیا گیا اس سے ممکن ہے بعض اہل علم کو شبہ ہو کہ پھر تو صحیحین سے اعتماد اٹھ جائے گا، اور نتیجۃً پورا ذخیرۂ حدیث مشکوک ہو جائے گا، جب کہ صحیحین کا اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونا مسلم اور متفق علیہ ہے، کیوں کہ جب صحیحین تک ضعیف حدیثوں سے محفوظ نہیں رہیں، تو دوسری کتب حدیث تو بدرجہ اولیٰ محفوظ نہیں رہیں گی، اور اس طرح پورا ذخیرۂ حدیث مشکوک اور ناقابل اعتبار ہو جائے گا، اور منکرین حدیث کو انکار حدیث کے لئے بہانہ ملے گا۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ہم نے یہ کہا ہی کب ہے کہ صحیحین میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ جمہور امت کے نزدیک حدیثوں میں صحت وحسن کا معیار مختلف ہوتا

ہے، باب احکام (حلال وحرام) میں سخت ہوتا ہے تو فضائل وغیرہ میں نرم، چنانچہ ہم نے بخاری شریف سے جو مثالیں پیش کی ہیں وہ اپنی علتوں کے باوجود فضائل وآداب کے باب کے اعتبار سے یقیناً صحیح ہیں؟ اگرچہ باب احکام میں جس درجہ کی صحت مطلوب ہوتی ہے وہ ان میں نہیں ہے، اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کو داخل ''صحیح'' کرلیا۔

اس حقیقت کو نظرانداز کرتے ہوئے بعض حضرات ہر باب میں صحت وحسن کے اسی معیار کو استعمال کرنے لگتے ہیں جو باب احکام کے لئے مخصوص ہے، اور وہ صرف اسنادی پہلو سے، اس لئے مناسب خیال کیا گیا کہ ضعیف اور متکلم فیہ رجال کی حدیثوں کی بابت صحیحین کے مصنفین کا اصل موقف واضح کردیا جائے، تاکہ اس مغالطہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

ورنہ صحیحین کے متعلق جمہور امت کی جو رائے ہے وہی ہمارا بھی مسلک ہے، کہ یہ دونوں کتابیں صرف صحیح احادیث کا مجموعہ ہیں، علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ نے مقدمہ ''فتح الملہم'' میں صحیحین کی حدیثوں کے مفید قطع ویقین ہونے کے نظریہ کی مدلل تردید کرنے کے بعد صحیحین کی عظمت ومقام کی بابت حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی عبارت نقل کی ہے، اس جگہ ہم بھی انھیں عبارات کو نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں، علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ليس غرضنا مما كتبنا فی هذا البحث تهوين أمر الصحيحين، أو غيرهما من كتب الحديث، بل المقصود نفی التعمق و الغلو، و وضع كل شئ في موضعه، و تنويه شأنه بما يستحقه، و نحن بحمد الله نعتقد في هذين الكتابين الجليلين، و نقول بما قال شيخ شيوخنا، و مقدم جماعتنا الشاه ولي الله الدهلوي في ''حجة الله البالغة''، و هذا لفظه:

''أما الصحيحان، فقد اتفق المحدثون علي أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع (بالتفصيل الذی ذكرنا)، و إنهما

متواتران إلى مصنفيهما ، و إنه من كان يهوّن أمرهما ، فهو مبتدع ، ضال ، متبع غير سبيل المؤمنين '' اھ۔

اس بحث میں جو کچھ ہم نے لکھا اس سے ہمارا مقصد- معاذ اللہ- صحیحین ، یا دوسری کتب حدیث کی کسرشان نہیں ہے، بلکہ ان کی بابت غلو کی تردید اور ہر چیز کو اس کے اصل مقام پر رکھنے، اور اس کو اس کا واجبی حق دینے کی کوشش ہے، ورنہ ہم بحمداللہ ان دونوں عظیم الشان کتابوں کے متعلق وہی نظریہ رکھتے ہیں جو ہمارے شیخ الشیوخ اور مقتدا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں فرمایا ہے:

''رہیں صحیحین، تو محدثین اس پر متفق ہیں کہ ان میں جو کچھ مرفوع متصل کے قبیل سے ہے وہ بالکل صحیح ہے، اور ان کتابوں کا ثبوت ان کے مصنفین سے بطور تواتر ہے، بلاشبہ جو شخص بھی ان کی شان گھٹائے گا وہ بدعتی گمراہ اور مسلمانوں کے راستے کے علاوہ راستہ کے پیروی کرنے والا ہوگا''۔ (مقدمہ فتح الملہم ص۱۰۸)

یحییٰ بن معین کا موقف

ابن سید الناس نے تو عیون الأثر میں یحییٰ کا مذہب مطلقا رد ہی نقل کیا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ ان کا مذہب جمہور کے موافق ہے، شواہد درج ذیل ہیں:

(۱) جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حافظ سخاوی نے فتح المغیث میں جن چند لوگوں سے (عقائد و احکام میں تشدد وفضائل وغیرہ میں تساہل) نقل کیا ہے ان میں ابن معین بھی ہیں۔

(۲) شیخ احمد محمد نور سیف نے ''مقدمہ تاریخ ابن معین'' میں لکھا کہ یحییٰ بن معین کی محمد بن اسحاق کے متعلق جو رائیں منقول ہیں ان سے قطعا یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ان کی حدیثیں مطلقاً قابل ترک ہیں، چنانچہ فرمایا: '' ثقة ، ولكن ليس بحجة'' ابن اسحاق کے شاگرد زیاد بن عبدالله البكائی کے متعلق فرمایا: '' ليس بشيء '' لا بأس به في المغازي، و أما

في غيرها؛ فلا'' معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک مغازی وغیرہ میں تو ابن اسحاق اور ان کے شاگرد مقبول ہیں، احکام وغیرہ میں نہیں۔

(۳) الکامل لابن عدی (۱/۲۶۶) میں ہے:'' عن ابن مريم قال: سمعت ابن معين يقول: إدريس بن سنان يكتب من حديث الرقاق'' ابن معین کے نزدیک ادریس بن سنان کی حدیث رقاق (ترغیب وترہیب) کے باب میں قابل قبول ہے، جبکہ یہ ضعیف ہیں۔

ابوبکر ابن العربی کا موقف

یہ مالکی المسلک فقیہ ہیں، ان سے ایسی کوئی صراحت تو نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ ان کے نزدیک فضائل اعمال میں ضعیف قابل عمل نہیں، البتہ اس کے برعکس ثابت ہے۔

(۱) مرسل حدیث جو جمہور محدثین وشافعیہ کے نزدیک ضعیف ہے مالکیہ کے نزدیک اس سے استدلال درست ہے، وہ خود اس بات کو نقل کرتے ہیں'' المرسل عندنا حجة في أحكام الدين من التحليل و التحريم و في الفضائل، و ثواب العبادات، و قد بينا ذلك في أصول الفقه''۔ (عارضۃ الأحوذی)

(۲) ضعیف کے معمول بہ ہونے کی صراحت خود فرماتے ہیں:'' روى أبو عيسى حديثاً مجهولا إن شئت شمته، وإن شئت فلا'' و هو إن كا ن مجهولا ؛فإنه يستحب العمل به لأنه دعا بخير، وصلة للجليس، وتودد له''۔اھ

ابوشامہ مقدسی کا موقف

محدث ابوشامہ مقدسی کی بات شیخ طاہر الجزائریؒ نے توجیہ النظر (۲/۶۵۷) میں نقل کی ہے، انہوں نے اپنی کتاب'' الباعث على إنكار البدع والحوادث '' میں حافظ

ابن عساکر دمشقی کی ایک مجلسِ املاء کے حوالے سے ماہ رجب کی فضیلت کے متعلق تین حدیثیں ذکر کیں، اس کے بعد لکھا کہ:

کنت أودّ أن الحافظ لم یذکر ذلك؛ فإن فیه تقریراً لما فیه من الأحادیث المنکرة،فقدره کان أجل من أن یحدث عن رسول الله ﷺ بحدیث یری أنه کذب، ولکنه جریٰ علی عادة جماعة من أہل الحدیث یتساهلون في أحادیث الفضائل إلخ''۔

یعنی کاش کہ ابن عساکر ان حدیثوں کو بیان نہ کرتے کیونکہ اس سے منکر حدیثوں کو رواج دینا ہے، آپ جیسے محدث کی شایان شان نہیں کہ ایک حدیث جس کو غلط سمجھ رہے ہیں بیان کریں، لیکن محدثین کی ایک جماعت جو فضائل اعمال میں تساہل برتتی ہے کے طریقہ کو آپ نے اختیار کیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فتح الملہم میں اس پر تبصرہ یوں فرماتے ہیں۔

''کہ محدث ابوشامہ نے فضائل وغیرہ میں ضعیف پر عمل کے سلسلہ میں تو کوئی نقد نہیں کیا بلکہ ابن عساکر جیسے ماہر فن کے طرز عمل پر نکتہ چینی کی کہ انہوں نے ایک منکر حدیث بغیر کسی وضاحتی بیان کے عوام میں نقل فرمادی جس سے عوام یا جس کو اس فن سے مناسبت نہیں ابن عساکر کی نقل سے دھوکہ کھانے اور اس کو ثابت سمجھنے کا اندیشہ ہے جبکہ محدثین کے نزدیک یہ غیر ثابت ہے''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا موقف

شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی فضائل وغیرہ میں ضعیف پر عمل کے مسئلہ میں جمہور سے الگ نہیں ہوسکے، اس دعوی کا بین ثبوت ان کی کتاب '' الکلم الطیب'' ہے اس میں ضعیف حدیثوں کی تعداد کتنی ہے اس کا جواب علامہ ناصر الدین البانیؒ دیں گے جنہوں نے '' صحیح

الكلم الطيب“ اور” ضعيف الكلم الطيب “ میں خط امتیاز قائم کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ (التعريف بأهام......۱/۱۰۳)

علامہ شوکانی کا موقف

اگرچہ علامہ شوکانی کی الفوائد المجموعہ (ص۲۸۳) کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث مطلقاً ناقابل قبول ہے لیکن ان کی اہم ترین تصنیف ” نيل الأوطار “ (۶۰/۳) کی یہ عبارت اس کی نفی کرتی ہے ” والآيات و الآحاديث المذكورة في الباب تدل على مشروعية الاستكثار من الصلاة بين المغرب و العشاء، والأحاديث و إن كان أكثرها ضعيفاً فهي منتهضة بمجموعها، لا سيما في فضائل الأعمال“۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ مغرب وعشاء کے درمیان سے متعلق اکثر حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن مجموعی حیثیت سے مضبوط ہیں خاص کر فضائل اعمال کے باب میں۔

نیز آپ کی کتاب تحفۃ الذاکرین کا مطالعہ کرنے والا شخص تو ہمت ہی نہیں کر سکتا کہ ان کی طرف زیر بحث مسئلہ میں خلاف جمہور رائے کا انتساب کرے، کیونکہ وہ تو ضعاف سے بھری پڑی ہے۔ (ملاحظہ ہو التعریف......)

ان معروضات سے یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ ضعیف حدیث جبکہ موضوع نہ ہو باب احکام وعقائد کے علاوہ میں اجماعی طور سے پوری امت کے نزدیک قابل عمل ہے، اور چونکہ فضائل ومناقب، ترغیب وترہیب، سیر ومغازی کی احادیث کے ذریعہ غفلت سے بیداری، اور دین پر عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے پورے شد ومد کے ساتھ ان کے خلاف ہوّا کھڑا کیا گیا ہے تاکہ مذہبی احکام کی اہمیت کم سے کم تر ہو جائے پھر زیاں کے بعد زیاں کا احساس تک باقی نہ رہے۔ يا ليت قومي يعلمون۔

ضعیف حدیث پر عمل کے شرائط

ہاں یہ ضرور ہے کہ ضعیف حدیث کا ثبوت محتمل ہوتا ہے، اس لئے اس سے استدلال کے وقت کچھ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے، حافظ شمس الدین سخاوی نے القول البدیع (ص ۱۵۹ میں ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے۔

حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں:

(۱) یہ کہ ضعف غیر شدید ہو، چنانچہ وہ حدیث جس کی روایت تنہا کسی ایسے شخص کے طریق سے ہو جو کذاب یا متہم بالکذب، یا فاحش الغلط ہو خارج ہوگی۔

(۲) اس کا مضمون قواعد شرعیہ میں سے کسی قاعدہ کے تحت آتا ہو، چنانچہ وہ مضمون خارج عمل ہوگا جو محض اختراعی اصول شرعیہ میں سے کسی اصل سے میل نہ کھاتا ہو (ظاہر ہے اس کا فیصلہ دیدہ ور، بالغ نظر فقہاء ہی کر سکتے ہیں، ہر کہہ ومہ کے بس کی بات نہیں)۔

(۳) اس پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے، بلکہ صرف اس کے ثواب کے حصول کی امید کے ساتھ کیا جائے، مبادا آں حضرت ﷺ کی جانب ایک بات جو واقع میں آپ نے نہ فرمائی ہو اس کا آپ کی طرف منسوب کرنا لازم آجائے۔

(۴) مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے ایک چوتھی شرط بھی ذکر کی ہے، وہ یہ کہ اس مسئلہ کے متعلق اس سے قوی دلیل معارض موجود نہ ہو، پس اگر کوئی قوی دلیل کسی عمل کی حرمت یا کراہت پر موجود ہو اور یہ ضعیف اس کے جواز یا استحباب کی متقاضی ہو تو قوی کے مقتضی پر عمل کیا جائے گا۔

ایک وضاحت:

واضح رہے کہ فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب دو چیزیں ہیں، مذکورہ بالا شرطیں فضائل اعمال کے متعلق ہیں، فضائل اعمال کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مخصوص عمل جو پہلے سے کسی نص صحیح یا

حسن سے ثابت نہ ہو، صرف ضعیف حدیث میں اس عمل کا ذکر آیا ہو تو علماء امت اور فقہاء کرام ضعیف حدیث ہی کی بنیاد پر اس عمل کے استحباب کے قائل ہیں مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ، مثلاً مغرب کے بعد چھ رکعات کا پڑھنا، قبر میں مٹی ڈالتے وقت مخصوص دعا کا پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے (جیسا کہ گذرا)، اور جیسے اذان میں ترسیل اور اقامت میں حدر کرنا مستحب ہے ترمذی کی حدیث ضعیف کی وجہ سے جو عبدالمنعم بن نعیم کے طریق سے روایت کر کے کہتے ہیں: ''هذا إسناد مجهول''، اور عبدالمنعم کو دارقطنی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، ان مثالوں میں مذکورہ بالا شرطیں پائی جا رہی ہیں۔

اور ترغیب وترہیب کا مطلب یہ ہے کہ جو اعمال ادلۂ شرعیہ سے ثابت ہیں کسی مخصوص حدیث ضعیف میں ان اعمال کے کرنے پر مخصوص ثواب کا وعدہ، اور نہ کرنے یا کوتاہی کرنے پر مخصوص وعید وارد ہوئی ہو، ائمۂ حدیث و ناقدین کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤخر الذکر میں اول الذکر کی بہ نسبت تجوز زیادہ ہے جیسا کہ اگلے عنوان میں واضح ہوگا۔

ضعیف یا موضوع حدیثوں کی پذیرائی کس کس نے کی؟

جیسا کہ گذر چکا کہ بطور متن لائی گئی حدیثوں میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے کوئی ایسی حدیث اپنی دانست کے مطابق ذکر نہیں کی جو موضوع ہو، چنانچہ جس کسی حدیث کے متعلق کسی نے وضع کی بات کی ہوتی ہے، اور شیخ اس کے طرق اور مؤیدات وشواہد کی بنا پر مطمئن ہوتے ہیں تو ان طرق وشواہد کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

البتہ شرح میں تائید وتوضیح کے طور پر امام غزالی کی احیاء العلوم، فقیہ ابو اللیث کی تنبیہ الغافلین، اور قرۃ العین جیسی کتابوں سے بکثرت لیتے ہیں، اس حقیقت کے اعتراف میں ہمیں ذرا بھی تأمل نہیں کہ ان کتابوں میں انتہائی ضعیف، موضوع و بے اصل روایات کی تعداد خاصی

ہے، چنانچہ ”مجموعہ فضائل اعمال“ میں بھی اس طرح کی روایات کا در آنا بعید نہیں، اس کے باوجود ہمارا دعوی ہے کہ اس سے اس کتاب کی معتبریت وحیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا؟

اس لئے کہ ہم نے بڑے بڑے ائمہ جرح وتعدیل اور نقاد حدیث کو دیکھا کہ جب وہ رجال کی جرح وتعدیل اور حدیثوں میں ثابت وغیر ثابت، صحیح وغیر صحیح کی تحقیق کرنے کے موڈ میں ہوتے ہیں تو ان کا انداز تحقیق اور لب ولہجہ اور ہوتا ہے، اور جب اخلاق، آداب، فضائل یا ترغیب وترہیب کے موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو اتنا نرم پہلو اختیار کرتے ہیں کہ موضوع تک کو بطور استدلال پیش کر ڈالتے ہیں، اور معلوم نہیں ہوتا کہ یہ وہی ابن جوزی، منذری، ذہبی، ابن حجر، ابن تیمیہ، اور ابن قیم ہیں جن پر فن نقد ودرایت کو بجا طور پر ناز ہے، اور مجموعی طور پر ان اساطین علم حدیث کا طرز عمل صاف غمازی کرتا ہے کہ ترغیب وترہیب وغیرہ کے باب میں چشم پوشی زیادہ ہے جس کو آج کے مدعیان علم وتحقیق دانستہ طور پر کسی مصلحت سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

امام بخاری سمیت جمہور محدثین وفقہاء کا ضعیف حدیث کے ساتھ تساہل کا معاملہ معلوم ہو ہی چکا، اس کے علاوہ کچھ نامور ناقدین حدیث، اور مشہور مصنفین کا ان کتابوں میں طرز عمل ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ حافظ ابن جوزیؒ

حافظ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن الجوزیؒ نے ایک طرف موضوعات کی تحقیق میں بے مثال کتاب تصنیف فرمائی تا کہ واعظین اور عام مسلمین ان موضوع حدیثوں کی آفت سے محفوظ رہیں، نیز وہ حدیث پر وضع کا حکم لگانے میں متشدد بھی مانے جاتے ہیں، دوسری طرف اپنی پند وموعظت اور اخلاق وآداب کے موضوع پر تصنیف شدہ کتابوں میں آپ نے بہت سی ایسی حدیثیں نقل کر ڈالی ہیں جو ضعیف کے علاوہ موضوع بھی ہیں، مثلا دیکھئے ان کی یہ کتابیں: ”ذمّ الھویٰ“،

تلبيس ابليس''،'' رؤوس القوارير'' اور'' التبصرة''جس کی تلخیص شیخ ابوبکر احسائی نے'' قرة العيون المبصرة بتلخيص كتاب التبصرة'' کے نام سے فرمائی۔

یہ بات حافظ ابن تیمیہ نے '' الرد على البكري'' (ص۱۹) میں ابونعیم، خطیب ابن الجوزی، ابن عساکر، اور ابن ناصر سب کے متعلق مشترکہ طور پر کہی ہے، حافظ سخاوی نے شرح الالفیہ میں لکھا:

'' و قد أكثر ابن الجوزى في تصانيفه الوعظية فما أشبهها من إيراد الموضوع و شبهه''۔

۲۔ حافظ منذری

حافظ منذری کی الترغیب والترہیب کے نہج اور اس کے متعلق حافظ سیوطی کی رائے گذر چکی، اور ضمناً یہ بات بھی آئی کہ وہ ایسی حدیثیں بھی لاتے ہیں جس کی سند میں کوئی کذاب یا متہم راوی ہوتا ہے اور اس کو صیغہ تمریض '' رُوِيَ'' سے شروع کرتے ہیں (شیخ رحمہ اللہ بھی ترغیب منذری کی ایسی کوئی روایت نقل کرتے ہیں تو صیغۂ تمریض ہی سے کرتے ہیں) حافظ منذری اپنے مقدمہ میں کتاب کی شرطوں اور مصادر و مآخذ کے ذکر سے فارغ ہو کر لکھتے ہیں:

'' و استوعبت جميع ما فى كتاب أبي القاسم الأصفهاني مما لم يكن في الكتب المذكورة ، و هو قليل ، و أضربت عن ذكر ما قيل فيه من الأحاديث المتحققة الوضع''۔

یعنی مذکورہ اہم مصادر حدیث کے علاوہ میں نے ابوالقاسم اصفہانی کی ترغیب وترہیب (جس میں انہوں نے اپنی سند سے حدیثیں تخریج کی ہیں) کی وہ ساری حدیثیں لی ہیں جو مذکورہ کتب میں نہیں آسکیں، اور ان کی تعداد تھوڑی ہے، اور ان حدیثوں کو نظر انداز کر دیا ہے جن کا موضوع ہونا قطعی ہے۔

معلوم ہوا کہ کسی حدیث کی سند میں کذاب یا متہم راوی کا ہونا اس کے واقعی موضوع ہونے کو مستلزم نہیں ہے جبھی تو منذری نے ایسی روایات کو منتخب کرلیا جو ان کے نزدیک قطعی طور پر موضوع نہیں ہیں۔

۳۔ حافظ نووی

علامہ نووی شارح صحیح مسلم کے متعلق بھی علامہ کتانی نے (الرحمۃ المرسلۃ ص ۱۵) میں حافظ سیوطی کا یہ جملہ نقل کیا ہے " إذا علمتم بالحديث أنه في تصانيف الشيخ محي الدين النووي فاروه مطمئنين " اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ موضوع حدیث اپنی کتابوں میں ذکر نہیں کرتے، رہیں ضعیف حدیثیں تو اس میں شک نہیں کہ ان کی کتاب " الأذکار " میں ان کی تعداد خاصی ہے جس سے معذرت کے طور پر مقدمہ میں انھیں یہ حقیقت واشگاف کرنی پڑی کہ ضعیف حدیث اگر موضوع نہ ہو تو فضائل اور ترغیب وترہیب میں معتبر ہوتی ہے جیسا کہ گذرا۔ بلکہ " ریاض الصالحین " جو باب فضائل میں صحیح حدیثوں کا مجموعہ ہے اور جس کے متعلق انہوں نے صراحت کی ہے کہ وہ صحیح حدیث ہی ذکر کریں گے اس میں چند ایک ضعیف حدیثیں موجود ہیں، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے بطور مثال تین حدیثیں پیش کی ہیں، مثلاً:

(۱) " الكيس من دان نفسه...... إلخ " اس کی سند میں ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم ہے جو بہت ہی ضعیف ہے۔ (فیض القدیر ۵/۶۸)

(۲) " ماأكرم شاب شيخاً إلا قيّض الله له من يكرمه عند كبر سنه " اس کے ضعف ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں، کیونکہ اس کی سند میں یزید بن بیان عقیلی، اور اس کا شیخ ابوالرجّال خالد بن محمد الانصاری دونوں ضعیف ہیں۔ (فیض القدیر ۵/۴۲۵، تہذیب التہذیب وغیرہ)

(۳) " لاتشربوا واحداً كشرب البعير " اس کی سند میں یزید بن سنان ابوفروہ الرہاوی ضعیف ہیں، ترمذی کے نسخوں میں اس حدیث پر حکم مختلف ہے، بعض نسخوں میں

''حسن'' ہے، اور بعض میں ''غریب'' واضح رہے کہ امام ترمذی تنہا لفظ ''غریب'' اس جگہ لاتے ہیں جہاں سند میں کوئی ضعیف راوی منفرد ہوتا ہے، حافظ نے فتح (۸۱/۱۰) میں فرمایا: سندہ ضعیف۔

۴۔ حافظ ذہبی

حافظ ذہبی جن کی فن جرح و تعدیل میں شانِ امامت مسلم ہے، ہزاروں راویان حدیث میں سے ہر ایک کی ذمہ دارانہ شناخت کے سلسلہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، چنانچہ تلخیص المستدرک، میزان الاعتدال وغیرہ میں حدیثوں پر ان کی جانب سے صادر شدہ احکام مستند قرار دیے گئے ہیں، بلکہ بعض مواقع میں تو ان پر تشدد کا بھی الزام ہے، انہوں نے بھی اپنی کتاب '' كتاب الكبائر '' میں ضعیف، واہی، بلکہ موضوع تک کو بطور استشہاد پیش کیا ہے، شاید ان کا بھی مذہب اس سلسلہ میں ان کے پیش رو حافظ ابن الجوزی کا سا ہے، مثلاً:

(۱) کبیرہ گناہ ''ترک صلاۃ'' کے تحت کئی ضعیف حدیثیں ذکر کی ہیں، ان میں وہ طویل حدیث بھی ہے جو شیخ کی کتاب ''فضائل نماز'' میں ۲۸ تا ۳۱ میں درج ہے، جس کے بموجب نماز کا اہتمام کرنے والے کا اللہ تعالی پانچ طرح سے اکرام کرتے ہیں، اور اس میں سستی کرنے والے کو پندرہ طریقہ سے عذاب دیتے ہیں، پانچ طرح دنیا میں، تین طرح موت کے وقت، تین طرح قبر میں، اور تین طرح قبر سے نکلنے کے بعد، شیخ نے تو یہ حدیث ابن حجر مکی ہیتمی کی ''الزواجر'' کے حوالہ سے نقل کی ہے جس کی ابتداء '' قال بعضهم: ورد في الحديث '' سے کی ہے، مزید اس کے چند ایک حوالے اور مؤیدات ذکر کرتے ہوئے حافظ سیوطی کی ذیل اللآلی سے نقل کیا کہ ابن النجار نے ذیل تاریخ بغداد میں اپنی سند سے ابو ہریرہ کے طریق سے اس کو روایت کیا ہے، میزان الاعتدال میں ہے: '' هذا حديث باطل، ركبه علي بن عباس على أبي بكر بن زياد النيسابوري...... '' پھر امام غزالی اور صاحب منبہات کے حوالہ سے بھی

اس مضمون کو مؤید کیا، الغرض شیخ نے تو مذکورہ بالا تمام حضرات کے طرز عمل سے یہ نتیجہ نکالا کہ حدیث بے اصل نہیں ہے، اور ترغیب وترہیب کے لئے پیش کی جاسکتی ہے۔

لیکن تعجب حافظ ذہبی پر ہے کہ خود میزان میں اس کے باطل ہونے کی تصریح فرماتے ہیں، اور ''کتاب الکبائر'' میں ''قد ورد فی الحدیث'' کے صیغۂ جزم سے اس طرح ذکر کرتے ہیں جیسے کتنی مضبوط درجہ کی حدیث ہو۔

(۲) اسی کتاب ص۴۴ پر کبیرہ گناہ ''عقوق الوالدین'' کے تحت یہ حدیث نقل کرتے ہیں: ''لو علم الله شيئا أدنى من الأفّ لنهى عنه، فليعمل العاق ما شاء أن يعمل، فلن يدخل الجنة، وليعمل البار ما شاء أن يعمل ، فلن يدخل النار'' اس حدیث کو دیلمی نے اصرم بن حوشب کے طریق سے حضرت حسین بن علیؓ کی حدیث سے مرفوعاً روایت کیا ہے، اس اصرم کے متعلق خود حافظ ذہبی میزان (۲۶/۱) میں فرماتے ہیں: '' قال يحيىٰ فيه: كذاب خبيث ، و قال ابن حبان: كان يضع الحديث على الثقات '' اس میں شبہ نہیں کہ حدیث میں معنوی نکارت کے علاوہ ایک کذاب اس کی روایت میں منفرد ہے جو کسی طرح ترغیب وترہیب میں قابل ذکر نہیں ہے، اور ذہبی نے اس سے استشہاد کیا۔

(۳) کبیرہ گناہ شرب خمر کے تحت دو ایسی حدیثیں نقل کی ہیں جن پر محدثین نے وضع کا حکم لگایا ہے، ایک ص ۸۹ پر حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے جس کے بموجب شرابی کی توبہ قبول نہیں ہوتی، دوسری ص ۹۱ پر حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے جس کے بموجب شرابی کو سلام کرنا اس کے جنازے میں شرکت وغیرہ کو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

حافظ ذہبی کی ہی دوسری کتاب '' العلو للعلي الغفار'' ہے اس میں بھی کافی حد تک تساہل پایا جاتا ہے، لیکن اس کا معاملہ ہلکا یوں ہے کہ اس میں ذہبی نے حدیثیں اپنی سند سے ذکر کی ہیں، اب لینے والے کی ذمہ داری ہے کہ تحقیق کر کے لے۔

۵۔ حافظ ابن حجرؒ

حافظ ابن حجر عسقلانی جو حدیثوں کے طرق والفاظ پر وسیع نظر رکھنے کے سلسلہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، اور حدیث ورواۃ کے مراتب کی شناخت وتعیین میں سند ہیں، یہ اپنی کتابوں میں موضوع اور بے اصل روایات ہرگز پیش نہیں کرتے، البتہ کسی حدیث پر موضوع کا حکم لگانے میں بہت ہی محتاط ہیں، محدث مغرب علامہ احمد بن الصدیق الغماری رحمہ اللہ اپنی کتاب ''المغير على الأحاديث الموضوعة في الجامع الصغير'' کے ص ۷ میں ''آفة الدين ثلاثة'' فقيه فاجر، و إمام جائر و مجتهد جاهل'' (جو مسند فردوس کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مسند کے طور پر جامع صغیر میں ہے) کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

قال الحافظ فی زهر الفردوس: فيه ضعف و انقطاع: قلت (الغماری) ''بل فيه كذاب و ضاع وهو نهشل بن سعيد، فالحديث موضوع و الحافظ و شيخه العراقي متساهلان في الحكم للحديث و لا يكادان يصرحان بوضع حديث إلا إذا كان كالشمس في رابعة النهار'' (كما فى التعليقات على الأجوبة الفاضلة)۔

یعنی محدث احمد بن الصدیق الغماری کے بقول حافظ ابن حجر اور ان کے شیخ حافظ عراقی دونوں حدیث پر وضع کا حکم اس وقت تک نہیں لگاتے جب تک علامات وضع روز روشن کی طرح نہیں دیکھ لیتے، اگر یہی مسلک شیخ زکریا رحمہ اللہ نے مجموعہ فضائل اعمال میں اختیار کرلیا تو اس قدر واویلا کیوں ہے؟

۶۔ حافظ سیوطی:

حافظ ابو بکر سیوطی تو اس میدان کے مرد اور ضعاف وموضوعات کی پذیرائی میں ضرب

المثل ہیں، انہوں نے اپنی کتاب الجامع الصغیر کے مقدمہ میں اپنی شرط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا: '' و صنته عما تفرد به وضاع أو كذاب ''اس کی شرح میں حافظ عبدالرؤف المناوی لکھتے ہیں:

''إن ما ذكره من صونه عن ذلك أغلبي أو ادعائی و إلا فكثيراًما وقع له أنه لم يصرف إلى النقد الاہتمام ، فسقط فيما التزم الصون عنه في هذا المقام كما ستراه موضّحاً في مواضعه، لكن العصمة لغير الأنبياء متعذرة والغفلة على البشر شاملة منتشرة والكتاب مع ذلك من أشرف الكتب مرتبةً و أسماها منقبةً''۔ (فيض القدير ۲۱/۱)

یعنی حافظ سیوطی کا یہ کہنا کہ میں نے ایسی حدیث سے اس کتاب کو محفوظ رکھا ہے جس کی روایت میں کوئی کذاب یا وضاع منفرد ہو یہ دعویٰ یا تو اکثری ہے یا دعوی محض ہے، کیونکہ بہت سے مواقع ایسے ہیں جہاں آپ نے صحیح طور پر پرکھا نہیں، چنانچہ جس سے محفوظ رکھنے کا التزام کیا تھا وہ نادانستہ طور سے کتاب میں در آیا، جیسا کہ موقع پر وضاحت سے آپ کو معلوم ہوگا، بہرحال معصوم نبی کے علاوہ کوئی نہیں، بھول چوک انسانی خاصہ ہے اس کے باوجود کتاب مرتبہ وحیثیت کے اعتبار سے عظیم ترین ہے اور بلند پایہ خصوصیات کی حامل ہے۔

محدث احمد بن الصدیق الغماری اپنی کتاب '' المغير على الأحاديث المو ضوعة فی الجامع الصغير''میں لکھتے ہیں:

''بلکہ اس میں جو حدیثیں سیوطی نے ذکر کی ہیں ان میں وہ حدیثیں جن کے موضوع ہونے کا حکم خود انہوں نے لگایا ہے یا تو اپنی لآلی میں ابن جوزی کی موافقت کرکے، یا خود ذیل اللآلی میں بطور استدراک ذکر کرکے''۔

شیخ ابو غدہ رحمہ اللہ نے الجامع الصغیر کی سات ایسی حدیثوں کی تعیین کی ہے جن کے

وضع پر مؤلف نے ابن جوزی کی موافقت کی ہے، اور پندرہ ایسی حدیثوں کی جن پر مؤلف نے اپنی طرف سے ذیل اللآلی میں وضع کا حکم لگایا ہے حافظ سیوطی کے تساہل پر بصیرت افروز کلام کے لئے دیکھئے۔ (تعلیقات علی الأجوبۃ الفاضلۃ للشیخ ابوغدہ ص ۱۲۶ تا ۱۳۰)

جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ جن حدیثوں کے متعلق موضوع ہونے کا شیخ کو شبہ بھی ہوتا ہے تو مؤیدات وشواہد جمع کرنے کا پورا اہتمام فرماتے ہیں تو کیا اس بنا پر ''مجموعۂ فضائل اعمال'' حافظ سیوطی کی کتاب سے اگر فائق نہیں تو اس کے برابر بھی نہیں قرار دیا جاسکتا؟ ہمارے نزدیک اس پر بھی وہ تبصرہ منطبق ہوتا ہے جو مناوی نے جامع صغیر پر کیا۔

۷۔ حافظ ابن قیم الجوزیۃ

حدیثوں پر وضع کا حکم لگانے میں جو محدثین متشدد مانے جاتے ہیں ان میں ایک نام حافظ ابن قیم کا ہے، اس دعوی کا ثبوت ان کی کتاب '' المنار المنيف في الصحيح و الضعيف'' جس میں انہوں نے چند ایک ابواب پر یہ کلی حکم لگایا ہے کہ اس باب میں جو کچھ مروی ہے باطل ہے، تاہم اس میں شک نہیں کہ نقد حدیث میں ان کی حیثیت مرجع وسند ہے۔

لیکن ان کا بھی حال یہ ہے کہ اپنی بعض تصنیفات مثلاً مدارج السالکین، زاد المعاد وغیرہ میں کتنی ہی ضعیف اور منکر حدیثیں کوئی تبصرہ کے بغیر بطور استدلال پیش کرڈالتے ہیں، خاص طور سے اگر حدیث ان کے نظریہ کی تائید میں ہوتی ہے تو اس کی تقویت میں بات مبالغے کی حد تک پہنچ جاتی ہے مثلاً:

زاد المعاد (۵۴/۳ تا ۵۷) میں وفد بنی المنتفق پر کلام کے ذیل میں ایک بہت لمبی حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: '' ثم ...... تلبثون ما لبثتم ، ثم تبعث الصائحة، فلعمر و إلهك ما تدع على ظهرها شيئا إلا مات، تلبثون ما لبثتم ،ثم يتوفى نبيكم ، والملائكة الذين مع ربك ، فأصبح ربك عز و جل

يطوف في الأرض، و خلت عليه البلاد ......"۔

اس حدیث کو ثابت و صحیح قرار دینے میں ابن قیم نے پورا زور صرف کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

هـذا حـديث جليل كبير تنادى جلالته و فخامته و عظمته على أنه قـد خـرج مـن مشـكـاة الـنبـوة ، لا يـعرف إلا من حديث عبدالرحمن بن المغيرة المدني"۔

پھر عبدالرحمٰن بن مغیرۃ کی توثیق اور ان کتابوں کے حوالے کے ذریعہ جن میں یہ حدیث تخریج کی گئی ہے لمبا کلام کیا، حالانکہ خود ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر نے "البـــداية و النهاية" میں لکھا کہ:" هـذا حـديـث غريب جدا، و ألفاظه في بعضها نكارة" یعنی یہ حدیث انتہائی اوپری ہے، اس کے بعض الفاظ میں نکارت ہے، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں عاصم بن لقیط بن عامر بن المنتفق العقیلی کے ترجمہ میں لکھا کہ:" و هـو حديث غـريـب جـدا" جبکہ علامہ ابن قیم نے اس کی تائید میں کسی کہنے والے کے اس قول تک کو نقل کرڈالا ہے:" و لا يـنـكـر هذا القول إلا جاحد، أو جاهل أو مخالف للكتاب و السنة"۔

یہ چند نمونے ہیں جو مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے گئے جن کے ذریعہ ضعیف حدیث کے متعلق امت کا مجموعی طرز عمل معلوم ہوگیا، اور یہ بات اظہر من الشّمس ہوگئی کہ بطور عمل متوارث حدیث ضعیف کا احترام ہوتا چلا آیا ہے، اس کے خلاف بغاوت کی آواز" اتباع غیر سبیل المؤمنین" ہے خاص کر فضائل وغیرہ کے باب میں ضعیف حدیث کو بیان کرنا یا کسی کتاب میں شامل کرنا جرم نہیں ہے، اگر ہے تو مجرمین کی ایک لمبی قطار ہے، حفاظت نبوی کا دم بھرنے والے جس کے نمک خوار ہیں، اور جو کچھ دینی و علمی سرمایہ انہیں ملا اسی قدسی صفت جماعت سے ملا۔ اس

لئے شیخ نے بجا طور پر کہا، اور کیا خوب کہا:

''اگران سب اکابر کی کتابیں غلط ہیں تو پھر فضائل حج کے غلط ہونے کا اس نا کارہ کو بھی قلق نہیں''۔ (کتب فضائل پر اشکالات اوران کے جوابات ص ۱۸۲)

تیسرا نکتہ

بعض ناقدین نے مجموعۂ فضائل اعمال میں کثرت سے قصص و حکایات نقل کرنے پر تنقید کی ہے، اور بعض کے وقوع کا انکار کرتے ہوئے انھیں خرافات کا پلندہ، اور دین سوز حکایت قرار دیا ہے، ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ جتنے واقعات شیخ نے نقل کئے ہیں سب صحیح ہی ہیں، اور نہ شیخ کو ان حکایات کی صداقت منوانی منظور ہے۔

بلکہ ان قصوں کے داخل کتاب کرنے کا مقصد عبرت پذیری اور سبق آموزی میں اضافہ کرنا ہے، اور یہ کوئی عیب نہیں، بلکہ مزاج شریعت کے عین موافق ہے بشرطیکہ دین وعقیدہ کا اس سے کوئی نقصان نہ ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سچے واقعات کا عبرت پذیری اور تہذیب نفس میں خاصا دخل ہوتا ہے، انسانی طبیعت کسی واقعہ کے تناظر میں پیدا شدہ نتائج سے جس قدر متاثر ہوتی ہے معروضی انداز کی پند و موعظت سے اتنی متاثر نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں عبرت پذیری کے لیے جا بجا قصص بیان کیے گئے ہیں، ''لقد كان فی قصصهم عبرة لأولی الألباب'' (یوسف ۱۱۱)، اور آنحضرت ﷺ کو اس مقصد کی خاطر قصہ بیان کرنے کی تعلیم بھی دی گئی تھی، ''فاقصص القصص لعلهم يتفكرون'' چنانچہ آپ ﷺ نے بعض تعلیمات کو ذہن نشین کرانے اور عبرت پذیری کی خاطر پچھلوں کے واقعات وقصص بیان بھی فرمائے، جو دواوین حدیث اور کتب تاریخ میں محفوظ ہیں، بعض مصنفین کتب حدیث نے اپنی

مصنفات وجوامع میں کتاب الامثال، کتاب القصص وغیرہ کے مستقل عنوان بھی رکھے ہیں۔

چونکہ ان قصوں کے بیان سے تحریم وتحلیل کا مفسدہ لازم نہیں آتا اس لیے آپ ﷺ نے شریعت مصطفویہ پر کسی کی آنچ نہ آنے دینے کی شرط کے ساتھ بنی اسرائیل کے قصے بیان کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے: ''حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج و من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار (مسند احمد ۵۶/۳)، ظاہر ہے جن قصوں کے بیان کرنے کی اجازت دی گئی ہے ضروری نہیں کہ وہ پایۂ ثبوت کو پہونچے ہوئے ہوں، اور اگر ثابت بھی ہوں تو ضروری نہیں کہ اسی تفصیل کے ساتھ ہوں جس تفصیل سے بیان کیے جارہے ہیں۔ بلکہ جو قصے خود آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائے ہیں ان میں بھی مرکز توجہ ان کے وہ حصے ہیں جو مبنی برموعظت وعبرت ہیں۔

مثال کے طور پر حدیث ام زرع جو صحیحین کے علاوہ حدیث کی امہات کتب میں صحیح سندوں سے منقول ہے، یہ قصہ کہاں رونما ہوا؟ جن گیارہ عورتوں کی بات نقل کی گئی ہے ان کے نام ونسب کیا ہیں؟ پھر کون سی بات کس عورت نے کہی؟ یہ سب غیر معلوم ہے، پھر قصہ کو خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا، یا حضرت عائشہ ام المومنینؓ، یا صحابہ میں سے کسی اور نے؟ اس سلسلہ میں شراح حدیث کا اختلاف ہے، نیز پورے قصہ کو پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ ان عورتوں نے اپنے اپنے شوہروں پر جو کچھ تبصرے کیے ہیں ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ بخاری شریف پڑھنے والا طالب علم بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کرپاتا ہے، لیکن چونکہ قصہ کا مقصد اصلاً درس عبرت ہے اس لیے کوئی بھی عاقل یہ کہنے کی جسارت نہیں کرے گا کہ امام بخاری نے حیاسوز قصے صحیح بخاری میں بھر دیے، یا نعوذ باللہ حدیث میں حیاءسوز قصے بیان کیے گئے، اگر کوئی کہتا ہے تو یہ اس کے خبث باطن کی عکاسی کرتا ہے۔

اور جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ مواعظ وقصص میں کافی حد تک تجوز وتساہل ہے اس لیے

حضرت شیخ الحدیثؒ نے جو قصے وحکایات نقل کیے ہیں وہ پچھلی کتابوں سے ماخوذ ہیں، ان کے متعلق یہ مطالبہ کہ وہ صحت کے اعتبار سے بالکل کھرے ہونے چاہئیں بے جا مطالبہ ہے۔

رہی بات بعض ان قصوں کی جن کا تعلق خرق عادت امور کے ظہور ووقوع سے ہے مثلاً سید احمد رفاعی کبیر کے قصہ میں روضۂ اقدس سے دست مبارک برآمد ہونے کا معاملہ تو اس طرح کے واقعات میں واقعی طالب حق کے لیے استبعاد کی کوئی چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ خرق عادت امور کو وقتاً فوقتاً ظاہر فرماتے ہیں، پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ نمودار ہونے والا دست مبارک حقیقی ہو، بلکہ وہ مثالی بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ بیک وقت ہزاروں کی تعداد میں زمین کے مختلف خطوں میں مردے دفن ہوتے ہیں، اور وہاں ان کو آنحضرت ﷺ کی شبیہ مبارک دکھائی جاتی ہے، وہ حقیقی بھی ہوسکتی ہے اور مثالی بھی۔

کتاب سے متعلق اس طرح کے اشکالات متعدد حضرات کو پیش آئے، انھوں نے شیخ سے رجوع کیا تو شیخ نے خطوط کے ذریعہ ان کے محققانہ وتشفی بخش جواب دیے، ان خطوط میں بعض بہت مدلل، پرمغز، اور متعلقہ مسئلہ میں نادر ٹھوس معلومات کا ذخیرہ حضرت شیخ کے نواسے اور ان کے علمی نوادرات کے امین مولانا محمد شاہد صاحب سہارنپوری نے مستقل طور سے (کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات) کے نام سے طبع کرادیے ہیں، مجموعۂ فضائل کے ہر ایسے قاری کو ہم مذکورہ کتاب کا مطالعہ میں رکھنے کا مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں جس کو دوران مطالعہ کچھ الجھنیں پیش آتی ہیں، ان شاء اللہ کہیں نہ کہیں اس کے اشکال کا حل مل جائے گا۔

واللّٰہ یهدی من یشاء إلیٰ صراط مستقیم۔

حضرت شیخؒ کے بعض غیر مطبوعہ تالیفی نوادر

اور

مخطوطات

جناب مولانا سید محمد شاہد صاحب
(امین عام مظاہر علوم سہارنپور)

مخدومنا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ کی عبقری شخصیت پر منعقد ہونے والے اس عظیم اور مبارک سیمینار کے لئے حضرت مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری زادمجدہ کی جانب سے مذکورہ عنوان کے تحت راقم سطور کو اپنا مقالہ پیش کرنے کا حکم ملا۔

مولانا موصوف کو حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ سے نسبت تلمذ کے ساتھ ساتھ یہ شرف بھی حاصل ہے کہ وہ آنمخدومؒ کے علوم کے شارح و ناشر ہیں، موصوف عہد ماضی میں ایک مدت طویلہ تک سہارنپور قیام فرما کر آنمخدومؒ کی تالیفات حدیث بالخصوص بذل المجہود کے حواشی کی ترتیب و تصحیح میں بڑی یکسوئی و دل جمعی کے ساتھ مصروف و مشغول رہ چکے ہیں، نیز سالہا سال کی محنت و جانفشانی کے بعد عہد قریب میں آپ کی مایۂ ناز اور عالمی شہرت کی حامل کتاب اُوجز المسالک طبع کرا چکے ہیں، ان اوصاف ممیّزہ کی بنا پر تعمیل ارشاد میں یہ چند صفحات پیش کرتے ہوئے ہم خوشی محسوس کر رہے ہیں، غیر مطبوعہ تالیفات سے پہلے آنمخدومؒ کی مطبوعہ تالیفات کے بارے میں کچھ

اہم اور ضروری معلومات عرض خدمت ہیں:

ان معلومات کے ذریعہ شرکاء سیمینار کو حضرتؒ کی تالیفات کے عالمی اثرات وثمرات کا اوران تصنیفات کی گہرائی وگیرائی کا بخوبی اندازہ ہوگا۔

(۱) راقم سطور کے جائزہ اور تحقیق کے مطابق حضرتؒ کی جملہ تالیفات ۱۰۳ ہیں جن میں ۴۲ اب تک طبع ہو چکی ہیں اور بقیہ ۶۱ غیر مطبوعہ ہیں۔

(۲) یہ تالیفات اپنے فن اور موضوع کے اعتبار سے اس طرح بھی شمار کی جاسکتی ہیں:

علم تفسیر	پر	۲ کتابیں
علم حدیث	پر	۶۰ کتابیں
علم فقہ واصول فقہ	پر	۴ کتابیں
علم تاریخ وسیرت	پر	۲۲ کتابیں
علم تجوید وقرأت	پر	۲ کتابیں
علم نحو، منطق واقلیدس	پر	۳ کتابیں
علم سلوک واحسان	پر	۳ کتابیں
دفاع اسلام	پر	۴ کتابیں
متفرق مضامین	پر	۳ کتابیں
کل میزان		۱۰۳ کتابیں

(۳) تاریخ مشائخ چشت وہ کتاب ہے جو حضرت نور اللہ مرقدہ کے تصنیفی وتالیفی دنیا میں آنے کا سبب اور ذریعہ بنی۔

اس کتاب کا حسن آغاز ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۸ء) میں ہوا لیکن دیگر علمی ودرسی مشاغل اور پھر بذل المجہود کی تسوید اور تالیف میں شرکت کے باعث ستاون سال تک یہ ناقص و ناتمام رہنے کے بعد

ربیع الاول ۱۳۹۲ھ (اپریل ۱۹۷۲ء) میں احقر راقم سطور کے قلم سے مکمل ہوکر پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔

(۴) حضرت کی سیرت و سوانح سے واقف حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ آنمخدومؒ کو حضرت حق جل مجدہ کی بارگاہ عالیہ سے جتنا وسیع علم عطا کیا گیا تھا اتنا ہی مضبوط قلم بھی مرحمت فرمایا گیا تھا، عالمانہ و محققانہ ذوق جستجو اور علم و قلم کی یہ خداداد دولت آپ کو بچپن ہی میں مل گئی تھی اور اسی وقت سے طبیعت میں لکھنے پڑھنے کا ذوق ودیعت تھا اور پھر یہ بات بالکل مبالغہ سے پاک وصاف ہے کہ شعور و آگہی حاصل ہونے کے بعد سے دم واپسیں تک، سفر ہو یا حضر، صحت ہو یا علالت، ہر حالت میں آپ کا اشہب قلم رواں دواں رہا۔

(۵) آپ کی جملہ تالیفات میں خواہ ان کا تعلق تفسیر و حدیث سے ہو یا فقہ و اصول فقہ سے، خاص طور پر یہ بات ملحوظ رہی ہے کہ اختلافی مسائل و آراء میں تمام ائمہ سلف، ائمہ مجتہدین، محدثین عظام اور حضرات ائمہ اربعہ کا نہ صرف بھرپور احترام ہے بلکہ ان کے مسلک اور ان کے افکار کے ساتھ بھی بڑی عظمت اور توقیر کا معاملہ کیا گیا ہے، آپ کی تمام تصانیف میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی لفظ ایسا نہیں مل پائے گا جس سے حضرات ائمہ اربعہ کی سبکی ہوتی ہو یا ان سے کسی قسم کا استغناء اور بے نیازی یا خود پسندی اور خود رائی جھلکتی ہو، تاہم چونکہ آپ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے متبع تھے اس لئے ان کے مسلک اور اقوال کو دلائل کے ساتھ ترجیح دیتے ہوئے ان کی برتری قائم رکھتے تھے۔

(۶) بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگی کہ حضرت کی فقہ حنفیہ کے ساتھ ساتھ فقہ مالکیہ پر بھی گہری اور وسیع نظر تھی، اس دقت نظر اور وسعت مطالعہ کا موقعہ آپ کو موطا امام مالک کی عظیم الشان شرح اُوجز المسالک کی تالیف کے دوران حاصل ہوا تھا، چنانچہ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ (ستمبر ۱۹۲۶ء) سے ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ (اگست ۱۹۵۶ء) تک تیس سالہ طویل دورِ حیات میں فقہ مالکیہ کی اہم اور بنیادی کتابیں مثلاً شیخ ابوعبداللہ بن القاسم کی مدوّنہ، شیخ ابوعمر احمد اشبیلی کی

الاستیعاب، شیخ محمد بن محمد کی مبسوط وغیرہ تسلسل اور تواتر کے ساتھ آپ کے زیر مطالعہ رہیں۔

راقم سطور اپنی اس بات کی تائید وتوثیق میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تحریر کا ایک اقتباس نقل کرتا ہے تحریر فرماتے ہیں:

''میں نے علامہ حجاز مفتی مالکیہ سید علوی مالکی سے جو نہ صرف حجاز بلکہ اپنے دور کے نہایت متبحر اور وسیع النظر عالم تھے اور وسعت علم اور استحضار میں ان کو علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے اُوجز کی تعریف سنی، وہ اس پر تعجب کا اظہار کرتے تھے کہ خود مالکیہ کے اقوال ومسائل کا اتنا گہرا علم اور اتنی صحیح نقل موجب حیرت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر شیخ زکریا مقدمہ میں اپنے کو حنفی نہ لکھتے تو میں کسی کے کہنے سے بھی ان کو حنفی نہ مانتا، میں ان کو مالکی بتاتا، اس لئے کہ اُوجز المسالک میں فقہ مالکیہ کی جزئیات اتنی کثرت سے ہیں کہ ہمیں اپنی کتابوں میں تلاش میں دیر لگتی ہے۔ (سوانح حضرت شیخ، مرتبہ مولانا علی میاں مطبوعہ لکھنؤ)

سید علوی مالکی موصوف کی جانب سے کچھ اسی طرح کے تأثرات کا اظہار علامہ سید سلیمان ندویؒ بھی اپنے سفر حج ۱۳۶۹ھ کے موقعہ پر حضرت شیخؒ سے کر چکے ہیں۔

یہاں یہ لکھنا بھی دلچسپی اور افادہ سے خالی نہ ہوگا کہ حکیم الامت حضرت اقدس تھانویؒ کی کتاب الحیلۃ الناجزۃ (جس کی بنیاد فقہ مالکیہ پر رکھی گئی ہے) کی تالیف وترتیب کے زمانہ میں حضرت شیخؒ نے متعدد مرتبہ تھانہ بھون کا سفر فرما کر حضرت حکیم الامتؒ سے اس موضوع پر علمی وفقہی حوالوں کے ساتھ گفتگو فرمائی اور فقہ مالکیہ کی بہت سی جزئیات مرتب فرما کر کتاب میں شامل کرائیں۔

(۷) حضرتؒ کا اصل ذوق حدیث وعلوم حدیث تھا یہی آپ کی محبت وعقیدت کا مرکز اور تحقیق ومحنت کا میدان تھا اور یہ بات بالکل یقینی اور بدیہی ہے کہ حضرتؒ کو اس مبارک واشرف فن میں جو قلبی وروحانی وجدان اور معرفت کا بلند مقام حاصل ہوا وہ بارگاہ رشیدیہ و بارگاہ خلیلیہ کا

فیضان تھا اور جو آپ کو بذل المجہود لکھنے کے صلہ میں حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنیؒ کی طرف سے اور لامع الدراری علی جامع البخاری ، الکوکب الدری علی جامع الترمذی لکھنے کے صلہ میں امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے ملا تھا۔

(۸) حضرتؒ کی تالیفات کا حضرات اہل علم وفضل کے یہاں کیا مقام ومرتبہ ہے اس کا ہلکا سا اندازہ لگانے کے لئے صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ:

پیش نگاہ مقالہ لکھے جانے تک راقم سطور کی جمع کردہ معلومات کے مطابق ۲۲؍ممالک کے ۱۵۴ علماء واصحاب قلم نے حضرتؒ کی تالیفات کے ترجمے کئے یا اس کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے اجازت طلب کی ہے، وہ ۲۲؍ممالک یہ ہیں:

انڈیا، افریقہ، ایران، انڈونیشیا، افغانستان، ازبکستان، انگلینڈ، امریکہ، بنگلہ دیش، برما پاکستان، پرتگال، ترکی، جاپان، زامبیا، سعودی عرب، شام، سری لنکا، فرانس، فلپائن، کمبوڈیا، کینیا ملیشیا۔

(۹) اپنے محدود علم ومعلومات کے مطابق فی الوقت دنیا بھر کے ۱۹ ممالک میں قائم اور موجود ۲۳۵ مکتبات اور ادارے حضرتؒ کے رشحات قلم اور علمی فیوض کو عالمی اور بین الاقوامی سطح پر پھیلاتے ہوئے مخلوق خدا کو دینی نفع وروحانی غذا پہونچا رہے ہیں، ان ۱۹ ممالک کی تعیین اور ان میں قائم ۲۳۵ اداروں کے مختصر اعداد وشمار یہ ہیں:

انڈیا	میں	۹۱-ادارے	انڈونیشیا	میں	۲-ادارے
امارات عربیہ	میں	۲ -ادارے	ایران	میں	۴-ادارے
امریکہ	میں	۲-ادارے	انگلینڈ	میں	۵-ادارے
بنگلہ دیش	میں	۱۳-ادارے	برما	میں	۴-ادارے
پاکستان	میں	۷۹-ادارے	پرتگال	میں	۱-ادارہ

تھائی لینڈ	میں	۱-ادارہ	جنوبی افریقہ	میں	۷-ادارے
سعودی عرب	میں	۳-ادارے	شام	میں	۲-ادارے
فرانس	میں	۲-ادارے	کینیا	میں	۱-ادارہ
لبنان	میں	۵-ادارے	ملیشیا	میں	۵-ادارے
مصر	میں	۶-ادارے			

(۱۰) حاصل شدہ معلومات کے مطابق آج تک حضرتؒ کی تالیفات دنیا بھر کی ۳۱ زبانوں میں منتقل ہوکر اپنے قارئین کی دینی و مذہبی پیاس بجھا رہی ہیں، اس تعداد وشمار میں ہندوستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں بولی اور پڑھی جانے والی ۱۱ زبانیں بھی شامل ہیں۔

(۱۱) اس سیمینار میں شامل علماء واحباب کے لئے یہ بات بھی یقیناً فرحت وشادمانی کا سبب بنے گی کہ حضرتؒ کی تالیفات وتصنیفات پر مقدمات وتاثرات اور تبصرے تحریر کرنے والوں کی منتخب فہرست میں اگر ایک جانب شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، داعی اِلی اللہ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، مولانا ظفر احمد تھانویؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ، شیخ محمد بن سالم الحسینی الحضرمی، فضیلۃ الشیخ عبدالفتاح أبوغدہ، شیخ عبدالوہاب عبداللطیف رئیس قسم السنۃ کلیۃ أصول الدین جامع ازہر مصر، فضیلۃ الشیخ محمد الحافظ التیجانی مصر، مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، مولانا مفتی محمد شفیع کراچیؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا سید عبدالرحیم لاجپوریؒ گجرات جیسے وسیع وعمیق علم رکھنے والے حاملان دین وشریعت شامل ہیں تو دوسری جانب مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ، مولانا عبدالباری ندویؒ، مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ، مولانا ضیاء الدین اصلاحی، دکتور غسان حبلص لبنان جیسے ادب وانشاء کی زبردست صلاحیت رکھنے والے دینی واسلامی ادباء اور اہل قلم بھی موجود ہیں، ذلك فضل الله یوتیه من یشاء۔

(۱۲) اپنی تمام مطبوعہ تصنیفات و تالیفات کے تعلق سے حضرتؒ کی دو خصوصیتیں بلکہ دو اصول اور ضابطے بہت مشہور و معروف ہیں۔ اول یہ کہ آپ اپنی تالیف کا سب سے پہلا نسخہ بلدۃ الرسول اور مہبط وحی کی نسبت پر مدینہ منورہ بھیجا کرتے تھے جو کبھی تو وہاں کے کسی علمی ادارہ یا مکتبہ کے لئے مخصوص ہوتا اور کبھی وہاں کی کسی محترم شخصیت کے لئے نامزد ہوا کرتا تھا، خانوادہ حسینیہ مدنیہ میں حضرت المحترم سید احمد فیض آبادی ان کے بعد جناب سید محمود احمد مدنی اور سید حبیب محمود احمد مدنی انہیں محترم شخصیات میں تھے۔

دوسری خصوصیت جو یقیناً اہل علم و اخلاص کا شیوہ وشعار ہے یہ تھی کہ اپنی تالیف میں جہاں کوئی مشکل یا قابل مراجعت مقام آتا یا اپنا علمی سفر طے کرنے میں تلاش و جستجو اور کسی نئے فنی انکشاف کا کوئی موقعہ ملتا تو اپنے تلامذہ ہی نہیں بلکہ تلامذہ کے تلامذہ سے بھی رجوع فرما کر ان سے اپنی اس علمی مشکل کا حل دریافت کرتے اور پھر وہ گتھی سلجھنے پر بہت کھلے دل کے ساتھ ان کا تحریراً وتقریراً شکریہ ادا کرتے تھے، اس نوع کے متعدد خطوط راقم سطور کی نظر سے گزر چکے ہیں۔

(۱۳) حضرتؒ کا انداز تحریر و تالیف اپنی کتابوں میں خواہ وہ مطبوعہ ہوں یا غیر مطبوعہ یہ رہا ہے کہ کسی بھی حدیث کی شرح کرتے وقت یا متن کی عبارت حل کرتے ہوئے وہ درج ذیل امور پر پورا دھیان اور مکمل توجہ صرف فرماتے ہیں۔

☆ مضمون کتاب کا ایسا صاف ستھرا حل کہ قاری کو اس کے مفہوم و معنی سمجھنے یا مراد متعین کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

☆ رجال سند کی تحقیق اور رجال روایات کے تمام اطراف کا احاطہ۔

☆ حدیث کی باب سے مطابقت اور اس کی مختلف توجیہات۔

☆ اختلاف مذاہب کی تفصیل کے ساتھ ساتھ مذہب احناف کی ایسی مؤثر اور دل نشیں ترجیح جس سے امام اعظمؒ کا مسلک حدیث سے اقرب معلوم ہونے لگے اور اسی کے ساتھ فریق

ثانی کے اشکالات کے مدلل جوابات۔

☆ حل لغات اور مشکل مقامات کی پوری تشریح و وضاحت۔

اس مقالہ میں اب تک پیش کی جانے والی معلومات کا تعلق آپ کی ان تالیفات سے تھا جو شائع ہو چکی ہیں، آنے والے صفحات میں چند منتخب اور چیدہ مخطوطات کا تعارف اور جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱) الوقائع والدھور:

علم تاریخ پر حضرت کی یہ تالیف تین جلدوں پر مشتمل ہے، جلد اول میں تاریخ اسلام کے عظیم الشان واقعہ ہجرت سے لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک سنین کے اعتبار سے احوال و واقعات درج ہیں، چنانچہ السنۃ الأولیٰ، السنۃ الثانیۃ، السنۃ الثالثۃ، السنۃ الرابعۃ، عنوانات قائم کر کے کتاب کی جلد اول ترتیب دی گئی ہے، نیز اسی جلد اول کے آخر میں الأنبیاء علیہم السلام کا عنوان قائم کر کے چالیس انبیائے کرام کے تفصیلی حالات اور واقعات جاننے کے لئے فن حدیث و تاریخ کی کتابوں کے حوالہ جات مع قید صفحات درج فرمائے ہیں۔

۲۵ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ / ۷ ستمبر ۱۹۲۳ء میں جلد اول کی ترتیب شروع کی گئی۔

جلد دوم میں خلفائے راشدین کے تفصیلی واقعات کے بعد حضرت امام حسن، حضرت امام حسین اور حضرت امیر معاویہ کے حالات بھی قلمبند فرمائے گئے ہیں، ۱۷ جمادی الثانیہ ۱۳۴۲ھ میں جلد دوم کا آغاز ہوا۔

جلد سوم خلفاء و امراء کے سوانح حیات، نیز تاریخ حرمین شریفین اور مختلف وقائع مشہورہ پر مشتمل ہے، اس جلد کا آغاز بھی جلد دوم کے ساتھ ہو گیا تھا۔ ۱۳۸۸ھ (۱۹۶۸ء) تک اپنے موضوع سے متعلق جو بھی معلومات حضرت مصنف مرحوم کو حاصل ہوتی رہیں ان کا اضافہ اس تصنیف میں ہوتا رہا۔

ضروری وضاحت:

حضرتؒ کی تحریر بہت صاف پختہ اور مضبوط ہوتی تھی، نقطے اور شوشے اپنی اپنی جگہ پر موتیوں کے مانند چمکتے تھے، عادت شریفہ قدیم رواج کے مطابق لکڑی کے قلم سے لکھنے کی تھی جو بہت باریک ہوتا تھا، بین السطور میں جگہ بھی کم رکھتے تھے، اس لئے راقم الحروف کے محتاط اندازہ کے مطابق آپ کے کسی بھی مخطوطہ کا ایک صفحہ کمپیوٹر کی کتابت میں تین چار صفحات کے مساوی ہوگا۔

(۲)تقریر مشکوٰۃ شریف:

علم الحدیث کی معروف ومشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح کی یہ تقریر حضرت مؤلف مرحوم نے اپنے طلب علم کے زمانہ میں مختصر انداز پر لکھنی شروع کی تھی لیکن جب شوال ۱۳۴۱ھ/مئی ۱۹۲۳ء میں اپنی مادر علمی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں پہلی مرتبہ مشکوٰۃ شریف کا درس دیا تو اس تقریر پر جابجا حواشی اتنی کثرت کے ساتھ تحریر فرمائے کہ یہ ایک مستقل شرح کی حیثیت اختیار کر گئی اور پھر کتنے ہی علماء اور طالبان حدیث نے اپنے مطالعہ واستفادہ کے لئے اس کی نقلیں حاصل کیں۔

حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں کہ سو سے زائد نقلیں طلبہ اور اساتذہ اس تقریر کی لے چکے ہیں، یہ تقریر حضرتؒ کے پاکیزہ اور خوشخط قلم سے ہے اور روشنائی بھی پختہ اور مضبوط ہے، یہ مخطوطہ ۲۰×۲۶ (۸) سائز کے ۱۳۳ اجزاء پر مشتمل ہے جس کے صفحات ایک ہزار سے زائد ہیں۔

(۳)تبویب تأویل مختلف الأحادیث:

علامہ ابن قتیبہ کی مشہور کتاب تأویل مختلف الأحادیث مبوب نہیں ہے بلکہ اس میں کیف ما اتفق احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے قاری سہولت کے ساتھ اس کتاب

سے منتفع نہیں ہوتا، حضرت شیخؒ نے ابواب فقہیہ کی ترتیب پر اس کی تبویب اس طرح فرمائی کہ کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، نیز کتاب الجنائز، النکاح، الرضاع وغیرہ اکیس عنوانات منعقد فرما کر احادیث کو یکجا کر دیا اور پھر صفحہ وسطر کے ساتھ اس کی نشان دہی فرمادی، ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۴۲ھ/ دسمبر ۱۹۲۳ء شب جمعہ میں یہ تبویب شروع کی گئی۔

یہ دس صفحات پر مشتمل ہے، مخطوطہ کا سائز ۲۶×۲۰ (۸) ہے۔

(٤) تبويب مشكل الآثار :

حضرت امام طحاویؒ کی ایک تالیف مشکل الآثار چار جلدوں میں ہے اور بقول ملا علی قاریؒ یہ آپ کی آخری تصنیف ہے، اس کتاب کا اصل نام مشکل الحدیث ہے لیکن یہ مشکل الآثار کے نام سے مشہور ومتعارف ہے، احادیث شریفہ میں جو ظاہری طور پر تضاد معلوم ہوتا ہے اس کتاب میں اس کو دور کرتے ہوئے احکام کا استخراج کیا گیا ہے، لیکن اس کی فہرست اپنے سلسلۂ مضامین کے اعتبار سے مرتب نہیں ہے، حضرت نور اللہ مرقدہ نے چاروں مجلدات کی فہرست کو ابواب فقہیہ کے اعتبار سے مرتب فرمایا ہے، آپ کی مرتب کردہ یہ فہرست مکمل ہے اور اس میں حاشیہ پر بذل المجهود فی شرح أبی داؤد کے مواقع کی بھی تصریح ہے، اس تصریح سے بآسانی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مشکل الآثار کی یہ حدیث بذل المجهود میں کہاں اور کس صفحہ پر ہے۔ یہ فہرست ۳۴ صفحات پر مشتمل ہے اور سائز ۲۶×۲۰ (۸) ہے۔

(٥) جزء طرق المدينة المنورة :

علم التاریخ کے اس مخطوطہ میں حضرتؒ نے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تک آمد ورفت کے لئے چار مشہور ومعروف راستوں کی تفصیلات اور ان کے منازل ذکر کئے ہیں وہ چار مشہور راستے یہ ہیں:

(۱) الطریق السلطانی۔

(۲) الطریق الفرعی۔

(۳) الطریق الغائر۔

(۴) الطریق الشرقی۔

ہر دو مقامات متبرکہ سے ان راستوں کے فاصلے اوران کی ممتاز علامات قلمبند کرنے کے بعد مزید تحقیقی اورتاریخی ذوق کا ثبوت دیتے ہوئے طریق سلطانی میں آنے والے تیرہ مقامات اور پڑاؤ جیسے وادئ فاطمہ،عسفان، خلیص ، رابغ،مستورہ وغیرہ اورالطریق الفرعی میں آنے والے نو مقامات جیسے وادئ حرشان نقرالغار، بیر رضوان وغیرہ وغیرہ ، نیز الطریق الشرقی کے ماتحت بارہ مقامات مثلاً وادئ یمون ،حفائر وغیرہ کے محل وقوع اوران کی جغرافیائی حیثیت مؤرخانہ انداز میں قلمبند کی ہیں۔

یہ مخطوطہ آٹھ صفحات پر مشتمل ہےاورسائز۲۶×۲۰(۸) ہے۔

(٦) جزء أمراء المدينة المنورة :

اکثر کتب حدیث وتاریخ میں امیر مدینہ منورہ کی عبارت اوران کے حوالہ سے تاریخی واقعات اورمشاہدات نقل کیے گئے ہیں،لیکن امیر کے نام کی تعیین کے بغیر قال أمير المدينة كذا،وفعل أميرالمدينة كذا کہہ کران واقعات ومشاہدات کوکتابوں میں جگہ دے دی گئی ہے۔

حضرت مصنفؒ نے تاریخی اہمیت کے حامل اس مخطوطہ میں ایسے تمام امرائے مدینہ منورہ کے اسماء کی تعیین اوران کے زمانۂ امارت وخلافت کی ابتداء وانتہا قلمبند فرمادی ہے،اس علمی خدمت کے ذریعے ایسے تمام تاریخی واقعات میں ان امراء کی تعیین بھی ہوگئی ہےاوران کا عہدامارت بھی متعین ہوگیا ہے۔

اس کتاب کا طرز تالیف یہ ہے کہ پہلے کالم میں سنہ ہجری کے لحاظ سے امراء کا عہد امارت، دوسرے کالم میں ان کا نام ولقب، تیسرے کالم میں اس خلیفۂ وقت کا نام ہے جس کی جانب سے وہ امیر متعین کیا گیا ہے۔

مخطوطہ کا پہلا حصہ مدینہ منورہ کے امراء پر ہے جب کہ دوسرے حصہ میں خلفائے عباسیہ بغدادیہ، خلفائے عباسیہ مصریہ کے اسماء درج ہیں، یہ دوسری جلد سیدنا امیر المؤمنین صدیق اکبرؓ سے شروع ہوکر سلطان محمد خان خلیفۂ سادس پر ختم ہوئی ہے۔

۳ ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ (۱۹ جون ۱۹۲۳ء) میں اس تالیف کا آغاز ہوا، مخطوطہ کا سائز ۲۰×۲۶ (۸) ہے، اور صفحات ۲۶ ہیں۔

(۷) جزء وفاة النبی ﷺ :

علم الحدیث والتاریخ پر مشتمل اس مجموعہ میں حضور ﷺ کے مرض وصال کی ابتداء، دن اور تاریخ کا تعین، ازواج مطہرات کے یہاں آپؐ کا باری باری تشریف لے جانا اور اخیر میں حضرت عائشہؓ کے یہاں تشریف آوری، یہاں کا قیام اور پھر مرض کی شدت، آخری اوقات اور وفات کے احوال کی روایات مستند کتب حدیث و تاریخ سے شامل کی گئی ہیں۔

حضرتؒ نے اپنی اس تالیف کا انداز یہ رکھا ہے کہ مرض الوصال کے متعلق جو روایات اور واقعات احادیث اور سیرت کی کتابوں میں جا بجا ملتے ہیں ان میں سے ایک ایک واقعہ کو مستقل عنوان قرار دے کر اس کے تحت اس سانحہ کے متعلق بیسیوں روایات و واقعات کتابوں سے یا تو نقل کر دئے ہیں، یا ان کے حوالے جمع کر دئے ہیں۔

اس کتاب کی جامعیت کا اندازہ صرف اس بات سے ہوسکتا ہے کہ حضرت مصنفؒ نے جن واقعات کو عنوان قرار دیا ہے وہ عددی اعتبار سے ۸۷ ہیں، یہ کتاب سوا سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا سائز ۲۰×۲۶ (۸) ہے۔

(۸) جزء الاختلاف فی صفۃ الصلوٰۃ :

علم الفقہ پر حضرت نور اللہ مرقدہ کا یہ ایک وقیع اور بیش قیمت مخطوطہ ہے جس کا تعارف مصنف مرحوم اپنی مشہور ومعروف کتاب آپ بیتی میں اس طرح کراتے ہیں:

مشکوٰۃ شریف پڑھانے کے زمانے میں میری تقریر کا خلاصہ یہ رہا کرتا تھا کہ رفع یدین فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر وغیرہ ان تین چار مسائل ہی کی کیا خصوصیت ہے کہ جس پر یہ معرکے اور یہ مناظرے ومجادلے ہر جگہ ہوتے رہتے ہیں، اس لئے کہ ان مسائل میں بنیادِ اختلاف صرف یہ ہے کہ رفع یدین سنت ہے یا عدم رفع سنت ہے، اسی طرح آمین بالجہر سنت ہے یا آمین بالسر سنت ہے، اس لئے میں نے نماز کی چار رکعتوں کے اختلافات جمع کرنے شروع کئے اور اس وقت یہ اختلافات تحریری طور پر دوسو سے زائد جمع ہوگئے تھے، بعد میں ان پر اور اضافے بھی ہوئے۔

میں یہ بیان کیا کرتا تھا کہ ان چار مسائل اور ان دوسو مسائل میں کیا فرق ہے، وہی سنت اور عدم سنت کا اختلاف پھر ان چار مسائل ہی میں مناظروں اور مباحثوں کی کیوں اتنی اہمیت ہے کہ یہ اعتقاد کے درجہ میں ہوگئے۔ (آپ بیتی ص:۱۵۸)

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے نماز کی نیت سے لے کر سلام پھیرنے تک اس میں ہونے والے تمام اعمال وحرکات کے علیحدہ علیحدہ عنوانات قائم کر کے اس میں ائمہ اربعہ کے اقوال مختلفہ ومتعددہ، نیز حضرات صحابہ کرامؓ کا تعامل اور ان کی کیفیت صلوٰۃ کو شرح وبسط سے تحریر فرمایا ہے، کتاب کی حیثیت اور طرز تحریر کو سمجھنے کے لئے اس کے چند عنوانات یہاں لکھے جاتے ہیں۔

النیۃ: التحریمۃ، الیدین، الثنا، التعوذ، التسمیۃ، القراءۃ، آمین، الرکوع، السجدۃ، الجلسۃ بین السجدتین، السجدۃ الثانیۃ، الرکعۃ الثانیۃ وغیرہ وغیرہ۔

۲۰×۲۶(۸) سائز کے ۳۲ صفحات پر یہ مخطوطہ پختہ اور شستہ تحریر میں ہے، اس پر حضرت مصنفؒ کے قلم سے حواشی بھی غیر معمولی تعداد میں لکھے ہوئے ہیں۔

(۹) جزء ماقال المحدثون فی الإمام الأعظمؒ:

فن تاریخ کے اس شہ پارہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مدح وستائش میں حضرات ائمہ محدثین اور اہل علم ومؤرخین کے وہ اقوال ومشاہدات جمع کئے گئے ہیں جن سے آپ کے اوصاف جمیلہ ومحاسن حمیدہ آشکارا ہوتے ہیں، نیز آپ کے اخلاق وعادات، تقویٰ و پرہیزگاری کے عمدہ اور پاکیزہ نقوش ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

یہ مخطوطہ دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلا حصہ محدثین کے فرمودات پر بعنوان ما قال المحدثون ہے اور دوسرا حصہ اہل علم ومؤرخین کی شہادات ومشاہدات پر بعنوان ما قال المؤرخون ہے۔

مخطوطہ بہت صاف شستہ اور مکمل ہے، چالیس صفحات پر یہ لکھا گیا ہے سائز ۲۰×۳۰(۸) ہے۔

(۱۰) جامع الروایات والأجزاء:

فن حدیث پر اس ضخیم کتاب کا قدرے تعارف خود مصنف مرحوم کے قلم سے پڑھیں، لکھتے ہیں:

''اس ناکارہ نے کتب حدیث کے اطراف لکھنے شروع کئے تھے جن کی روایات کو جامع الروایات کے نام سے، اور ان کی تفاصیل کو اجزاء کے نام سے مرتب کرنا شروع کیا تھا، اس میں صحاح ستہ، موطا امام مالک، موطا امام محمد، حاکم، بیہقی وغیرہ کے اطراف لکھنے شروع کئے تھے اور اس کو مشکوٰۃ شریف کی ترتیب سے شروع کیا تھا، مشکوٰۃ تو پوری ہوگئی، خیال تھا کہ بقیہ جملہ

حدیث کی کتابوں کو بھی نقل کروں گا لیکن پھر زندگی ختم ہوگئ''۔ (آپ بیتی ص ۱۶۸)

مقالہ نگار، مصنفؒ کے اس تعارف پر مزید چند سطور کا اضافہ کرتا ہے:

جامع الروایات کا یہ مسودہ سینکڑوں ابواب اور کئی ہزار صفحات پر محیط ہے اور عددی اعتبار سے ۲۰×۲۶ (۸) سائز کی آٹھ جلدوں میں ہے۔ حضرتؒ کے شاگرد رشید مسترشد خاص اور خلیفہ باختصاص حضرت مولانا منور حسین صاحب پورنوی اس زمانہ میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں زیر تعلیم تھے، چنانچہ حضرت نور اللہ مرقدہ نے صحاح ستہ سے احادیث تلاش کرنا اور ان کو ضبط تحریر میں لانا مولانا موصوف کے ذمہ فرما رکھا تھا۔

(۱۱) جزء تخریج حدیث عائشہ رضی اللّٰہ عنہا:

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث بہت سی کتب میں مختلف الفاظ کے ساتھ ملتی ہیں، صرف بخاری شریف میں یہ حدیث چوبیس مقامات پر موجود ہے تاہم کہیں مفصل ہے اور کہیں مختصر ہے اور کہیں الفاظ کے تعارض اور اختلاف کے ساتھ ہے، چنانچہ حضرت بریرہؓ کی مکاتبت کے بارے میں کسی روایت میں یہ ہے کہ پانچ اوقیہ متعین ہوئے جس کو قسط وار پانچ سال میں ادا کرنا تھا، کسی روایت میں چھ اوقیہ قسط وار اور کسی روایت میں نو اوقیہ قسط وار ہے، ایک روایت یہ ہے کہ زر کتابت میں سے کچھ ادا نہیں کیا تھا اور دوسری روایت یہ ہے کہ تین اوقیہ ادا کر چکی تھیں، اس کے علاوہ بھی مقدار اور تعداد میں مزید اقوال ہیں۔

اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے لئے ولاء کی شرط لگائی تھی یا آنحضرت صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اجازت دے دی تھی کہ تم ان کی ولاء قبول کرلو پھر ولاء تم کو ہی ملے گی وغیرہ وغیرہ۔

یہ تمام روایات اور پھر ان کی تمام تفصیلات حضرت شیخ نے اس جزء میں جمع فرمادی ہیں

(۱۲) حواشی کلام پاک :

ان فوائد وحواشی کی مختصر تاریخ حضرتؒ کے الفاظ میں یہ ہے:

اس نا کارہ کا معمول ۱۳۸۵ھ تک ماہ مبارک کی راتوں میں سونے کا نہیں تھا اور قرآن پاک دیکھ کر پڑھنے کا معمول ماہ مبارک میں بہت بڑھ جاتا تھا، نیز تراویح کے بعد سے تہجد تک تدبر وتفکر کے ساتھ پڑھنے کی نوبت آتی تھی اور دوران تلاوت جو اشکال پیش آتا اسی وقت کتب تفاسیر سے مراجعت کر کے (اپنے کلام پاک کے) بین السطور یا حواشی پر لکھ لیا کرتا تھا۔

(آپ بیتی ۱۶۱/۲)

حضرتؒ کا یہ کلام پاک بڑی تقطیع پر مطبع رزاقی کانپور کا شائع شدہ ہے، حواشی لکھتے وقت حضرتؒ جن چودہ کتب تفاسیر سے مراجعت فرماتے تھے وہ یہ ہیں:

جلالین، صاوی، بیضاوی، مفردات امام راغب، خازن، ابن کثیر، جمل، بیان القرآن مدارک، تفسیر کبیر، تراجم شاہ عبدالقادر دہلویؒ، شاہ رفیع الدین دہلویؒ، مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ، حضرت شیخ الہندؒ۔

۶۱ مخطوطات ونوادر میں سے یہاں صرف بارہ مخطوطات کا تعارف پیش کیا گیا ہے، تفصیل کے خواہشمند حضرات راقم سطور کی تین جلدوں پر مشتمل کتاب ''فہرست تالیفات شیخ'' ملاحظہ فرمائیں۔

امام مالک، موطأ اور اوجز المسالک کا تعارف

پروفیسر اختر الواسع
(صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ جستجوئے علم میں سفر کریں گے اور مدینہ کے عالم سے بڑا کوئی عالم نہیں پائیں گے''۔ جلیل القدر محدث حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ اس نبوی پیشنگوئی کا مصداق عالی مرتبت، عالم مدینہ، امام دار الہجرۃ حضرت امام مالک بن انس بن مالک بن ابو عامر اُصبحی ہیں۔ ۹۳ھ میں شہر نبی مدینہ منورہ میں آنکھ کھولتے ہیں۔ کبار تابعین کا دور ہے، صحبت یافتگان فیض نبوت کا دیدار کرنے والوں سے علم کی محفلیں سجی ہوئی ہیں اور قرآن و حدیث کی نواؤں سے شہر طیبہ کی گلیاں گونج رہی ہیں۔ جس گھرانہ میں آنکھ کھلی ہے اس کے جد اعلیٰ حضرت ابو عامر صحابی رسول ہیں جو غزوہ بدر کے سوا تمام غزوات میں رسول خدا ﷺ کے ساتھ شریک رہے ہیں۔ دادا بڑے محدث ہیں، والد اور چچا علم حدیث کے زبردست عالم رہے ہیں۔ علم و فضل کی اس مقدس فضا میں آپ کی تربیت ہوتی ہے اور نشو و نما پاتے ہیں۔

مدینہ معدن علم تھا، امام مالک کے دل میں شوق علم کی چنگاری فروزاں ہوئی۔ اور آپ نے بڑے بڑے تابعین اور تبع تابعین سے علم حاصل کرنا شروع کیا، حضرت عبدالرحمٰن بن ہرمز سے وابستہ ہوئے اور طویل عرصہ تک ان کے گوہر علم سے اپنے دامن کو بھرتے رہے۔ مشہور محدث اور امام فن حضرت محمد بن شہاب زہری سے حدیثیں سنیں اور استفادہ کیا، آپ کے اندر علم کی ایسی طلب صادق تھی کہ احادیث رسول اور فتاوی صحابہ کو حاصل کرنے کے لئے بے انتہا مشقت اٹھائی۔ حضرت نافع جلیل القدر تابعی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر فاروق کے آزاد کردہ غلام ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر جیسے متبع رسول کے علوم کے امین ہیں، عمر زیادہ ہوچکی ہے اور آنکھوں کی بینائی بھی جاتی رہی ہے۔ حضرت امام مالک ایسے زرین موقع کو کیسے کھو سکتے تھے، گرمی کی شدت میں دوپہر کے وقت حضرت نافع کے دروازہ پر دھوپ میں کھڑے ہو جاتے، جب وہ نماز کے لئے نکلتے تو ساتھ چلتے، مسجد میں جب وہ سکون سے بیٹھ جاتے تب امام مالک ان سے مختلف مسائل میں حضرت عبداللہ بن عمر کے فتاوی معلوم کرتے۔ سخت سردی کے موسم میں بھی اسی طرح ان سے استفادہ کرتے۔ امام مالک کی یہ مشقت انگیزی بلا وجہ نہ تھی۔ حضرت نافع سے سنی ہوئی احادیث سند کے لحاظ سے اعلی درجہ کی تھیں، اور صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمر کے فتاوی معلوم کرنے کا مستند ذریعہ حضرت نافع ہی کی ذات تھی۔ اور اسی مشقت انگیزی کا ثمرہ تھا کہ آج حدیث کی سب سے اعلی اور صحیح سند ''مالک عن نافع عن ابن عمر'' تسلیم کی جاتی ہے۔ امام مالک نے ان کے علاوہ حضرت امام جعفر صادق، حضرت محمد بن یحی انصاری اور حضرت ابوالزناد وغیرہ سے بھی خصوصی استفادہ کیا۔ فقہ کی تعلیم آپ نے ربیعہ بن عبدالرحمٰن سے حاصل کی جو ربیعۃ الرائے سے مشہور ہیں۔ حجاز کے ان شیوخ ومحدثین کے علاوہ حج کے موقع پر عالم اسلام کے مختلف علاقوں سے مدینہ منورہ آنے والے محدثین وشیوخ سے آپ نے استفادہ

کیا۔آپ کے طلب علم کا انداز بھی نرالا تھا۔ایک طرف طلب وجستجو ایسی تھی کہ اس راہ میں سخت سے سخت مشقتیں اٹھائیں۔دوسری جانب حافظہ ایسا پایا تھا کہ ایک مجلس میں جس قدر احادیث سنتے وہ ازبر ہوجاتیں اور تیسری طرف علم کا وقار اور حدیث کا احترام اتنا زیادہ تھا کہ اپنے اساتذہ وشیوخ سے بھی اسی وقت حدیثیں سنتے جب پوری طرح سکون اور احترام کا ماحول ہوتا۔راہ چلتے اور کھڑے ہوکر حدیث سننا بے ادبی تصور کرتے تھے۔اور بے چینی یا پریشانی کے عالم میں حدیث کا سبق نہیں پڑھاتے تھے۔اس ادب اور احترام کا نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ کے ذہن میں ایک ایک حدیث مکمل طور پر محفوظ ہوجاتی۔اس شان اور اہتمام سے علم حاصل کرنے کے بعد آپ حدیث اور فقہ کے بلند مقام پر فائز ہوگئے اور ستر شیوخ علم نے اس بات کی شہادت دی کہ اب آپ مسند درس پر بیٹھنے کے قابل ہوگئے ہیں۔

امام حدیث وفقہ امام مالک نے جس ادب واحترام کے ساتھ حصول علم کیا تھا،اس سے بڑھ کر شان وقار کے ساتھ مجلس درس آراستہ کیا۔آپ کے شاگرد مطرف کا بیان ہے کہ جب لوگ آپ کے گھر پر آتے تو آپ کی باندی باہر نکل کر دریافت کرتی کہ آپ حدیث کے لئے آئے ہیں یا مسائل کے لئے؟ اگر وہ کہتے مسائل کے لئے تو امام مالک باہر آتے اور انہیں فتوی دے کر تشریف لے جاتے۔اور اگر وہ کہتے حدیث کے لئے تو امام مالک غسل فرماتے،خوشبو لگاتے،نیا لباس پہنتے،عمامہ باندھتے،مسند بچھائی جاتی پھر آپ باہر تشریف لاتے۔جب باہر آتے تو لباس مزین ہوتے،خوشبو لگی ہوتی اور آپ پر خشوع طاری ہوتا،عود جلتا رہتا،خوشبو پھیلتی رہتی،یہاں تک کہ آپ حدیث رسول سے فارغ ہوجاتے۔حدیث رسول کی مجلس میں ادنی شور آپ کو گوارہ نہ تھا،انتہائی ادب کے ساتھ آپ درس دیتے۔آپ کی مجلس درس میں بڑے باکمال تلامذہ کے علاوہ خود آپ کے کئی اساتذہ نے شرکت فرمائی۔چنانچہ آپ سے روایت کرنے والوں میں آپ

کے استاذ ربیعۃ الرائے، یحی بن سعید اور موسی بن عقبہ بھی ہیں۔ آپ کے ہم عصروں میں امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، لیث بن سعد، اوزاعی اور امام ابو یوسف ہیں، نیز مشہور تلامذہ میں امام شافعی، عبداللہ بن مبارک اور امام محمد بن حسن شیبانی وغیرہ ہیں۔ اس مجلس درس سے استفادہ کرنے والوں میں ابو جعفر منصور اور مہدی و ہارون جیسے سلاطین بھی ہیں۔ ابراہیم ادہم، بشر اور ذوالنون جیسے زاہدین وصوفیاء بھی ہیں اور ابو العتاہیہ جیسے شاعر، مازنی جیسے نحوی اور اصمعی جیسے لغوی بھی ہیں۔

امام مالک کی ذات میں دو حیثیتیں بدرجہ کمال موجود تھیں، پہلی حیثیت یہ تھی کہ آپ جلیل القدر محدث تھے، ایسے محدث جن کے پاس شہر نبی مدینہ منورہ، شہر حرم مکہ مکرمہ اور دیگر شہروں کی احادیث رسول کا عظیم ذخیرہ جمع تھا، اور آپ کی سند عالی و مستند تھی، دوسری حیثیت یہ تھی کہ آپ عظیم مجتہد اور فقیہ تھے۔ اور فتاوی صحابہ اور عمل اہل مدینہ کی روشنی میں ایک فقہی مسلک کے بانی قرار پائے۔ آپ سے حدیث اور فقہ دونوں میدانوں میں استفادہ کرنے والوں کی بڑی تعداد ہے۔ اور بڑے بڑے اہل علم نے آپ کی جلالت شان کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔

امام مالک کی ذات کو اپنی جلالت علمی اور بلند مقامی کے باوجود ابتلاء و آزمائش سے گذرنا پڑا۔ لیکن وہاں بھی آپ ثابت قدم رہے اور علمی شان پر کوئی حرف نہ آنے دیا۔ خلیفہ ابو جعفر منصور کے زمانہ میں امام مالک سے کہا گیا کہ طلاق جبری کے معتبر نہ ہونے کا فتوی نہ دیں۔ اسی پر قیاس کر کے امام مالک ایسی بیعت کو درست نہیں سمجھتے تھے جو جبراً لی گئی ہو، آپ نے اس سیاسی مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، بس اس کی پاداش میں آپ پر کوڑے برسائے گئے، یہاں تک کہ آپ کا ہاتھ مونڈھے سے اتر گیا۔

امام مالک شہر نبی کے مکین تھے، تمام عمر مدینہ ہی میں رہے، اور یہیں ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ صرف حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔ جوار رسول اللہ ﷺ آپ کو اس قدر عزیز تھا کہ مدینہ سے باہر جانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کی عظمت آپ کے قلب میں ایسی تھی کہ مدینہ منورہ میں آپ سواری پر نہیں چلے۔ آپ فرماتے کہ جس زمین پر رسول اللہ ﷺ کے قدم پڑے ہوں وہاں میں سوار ہو کر کیسے چلوں؟ رسول کریم ﷺ کی ذات بابرکات، آپ کی احادیث وعلوم بلکہ آپ کے شہر کے آثار کے ساتھ بھی عظیم محبت اور عظمت امام مالک کے دل میں تھی، اور اس محبت وعظمت کا اظہار آپ کے ایک ایک عمل اور ہر ہر ادا سے ہوتا تھا، اور اس عظمت کی بھر پور جلوہ نمائی آپ کی آراء وافکار میں بھی ہوتی ہے۔ کیا مجال کہ حدیث رسول اگر صحیح وقوی ثابت ہو جائے تو آپ اس سے چشم پوشی کر سکیں؟ آپ کا مشہور جملہ تھا کہ ''کل یوخذ و یرد الا صاحب ھذا القبر الشریف'' (ہر شخص کی بات قابل قبول بھی ہو سکتی ہے اور ٹھکرائی بھی جا سکتی ہے، سوائے اس باعظمت آسودہ قبر شریف کے)۔ لیکن اس کے ساتھ ہی امام عالی مقام کی نظر عمیق اور دوررس وقت کے حالات پر بھی تھی، وضع حدیث کے فتنوں پر بھی تھی، اور لوگوں کی مشکلات ومسائل کی باریکیوں پر بھی۔ چنانچہ امام مالک نے حدیث کی چھان پھٹک کے لئے روایت ودرایت کے دیگر ضوابط واصول کے علاوہ ایک معقول وٹھوس معیار یہ اپنایا تھا کہ جس شہر میں خود ذات رسالت مآب ﷺ نے صبح وشام کے اوقات بسر فرمائے اور جہاں ایک دو افراد نہیں بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں جوان اور بوڑھے، عورتیں اور بچے ہر دن اور ہر وقت آپ ﷺ سے سنتے اور سیکھتے اور آپ کو دیکھتے رہے تھے۔ ان اہالیان مدینہ کا عمل کیا ہے؟ عمل اہل مدینہ کی تائید یا انکار سے آپ حدیث کے درجہ اور اس کی صحت وضعف کا فیصلہ فرماتے تھے۔ لوگوں کے روزمرہ مسائل اور نئی مشکلات کے شرعی حل کی جستجو آپ کے اندر ایسی تھی کہ آپ نے

شرعی نصوص کے ظاہر پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ شریعت کی اصولی رہنمائیوں اور عہد نبوی و عہد صحابہ کے واقعات کی روشنی میں ایسے اصول طے فرمائے جن سے شریعت کے چوکھٹے میں رہ کر ہر درپیش مسئلہ کا حل معلوم کیا جا سکے۔ چنانچہ استصلاح یا مصالح مرسلہ اور سد ذرائع کا استعمال سب سے زیادہ فقہ مالکی میں ملتا ہے۔ اور ان اصولوں نے نئے مسائل کے حل اور نئی مشکلات سے نپٹنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔

امام مالک کے ان اصولوں اور منہج فکر و استنباط کی اہمیت کا ایک اندازہ آج ہم یوں بھی کرتے ہیں کہ موجودہ دور کے پر پیچ سماجی مسائل میں جہاں دوسری فقہی آراء سے مسئلہ کا حل نہیں نکل رہا ہوتا ہے، امام مالک کی آراء سے ایسے کئی مسائل حل ہوئے ہیں، خود ہمارے برصغیر میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ اور ان کے عالی مقام رفقاء نے مفقود الخبر کے مسئلہ کو امام مالک کی رائے کی روشنی میں حل کیا۔

''مؤطا'' امام مالک علیہ الرحمہ کی تصنیف ہے اور اسلام کی تصنیفی تاریخ میں اپنی نوعیت کی غالباً سب سے پہلی تصنیف ہے۔ یہ بیک وقت مجموعہ حدیث و روایت بھی ہے اور ذخیرہ فقہی آراء بھی۔ احادیث کی عالی سندیں اس کتاب میں موجود ہیں، آج کی فنی اصطلاح میں گرچہ مرسل اور بلاغات کے علاوہ منقطع روایات بھی اس میں ہیں، لیکن ہر نوع کی روایت کی حیثیت اور قوت پر اہل علم نے تحقیقی کام کر کے ان کے مقام کو واضح کیا ہے۔ حدیث کی مشہور تمام کتابیں مؤطا کے بہت بعد کی ہیں۔ اور عہد رسالت سے قربت کی جو حیثیت ہے دوسری حیثیتیں اس سے فروتر ہو جاتی ہیں۔ اس موقع پر ایک جلیل القدر محدث اور ایک فقہی مسلک کے بانی حضرت امام شافعیؒ کا یہ فیصلہ ہمیں یاد آتا ہے، آپ نے فرمایا تھا کہ ''روئے زمین پر قرآن کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب مؤطا امام مالک ہے''۔ یہ رائے امام شافعی کے علاوہ دیگر اہل علم کی بھی رہی

ہے۔ہم سب کے پیشوا اور برصغیر کی سرمایۂ فخر ہستی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی موطأ کو کتب حدیث کے طبقہ اولی میں شمار کرتے ہوئے بخاری شریف اور مسلم شریف سے بھی مقدم مؤطا امام مالک کو رکھا۔جیسا کہ کہا گیا،مؤطا مجموعہ حدیث ہونے کے ساتھ کتاب فقہ بھی ہے۔ امام مالک نے اپنی فقہی آراء اور اپنے فتاوی بھی اس کتاب میں جمع فرمادیے ہیں۔ یہ بھی امام مالک کی ایک خصوصیت ہے کہ ان کی فقہی آراء خود ان کے قلم سے محفوظ ہوئی ہیں۔گو کہ بعد میں ان کے شاگرد امام شافعی نے بھی اپنی آراء کو اپنی تصنیفات میں جمع کیا۔ یہ صرف فقہی کتاب یا ایک امام کی فقہی آراء کا مجموعہ نہیں ہے۔جس طرح عام فقہی کتابیں ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ ایک مجدد و مجتہد اور ایک امام فقہی مسلک کے ایسے فتاوی کا مجموعہ ہے جو فقہی استنباط کے منہج اور غور و فکر کے دروازے کھولتا ہے۔نصوص شریعت کی روشنی میں نئے مسائل کے حل کی تلاش کے راستے بتاتا ہے۔حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مؤطا کو اجتہاد کی کنجی قرار دیا ہے،اور خود شاہ دہلوی نے اس کلید اجتہاد کو وہ اہمیت دی کہ پہلے اس کی عربی شرح ''مسوی'' تصنیف فرمائی، پھر اس وقت کی رائج زبان فارسی میں مفصل شرح ''المصفی'' کے نام سے لکھی، یہ دونوں شروحات موطأ آج بھی اہل علم کی چشم تحقیق کا سرمہ ہیں۔موطأ امام مالک کی ان دونوں حیثیتوں کی وجہ سے ہی غالباً خالص حدیث کی کتابوں یعنی''صحاح ستہ''میں اس کا شمار نہیں کیا گیا۔

مؤطا کی شرح کا ذکر آیا ہے تو ہم اس کی ایک اہم ترین بلکہ جامع ترین شرح کو کیسے بھول سکتے ہیں۔اس تذکرہ کے بغیر تو یہ گفتگو ہی ادھوری رہے گی۔ یہ شرح ہے''أوجز المسالک إلی موطا امام مالک''۔اور یہ تصنیف باوقار ہے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی علیہ الرحمہ کی۔اہل علم کی اس محفل میں اس عظیم شرح کی اہمیت و مقام پر روشنی ڈالنا سورج کو چراغ دکھانے کے مثل ہوگا۔لیکن حقیقت کا اظہار یہی ہے کہ ۱۵/جلدوں (مطبوعہ دارالفکر ۱۹۸۹ء)

میں تمام متعلقہ مباحث اور دیگر شروحات کی جامع یہ شرح دراصل ایک حدیثی بلکہ اسلامی علوم کی انسائیکلوپیڈیا ہے اور اُوجز المسالک اسم بامسمی بن کر واقعی موطأ جیسی کلید اجتہاد تک رسائی کے لئے سب سے قریبی راہ ہوگئی ہے۔

مؤطا امام مالک اور اس کی شرح اُوجز المسالک پر گفتگو اس وقت تک تشنہ ہے جب تک مصنف اُوجز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے قابل فخر تلمیذ رشید اور آج کی بزم کے روح رواں جناب مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی دامت برکاتہم کا نام نامی نہ آئے۔ اوجز المسالک کو علمی حلقوں میں آج کے اسلوب و تحقیقی معیار کے مطابق لانے کا سہرا آپ ہی کی ذات کے سر ہے۔ یہ بڑا علمی کارنامہ نہیں تو کیا ہے؟ کہ ایسی ضخیم شرح کو از سر نو موصوف نے اٹھارہ جلدوں میں نئی تحقیق کے ساتھ پورے جلوۂ آب وتاب میں طبع کرایا ہے۔ حضرت موصوف کی ذات اس کے علاوہ بھی وقیع علمی کتابوں کی مصنف ہے اور ان کے قلم سے علم و تحقیق کے موتی نکل کر اہل علم کو روشنی پہونچاتے رہتے ہیں۔

آج جبکہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی یاد اور ان کے کارناموں پر روشنی ڈالنے کے لئے یہ محفل سجائی گئی ہے۔ ہم ان کے شاگرد مولانا موصوف کو مبارکباد پیش کرتے ہیں جنہوں نے ان کی علمی جانشینی کی شمع روشن رکھی ہے۔ یہی روایت علم کی ایک شمع سینکڑوں شمعیں روشن کرتی رہے گی، اور علم کی روشنی سے دنیا میں مادیت وفساد کی پھیلی تاریکیاں ختم ہوتی رہیں گی اور نور اسلام سے ہر گوشۂ عالم منور ہوا ٹھے گا۔

بذل المجہود فی حل سنن أبی داؤد ایک مطالعہ

مولانا محمد یحییٰ نعمانی
(معاون مدیر ''الفرقان''، لکھنؤ)

ولی اللہی تجدید کی ایک کڑی

مشہور و معروف صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ختمی مرتبت ﷺ نے اس امت کو خبر دار فرما دیا تھا کہ اس کے دین کی سلامتی اسی وقت تک ہے جب تک اس کے فکر و علم اور عمل و کردار کا رشتہ قرآن مجید اور سنت نبوی سے مضبوطی سے وابستہ رہے گا۔ دسویں صدی کے آتے آتے برصغیر میں مختلف مسلم قوموں کے پر جوش جہاد اور اللہ والوں کی پر سوز دعوت اور دلنواز کردار نے اہل اسلام کی اتنی تعداد پیدا کر دی جتنی کم و بیش دنیا کے کسی اور خطے میں تھی، اور اس اعتبار سے (اور بعض دیگر اعتبارات سے بھی) یہ خطہ عالم اسلام کا اہم ترین حصہ اور اس کا قلب و مرکز بن گیا۔

قدرت الٰہی کا کرشمہ دیکھئے، ان ممالک میں اگر چہ عین اس دور میں مسلمانوں کی قوت و شوکت کا دبدبہ قائم تھا، مگر عمومی طور پر امت کے دین کا حال نہایت کمزور تھا۔ تہذیب و معاشرت بلکہ عبادات و عقائد تک میں ہندو مذہب، عجمی روحانیت اور فلسفہ کی آمیزش حد سے بڑھی ہوئی

تھی۔ اوراس کا اصل اورسب سے بڑا سبب تھا علم قرآن وسنت سے بے گانگی۔ پورے برصغیر میں مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ سے پہلے (گجرات کے اور سندھ کے ساحلی علاقوں کو چھوڑ کر) کہیں حدیث کی بنیادی کتابوں کا سراغ نہیں ملتا۔ جو طبقہ علماء کہلاتا تھا وہ یونان اور عجمیوں کے فلسفوں اور منطق وحکمت کے علم پر ہی تکیہ کرتا تھا، تفسیر پر بھی کچھ توجہ نہیں تھی۔ دینی علوم میں اصول فقہ کا غلبہ تھا۔ دین علم کا آخری مرتبہ علم فقہ تھا۔ اوراس میں بھی متاخرین کی تفریعات سے آگے بڑھنا، اورائمہ متبوعین یا ائمہ سلف کے اجتہادات تک رسائی، اور براہ راست کتاب وسنت سے ان کی تطبیق کا تصورنہیں آسکتا تھا۔

مسلم معاشرے کا ایک بڑا حصہ جاہل صوفیوں اور منحرف فلسفیوں کے زیر اثر صریح شرک میں مبتلا ہو چکا تھا۔ غیر اسلامی افکار واعمال اور رسوم وبدعات کے دبیز پردوں نے اصل دین کو بالکل ڈھک دیا تھا۔ حقیقت دین کی مستوری اور سنت کی مہجوری نے آخرت کی فکر اور تقوی وانابت جیسی صفات کمیاب کردی تھیں۔

اس تاریک دور میں علم وعمل کے کچھ چراغ قندیل رہبانی کی طرح ظلمتوں سے مقابلہ آرائی میں نظر بھی آتے ہیں، یہاں تک کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ اور ان کے اخلاف وخلفاء نے اپنے تجدیدی کاموں سے صبح صادق کی کرنیں بکھیر دیں۔ مگر ان دیار میں وسیع تر پیمانے پر از سرنو دین کے احیاء اوراس کی بنیادوں کی تعمیر نو کرنے کے لئے اللہ تعالی نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے سلسلے کو ایک عظیم الشان تجدیدی کارنامے کے لئے کھڑا کیا۔

یہ وہ وقت تھا جب نہ علم خالص تھا نہ عمل صحیح، شاہ صاحب نے اس فساد کی ہمہ گیری کے مدنظر تجدیدی کام شروع کیا جس میں اس قدر تنوع اور بوقلمونی ہے اوراس کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ محض اشاروں کے لئے بھی ایک وسیع وطویل مقالہ چاہئے۔ مثلاً شاہ صاحب نے طے کیا

کہ اس زوال پذیر امت کے اندر دین کی حقیقی تعلیم کو زندہ کرنے اور اس کے علم وفکر کو کتاب و سنت سے سیراب کرنے کی ضرورت ہے اس آب زلال کے بغیر اس مردہ زمین میں جان نہیں پڑنے والی......ولی اللہی تجدید کی بنیاد اور اس کا سب سے عظیم کارنامہ علم قرآن وسنت کی ترویج اور فکروعمل کو اس کے مطابق بنانے کی عظیم جدوجہد ہے جو آج تک جاری ہے۔شاہ صاحب نے قرآن سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دی۔ حدیث و سنت کی اشاعت کا سلسلہ قائم فرمایا قرآن و حدیث میں تطبیق کی دعوت دی، کتاب وسنت کی روشنی میں عقائد وافکار اور دینی اعمال کے جائزے اور معاشرے کے احتساب کی فکر عام کی۔ یہ سلسلہ شاہ صاحب کی مسند درس اور مدرسہ سے شروع ہوا۔ پھر ان کے اخلاف عظام نے اس شمع کو روشن رکھا۔ بالآخر اس سلسلے نے احیاء وتجدید دین کی ایک وسیع تحریک کی شکل اختیار کرلی۔ علماء دیوبند وسہارنپور و گنگوہ و کاندھلہ وغیرہ اور ان کے سلسلے کے مدارس اسی شجرہ طوبی کی شاخوں میں سے ہیں۔اور تجدید و احیاء دین کے اس سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

اس مقالے کا موضوع جو کتاب ہے یعنی سنن أبي داؤد کی شرح بذل المجہود وہ دراصل احیاء سنت ،حدیثی علوم کی نشرواشاعت اور فقہ وحدیث کے درمیان تطبیق کے ولی اللہی مشن کا حصہ ہے۔اللہ نے احیاء دین کے علم بردار اس سلسلے کے لئے یہ حقیقت بالکل روشن اور بے غبار کردی ہے کہ کتاب وسنت کی عمومی اشاعت کے بغیر اس امت کے دین کی حفاظت اور اس کو زیغ وضلال اور گمراہی سے بچانے کی کوئی سبیل نہیں۔

بذل المجہود کے مؤلف اور مرتب

حضرت مولانا خلیل احمد اپنے عہد کے محدث کبیر اور راہ طریقت وسلوک کے امام مرشد تھے۔اپنے وقت کے مشاہیر علماء سے علم اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے روحانی استفادہ کیا۔سالہا سال درس حدیث کی خدمت انجام دی جس میں سنن أبوداؤد کا درس بھی تھا۔تدریس

کے دوران ان کو احساس ہوا کہ اتنی اہم کتاب ہونے کے باجود اس کی کوئی ایسی جامع اور متوازن شرح موجود نہیں ہے، جس سے کتاب کی تفہیم اور خصوصاً اس کے حدیثی نکات ورموز کے فہم میں کافی اور ضروری مدد ملے۔ احادیث اور فقہ حنفی کے درمیان تطبیق کے نقطہ نظر سے بھی ایسی کتاب کی ضرورت تھی۔ بار بار ارادہ کیا، اور کتاب شروع بھی کردی۔ مگر اللہ نے اس سعادت میں ان کے نور نظر شاگرد و مسترشد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کا حصہ مقرر کردیا تھا۔ اس لئے وہ سلسلہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا۔ شیخ دورۂ حدیث اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحی صاحبؒ سے پڑھ چکے تھے، مگر ان کے انتقال کے بعد دوبارہ حضرت سہارنپوری نے اپنے درس حدیث میں شرکت کی فرمائش کی، لہذا دوبارہ حضرت سے دورہ پڑھا۔ ایک دن سبق سے نکلتے ہوئے حضرت سہارنپوریؒ نے بڑے حسرت آمیز لہجے میں کہا:

''ابوداؤد پر ہمیشہ سے کچھ لکھنے کی خواہش رہی، تین مرتبہ شروع کرچکا ہوں، لیکن مشاغل کے ہجوم نے چلنے نہ دیا۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی حیات میں بار بار شروع کیا۔ یہ جی چاہتا رہا کہ کسی طرح لکھ لوں، اور جو اشکال ہو حضرتؒ سے حل کرلوں گا۔ حضرتؒ کے وصال کے بعد یہ جذبہ سرد ہوگیا۔ لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ ہمارے مولانا یحیٰ صاحب تو حیات ہیں، ان سے بحث ومباحثہ کرتے رہیں گے۔ لیکن ان کی وفات پر یہ ارادہ بالکل نکال دیا۔ اب مجھے خیال ہورہا ہے کہ اگر تم دونوں (حضرت شیخ اور حضرت سہارنپوری کے ایک اور شاگرد) میری مدد کرو تو میں شاید لکھ لوں''۔

شیخ نے بے ساختہ جواب دیا ''حضرت ضرور شروع کریں''۔ حضرت سہارنپوریؒ نے اسی وقت ضروری مآخذ اور متعلقہ کتابوں کی ایک فہرست بتادی، جو کتب خانے سے لاکر رکھ لی گئی، معمول یہ تھا کہ حضرت سہارنپوری متعلقہ مباحث کی طرف اور کتابوں کی طرف رہنمائی فرمادیتے اور حضرت شیخ بھرپور محنت کرتے، رات کا اکثر حصہ مطالعہ اور نقل میں گذرتا، پھر

حضرت سہارنپوری کو وہ جمع شدہ مواد سناتے۔ حضرت اس کو مرتب فرما کر کے اس کا املا فرماتے۔ حضرت شیخ کی محنت اور ان کے کام کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت سہارنپوری کتاب کے مقدمہ میں یہ لکھنا چاہتے تھے کہ اس شرح کا انتساب شیخ الحدیث کی طرف کرنا مناسب ہے اندازہ ہے کہ شروع کی مدت کے بعد حضرت شیخؒ کا کام بڑھ گیا ہوگا۔ شیخؒ نے آپ بیتی میں ایک سے زائد جگہ بذل کی تالیف اور اس میں ہمہ تن مشغولیت وانہماک کا تذکرہ کیا ہے۔ پوری مدت وہ ہر طرف سے مکمل یکسو رہے۔ سفر سے ان کو پہلے سے وحشت تھی۔ اس کام نے ان کو قطب شہر بنادیا۔

اس زمانے میں کتابت وطباعت بڑا طویل اور صبر آزما کام تھا۔ کتابت کی تصحیح اور پھر پریس کی کاپیوں پر نظر، شیخ نے اس کے لئے سالوں محنت وعرق ریزی کی۔ سہارنپور سے تھانہ بھون پھر میرٹھ پھر دہلی کا ہر ہفتہ یا پندرہ دن پر سفر ہوتا دو تین دن پریس کی مشغولیت رہتی اور پھر واپسی ہوتی، سالوں اسی تگ ودو میں گذرے۔

اس کے علاوہ شیخ نے کتاب میں جو اضافے حواشی کی شکل میں فرمائے ہیں اس کا تذکرہ آگے آئے گا۔

بذل کے مصادر وماخذ

حضرت سہارنپوری نے اپنے مقدمے میں تفصیل سے اپنے ماخذ کی فہرست دی ہے، اس زمانہ میں حدیث ورجال پر ایسا اچھا کتب خانہ میسر ہونا باعث حیرت ہے۔ حضرت سہارنپوری کے بیان کے مطابق حدیث کے الفاظ ومعانی کی تحقیق میں عموماً مشہور شارح حدیث وعالم ملا علی قاریؒ کی شرح مشکوۃ ''مرقاۃ''، فتح الباری، اور عمدۃ القاری سے استفادہ کیا گیا ہے۔ فقہ میں بدائع الصنائع سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، رجال حدیث کی معلومات عموماً تقریب التہذیب، تہذیب التہذیب، الإصابہ اور الانساب للسمعانی سے لی گئی ہیں۔ لغوی تحقیق

میں قاموس مجمع بحار الأنوار اور لسان العرب سامنے رہی ہیں۔

کتاب کا منہج

حضرت سہارنپوریؒ نے اس شرح کا بجا طور پر یہ امتیاز بتایا ہے کہ اس کا خاص طور پر اہتمام رہا ہے کہ جو بات کہی جائے اور کلام رسول کی جو تشریح بھی کی جائے وہ ائمۂ سلف اور مستند علماء متقدمین کے حوالے سے اور براہ راست قدیم ومعتبر مآخذ سے لے کر لکھی جائے۔ ہاں سنن میں امام ابوداؤد نے روایات واسانید پر جو محدثانہ کلام اور ناقدانہ تبصرے فرمائے ہیں (اور وہ نہایت مختصر الفاظ میں ہیں) اس کی تشریح عام طور پر ذاتی غور وتدبر کا نتیجہ ہے۔ اس موضوع پر کوئی خاص کام اس سے پہلے نہیں ہوا تھا۔ یہ کام اس شرح کا خاص امتیازی پہلو ہے، جس پر آئندہ کچھ روشنی ڈالی جائے گی۔

رجال اور رواۃ پر کلام کے سلسلے میں مؤلف نے تکرار سے بچنے کے لئے اس کا اہتمام کیا ہے کہ جب کسی راوی کا نام پہلی مرتبہ آتا ہے تو اس کا تعارف اور علم رجال حدیث کے معیار پر اس کا مقام ومرتبہ متعین کیا جاتا ہے، پھر اس کے بعد اگر اس کا نام آتا ہے تو ایسا نہیں کیا جاتا۔ جدید ہندوستانی نسخے میں اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ جہاں کسی ایسے راوی کا نام آتا ہے جس کا تذکرہ گذر چکا ہوتا ہے تو وہیں بین السطور میں اس صفحہ کا حوالہ دے دیا گیا ہے جہاں اس کے بارے میں تفصیل ملتی ہے۔ مگر یہ اہتمام بس پہلی جلد کے آخر تک ہے اس کے بعد نہیں ہے۔ اب مولانا تقی الدین ندوی مدظلہم کی تحقیق سے جو ایڈیشن آرہا ہے، امید ہے کہ اس کا انڈکس اس ضرورت کو پورا کردے گا۔

مصنف نے احناف کے حدیثی دلائل دینے اور ان کے مسلک کے دفاع کا بھی اہتمام ضروری سمجھا ہے۔ اسی طرح اگر کہیں ابوداؤدؒ کے قائم کردہ عنوان اور اس میں درج کردہ حدیث میں مناسبت واضح طور پر سمجھ میں نہیں آتی تو اس کی بھی وضاحت کردی گئی ہے۔ سنن میں

کوئی روایت مرسلاً یا معلقاً ذکر کی گئی ہے اور وہ کہیں اور موصولاً ملتی ہے تو اس کا بھی تذکرہ کردیا گیا ہے۔

ذیل میں بذل کے کچھ خاص امتیازات ذکر کئے جاتے ہیں۔

مزاج ولی اللہی کا عکس

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتابوں کے مطالعے سے (اور خصوصاً حجۃ اللہ البالغۃ، مسوی، مصفی اور تفہیمات کے مطالعے کے بعد) اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے ان کو توازن اور جامعیت دونوں صفات سے غیر معمولی طور پر نوازا تھا، اسلامی تاریخ کی فکری کشمکش میں وہ نہایت اعتدال کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آخری صدیوں میں فقہی مسالک کی دوریاں اور آویزشیں بڑھتی جارہی تھیں۔ اہل اثر اور اہل رائے کے اختلاف نے انتہا پسندانہ نظریات اور جمود وانحراف کے رویوں کو جنم دیا تھا۔ ایک طرف تو مسلکی تقلید میں جمود کا یہ حال تھا کہ ائمہ کے اقوال پر تفریعات، اور پھر تفریعات پر تفریع کا سلسلہ دراز تھا، شریعت اور فقہ کے علم میں حدیث رسول کا تذکرہ (بقول حضرت مولانا علی میاںؒ) صرف اپنے مسلک کے اور دوسرے کے مسلک کے رد کے لئے ہوتا تھا...... نفس مسائل کو حدیث وسنت کی روشنی میں جانچنے اور فقہ وحدیث کے درمیان تطبیق کی کوشش عرصے سے تھی ہر مسلک دوسرے کی تغلیط بلکہ ابطال کو اپنا ضروری فریضہ سمجھتا تھا۔ بڑے بڑے علمی معرکے قائم ہوتے، اختلاف وشقاق نہایت بدترین شکلیں اختیار کرتے، اور امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرتے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسالک اربعہ اور عمل بالحدیث کے درمیان تقریب اور جمع وتالیف کی کوشش کی ہے۔ اہل اثر اور اہل رائے وفقہ دونوں کو سلف اور اہل حق کے طریقوں کا متبع بتلایا، اور دونوں کو غلو اور انحراف کے حدود سے دور رہنے کی تعلیم دی۔ تقلید کو مسلم معاشرے کے وسعت پذیر ارتقاء کا ایک فطری نتیجہ قرار دیتے ہوئے عوام

کے لئے اس کی اہمیت بتلائی۔ اسی طرح زمانے میں اجتہاد کی اور خصوصاً فقہی مسائل کا برابر کتاب وسنت کی روشنی میں جائزہ لینے کو ضروری قرار دیا۔

صاحب بذل المجہود کا علمی سلسلۂ نسب بھی اور سلوک وطریقت کا سلسلہ بھی حضرت شاہ صاحبؒ کے سلسلہ اور ان کے اخلاف ومنتسبین تک پہونچتا ہے جس کی جھلک ان کی کتاب میں بھی نظر آتی ہے۔ حضرت سہارنپوریؒ نے جا بجا علامہ شوکانی سے اپنے استفادے کا اعتراف کیا ہے۔ جس کا مقدمہ میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مقدمہ ہی میں مشہور اہل حدیث عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی کی تصنیف کردہ ابوداؤد کی شرح غایۃ المقصود کی بہت تحسین کی ہے اور اس کو علمی خزانوں سے مالا مال'' کہتے ہوئے کہا ہے'' وجدته لكشف مكنوزاته كافلا ، و لجميع مخزوناته حافلا فلّله درّه '' حالانکہ حضرت اپنے آپ کو اس شکوے پر مجبور پاتے ہیں کہ مولانا عظیم آبادی کے قلم نے کہیں کہیں امام ابوحنیفہ کی شان میں ٹھوکر کھائی ہے۔

پوری کتاب میں آپ کو ایک جگہ بھی کسی فقہی مسلک پر ایسی تنقید نہیں ملے گی جس میں آپ کو درشتی اور سخت کلامی ملے، حضرت پورے انصاف سے مسالک نقل کرتے ہیں، بسا اوقات دونوں فریق کے دلائل ذکر تے ہیں، اور بغیر کسی ترجیح کے گذر جاتے ہیں جو گویا اس بات کا اشارہ ہے کہ دونوں رائیں اپنے اپنے نقطہائے نظر کے اعتبار سے مناسب ہیں۔ مثلاً مغرب کا وقت شفق کے غائب ہونے سے ختم ہو جاتا ہے، احناف کے نزدیک اس سے افق کی سفیدی اور شوافع کے نزدیک سرخی مراد ہے، بذل المجہود میں دونوں رائیں نقل کی گئی ہیں، اور یہ حوالہ ہے کہ صحابہ وتابعین کے زمانے سے یہ دونوں رائیں موجود ہیں، بس اسی پر اکتفا کر کے حضرت بغیر کسی ترجیح کے گذر گئے ہیں۔

لیکن یہ بھی واضح ہے کہ بذل میں بہر حال حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ جیسا مجتہدانہ انداز نظر نہیں آتا۔ اور اس کی ایک معقول وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جس زمانے میں بذل لکھی گئی ہے اس

میں بعض خاص تاریخی اسباب کی بنا پر اس کی ضرورت پیدا ہوگئی تھی کہ اس ملک میں بسنے والے مسلمانوں کی غالب اکثریت (احناف) کو اپنے فقہی مسلک کے بارے میں بے اعتمادی نہ ہو جس پر بعض حلقوں کی طرف سے سخت حملے ہونے شروع ہو گئے تھے۔

صاحب بذل کا فکری اعتدال اور توازن کتاب میں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔ فقہ و حدیث کے درس میں مسئلہ مصراۃ ایک معرکہ الآرا مسئلہ ہے۔ اس کے ذیل میں احناف کی طرف ایک نہایت قابل اعتراض بات یہ منسوب کی جاتی ہے کہ حدیث کا راوی اگر فقیہ نہ ہو تو خبر واحد کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح دی جائے گی۔ یہ قاعدہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور شاگردوں میں سے کسی سے منقول نہیں ہے بعد کے ایک حنفی فقیہ عیسی ابن ابانؒ نے کچھ ایسی ہی بات کہی ہے، لیکن وہ بھی اس طرح کے الفاظ میں نہیں ہے، بلکہ ایسے الفاظ ہیں کہ ان کو صحیح معنوں پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ پھر بھی متاخر علماء احناف نے عیسی ابن ابان کے اس اصول کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ مگر افسوس کہ اس کے باوجود یہ نہایت غلط بات بعض حضرات نے بے سوچے سمجھے حنفیہ کے مذہب کی تائید کے جوش میں یوں ہی نقل کر دی۔ بذل میں اس مسئلہ پر بڑی مفید اور گہری بحث کرتے ہوئے احناف کے مسلک کی معقولیت اور شریعت کے بنیادی اصولوں سے اس کو ہم آہنگ بتایا گیا ہے، مگر پورا خیال رکھا گیا ہے کہ حنفی مسلک کی تائید ایسی پر زور نہ ہو جائے کہ امام شافعی جیسے ائمہ کی رائے غلط محض اور بے بنیاد ہو کر رہ جائے۔ بلکہ حضرت گنگوہیؒ کی تقریر کے حوالے سے جو متوازن کلام اور دونوں ہی رایوں کی توجیہ نقل کی گئی ہے وہ حضرتؒ ہی کے فہم ثاقب کا حصہ ہے۔ یہی مزاج ولی اللہی ہے اور یہی حقیقت پسندی دینی مصلحت کا تقاضہ ہے۔

عالم اسلام کے حال پر فکرمندی، اور جہادی روح

حضرت شاہ صاحبؒ کے سلسلہ کا ایک خاص مزاج اسلامی برادری سے محبت اور اس کے لئے فکرمندی اور جہادی روح و جذبہ ہے، ان کے اخلاف نے اس روح و جذبے کو سرد نہیں

ہونے دیا، بذل المجہود جس زمانے اور ماحول میں تصنیف کی گئی ہے وہ ہندی مسلمانوں کے لئے بڑی پراگندگی اور انتشار کا زمانہ تھا۔ مگر اندازہ ہوتا ہے کہ اس ماحول میں بھی ان کو پورے عالم اسلام کے حالات کی فکر تھی۔ جہاد کی فضیلت میں ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس فضیلت کے روم (ترکی) کے مجاہدین ضرور مستحق ہیں، وہی اس وقت جہاد کے علم بردار اور اس اہم ذمہ داری کے ادا کرنے والے ہیں۔ اللہ ان کی بھرپور مدد فرمائے اور ان کے دشمنوں پر ہمیشہ کے لئے ادبار کا سایہ کرے۔

محدثانہ طرز تشریح

بذل المجہود جس دور کی کتاب ہے وہ فقیہانہ اور اصولی مباحث سے زیادہ مناسب تھا، مگر بذل المجہود کی بحثوں کا انداز فقہ وحدیث کا جامع انداز ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا خاص ذوق ہے، جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ مذاہب اربعہ اور ان کے فقہ واصول فقہ کے مطالعے کے بعد فقہائے محدثین ہی کے طریقے سے طبیعت کو مناسبت ہوئی۔ روایات اور ان کے طرق کی تحقیق، رجال پر کلام، اسانید کے اختلاف اور اضطرابات کا حل، وصل وانقطاع پر بحث اور ائمہ فن کی تحقیقات سے اعتنا کیا گیا ہے۔

رواۃ پر محدثانہ کلام میں نہایت اعتدال اور توازن نظر آتا ہے، نہ ضرورت سے زیادہ طول نہ اتنا اختصار کہ کسی راوی سے متعلق ضروری حالات بیان سے رہ جائیں، یہ توازن شروع کتاب سے آخر تک رہتا ہے۔ علم اسمائے رجال کی اہم ترین کتابوں، خصوصاً تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال کا خلاصہ ہر جگہ دے دیا گیا ہے۔ کتاب میں جابجا اس متوازن کلام کے نمونے بکھرے ہوئے ہیں۔ پہلے صفحے پر ہی اس کا نمونہ ہے۔ رجال پر کلام علمی جامعیت، فکری توازن اور مزاجی اعتدال کا متقاضی ہے، حماد بن سلمہ ائمہ حدیث میں ہیں۔ حافظہ میں کچھ کمی کی وجہ سے ان سے چند روایتوں میں غلطی ہوگئی ہے۔ امام بخاری نے اسی بنا پر ان کی روایتیں اپنی صحیح

میں نہیں لی ہیں۔ بعض کبار محدثین کو اس پر اعتراض رہا ہے۔ صاحب بذل نے نہایت توازن اور جامعیت کے ساتھ چند سطروں میں ان بحثوں کا جامع خلاصہ لکھ دیا ہے۔ مصنف نے مقدمے ہی میں اس کا اشارہ فرمایا ہے کہ مختلف روایات میں الفاظ کے اختلاف پر وہ بحث کریں گے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بعض جگہ ایسا محدثانہ کلام کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے ان کو علم حدیث میں کس قدر گہری بصیرت سے نوازا تھا۔

نفیس توجیہات اور اشکالات کا حل:

حضرت گنگوہیؒ کو اللہ تعالی نے مختلف روایات کے درمیان توفیق و تطبیق اور احادیث کی توجیہ کا غیر معمولی علم عطا فرمایا تھا۔ بذل کا خاص امتیاز یہ ہے کہ اس میں حضرتؒ کے ان افادات کو حضرت کے خاص شاگرد حضرت مولانا محمد یحیی کاندھلویؒ کی دی ہوئی درسی تقریر سے جمع کر لیا ہے۔ صاحب بذل نے بھی جابجا پیدا ہونے والے اشکالات کے عقدوں کو اپنے ناخن تاویل اور خوبی سے حل کیا ہے۔ کتاب الجهاد، باب فی النور یری عند قبر الشهید میں ایک روایت ہے کہ دو صحابیوں میں آں حضرت ﷺ نے مواخات کرائی، ایک نے شہادت پائی، دوسرے نے ایک ہفتہ بعد وفات پائی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ تم نے ان کے لئے کیسے دعا کی؟ انہوں نے عرض کیا ہم نے یوں دعا کی کہ اے اللہ ان کی مغفرت فرما اور ان کو بھی اپنے (شہید) بھائی کے درجے تک پہونچا آپ نے فرمایا کہ: ارے جس کا ایک ہفتہ بعد انتقال ہوا ہے اس نے دوسرے کے مقابلے ایک ہفتہ زیادہ نمازیں پڑھیں اور نیک اعمال کئے تھے، اس کا یعنی اس لحاظ سے اس کو اپنے پیشرو سے بلند ہونا چاہئے۔

اس حدیث پر اشکال ہوتا ہے کہ اگر اسی طرح دیکھا جائے تو بھی ایک ہفتہ کے نیک اعمال کے مقابلے میں شہادت زیادہ اجر و ثواب کی معلوم ہوتی ہے۔ مصنفؒ نے اس کی بڑی عمدہ اور نفیس توجیہ کی ہے، جو ان کے تفقہ اور گہرے علم کی دلیل ہے۔ فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے

کہ اللہ کے یہاں صرف اعمال کا ظاہر اوران کی کثرت نہیں دیکھی جاتی، کسی کسی کی نماز اور روزہ ہی اس کو شہید سے اونچا درجہ دلاسکتا ہے۔ ابوبکر صدیقؓ نے شہادت نہیں پائی، مگر اپنے اخلاص و وفا اور صدق مع اللہ سے ایسے مقام تک پہونچ گئے جہاں تک کسی شہید کی رسائی نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ بعد میں وفات پانے والے کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہو۔

بذل المجہود میں حضرت شیخ کے کام کی نوعیت

بذل المجہود کی تالیف میں حضرت شیخ کی اعانت وشرکت کا کچھ تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ ذیل میں شیخ کے کام کی نوعیت اور کمیت کا کچھ تذکرہ کیا جاتا ہے۔

آپ بیتی سے معلوم ہوتا ہے اور حضرت مولانا علی میاںؒ نے اپنے مقدمے میں بھی تحریر فرمایا ہے کہ حضرت سہارنپوریؒ متعلقہ مباحث کے لئے کتابوں اور مقامات کی طرف اشارہ فرمادیتے تھے اور حضرت ضروری مواد نقل فرمالیا کرتے تھے۔ جس کی روشنی میں حضرت انتخاب و ترتیب کے ساتھ شرح کا املا فرماتے تھے۔ اسی طرح یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ کتاب کے مواد کا غالب ترین حصہ حضرت شیخ نے مآخذ سے نکال کر جمع کیا ہے۔ حضرت سہارنپوریؒ جب ۱۳۴۴ھ میں ہجرت کی غرض سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو حضرت شیخ بھی گئے اور ایک سال سے زیادہ عرصہ بذل کی تالیف میں مشغول رہے۔

پھر مسودے کی تبییض اور پریس کے پروفوں کی تصحیح یہ بھی حضرت شیخ ہی کی ذمہ داری تھی خاص طور پر طباعت کے سلسلے میں کس قدر تگ ودو کرنی پڑی اور میرٹھ اور تھانہ بھون اور پھر دہلی کے جس قدر سفر کرنے پڑے اس کا کچھ اندازہ آج کل ہو ہی نہیں سکتا غالباً بذل کی طباعت کے بعد شیخ نے اس پر نظر ثانی فرمائی اور محسوس کیا کہ کتاب پر تعلیقات کی ضرورت ہے خصوصاً اوجز کی تصنیف کے دوران ان کے سامنے بہت سی نئی معلومات آئی ہوں گی۔ یہ تعلیقات ایک عرصے تک حضرت کے پاس محفوظ رہیں اور ۱۹۷۳ء میں مصر سے شائع ہونے والے نسخے میں شامل

کی گئیں۔ جن کو بعد میں جناب مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہم نے اپنے زیر اہتمام شائع ہونے والے ہندوستانی نسخے میں بھی شامل کر دیا ہے۔

شیخ نے اہتمام کیا ہے کہ اگر اصل کتاب میں کسی فقہی مسئلہ کی یا کسی بھی قسم کے علمی اشکال کی توجیہ کی کمی رہ گئی ہو تو وہ نہایت اختصار کے ساتھ حاشیے میں آجائے اور ساتھ ہی وہ ماخذ بھی ذکر کر دیا جائے جہاں اس کی تفصیل مل جائے کتاب الطہارۃ کے باب ما ینھی ان یستنجی بہ کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اگر آدمی کسی مجاہد کو کوئی شخص سواری اور اسباب جنگ اس شرط پر دے کہ مال غنیمت میں اس کی شرکت ہوگی تو اس کی گنجائش ہے۔ شرح میں کوئی تذکرہ نہیں کہ ائمہ کی اس سلسلے میں کیا رائے ہے۔ شیخ نے حاشیہ پر ذکر کیا کہ امام اوزاعی اور امام احمد اس کو جائز سمجھتے ہیں، جمہور نہیں، پھر تفصیل کے لئے تین مصادر کا حوالہ دیا ہے اس کے بعد حضرت گنگوہیؒ کی تقریر ترمذی سے اسی روایت کی اصل توجیہ کی ہے کہا جا سکتا ہے کہ ان حواشی و تعلیقات کی اصل نوعیت اسی قسم کے اضافوں کی ہے جنہوں نے کتاب کو زیادہ مکمل اور زیادہ نافع بنا دیا ہے اور یہ کام مقدار میں اتنا ہے کہ بذل کے کم صفحات ایسے افادات سے خالی ہیں کہیں یہ اضافے لغوی تحقیق کی قسم کے ہیں، اس کی مثال بذل کی جلد ا صفحہ ۲۱۸ ہے۔ جہاں حضرت نے نضح کی لغوی تحقیق کی ہے کہیں عبارت کی صحیح توجیہ اور مدعا کی وضاحت کے سلسلے میں ہیں جس کی ایک اہم مثال ''فالقیت محبتی علیہ'' کے معنی کی وہ توجیہ ہے جو شیخ نے ذکر کی ہے (بذل جلد نمبر ا صفحہ ۲۴۹) کہیں کوئی اہم فقہی جزئیہ شیخ نے ذکر کیا ہے (بذل جلد ۳ ص ۲۰۹) کہیں حدیث کی عنوان باب سے مطابقت و مناسبت کا بیان ہے (مثلاً ۴/۷/۲۳) پر جو افادہ ہے وہ کہیں نظر سے نہیں گذرا۔ اس کے علاوہ بڑے متنوع افادات ان تعلیقات میں آگئے ہیں۔

ان اضافوں میں بعض نہایت قیمتی اور دور رس اہمیت و تاثیر کے حامل علمی نکات ائمہ کے حوالے سے آگئے ہیں۔ ہماری علمی تاریخ کا ایک معرکۃ الآراء مسئلہ یہ ہے کہ علمی اختلافات

(مسائل مجتہد فیہا) میں حق کوئی ایک ہوتا ہے یا حق متعدد ہوتا ہے بایں معنی کہ ہر عالم ومجتہد کی رائے برحق ہے۔ معتزلہ اور بعض اہل سنت اس بات کے قائل ہیں کہ ہر مجتہد اپنے علم کے مطابق جو رائے رکھتا ہے وہ برحق ہوتی ہے، لیکن اکثر علماء کا خیال ہے کہ حق ایک ہی ہوتا ہے اور ایک رائے برحق اور دوسری آراء مبنی بر خطا ہوتی ہیں۔ شیخ نے حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی إزالة الخفاء سے ایک نہایت اہم رائے یہ نقل کی ہے کہ اگر کسی مجتہد تک روایت نہیں پہونچی تو اس کی رائے خطا ہے اور مجتہد معذور ہے، اور اگر روایت دونوں کو پہونچی ہے اور اختلاف کی بنیاد تعدد طرق یا دو مختلف قسم کے دلائل کے درمیان جمع وتوفیق کی کیفیت میں ہے تو دونوں کی رائے صحیح ہے حضرت شاہؒ کی یہ نہایت حکیمانہ رائے ہے یہی اجتہادی اختلافات میں اعتدال وسلامتی سے قریب ترین موقف ہے خاص طور پر صحابہ کرام اور کبار تابعین کے اجتہادی مسائل کے سلسلے میں طریق فکر پر غور کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ ان کا طریق ومسلک بالکل یہی تھا۔

شیخ نے ایک جگہ رقیہ کے بارے میں حضرت گنگوہیؒ کی رائے نقل کی ہے کہ رقیہ نہ کرنا توکل کا سب سے پہلا درجہ ہے حضرت شیخ کو اللہ جزاء خیر دے فرماتے ہیں میرے نزدیک زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ رقیہ کے تین درجات ہیں (۱) حلال کلام سے، یہ نہ کرنا توکل کا پہلا درجہ ہے (۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منقول دعاؤں سے، یہ مستحب ہے (۳) کفریہ کلام سے، یہ حرام ہے۔

ان حواشی سے حضرت شیخ کی کشادہ ذہنی اور ذوقی ومسلکی اختلاف کو علمی استفادے میں حائل نہ ہونے دینے کا مزاج بھی سامنے آتا ہے۔ نکاح کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر کے حوالے سے بغیر کسی تحفظ کے سر سید احمد خان مرحوم کی تحقیقات کا ان کی مشہور کتاب خطبات احمدیہ سے حوالہ دیا گیا ہے۔ اسی سلسلے میں اخبار ''اہل حدیث'' کے ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ کے شمارے کا حوالہ بھی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کا مطالعہ کس قدر متنوع تھا۔

حضرت شیخ کے معاونین ورفقاء

جس طرح اللہ تعالی نے حضرت سہارنپوریؒ کے تعاون کے لئے حضرت شیخؒ جیسے شاگرد اور وفادار و جاں نثار مسترشد کا انتظام فرمایا، اسی طرح بذل کی نئی طباعتوں، اس میں اضافوں اور کتاب کی دیگر خدمات کے لئے اللہ تعالی نے شیخؒ کو ایسے معاونین و رفقاء نصیب فرمائے جنہوں نے اس خدمت کے لئے اپنے آپ کو لمبی لمبی مدت تک کے لئے وقف کر کے اس کتاب کی خدمت کی۔

شیخؒ نے بذل کا تیسرا ایڈیشن عربی خط (نسخ) میں مصر سے شائع کرانے کا فیصلہ کیا۔ بذل ان کے مرشد و محبوب شیخ کی نہ صرف نشانی تھی بلکہ اس کے لئے خود انہوں نے عزیز جوانی کی راحتیں قربان کی تھیں۔ اس لئے طبعی طور پر حضرت کی خواہش تھی کہ کتاب اعلی سے اعلی معیار پر شائع ہو خود شیخ نے جو اضافے کئے تھے ان کا بھی حواشی میں اضافہ ہونا تھا۔ اصل مراجع سے حوالوں کا مقابلہ تصحیح و تحشیہ کا کام بھی تھا۔ شیخؒ نے اس کے لئے اپنے عزیز شاگرد و مسترشد ڈاکٹر مولانا تقی الدین ندوی مدظلہم کا انتخاب فرمایا۔ جو بقول حضرت علی میاںؒ ان چند حضرات میں سے ہیں جن کو حضرت شیخؒ نے اپنی نگرانی میں اپنے خصوصی فن حدیث میں تیار فرما دیا تھا (سوانح شیخ ص ۱۰۸) وہ ایک مدرسے میں حدیث کی اونچی کتابوں کا درس دیتے تھے مگر بذل کی خدمت کے لئے ایک سال کے لئے آگئے، اور اس کے لئے ایک بڑی قربانی تک دینے پر تیار ہو گئے۔ شب و روز بذل ہی میں مشغولیت تھی۔ حضرت مولانا عاقل صاحب و حضرت مولانا سلمان صاحب مدظلہما بھی اس کام میں شریک رہے۔ منصب شیخ الحدیثی میں حضرت کے جاں نشیں حضرت مولانا محمد یونس صاحب دام ظلہم نے بھی تعاون فرمایا۔ حضرت شیخ نے بڑی محبت کے ساتھ مصری ایڈیشن کے مقدمے میں اپنے ان عزیز شاگردوں کا تذکرہ کیا ہے اور دعائیں دی ہیں۔

مصر میں طباعت کی نگرانی کے لئے بھی کسی ماہر فن حدیث ہی کی ضرورت تھی یہ سعادت بھی حضرت مولانا تقی الدین صاحب کے حصے میں آئی، مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ وہ ان دنوں کچھ الجھنوں میں تھے، مگر فن حدیث کی خدمت اور شیخ کی نسبت کی وجہ سے انہوں نے پھر اپنے آپ کو ایک سال کے لئے فارغ کر لیا، اور اپنی نگرانی میں پوری کتاب طبع کرائی۔

مصری نسخہ ہندوستان میں متداول نہیں تھا۔ ہندوستانی نسخہ پر حضرت شیخ کی قیمتی تعلیقات اور حواشی نہیں تھے، اللہ جزاء خیر دے حضرت مولانا محمد عاقل صاحب کو جن کو شیخ کے علوم ومعارف سے خاص مناسبت وتعلق ہے کہ انہوں نے ان حواشی کو ہندوستانی نسخہ پر لکھوا کر (بلکہ کچھ مزید اپنی طرف سے اضافے کر کے) شائع کیا۔ یہ نسخہ خاص طور پر اغلاط سے پاکیزگی کے اعتبار سے ممتاز ہے۔

بذل کے مؤلف اور مرتب کے اخلاص کی برکت ملاحظہ ہو کہ اس کی خدمت کا سلسلہ جاری ہے حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین کو شیخ اور ہمارے بزرگوں کے علوم کی خدمت اور نشر واشاعت کی قابل فخر سعادت ملی ہے۔ ان کو اللہ نے توفیق دی کہ وہ بذل پر قیمتی تحقیقی کام کر کے اس کو جدید ترین انداز میں شائع کریں۔ ان کی تحقیق وتوثیق کے ساتھ ابھی حال ہی میں اُوجز المسالک کا ایک نہایت شاندار و پر شکوہ نسخہ شائع ہوا ہے جو ظاہری شکل اور علمی متانت دونوں کے اعتبار سے قابل دید ہے۔ بذل پر بھی محترم موصوف تحقیق وتوثیق کا کام کر چکے ہیں، جس میں معلوم ہوا کہ اُبوداؤد کی ساری روایات کی تخریج وتحقیق، اسی طرح بذل میں ذکر کی گئی روایات کی تحقیق کی گئی ہے۔ سارے حوالوں کو ایک مرتبہ پھر اصول سے ملایا گیا ہے اور صفحات اور جلدوں کے حوالے دئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ سارے کام کئے گئے ہیں جو ایک معاصر علمی تصنیف میں ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ یقین ہے کہ اس خدمت سے بذل کی افادیت کہیں بڑھ گئی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کام کو قبول فرمائے اور مقبولیت عطا فرمائے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
اپنی تصنیف ''فضائل حج'' کی روشنی میں

ڈاکٹرنسیم اختر ندوی

شارح حدیث ومورخ، کامیاب داعی ومذکراور مصلح امت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی دینی وعلمی خدمات، ظاہری وباطنی کمالات اہل علم کے نزدیک مسلم ہیں۔ان کی تحریروں کو پڑھ کراندازہ ہوتا ہے کہ اللہ نے انہیں نہایت پاکیزہ ادبی ذوق عطا فرمایا تھا۔عربی، فارسی اوراردو کے اشعار کے برمحل استعمال سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا شعری ذوق بڑا لطیف تھا۔

درس وتدریس کی بے پناہ مشغولیت، ذکرونوافل کی کثرت، مہمانوں کا مسلسل آنا جانا سب کچھ جاری رہتا مگر طبیعت کچھ ایسی پائی تھی کہ انہیں تصنیف وتالیف سے گہرا لگاؤ رہا۔ان کی تحریروں میں تحقیق وتدقیق کی خوبیاں بھی ملتی ہیں اوراصلاح امت اور دعوت الی اللہ کی روح بھی۔اس حسین سنگم کی مثالیں دیگر مصنفین کی تحریروں میں کم ہی ملتی ہیں۔اگراوجز المسالک، لامع الدراری، حجۃ الوداع وعمرات النبی کے مطالعے سے ان کا علمی ذوق سامنے آتا ہے،تو دوسری طرف حکایات صحابہ اورفضائل کے رسائل اور کتابوں سے ان کے دعوتی منہج کا پتہ چلتا ہے۔جبکہ شرح خصائل نبوی دونوں اسالیب کا امتزاج پیش کرتی ہے۔

ہم سبھی جانتے ہیں کہ مولانا الیاس صاحبؒ کے نزدیک فضائل کا درجہ مسائل سے پہلے ہے ان کا کہنا ہے کہ فضائل سے اعمال کے اجر پر یقین ہوتا ہے جو ایمان کا مقام ہے۔ اور اس سے آدمی عمل کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔ مسائل معلوم کرنے کی ضرورت کا احساس تو تب ہی ہوگا جب وہ عمل پر تیار ہوگا۔ شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے اسی ضرورت کے مدنظر فضائل نماز، فضائل رمضان، فضائل قرآن، فضائل ذکر، فضائل حج، فضائل صدقات، فضائل تبلیغ اور فضائل درود لکھیں۔ ان میں اکثر کتابیں حضرت مولانا الیاسؒ کے ایماء وحکم سے لکھی گئیں۔

فضائل حج میں بڑے شوق انگیز واقعات اور رقت انگیز اشعار ہیں جو حج کے مقاصد اور اس کی روح سے خاص مناسبت رکھتے ہیں۔ اس لئے یہ کتاب بڑی مؤثر ہوگئی ہے۔ مدینہ طیبہ حاضری کے آداب واشواق کو دل کھول کر لکھا ہے جس سے کتاب ''کاروانِ حُدی خواں'' بن گئی ہے۔

اس کتاب کی چند اہم خصوصیات یہ ہیں: یہ معلومات کا ایک گنجینۂ بیش بہا ہے۔ حج اور اس کے لوازمات سے متعلق مسائل کے لحاظ سے یہ ایک مفید کتاب ہے اور انداز سخن ایسا کہ فقہی بحثوں کو پڑھتے ہوئے کسی خشکی کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ مصنف کا اسلوب، تکلف سے خالی ہے اور اس میں ایک وجدانی کیفیت کا مظہر سامنے آتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں۔ سفر آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔ پس مشقت تو اس میں ہوتی ہی ہے اور پھر یہ سفر تو خصوصیت سے عاشقانہ سفر ہے۔ عشاق ہی کی طرح اس کو طے کرنا چاہئے کہ ان کو کوئی برا کہے، گالیاں دے، پتھر مارے۔ جو چاہے کرے۔ وہ اپنے خیالات میں مست اور اپنے ذوق وشوق میں شاداں اور فرحاں رہتے ہیں۔

یہ وجدانی کیفیت واضح طور پر اس وقت اور زیادہ سامنے آتی ہے جب وہ حج کو فنائیت اور عشق کا دل آویز منظر بنا کر پیش کرتے ہیں۔

ان کے نزدیک حج درحقیقت دو منظروں کا نمونہ ہے۔ ایک نمونہ ہے موت کا اور مرنے

کے بعد کے حالات کا۔ اور دوسرا نمونہ ہے عشق اور محبت کے اظہار کا۔ اور روح کو حقیقی عشق اور حقیقی محبت سے رنگنے کا۔

پہلے نمونہ کی منظر کشی دل و دماغ کو مبہوت کر کے رکھ دیتی ہے حج کی مناسبت سے بندے اور خدا کے درمیان تعلق کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''ہر آدمی میں فطری طور پر عشق و محبت کا مادہ موجود ہے۔ اسی تعلق کا مظہر حج ہے کہ سفر کی ابتدا ہی میں سب تعلقات ختم کر کے سب عزیز و اقارب گھر بار سے منہ موڑ کر کوچۂ یار کی طرف جانا ہے۔ جنگلوں اور گلی کوچوں میں مارے مارے پھرنا ہے کہ یہی دو چیزیں عاشقوں کا کام ہیں۔

یہ اضطراب و بے چینی آخر کیوں مسلط ہو۔ اس لئے کہ محبوب کے در پر عشاق کے اجتماع کا ایک وقت مقرر ہے۔ وہ وقت قریب آ گیا ہے ؎

اجازت ہو تو آ کر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں
سنا ہے کل تیرے در پر ہجومِ عاشقاں ہوگا

فرماتے ہیں کہ احرام بھی اسی عاشقانہ رنگ کا پورا مظہر ہے کہ نہ سر پر ٹوپی، نہ بدن پر کرتا، فقیرانہ صورت، نہ خوشبو نہ زینت، ایک مجنونانہ ہیئت جو کرب و بے چینی کے کمال کو ظاہر کرتی ہے۔

اسی حالت میں مستانہ وار اللھم لبیک لبیک، لا شریک لک لبیک کا نعرہ لگاتا ہوا، روتا اور چلاتا ہوا، نالۂ و فریاد کرتا ہوا پہنچتا ہے ؎

نالہ کر لینے دیں للہ نہ چھیڑیں احباب
ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے

اس کے بعد مصنف عاشق کے محبوب کے شہر تک رسائی، مکہ مکرمہ میں داخلہ، وہاں اس کی وارفتگی، کعبہ شریف کے پردے سے لپٹنا، چمٹنا، صفا و مروہ کے درمیان مجنونانہ انداز سے

دوڑنا۔ اس کے بعد منی میں شیاطین کو پتھر مارنا جو جنون و وحشت کے آخری حصے کا نظارہ ہے عاشق کا جنون جب حد سے تجاوز کرتا ہے تو وہ ہر اس شخص کے پتھر مارتا ہے جس کو وہ اپنے کام میں مخل سمجھتا ہے۔ اور سب سے آخر میں قربانی جو حقیقتاً اپنی جان کی قربانی ہے۔ یہی عشق کا منتہیٰ اور آخری حال ہے ؎

موت ہی ہے علاج عاشق کا اس سے اچھی نہیں دوا کوئی

حج اللہ کا حکم ہے اور ہر حکم میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ فضائل حج میں مصنف نے ۲۵ر حکمتوں کی نشاندہی کی ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے حج سے اتحاد، مساوات، اخوت و محبت اور باہمی تعلقات جنم لیتے ہیں۔ یہاں اشاعت اسلام کا بہترین موقع ہے۔ یہاں دنیا بھر کے مسلمانوں کے علمی و ثقافتی، معاشی و معاشرتی احوال سے آگہی ہوتی ہے۔ یہاں اولیاء، ابدال و اقطاب کے فیوض و برکات اور انوار و کمالات سے استفادے کے امکانات وسیع ہو جاتے ہیں۔

ان حکمتوں کے تذکرے کے دوران شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے بڑی خوش اسلوبی سے ان لوگوں کا شک دور کیا ہے جن کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر مناسک حج میں رہبانیت کی شکل کیوں نظر آتی ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ پہلی امتوں میں مذہبی حیثیت سے رہبانیت ایک بہت ہی اہم اور اونچی چیز شمار کی جاتی تھی مگر اسلام نے اس کو روک کر اس کا بدل حج کو قرار دیا جس میں لذتوں سے احتیاط اور شہوتوں سے حفاظت ضروری ہے۔

فضائل حج کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مؤلف نے مکے و مدینے کے اکثر اہم مقامات کا ان کے ناموں کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ نیز ان کی تاریخی حیثیت پر بھی روشنی ڈالی

ہے۔حج کے ارکان پورے کرنے اوران کے بعد روضۂ اطہر کی زیارت کرنے تک جن مقامات سے گذر ہوسکتا ہےان کی طرف اشارہ کیا ہےجس سے کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

کعبے کی تعمیر وترمیم کی تاریخ بالخصوص حجر اسود کی تاریخ پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا، عالم اسلام،مسلمانوں کی تاریخ اورتاریخی مقامات پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے۔

فضائل حج میں قرآنی آیات ، احادیث نبویہ،عربی و فارسی کے اشعار کا ترجمہ بہت سلیس اورشگفتہ ہے، بار بار مراجع اور مصادر کو نہ دیکھا جائے تو پتہ نہیں چلتا کہ ہم کسی دوسرے کی عبارت کا ترجمہ پڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ ذوالنون مصری کے ایک واقعے کو اپنی زبان میں اس طرح نقل کرتے ہیں۔

’’حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا۔لوگوں کی آنکھیں بیت اللہ پر لگ رہی تھیں۔جس سے آنکھوں میں سکون مل رہا تھا کہ دفعۃً ایک شخص بیت اللہ کے قریب آئے اور یہ دعا کرنے لگے۔

’’اے میرے رب تیرا مسکین بندہ جو تیرے دربار سے دھتکارا ہوا اور تیرے در سے بھاگا ہوا آیا ہے۔اے اللہ میں تجھ سے وہ چیز مانگتا ہوں جو سب سے زیادہ تجھے محبوب ہو، اللہ! میں تجھ سے تیرے برگزیدہ بندوں کے طفیل اور تیرے انبیاء کے وسیلے سے یہ مانگتا ہوں کہ اپنی محبت کی شراب کا ایک پیالہ مجھے پلادے اور میرے دل پر سے اپنی معرفت سے جہل کے پردے ہٹادے تا کہ میں شوق کے بازؤوں سے اڑ کر تیرے تک پہونچ جاؤں اور عرفان کے باغوں میں تیرے سے سرگوشیاں کروں۔ (ص/۱۷۰)

مولانا محمد زکریاؒ ،محمد بن حسین بغدادی کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جنہوں نے ایک

باندی خریدی۔ وہ اللہ کی انتہائی نیک بندی ثابت ہوئی۔ ایک بار وہ ابوالعتاہیہ کے اشعار پڑھ کر بے ہوش ہوگئی۔ اسی میں اس کا انتقال ہوگیا۔ شروع سے واقعہ بیان کرنے کے بعد محمد بن حسین بغدادی کہتے ہیں کہ ''جنازے کی نماز پڑھ کر اسے دفنا دیا اور اس کی قبر پر سورۃ یٰس شریف پڑھ کر اپنے حجرے میں چلا آیا۔ میری آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ دل اس کے فراق سے غمگین تھا۔ واپس آ کر میں نے دو رکعت نماز پڑھی اور سو رہا۔ خواب میں دیکھا کہ وہ لڑکی جنت میں پھر رہی ہے۔ اس کے سر پر موتیوں سے جڑا ہوا تاج ہے، اور پاؤں میں سرخ یاقوت کے جوتے ہیں۔ مشک وعنبر کی خوشبو اس سے مہک رہی ہے۔ اس کا چہرہ شمس وقمر سے زیادہ روشن ہے۔ میں نے کہا اے لڑکی ذرا ٹھہر تو۔ یہ تو بتا دے کہ یہ مرتبہ کس عمل کی بدولت تجھے ملا۔ کہنے لگی کہ فقراء ومساکین کی محبت سے اور استغفار کی کثرت سے، اور مسلمانوں کے راستے میں سے تکلیف دینے والی چیز کے ہٹا دینے سے۔ پھر اس نے تین شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

مبارک رہے وہ شخص جس کی آنکھیں راتوں کو جاگتی ہوں اور اپنے مالک کے عشق کی بے چینی میں رات گذار دے، اور کسی دن اپنی کوتاہیوں پر نوحہ کرلیا کرے، اور اپنی خطاؤں پر رولیا کرے اور شب کو اکیلا کھڑا ہو کر اللہ کے عذاب کے خوف سے اختر شماری کرتا ہو اس کے حال کی حق تعالیٰ شانہ کی نگاہ حفاظت کر رہی ہو۔ (روض)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ
کی
اردو تصنیفات ایک جائزہ

مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی
(سید احمد شہید اکیڈمی، دارعرفات، رائے بریلی)

ہندوستان کی سرزمین ہمیشہ بڑی مردم خیز رہی ہے، یہاں کی مٹی سے دنیائے اسلام کے وہ بڑے بڑے علماء اور قدسی صفات لوگ پیدا ہوئے، جنہوں نے علم و دین کی روشنی سے ساری دنیا کو روشن کیا، خواجہ خواجگان حضرت معین الدین چشتی اجمیری اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی تک پھر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے اخلاف حضرت سید احمد شہید اور ان کے خلفاء و اتباع اور پھر حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے عظیم المرتبت خلفاء کے ذریعہ سے اصلاح امت کا جو کام ہوا، ہر پڑھا لکھا آدمی اس کو جانتا ہے، ان کے ذریعہ سے لاکھوں لاکھ بندگان خدا منزل مقصود کو پہونچے، اور کتنے بھٹکے ہوؤں نے راہ پائی۔

چودہویں صدی ہجری میں اصلاح وارشاد کی کہکشاں جس طرح ہندوستان کے آسمان پر سجی اس زمانہ میں اس کی مثال دوسرے ملکوں میں ملنی مشکل ہے، ایک ہی وقت میں جلیل القدر مشائخ وعلماء کی جو تعداد یہاں نظر آتی ہے، وہ ایک وقت میں دوسری جگہ مشکل سے نظر آئے گی۔

انہیں مشائخ وعلماء میں ایک نمایاں نام حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کا ہے جن کی شہرت نام سے زیادہ ''شیخ الحدیث'' کے لقب سے ہے، ۱۳۱۵ھ میں کاندھلہ جیسی مردم خیز بستی میں ان کی ولادت ہوئی، مکتبی تعلیم اور حفظ قرآن مجید سے فراغت کے بعد متوسطات کی تعلیم شروع ہوئی۔ والد ماجد مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی نے ابتدائے تعلیم ہی سے سخت نگرانی شروع کی، جو تعلیم کے اختتام تک جاری رہی، جس کے نتیجہ میں شیخ نے شروع سے ہی تعلیم پر سخت محنت کی اور اس کے لئے پوری یکسوئی اختیار کرلی، جو عام طور سے نصیب نہیں ہوتی، مشائخ وقت کی توجہ اور محنت شاقہ سے شیخ نے جلد ہی معاصرین میں وہ مقام پیدا کرلیا جو تمام معاصرین کے لئے قابل صد رشک تھا۔

فن حدیث میں خاص طور پر آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری سے استفادہ کیا اور تھوڑی ہی مدت میں اپنے آپ کو اس قابل کرلیا کہ مولانا کے علمی کاموں میں تعاون کرسکیں، علمی استفادہ کے ساتھ روحانی استفادہ کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ شیخ نے مولانا کے علمی کاموں میں اس طرح خدمت کی کہ اپنی تمام ذاتی ضروریات اور ہر طرح کی راحت وآرام کو تج دیا۔ شیخ ہی کی ہمت سے مولانا نے ''بذل المجہود'' کی تالیف شروع کی، سفر وحضر میں ساتھ رہ کر اس کی تکمیل فرمائی، اور مولانا کے یہاں وہ مقام حاصل کیا جو کسی کو حاصل نہ ہوسکا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہجرت کے بعد مولانا نے شیخ کو اپنی مسند درس پر بٹھایا، اپنا جانشین مقرر کیا، پھر شیخ کے تبحر علمی، وسعت نظر اور سب سے بڑھ کر ذات رسالت مآب ﷺ سے تعلق نے اس مسند کو وہ زینت بخشی جو اس زمانہ میں کسی کو حاصل نہ تھی، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب، حضرت مدنی

اورحضرت رائے پوری کی وفات کے بعد تنہا شیخ ہی کی ذات شمع انجمن تھی، جس سے علم و دین اور رشد وہدایت کی شمعیں جابجا فروزاں ہورہی تھیں۔

درس وتدریس اورارشادوتربیت نفوس کے اہم کام کے ساتھ تصنیف وتالیف سے شیخ کو خاص شغف تھا، طالب علمی کے دور ہی سے اس کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، جو اخیر تک جاری رہا۔ اس پورے عرصہ میں شیخ کی عربی وار دو تصنیفات کی تعداد سو سے بھی زائد ہے، جن میں بعض تصنیفات بیس بیس جلدوں میں ہیں، زیادہ تر اہم تصنیفات جن سے شیخ کے علمی مقام اور دقت نظر کا پتہ چلتا ہے، عربی زبان میں ہیں، جس میں سب سے ممتاز تصنیف موطا کی شرح ہے جو اٹھارہ جلدوں میں مکمل ہوئی ہے، اور '' اوجز المسالك إلى مؤطا الإمام مالك'' کے نام سے اس کے متعدد ایڈیشن نکل کر مقبول ہو چکے ہیں۔ میرے اس مقالہ کا موضوع چونکہ شیخ کی اردو تصنیفات ہیں اس لئے میں اصل موضوع پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

شیخ کو اللہ تبارک وتعالی نے بڑا وسیع ذہن اور متیقظ دماغ دیا تھا، وہ حالات زمانہ سے باخبر تھے، حدیث کے خالص فنی ذوق اور تبحر کے علاوہ وہ ایک مصلحانہ اور داعیانہ مزاج کے حامل تھے، اس لئے انہوں نے مختلف موضوعات پر کتابیں اور رسائل تصنیف فرمائے، ان کی اردو تصنیفات کی میزان چالیس سے متجاوز ہے، جب کہ عربی تصنیفات اس سے زیادہ ہیں۔

عام طور پر جو لوگ علمی وتحقیقی اسلوب کے عادی ہوتے ہیں وہ خالص دعوتی واصلاحی اور عام فہم اسلوب اختیار نہیں کر پاتے ، لیکن شیخ نے دونوں اسالیب کو اس طرح اختیار کیا ہے کہ کہیں کوئی کمی نظر نہیں آتی، ان کی علمی وفنی تصنیفات بھی بلند پایہ اور ممتاز ہیں اور دعوتی واصلاحی تصانیف ورسائل بھی ازحد مؤثر اور عام فہم ہیں۔

شیخ کی اردو تصنیفات کے ایک عمومی جائزہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر وہ تین موضوعات پر مشتمل ہیں۔

پہلی قسم کی تصنیفات وہ ہیں جو خالص علمی وتحقیقی ہیں اور عام طور پر حدیث یا تاریخ سے متعلق ہیں دوسری قسم ان تصنیفات کی ہے جو اصلاحی اور دعوتی ہیں، اور تیسری قسم ان تصنیفات کی ہے جو باطل عقائد ونظریات کے رد میں لکھی گئی ہیں۔

اصلاحی ودعوتی تصنیفات ورسائل

شیخ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہ خالص دینی وعلمی ماحول تھا، ان کا خانوادہ ہندوستان کے مسلم علمی، دینی خانوادوں میں سے ہے، ہر دور میں بڑے بڑے علماء ومشائخ اس خاندان میں پیدا ہوتے رہے، اخیر دور میں شیخ کے عم نامدار حضرت مولانا الیاس صاحب نے جو اصلاحی وتبلیغی جماعت کی داغ بیل ڈالی، آج پوری دنیا میں اس کے ثمرات ظاہر ہو رہے ہیں، شیخ بچپن ہی سے علمائے ربانیین کی گودوں میں پلے بڑھے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو شیخ سے بڑی محبت تھی، والد بزرگوار اپنے وقت کے بڑے بزرگ اور عالم تھے، ان باتوں کا شیخ کی زندگی پر گہرا اثر پڑا، اور یہ اثر شیخ کی ان تصنیفات میں بہت نمایاں ہے، جو اصلاح ودعوت کے موضوع پر تصنیف کی گئی ہیں۔

اس موضوع پر شیخ کی تصنیفات میں حکایات صحابہ اور کتب فضائل کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ ماضی قریب میں شاید کسی کتاب کو حاصل ہوئی ہو، اس کی بڑی وجہ ان کتابوں کا عام فہم اسلوب اور اس کے ساتھ ان کی اثر انگیزی ہے، مختلف زبانوں میں ان کے تراجم شائع ہوئے اور لاکھوں کی تعداد میں یہ کتابیں مختلف ملکوں میں شائع ہو رہی ہیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں ”ان سے جو دینی وعلمی نفع پہونچا اس کے بارے میں ایک ممتاز معاصر عالم کا یہ کہنا مبالغہ آمیز نہیں معلوم ہوتا کہ ان کے ذریعہ سے ہزاروں بندگان خدا ولایت کے درجہ تک پہونچ گئے۔(۱)

---

(۱) سوانح شیخ الحدیث (ص ۲۵)

حکایات صحابہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ان کتابوں میں حکایات صحابہ کو خاص مقام حاصل ہے، جو اپنی تاثیر وافادیت میں خاص امتیاز رکھتی ہے، یہ کتاب بے حد مقبول ہوئی، تبلیغی جماعت کے نصاب کا اہم جزء ہونے کے علاوہ وہ دینی ودعوتی حلقوں کی مقبول ترین نصابی ودعوتی کتاب ہے۔ زبان سلیس وشیریں، طرز بیان دلنشیں، واقعات مؤثر نہ صرف رقت انگیز بلکہ انقلاب انگیز ہیں''۔

کتب فضائل کی تصنیف زیادہ تر شیخ نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی کے ایماء پر کی ہے، جن میں فضائل نماز، فضائل رمضان، فضائل ذکر، فضائل حج اور فضائل صدقات شامل ہیں، دو کتابیں فضائل قرآن اور فضائل درود شریف شاہ محمد یاسین صاحب کی خواہش پر لکھی گئیں، ان کتب فضائل کے علاوہ شیخ نے ایک کتاب عربی زبان کی فضیلت پر تصنیف فرمائی، یہ شیخ کی اخیر عمر کی تصنیف ہے، اس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں عربی زبان کی اہمیت وفضیلت اجاگر کی گئی ہے، دوسری کتاب فضائل تجارت ہے جو دراصل حضرت مولانا الیاس صاحب کی فرمائش پر ہی تصنیف کی گئی، لیکن یہ کتاب بھی اخیر عمر کی تصنیفات میں سے ہے اور شیخ اپنے مشاغل کی وجہ سے مولانا کی زندگی میں یہ فرمائش پوری نہ کرسکے اور ایک طویل عرصہ گذرنے کے بعد یہ کام پورا ہوسکا۔

اس کتاب سے شیخ کی جامعیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ارشاد وسلوک کے راستہ کے راہبر ہونے کے باوجود اور خالص علمی ذوق رکھنے کے باوجود شیخ نے ان معاشرتی امور کی طرف بھی توجہ فرمائی جو بلاشبہ دین ہی کا جزء ہیں، لیکن عام طور پر ان کی طرف نگاہ نہیں جاپاتی۔

ان ہی دعوتی واصلاحی کتابوں میں ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' بھی ہے جس سے شیخ کی وسیع النظری اور پختہ فکر کا اندازہ ہوتا ہے، بعد میں یہ کتاب اسلامی سیاست کے نام سے بارہا طبع ہوتی رہی، اور مختلف زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے، یہ کتاب ایک تعلق رکھنے والے کے

خط کے جواب میں مرتب ہوئی، جوانہوں نے ۱۹۴۷ء میں کانگریس اور لیگ کے اختلافات کے نتیجہ میں اس وقت کے علماء ومشائخ پر جو سب وشتم کا سلسلہ چل پڑا تھا، اس سے متاثر ہو کر لکھا تھا۔

علمی وتحقیقی ذوق اور ارشاد وتربیت نفوس کے مستقل کام کے ساتھ شیخ کو اشاعت اسلام کی بھی خاص فکر تھی، اس سلسلہ میں شیخ نے ایک مفصل مضمون قلم بند فرمایا جس میں اسلام لانے کے طریقہ کو بیان فرمایا اور عام طور سے غیر مسلموں کے ذہنوں میں اسلام لانے کے بارے میں جو غلط تصورات ہیں، ان کا ازالہ اس طرح فرمایا ہے کہ اس کو پڑھ کر اسلام سے رغبت بھی ہو اور اسلام قبول کرنے کے لئے کسی دشوار گذار راستہ سے گذرنے کا جو خیال ذہنوں میں بیٹھا ہوا ہے وہ بھی نکل جائے، یہ رسالہ ''اسلام لانے کا طریقہ'' کے عنوان سے بارہا طبع ہوا، اور کئی زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع ہوئے۔

رمضان المبارک کا شیخ کے یہاں جو اہتمام تھا، اس سے وہ حضرات واقف ہیں جنہوں نے کچھ وقت شیخ کے ساتھ گذارا ہے، اس زمانے میں ملنا جلنا بھی موقوف ہو جاتا، ڈاک بھی تقریباً بند ہو جاتی، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی الحسنی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں۔ '' رمضان المبارک میں شیخ کا نظام الاوقات بہت بدل جاتا، سرگرمی، جفاکشی، بلند ہمتی، ذوق عبادت و تلاوت اور یکسوئی وانقطاع اپنے نقطہ عروج پر ہوتا۔

حضرت شیخ نے دوسروں کی ترغیب کے لئے اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا، اور جو لوگ ایسی مجالس میں شریک نہیں ہو سکے، اور ان کا وقت ان حضرات کے یہاں نہیں گذر سکا ان کے لئے مستقل ایک رسالہ تصنیف فرمایا، جس میں کبار مشائخ وعلماء کے اس سلسلہ کے حالات وواقعات قلمبند فرمائے، جن کو پڑھ کر دل پر ایک چوٹ لگتی ہے، اور کچھ کر گذرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، یہ رسالہ ''اکابر کا رمضان'' بار بار شائع ہوا، اور ہزاروں لوگوں کے لئے اس نے مہمیز کا کام کیا۔

ایک رسالہ داڑھی کے وجوب پر بھی تحریر فرمایا تاکہ مغربی تہذیب کے اثر سے اس کی اہمیت جس طرح دلوں سے نکلتی جارہی ہے، اور خاص طور سے علمائے عرب جس طرح اس سے متاثر ہیں، اس کا کچھ تدارک ہو سکے اور اس کے سنت ہونے پر حجت قائم ہو، عربی میں اس کا ترجمہ شائع ہوا، اور شیخ بن باز نے خاص طور سے اس پر مقدمہ لکھا، اور کچھ تعلیقات بھی فرمائیں، اور عام طور سے علمائے عرب میں بھی یہ رسالہ مقبول ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے شیخ کو اصلاح وتربیت کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، عملی طور پر بھی شیخ کو اس کا خاص اہتمام تھا، اس موضوع پر متعدد رسائل بھی تصنیف فرمائے، ان ہی رسائل میں ایک اہم رسالہ ''موت کی یاد'' بھی ہے، موت، آخرت اور جزاء وسزا کا استحضار اصلاح نفس اور احسان فی العمل کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے، خود آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ''اكثروا ذكر هاذم اللذات يعني الموت'' لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو، شیخ نے یہ رسالہ اسی لئے تصنیف فرمایا تاکہ لوگوں کو آخرت کا استحضار ہو، اور وہ اپنی اصلاح وتربیت کی طرف متوجہ ہوں، تزکیہ وارشاد شیخ کا خاص موضوع تھا، تصوف وسلوک کی منزلیں انہوں نے مشائخ وقت کے سامنے طے کی تھیں اور پھر وہ خود اس فن کے امام اور شیخ وقت ہوئے، اس موضوع پر بھی شیخ نے متعدد کتابیں لکھیں۔ ان میں دو کتابیں تو مشائخ کے حالات پر لکھی گئیں، ایک مشائخ سلسلہ کے حالات پر ہے، اور دوسری قریبی دور کے اور معاصر کبار مشائخ کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے، یہ دونوں کتابیں واقعات کی اثر انگیزی اور عبرت پذیری اور اسلوب وبیان کے عام فہم ہونے کے اعتبار سے بہت ممتاز ہیں، تاریخ مشائخ چشت جو مشائخ سلسلہ کے حالات پر لکھی گئی، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ شیخ کی سب سے پہلی تصنیف ہے، اور اسی سے شیخ کی باقاعدہ تصنیفی زندگی کا آغاز ہوا، اس موضوع پر شیخ نے ایک اہم کتاب ''شریعت وطریقت کا تلازم'' کے عنوان سے لکھی، جس میں تصوف وطریقت کی اہمیت وضرورت کو ثابت کیا گیا ہے،

اور بتایا گیا ہے طریقت شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کی تکمیل ہے، کتاب کا عربی اور انگریزی ترجمہ بھی چھپ کر مقبول ہو چکا ہے، ایک رسالہ نسبت واجازت کے نام سے بھی شیخ نے مرتب فرمایا تھا، جس میں اجازت بیعت حاصل کرنے والوں کے لئے ضروری روایات تحریر کی گئی ہیں۔

علمی و تحقیقی تصنیفات

علم و تحقیق کا خاص ذوق شیخ کو عطا ہوا تھا، یہ ذوق شیخ کی عربی تصنیفات میں بہت نمایاں ہے، اردو میں اس سلسلہ کی جو تصنیفات ہمارے سامنے ہیں وہ زیادہ تر تاریخ وسیرت سے متعلق ہیں، ان سے شیخ کی دقت نظر اور مؤرخانہ دیدہ وری نظر آتی ہے، مظاہر کی تاریخ شیخ نے قلمبند فرمانی شروع کی تھی، اس میں مدرسہ کے بارے میں ایسی ایسی باریکیاں مل جاتی ہیں جو عام طور پر مدارس کی تاریخ میں نہیں ملتیں، یہ کتاب شیخ کے نواسہ مولانا محمد شاہد صاحب نے مکمل فرما کر شائع کی، کبار علماء دیوبند سے متعلق بھی شیخ کی ایک تصنیف ہے، جو ''اکابر علمائے دیوبند'' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

مذہب حنفی کی روشنی میں شیخ نے اصول حدیث پر بھی ایک مضمون شروع فرمایا تھا، جو صرف تین روز میں مکمل ہو گیا، اس پر حواشی کا سلسلہ سالوں چلتا رہا، اس کا ذکر شیخ نے آپ بیتی میں فرمایا ہے۔

مظاہر علوم کی تعلیم کے دوران اقلیدس پڑھنے کی جب نوبت آئی تو اس موضوع پر بھی شیخ نے ایک مختصر مضمون لکھا، جس میں فن کی اصطلاحات، اس کی تاریخ اور اس کی مختلف شکلیں لکھی گئی ہیں۔

اختلاف الائمہ کے موضوع پر بھی شیخ نے ایک وقیع رسالہ تحریر فرمایا تھا جس میں ان حضرات ائمہ کے اختلافات کی وجوہ بیان کی گئی ہیں، اور ان اشکالات کو دور کرنے کی کوشش کی گئی

ہے، جو ان اختلافات سے عام ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں، حضرت تھانوی نے اس کو ملاحظہ فرما کر پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

اردو میں شیخ کی علمی و تحقیقی تصنیفات میں خصائل نبوی بہت ممتاز ہے، اس کی تصنیف کا قصہ یہ ہے کہ شیخ جس زمانے میں بذل کی طباعت کے لئے دہلی میں مقیم تھے، اس زمانہ میں بعض اہل تعلق نے شمائل کے ترجمہ کے لئے اصرار کیا، شیخ نے بہت تردد کے بعد ترجمہ شروع فرمایا، اس کے ساتھ اس کی مختصر لطیف شرح بھی لکھتے گئے، یہ کتاب ۱۳۴۶ھ میں لکھی گئی اور شائع ہوئی، پھر ۱۳۶۰ھ میں شیخ نے اہم اضافے فرمائے، اضافوں کے ساتھ یہ ایڈیشن ۱۳۶۱ھ میں شائع ہوا

یہ ترجمہ نہایت سلیس اور عام فہم ہے، اور اس کے افادات وحواشی بیش قیمت اور اہم ہیں۔ اور کتاب عوام وخواص دونوں کے لئے یکساں مفید ہے، کتاب کے پہلے ایڈیشن پر مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہر العلوم اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری کی تقریظات ہیں، ان حضرات نے کتاب کے بارے میں بڑے بلند کلمات لکھے ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ایک مکتوب میں شیخ کو تحریر فرماتے ہیں:

اس مرتبہ دارالعلوم میں اپنے نفع کے لئے دو گھنٹہ لئے ہیں، ایک تفسیر کا دوسرے شمائل ترمذی کا، ہمارے یہاں (دارالعلوم ندوۃ العلماء) درجہ ششم میں بجائے کسی ادبی کتاب کے شمائل پڑھائی جاتی ہے، اس سلسلہ میں خصائل نبوی کا مطالعہ بھی ہوجاتا ہے، اور آپ کے فیوض سے استفادہ بھی، اللہ تعالیٰ نفع پہونچائے، مکتوب ۲۶/ذی القعدہ ۱۳۷۳ھ۔

باطل عقائد ونظریات کا رد

شیخ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی حساس طبیعت عطا فرمائی تھی، ہر وہ فکر ونظریہ جو صحیح ومتوازن

دینی فکر کے خلاف ہو شیخ اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، اس موضوع پر بھی شیخ کے متعدد رسائل موجود ہیں۔

ایک زمانہ میں عنایت اللہ مشرقی کی خاکسار تحریک بہت زور پر تھی، اور نوجوانوں کی بڑی تعداد اس کی گرویدہ ہوتی جارہی تھی، شیخ کی حساس طبیعت پر اس سے بڑی چوٹ پہونچی، اور اس کے رد میں مستقل ایک رسالہ ''مشرقی کا اسلام'' تحریر فرمایا، اسی طرح قادیانیت کے موضوع پر بھی ایک رسالہ ''مطالعہ قادیانیت'' کے نام سے شیخ نے قلم بند فرمایا تھا، یہ بھی شیخ کی حمیت دینی اور بالغ نظری کی مثال ہے کہ جب انگریزی دور میں پہلی مرتبہ گورنمنٹ کی طرف سے جبریہ تعلیم کا قانون بنا تو شیخ نے اس سے بڑا خطرہ محسوس کیا، اور اس کے خلاف ایک رسالہ ''قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم'' تحریر فرمایا، اور اخیر میں اپنے نام کے ساتھ مجروح القلب لکھ کر دستخط کئے، حضرت مولانا کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''روز افزوں احوال سے یہ فکر سوار رہتا ہے کہ کوئی شخص اگر مسلمان رہنا بھی چاہے تو شاید نہ رہ سکے اور اس کا کوئی حل نہیں ملتا، آج کل مجھ پر جو چیز مسلط ہے، وہ مکاتب کا مسئلہ ہے ہر جگہ جبریہ تعلیم کے سلسلہ میں مکاتب کے بچوں پر زور ہے۔

شیخ کی طبیعت میں دین کی حمیت اور اپنے اسلاف اور علمائے حق کے مسلک سے وابستگی اور اس کے بارے میں غیرت و ذکاوت حس شروع سے تھی، اس کے نتیجہ میں انہوں نے مولانا مودودی کی تحریروں پر کھل کر احتساب و تنقید کی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا نے اس بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ یہاں نقل کر دیا جائے۔

جب ان کے علم اور ذاتی تجربہ میں یہ بات آئی کہ ان کے اسلاف و مشائخ نے اپنی پیہم کوششوں سے اس تحتی براعظم میں خدا طلبی کا جو عام ذوق، محبت الٰہی و عشق رسول کی چنگاری، اصلاح و تربیت نفس کا جو جذبہ پیدا کر دیا تھا (جس کا عمومی و طاقتور ذریعہ تصوف تھا) نیز اپنے

درس وتلقین عمل اور تصنیفات سے کسی ایک مسلک فقہی سے وابستگی کی ضرورت کا جو احساس پیدا کر دیا تھا اور ہر شخص کے جو مجتہد بن جانے کے خطرے کا بہت حد تک سد باب ہو گیا تھا، اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ بالخصوص اور سلف کے ساتھ بالعموم حسن ظن اور اعتماد واحترام قائم کر دیا تھا، ان تمام کوششوں پر ان تحریروں سے اثر پڑ رہا ہے، اور دین کی اصل بنیاد وحقیقت تعلق باللہ، عبودیت، فکر آخرت اور ایمان واحتساب پر دین کا سیاسی وتنظیمی تصور غالب آ رہا ہے تو وہ بے چین ہو گئے اور ان کے قلم سے اپنے ایک قدیم رفیق اور دوست کے نام وہ طویل مکتوب نکلا جو ان کی غیر موجودگی میں مستقل رسالہ کی شکل میں ''فتنۂ مودودیت'' کے نام سے شائع ہوا، پھر دوبارہ ان کی تجویز سے ''جماعت اسلامی ایک لمحۂ فکریہ'' کے نام سے اس کی اشاعت ہوئی۔ (۱)

یہ شیخ کی اردو تصنیفات کا ایک مختصر جائزہ ہے، یہاں یہ اظہار بھی ضروری ہے کہ اس مضمون میں خاص طور پر دو کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے، ایک حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تصنیف ''سوانح شیخ الحدیث'' سے دوسرے شیخ کے نواسے مولانا شاہد صاحب سہارنپوری کی تصنیف فہرست تالیفات شیخ سے کہ وہ شیخ کی تصنیفات کا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے، مولانا محمد شاہد صاحب قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے شیخ کے علمی وتصنیفی کاموں کو مرتب کیا، اور اکثر رسائل کی اشاعت کا ذریعہ بنے، اخیر میں میں اس سمینار کے داعی ومحرک جناب مولانا تقی الدین صاحب کو مبارک باد دیتا ہوں اور شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے بھی اس بابرکت محفل میں شرکت کا موقع عنایت فرمایا، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کے بہتر نتائج پیدا فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين ۔

---

(۱) سوانح شیخ الحدیث (ص ۲۱۳، ۲۱۴)

حضرت شیخ الحدیثؒ
کی
چند اردو تصانیف

مولانا جمشید احمد ندوی
(شعبۂ عربی، مسلم یونیورسیٹی علی گڑھ)

سرزمین کاندھلہ سے متعدد شخصیات نے جنم لیا جن کے علم وفضل سے ایک زمانہ مستفید ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا، اس خاک سے بلند ہونے والے ذرات کی آسمان علم پر ایک کہکشاں بکھری ہوئی ہے۔ اس کے چند روشن ترین ستاروں میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی شخصیت بھی ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ ایک باعمل عالم ہونے کے ساتھ ساتھ کثیر التصانیف مصنف بھی تھے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے بقول ان کے قلم سے تقریباً سو کتابیں ورسالے منصۂ شہود پر آئے۔ ان کی تصانیف کی کثرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے عزیز نواسے جناب مولانا محمد شاہد صاحب نے ان کی عربی واردو تصانیف کا تعارف تین جلدوں میں کرایا ہے۔

میرا مقالہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی اردو تصانیف پر مشتمل ہے۔ لیکن مجھے موضوع مقالہ میں ''چند'' کی شرط صرف اس لئے لگانی پڑی کہ مجھے دیگر کتب دستیاب نہ ہوسکی۔ اسی طرح اس بات کی وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ میرے اس مطالعہ میں ''فضائل اعمال'' شامل نہیں ہے کیونکہ اس کا تعارف و تجزیہ ایک مستقل مقالہ کا متقاضی ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اس کا تعلق فن حدیث سے ہے اور اس کا صحیح مقام و مرتبہ وہاں ہوگا جہاں حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت حدیث کا تعارف کرایا جائے گا اسی طرح آپ بیتی بھی اس مطالعہ میں شامل نہیں ہے کہ مجھے اس کا مکمل سیٹ دستیاب نہ ہوسکا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی جن کتب کے مطالعہ کی سعادت راقم السطور کو حاصل ہوئی ہے ان کے مطالعے سے حسب ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

(۱) حضرت شیخ الحدیثؒ کی اکثر کتابوں کے لوح پر کوئی آیت کریمہ/حدیث نبوی ثبت ہوتی ہے جو موضوع کتاب سے بہت زیادہ مناسبت رکھتی ہے اور نفس موضوع کو کسی حد تک واضح کردیتی ہے جیسے تاریخ مظاہر پر ''آیت قرآنی'' کلا إن هذه تذكرة''، اکابر علماء دیوبند پر ''لقد كان فى قصصهم عبرة لأولي الألباب'' اور اکابر کا سلوک واحسان پر حدیث نبوی'' أن تعبدا لله كأنك تراه '' ثبت ہے۔ فتنۂ مودودیت مجھے واحد کتاب ملی جس کے لوح پر کوئی آیت یا حدیث ثبت نہیں ہے۔

(۲) حضرت شیخ الحدیثؒ کی کئی تصانیف ایسی ہیں جو تصنیف کے کئی سالوں کے بعد منظر عام پر آئیں جیسے تاریخ مظاہر کا سن تالیف ۱۳۳۵ ہے اور سن طباعت ۱۳۹۲ھ، ہے

رسالہ فتنہ مودودیت کا سال تصنیف ۱۳۷۰ھ ہے جو تقریباً چوبیس پچیس سال کے بعد شائع ہوا تاریخ مشائخ چشت بھی ایسی کتب میں شامل ہے جو اپنی ترتیب کے ۵۸ سال بعد شائع ہوئی تھی ایسی تالیفات بالعموم ان کے عزیز اور نواسے مولانا محمد شاہد صاحب کی ترتیب و تکمیل و حواشی کے

بعد منظر عام پر آئیں۔

(۳) حضرت شیخ الحدیث اپنی کتب میں حوالہ جات کا اہتمام کرتے ہیں کہ کتاب کے ساتھ ساتھ صفحات کی بھی وضاحت کرتے ہیں لیکن ایڈیشن کی تعیین نہیں کرتے۔

(۴) حضرت شیخ الحدیثؒ کی بعض تصانیف مستقل بالذات نہیں ہیں بلکہ ان کے فرمودات و ارشادات پر مشتمل ہیں جنہیں ان کے بعض متوسلین نے مرتب کیا ہے صحبت با اولیاء کی ترتیب کا فریضہ جناب مولانا تقی الدین ندوی صاحب نے انجام دیا ہے اور اکابر کا سلوک واحسان کے مرتب مولانا اقبال ہوشیار پوری ہیں۔

(۵) حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنی کتب میں سادہ و آسان زبان استعمال کی ہے۔ بسا اوقات ان کے قلم سے بہت عمدہ اور خوبصورت عبارت بھی نکل گئی ہے، مثلاً ''تاریخ مشائخ چشت'' میں لکھتے ہیں: اصل مضمون سے قبل ناظرین کی خدمت میں ایک ضروری درخواست یہ ہے کہ اول تو تاریخی روایات کلیۃً علمی روایات کے برابر موثق ومعتبر نہیں ہوتیں، دوسرے احوال مشائخ محبین واعداء دو مفرطوں کے مخمصہ میں پھنس جاتے ہیں۔ اس لئے حقیقت واقعات بسا اوقات مستور ہو جاتی ہے۔ اس بناء پر اگر کسی جگہ کوئی روایت جادہ شریعت سے علیحدہ (الگ) ملے تو نہ شوق اتباع میں اس پر عمل جائز اور نہ اس کی وجہ سے صاحب واقعہ کے ساتھ بدگمانی جائز۔

تاریخ مشائخ چشت : مرتب۔ مولانا محمد شاہد سہارنپوری صاحب، کتب خانہ اشاعت العلوم ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء۔

یہ کتاب حضرت شیخ الحدیثؒ کی اولین تصنیف ہے جسے انہوں نے ۱۳۳۵ھ میں مرتب کیا تھا لیکن مکمل نہ کر سکے تھے۔ تقریباً ۵۸ سال بعد مولانا محمد شاہد صاحب نے ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء میں اس کی ترتیب نو و تکمیل کے بعد شائع کیا جناب مرتب نے اپنے طرز ترتیب کی وضاحت

کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس ترتیب میں دو عنوانوں کا خاص اہتمام رہا ہے ایک ان کے متفرق واقعات لکھنا، دوسرے ان کے ملفوظات وارشادات مختلف کتب سے جمع کرنا۔

اس کتاب کی وجہ تالیف یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے مظاہر العلوم کے احسان عظیم کا بار کچھ ہلکا کرنے کے لئے اور مدرسہ کے لئے دال علی الخیر کا مصداق بننے کی خاطر اس کتاب کو مرتب کرنے کا ارادہ کیا لیکن چونکہ کوئی تصنیفی تجربہ نہیں تھا اس لئے تبرکاً اپنے تالیفی سلسلہ کی ابتداء مشائخ چشتیہ سے کی۔

یہ رسالہ ابھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ وقتی ضرورتوں کی وجہ سے درمیان میں اس کو روک کر تاریخ مذاہب اور اس کے مشائخ کی تاریخ لکھنی شروع کردی لیکن بذل المجہود و اُوجز المسالک کی مشغولیت نے اس سلسلہ کو بھی مکمل نہیں ہونے دیا۔ ایک طویل عرصہ کے بعد متعلقین کے اصرار پر مسودہ کی طباعت کی منظوری دے دی جس کی تکمیل کے لئے تاریخی کتب کی طرف مراجعت کرنی ضروری تھی حالانکہ اس کتاب میں متعدد مقامات پر بیاضیں موجود تھیں لیکن چونکہ ان بیاضوں سے نفس موضوع پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا تھا اسے طباعت کے مراحل سے گذار دیا گیا۔ اس کے ٹائٹل کے لوح پر ذلك ذكرى للذاكرين ثبت ہے۔

اس کتاب میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے پیش نظر کیا اصول وضوابط تھے اس کا اندازہ اس تحریر سے ہوتا ہے ''اصل مضمون سے قبل ناظرین کتاب کی خدمت میں ایک ضروری درخواست یہ ہے کہ اول تو تاریخی روایات کلیۃ علمی روایات کے برابر موثق ومعتبر نہیں ہوتیں دوسرے احوال مشائخ محبین واعداء دو مفرطوں کے مخمصہ میں پھنس جاتے ہیں اس لئے حقیقت واقعات بسا اوقات مستور ہو جاتی ہے۔ اس بناء اگر کسی جگہ کوئی روایت جادہ شریعت سے علیحدہ (الگ) ملے تو نہ شوق اتباع میں اس پر عمل جائز اور نہ اس کی وجہ سے صاحب واقعہ کے ساتھ بدگمانی جائز''

حضرت شیخ الحدیثؒ کے مذکورہ پیش لفظ پر ۲۴؍ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ کی تاریخ درج ہے۔ اس کے

بعد چند مزید سطور مذکور ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ پیش لفظ تقریباً ۴۳ سال قبل ۱۳۴۹ھ میں اس کتاب کے طبع ہونے کی امید پر لکھا مگر اس وقت طبع نہ ہو سکی اور ایک طویل عرصہ کے بعد ان کے عزیز نواسے جناب مولانا محمد شاہد صاحب کے اصرار پر انہیں طبع کرانے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ مؤخر الذکر تحریر پر ۵/شعبان ۱۳۹۳ھ کی تاریخ درج ہے۔ کتاب کے آخر میں حرف آخر کے تحت اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس رسالے کی تسوید ۱۳۳۵ھ میں ہو چکی تھی لیکن حدیث کی وجہ سے نامکمل رہ گیا۔ نظر ثانی کے بعد اس کی تبییض ۱۶/ربیع الاول ۱۳۹۳ھ کو پوری ہوئی، بہت سے مقامات پر حذف و اختصار سے کام لیا گیا ہے اور بہت سے مقامات پر اضافے کئے گئے ہیں۔

اس کتاب کے مجموعی تراجم ۴۴ ہیں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کا ذکر خیر ہے۔ یہ ذکر خیر تقریباً ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔

آپ ﷺ کے علاوہ خلفاء راشدین، حضرت حسن بصریؒ، خواجہ عبد الواحدؒ، خواجہ فضیل بن عیاضؒ، سلطان ابراہیم بن ادہمؒ، خواجہ حذیفہ المراسیؒ، خواجہ ابو ہبیرہ بصریؒ، خواجہ علوممشاد دینوریؒ، خواجہ ابواسحٰق (م ۳۲۹ھ)، خواجہ ابواحمد ابدال چشتی (م ۳۵۵ھ)، خواجہ محمد یار بومحمد (م ۴۱۱ھ)، خواجہ سید ابو یوسف (م ۴۵۹ھ)، خواجہ مودود چشتی (م ۵۲۷ھ)، خواجہ شریف نزانی (م ۶۱۲ھ)، خواجہ عثمان ہارونی (م ۶۱۷ھ)، خواجہ معین الدین چشتی (م ۶۳۲ - ۶۳۷ھ کے درمیان) شیخ قطب الدین بختیار کاکی (م ۶۳۴ھ) فرید الدین شکر گنج (م ۶۶۴ یا ۶۶۸ھ)، خواجہ علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ (م ۶۹۰ھ) شیخ شمس الدین ترک پانی پتی (م ۷۱۵ھ) شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء (م ۷۶۵ھ) شیخ احمد عبد الحق ردولوی (م ۸۳۶ھ) شیخ عارف (م ۸۱۵ھ) شیخ محمد بن شیخ عارف (م ۸۹۸ھ) شیخ المشائخ عبد القدوس گنگوہی (م ۹۴۴ھ) شیخ جلال الدین تھانیسری (م ۹۸۰ یا ۹۸۹ھ) شیخ نظام الدین تھانیسری (تاریخ وفات میں

اختلاف ۱۰۲۴/۱۰۳۵/۱۰۳۶ھ) شاہ ابوسعید نعمانی گنگوہی (م ۱۰۴۰ھ) شیخ خواجہ محبّ اللہ الٰہ آبادی (م ۱۰۵۴ یا ۱۰۵۸ھ) شیخ سید محمدی اکبر آبادی (تاریخ وفات مذکور نہیں) شاہ محمد مکی جعفری (تاریخ وفات مذکور نہیں) شاہ عضد الدین (م ۱۱۷۰ یا ۱۱۷۲ھ) شیخ عبدالہادی (م ۱۱۹۰ھ) شاہ عبدالباری صدیقی (م ۱۲۲۶ھ) حضرت شیخ عبدالرحیم (م ۱۲۴۶ھ) حضرت اقدس میاں جی نور محمد (م ۱۲۹۶ھ) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ) مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) مولانا خلیل احمد (م ۱۳۴۶ھ) کے حالات زندگی اوران کے علمی وروحانی کمالات کا ذکر کیا گیا ہے۔

آخری ترجمہ صاحب تصنیف کا ہے جو ان کے نواسے مولانا محمد شاہد صاحب کے زورقلم کا نتیجہ ہے۔

اس کتاب کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

☆ ہر ترجمہ کے آخر میں حوالے درج کئے گئے ہیں۔

☆ ہر ترجمہ میں تاریخ پیدائش ووفات اور دیگر ضروری کوائف بیان کئے گئے ہیں۔ تقریباً ہر ترجمہ کے ضمن میں صاحب ترجمہ کے متفرق واقعات نقل کئے گئے ہیں۔

☆ صاحب ترجمہ کے ملفوظات نقل کئے گئے ہیں۔

☆ صاحب تصانیف حضرات کی تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے۔

(تاریخ مظاہر (جلد اول) کتب خانہ اشاعت العلوم، سہارنپور، ۱۳۹۲ھ، بار اول)

حضرت شیخ الحدیث نے اس تاریخ کی تالیف اس لئے کی تھی کہ اس کے ذریعے مدرسہ کے عظیم احسان کا کسی حد تک قرض چکایا جا سکے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی اس تالیف کو اولین تصنیف ہونے کا فخر اس لحاظ سے حاصل ہے کہ انہوں نے اس کے ذریعہ اپنی تصنیفی وتالیفی زندگی کا آغاز کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن خیر وبرکت حاصل کرنے کے لئے اس سے پہلے مشائخ چشتیہ

کے حالات قلم بند کئے۔ اتفاق سے یہ دونوں ابتدائی تالیفات مکمل نہ ہوسکیں ہمارے سامنے ان کے جو مطبوعہ ایڈیشن ہیں وہ ان کے عزیز القدر نواسے مولانا محمد شاہد صاحب کی ترتیب و تکمیل کے بعد منظر عام پر آئے ہیں۔ سن تالیف یعنی ۱۳۳۵ اور سن طباعت یعنی ۱۳۹۲ میں تقریباً ۵۷؍ سال کا گیپ ہے۔

کتاب کے ٹائٹل پر سب سے پہلے ''کلا إن هذه تذكرة'' درج ہے۔اس کے بعد کتاب کے نام کے بعد اس کا مختصر تعارف یوں مذکور ہے'' یعنی عالم اسلام کی عظیم دینی اور مثالی درسگاہ جامعہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کے ۵۰؍ سالہ حالات ، اس کی دینی ، علمی اور عرفانی خدمات کا جائزہ اور اس کے ارتقائی منازل اور تدریجی نشو ونما کا دل آویز تذکرہ''۔

حضرت شیخ الحدیث نے اپنے مختصر سے پیش لفظ میں وجہ تالیف کا ذکر کرتے ہوئے دور حاضر میں فن تاریخ کی صورت حال کا جائزہ لیا ہے کہ'' دور حاضر نے فن تاریخ کا معیار اس قدر تنگ کر دیا ہے کہ تاریخ کا مصداق صرف ناول یا ناولوں کا ہم رنگ مضمون قرار دے دیا گیا مؤرخ کا کمال یہ شمار کیا جاتا ہے کہ وہ واقعہ کو اس رنگ آمیزی کے ساتھ لکھے کہ خواہ جھوٹ اور مستبعد ہی کیوں نہ ہو مگر ناظرین پر اپنا اثر جمائے بغیر نہ رہ سکے حالانکہ ایک مؤرخ کی شان ان حالات سے یکسو ہونی چاہئے اور اس کے لئے نفس واقعات کو جمع کرنا اور صرف قیودات زمانی کے ساتھ مقید کرنا اصل مقصد ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ علم تاریخ اور علم مدائح دو مستقل فن ہیں۔ان کو ایک دوسرے سے ممتاز رکھنا ضروری ہے۔

حضرت شیخ الحدیث نے اس کتاب میں مدرسہ کی ابتداء سے لے کر ۵۰؍ سال تک کی روداد بیان کر دی ہے۔ واقعات نقل کرنے میں صرف حقائق ہی کو بیان کرنا پیش نظر رکھا گیا ہے اس لئے موضوع کی خشکی بالعموم پائی جاتی ہے لیکن جہاں انہوں نے کسی واقعہ پر تبصرہ کیا وہاں زبان و بیان میں روانی آجاتی ہے اس کتاب کی اہمیت اس لئے بڑھ جاتی ہے کہ یہ ہمارے

سامنے ایک چشم بیں شخصیت مدرسہ کے شب و روز کا خاکہ بیان کر رہی ہے۔ اس خام مواد سے بہترین پیرایہ و اسلوب میں عمدہ تاریخ لکھی جا سکتی ہے۔ گویا اس کتاب کی حیثیت خشت اول کی ہے کہ اس کی بنیاد پر ہی تعمیر مکمل کی جاتی ہے۔

مولانائے محترم نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں مدرسہ کی اجمالی ترقی اور مختصر حالات بیان کئے ہیں یہ حصہ تین حصوں پر مشتمل ہے:

خصوصی حالات:

ہر سال پیش آنے والے مختلف انواع کے تغیرات اس حصہ میں بیان کئے گئے ہیں۔

طلباء: ہر سال کے طلبہ کی تعداد، فارغ ہونے والے طلبہ کے اسمائے گرامی اور ان کی تعداد اس حصہ میں بیان کی گئی۔ ملازمین و اراکین، اس حصہ میں منتظمین، مدرسین، و ملازمین کا مجملاً ذکر کیا گیا ہے۔

اسی حصہ میں مالی حساب کا سن وار اجمالی جائزہ لینے کا ارادہ کیا تھا لیکن عام دلچسپی سے بے تعلق ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا۔

کتاب کے دوسرے حصہ میں ان مشائخ و اکابر کا اجمالاً تذکرہ کرنا تھا جن کا ذکر پہلے حصہ میں آیا تھا لیکن اپنی حدیثی مصروفیات کی وجہ سے اس حصہ کی تکمیل نہ کر سکے جس کی وضاحت انہوں نے کتاب کے آخر میں خاتمۃ الکلام کے تحت کیا ہے۔

شیخ الحدیث علیہ الرحمہ نے اس کتاب کی ترتیب یہ رکھی ہے کہ انہوں نے مدرسہ کے یوم تاسیس کو ''سال بنائی'' سے تعبیر کیا ہے اور ہر سال بنائی کی وضاحت بمطابق سن ہجری کرتے ہیں اور اس سال پیش آنے والے واقعات، اساتذہ و طلبہ اور دیگر ملازمین اور ان کی تنخواہوں کے ساتھ ساتھ مشہور اساتذہ سے متعلق اسباق کا بھی ذکر کرتے ہیں مثلاً ہر سال کے سالانہ جلسہ و تغیرات کی تفصیل بیان کرتے ہیں از ۱ـــہ بنائی مطابق رجب ۱۲۸۳ھ تا جمادی الأخری

۸۴؎ اس عنوان کے تحت سال اول کے طلبہ اور ملازمین واراکین کا ذکر کیا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے جناب مولانا خلیل احمد اس مدرسہ کے اولین طلبہ میں سے تھے جنہیں امتیازی کامیابی حاصل کرنے پر اصول الشاشی بطور انعام ملی تھی۔

کتاب کے شروع میں ''مدرسہ عربی سہارنپور'' کے نام سے شائع ہونے والی اولین روداد کو اس کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر مکمل طور پر نقل کیا ہے۔

بسا اوقات تاریخی تضاد کا ذکر کرتے ہیں مثلاً تنبیہ کے عنوان کے تحت حضرت گنگوہی کی تشریف آوری کے سلسلہ میں روداد مدرسہ اور تذکرۃ الرشید میں پائے جانے والے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے اس کی توجیہ و تطبیق کی ہے، ساتھ ساتھ وفات پانے والے مشاہیر کا ذکر کرتے ہیں۔ درمیان کتاب دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم کی ہم آہنگی کے عنوان سے ان دونوں عظیم الشان اداروں کی یکسانیت کا ذکر کیا ہے۔ ذیلی معلومات کے تحت ۴۶ھ بنائی مطابق ۱۳۲۸ھ کے واقعات میں دارالعلوم دیوبند نے ۶۔۸/ربیع الثانی /۱۶۔۱۸/اپریل ۱۹۱۰ءکو ہونے والی تاریخی دستار بندی کی تفصیلات بیان کی ہیں اور ۴۸ھ بنائی مطابق ۱۳۳۰ھ کے تحت انجمن ہدایت الرشید اور مدرسہ کے صاحب تصانیف علماء کی تصانیف کا مختصراً تعارف کرایا ہے۔

کتاب کے آخر میں مرتب کتاب محمد شاہد صاحب نے حضرت شیخ الحدیث کے روزناموں اور یادداشتوں سے مختلف قسم کے جدول نقل کئے ہیں جو تاریخی لحاظ سے بہت زیادہ قابل ذکر ہیں۔

اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر چیز مستند حوالوں کی مدد سے درج کی گئی ہے۔

''اکابر کا سلوک واحسان'' افادات شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ مرتب محمد اقبال ہوشیارپوری کتب خانہ اشاعت العلوم، سہارنپور۔

۱۲۳ صفحات پر مشتمل چھوٹی تقطیع کا یہ رسالہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی کوئی مستقل بالذات تصنیف نہیں ہے بلکہ ان کی خودنوشت آپ بیتی سے ماخوذ ہے جس میں تصوف کی حقیقت، سلوک کے موانع اور آداب مریدین کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس رسالہ پر مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ نے مقدمہ لکھا ہے جس میں کتاب کے موضوع کی اہمیت وافادیت کو واضح کیا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں'' پیش نظر رسالہ اس سلسلۃ الذہب کی ایک بیش قیمت کڑی ہے جس میں اپنے وقت کے ایک مصلح ومربی اور شیخ زمانہ نے انہی حقائق کا اظہار اور انہی مقاصد کی پردہ کشائی فرمائی ہے اور غلط فہمیوں کو دور کیا ہے جو اس راہ کے مبتدیوں اور خام کار صوفیوں کو پیش آتی ہیں اور کبھی مستقل ارشادات و ذاتی تجربات کے ضمن میں کبھی اپنے مشائخ اور بزرگوں کی حکایات کے ضمن میں تصوف کا لب لباب بیان فرمایا ہے اور ان یکساں کیا جائے اور ان مغالطّوں خودفریبیوں کا پردہ چاک کیا ہے جن میں اچھے اچھے لوگ گرفتار نظر آتے ہیں۔ نیز شیخ سے استفادہ کے ان آداب وشرائط کا ذکر کیا ہے جن کے بغیر طویل صحبت وزیادہ سے زیادہ اظہار عقیدت کے باوجود بھی حقیقی نفع نہیں پہنچتا۔

مرتب نے اپنی مختصر سی تمہید میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ'' دوستوں کی رائے ہوئی کہ اس میں (آپ بیتی) سلوک واحسان کے متعلق بہت ضروری اور مفید مضامین آگئے ہیں ان کو ایک جگہ جمع کردیا جائے تو استفادہ کرنے میں بہت سہولت ہو۔ بندہ کو بھی یہ رائے بہت پسند آئی اس لئے آج ۶رمحرم الحرام ۱۳۹۶ھ مطابق ۷رجنوری ۱۹۷۶ء مسجد نبوی علی صاحبہ الف الف صلوۃ وسلام میں اس مبارک مجموعہ کی نقل شروع کرتا ہوں...... پہلی فصل میں تصوف کی حقیقت اور ماخذ، دوسری فصل میں سلوک کے موانع اور آداب مریدین اور آخر میں آپ بیتی پر اضافہ کا مضمون۔

یہ کتاب دو فصول پر مشتمل ہے پہلی فصل میں تصوف کی حقیقت اور اس کا ماخذ بیان کیا

ہے اور دوسری فصل سلوک کے موانع اور آداب مریدین پر مشتمل ہے۔ اسی فصل میں ناقل نے مضامین آپ بیتی پر اضافہ کیا ہے اور آداب مریدین از ارشاد الملوک و آداب المریدین از عوارف المعارف نقل کیا ہے اور آخر میں اپنا ایک مشورہ نقل کیا ہے جسے اپنی اضافہ والی تحریر کا مقصد اور خلاصہ تحریر بتایا ہے۔

[اس رسالہ کے سرورق کے لوح پر حدیث نبوی '' أن تعبد الله كأنك تراه''

درج ہے]

اکابر علماء دیوبند اتباع سنت کی روشنی میں، ملک سنٹر سیلرز اینڈ پبلشرز، فیصل آباد،
۱۳۹۸ھ چھوٹی تقطیع کا یہ رسالہ ۱۱۶ صفحات پر مشتمل ہے جس میں اکابر علماء دیوبند کا'' اتباع شریعت، شغف نماز، اہتمام رمضان وانفاق فی سبیل اللہ وشوق حرمین شریفین، احیاء سنت اور سب سے بڑھ کر زہد وتقوی اور علم وعمل کی جامعیت کے مختصر واقعات'' بیان کئے گئے ہیں۔

سرورق کے لوح پر '' لقد كان فى قصصهم عبرة لأولى الألباب''

ثبت ہے۔

کتاب کے شروع میں جناب شیخ الحدیث علیہ الرحمہ نے تفصیل سے وجہ تالیف بیان کی ہے کہ ان کے نواسے جناب مولانا شاہد صاحب نے ان سے اس اعتراض کا جواب لکھنے پر اصرار کیا تھا کہ '' ان علماء دیوبند کے درمیان اپنے اکابر کے ساتھ جو عقیدت ہے وہ کہیں دوسری جگہ نہیں پائی جاتی۔ ان علماء کے اکابر کے بظاہر خلاف شرع اگر کوئی کچھ لکھے تو یہ تکفیر تک پہونچا دیتے ہیں اور جب معلوم ہو کہ یہ الفاظ تو انہی کے اکابر کے ہیں تو اس کی تاویلیں کرتے پھرتے ہیں'' ان کے اس سوال کا انہوں نے تفصیل سے جواب دیتے ہوئے احادیث ابن قیم کی مفتاح دار السعادۃ و مدارج السالکین ابن تیمیہ کے فتاوی کی مختلف جلدوں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ '' جن کا تدین وتقوی اور اتباع شریعت محقق ہو تو ان کے اقوال کی تاویل کرنی پڑتی ہے (ص ۱۷، ۱۸)''

بہت طویل مضمون امام ابن تیمیہ نے مختلف جگہوں پر لکھا ہے کہ اکابر کے کلام کی تاویل کرنی چاہئے اور خود بھی انہوں نے بہت سے مشائخ کی تاویل کی ہے......(ص ۱۷۔۱۸) اور دوسری جگہ لکھتے ہیں ہم لوگ اپنے اکابر کے اقوال کی جو تاویل کرتے ہیں وہ اسی بناء پر کہ ان کا اتباع سنت اور تقوی وتدین اور شریعت کی پابندی مشہور ومعروف ہے یہاں تک کہ اغیار بھی اس کو مانتے ہیں'' ۔ (۲۳)

وجہ تالیف کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد ''اتباع سنت'' کے ذیلی عنوان کے تحت حدیث کی روشنی میں سنت نبوی کی اتباع و پیروی کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔اس ضمن میں انہوں نے در منثور، مشکوۃ، موطأ امام مالک، فتاوی ابن تیمیہ کے حوالے نقل کئے ہیں اور امام زہری، ابو سلیمان دارانی، ابوعثمان نیسا پوری، جنید بغدادی وغیرہ کے اقوال بیان کئے ہیں۔

اس تمہید کے بعد اکابر علماء دیوبند کی اتباع سنت کے واقعات معتبر ومستند حوالوں کے ذریعہ بیان کئے ہیں اور اس سے ثابت کیا ہے کہ اتباع سنت کا کس قدر اہتمام اس گروہ میں تھا مثال کے طور پر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا سید اسماعیل شہیدؒ، سید احمد شہید، مولانا عبدالحی بڑھانوی، مولانا محمد اسماعیل کاندھلویؒ مولانا قاسم نانوتوی وغیرہ کے واقعات نقل کئے ہیں۔

اس کے بعد ''نماز'' کے ذیلی عنوان کے تحت متعدد اکابر علماء دیوبند کے اہتمام نماز کا ذکر کیا ہے اور معتبر حوالوں کے ذریعہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے واقعات نقل کئے ہیں۔

نماز کے علاوہ دیگر عبادات جیسے زکوۃ، روزہ، رمضان، حج کے ذیلی عناوین قائم کرتے ہوئے اکابر کی سوانح عمریوں سے نقل کرتے ہوئے مذکورہ بالا اکابر دیوبند و دیگر علماء دیوبند جیسے مولانا محمد الیاسؒ، مولانا یحییٰؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، شاہ عبدالقادر

رائے پوری کے ان عبادات کے تئیں، اہتمام اتباع سنت کے واقعات بیان کئے ہیں۔

کتاب کے آخر میں ’’تقویٰ‘‘ کا ذیلی عنوان قائم کیا ہے مذکورہ بالا سارے ارکان کا دارومدار تقویٰ پر ہی ہے۔ اوراس کے تحت مذکورہ بالا افراد میں کچھ افراد کے علاوہ مولانا مظفر حسین کاندھلوی، مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، مولانا محمد مظہر سہارنپوری، مولانا عنایت الٰہی سہارنپوری، مولانا محمد منیر نانوتوی، حکیم الامت تھانوی کے تقویٰ کے واقعات بیان کئے ہیں]

کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں’’ نہایت عجلت میں نہایت بیماری میں جو واقعات یاد آئے یا سہولت سے ملے لکھوادیئے مشتے نمونہ از خروارے بھی نہیں ہیں۔ مقصد اس تحریر سے یہ تھا کہ ہر شخص پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ مفتیوں کے ذمہ ہے کہ وہ ظاہر الفاظ پر فتویٰ دیں لیکن جب انہیں حقیقت حال معلوم ہو جائے تو انہیں اپنے فتویٰ کی تاویل میں ذرا بھی اشکال نہیں ہونا چاہئے بلکہ تاویل کرنی لازم ہے۔ وماتوفیقی الا باللہ ۔

أولئك آبائي فجئني بمثلهم إذا جمعتنا يا جرير المجامع

یا تنگ نہ کر مجھے ناصح ناداں اتنا یا لا کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

مذکورہ اس عبارت پر ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۹۸ھ مدینہ منورہ ثبت ہے جس سے اس کی تاریخ تصنیف اور مقام تصنیف کا پتہ چلتا ہے۔

فتنہ مودودیت، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، مقدمہ وحواشی، مولانا محمد شاہد سہارنپوری۔ کتب خانہ اشاعت العلوم، سہارنپور۔

یہ رسالہ دراصل شیخ الحدیثؒ کا ایک طویل اور قدیم مکتوب ہے جو انہوں نے اپنے ہم نام مولانا محمد زکریا صاحب شیخ التفسیر مظاہر علوم کے نام لکھا تھا، اس خط کی افادیت کے پیش نظر اس زمانہ میں اس کی اشاعت وطباعت کی حضرت شیخ الحدیثؒ سے اجازت مانگی گئی لیکن انہوں نے یہ کہہ کر کے انکار کر دیا کہ یہ ایک نجی مکتوب تھا جو مرحوم کے غور وفکر کرنے کے لئے لکھا گیا تھا۔

لیکن احباب و متعلقین کے اصرار پر تقریباً ۲۴/۲۵/ سال بعد یہ خط مولانا محمد شاہد کے مقدمہ وحواشی کے ساتھ منظر عام پر آیا۔ مولانا محمد شاہد صاحب نے اپنے مقدمہ میں تفصیل سے اس خط کا پس منظر بیان کیا ہے کہ مولانا موصوف جماعت اسلامی کے پرجوش کارکن بن گئے تھے جس کی وجہ سے مظاہر العلوم کی فضا خراب ہونے لگی تھی لھذا انہیں ہر طریقہ سے سمجھایا ہے لیکن وہ اپنی بات پر اٹل رہے اور آخر کار مدرسہ کی انتظامیہ نے انہیں سبک دوش کردیا۔ مولانا شیخ التفسیر سے افہام وتفہیم کی متعدد صورتوں میں ایک صورت یہ تھی کہ مولانا شیخ الحدیث نے انہیں ایک طویل خط لکھا'' جس میں مولانا مودودیؒ کی چند موٹی موٹی اور بنیادی غلطیوں کی نشاندہی فرمائی اور وہ جو انداز اپنے ماننے والوں میں پیدا کرنا چاہتے تھے اس کے عواقب اور ونتائج سے باخبر کیا مگر کوئی نتیجہ خاطر خواہ برآمد نہ ہوسکا''۔

مولانا محمد شاہد صاحب نے اس طویل خط کو شائع کرنے سے پہلے آیات قرآنی اور احادیث نبویہ کا ترجمہ کردیا ہے تاکہ ہر ایک فائدہ اٹھا سکے، مولانا مودودی کی جن کتب کا اقتباس خط میں تھا ان کے اصل کی طرف مراجعت کرنے کے علاوہ ذیلی عناوین قائم کردیئے ہیں جس کی وجہ سے کتاب سے استفادہ کرنے میں آسانی ہوگئی ہے۔

کتاب پر مفتی محمود الحسن گنگوہی اور مولانا سید محمد اسعد مدنی مدظلہ العالی کی تقریظیں ہیں جن میں اس کتاب کی افادیت کو واضح کیا گیا ہے۔

مولانا شیخ الحدیثؒ نے اپنے طویل خط میں مولانا مودودیؒ کے جن امور کی طرف اشارہ کیا تھا اس کے عناوین حسب ذیل ہیں۔

مودودی صاحب کی تفسیر بالرائے (۲۵۔۲۹) مودودی صاحب کے نزدیک عبادت کا مفہوم (۲۹۔۳۳) عبادت کے متعلق چند احادیث نبویہ (۳۳۔۴۱) حکومت الٰہیہ کی حقیقت مودودی صاحب کے الفاظ میں (۴۱۔۵۰) گوشہ نشینی وخلوت (۵۰۔۵۳) مودودی صاحب کے

یہاں عبادات کی حیثیت (۵۳۔۶۲) احادیث کے بارے میں مودودی صاحب کے تنگ و تاریک خیالات (۶۲۔۸۷) خطرناک نتائج (۸۷۔۹۰) مودودی لٹریچر میں دین وعبادت کا استہزاء (۹۰۔۹۲) دین وعبادت کے متعلق چند آیات قرآنیہ اوراحادیث نبویہ (۹۲۔۹۵) امام مہدی علیہ السلام کے متعلق مودودی صاحب کی تحقیقات (۹۵۔۹۶) امام مہدی کے متعلق چند احادیث (۹۶۔۱۰۱) جاہلیت راہبانہ (۱۰۱۔۱۱۷) مودودی صاحب کی طرف سے اجتہاد پرزور (۱۱۷۔۱۲۰) اطاعت رسول ﷺ (۱۲۰۔۱۲۸) جمعہ فی القری کے سلسلے میں مودودی صاحب کی تحقیقات (۱۲۹۔۱۳۷)

خط کے مضمون کے خاتمہ پر مرتب کے ۸۴ حواشی ہیں جو تقریباً پچیس صفحات پر مشتمل ہیں۔

مولانا شیخ الحدیث کے اس رسالہ پر جماعت اسلامی کی طرف سے شدید ردعمل کا اظہار کیا گیا اور کئی جوابی رسالے لکھے گئے۔

اس کتاب کے آخر میں حضرت شیخ الحدیثؒ کا وہ مکتوب بھی شامل ہے جو اس کتاب کی اشاعت کے بعد انہوں نے مولانا محمد شاہد صاحب کو اس وقت لکھا تھا جب اس کتاب کے ضمن میں ان کے پاس متعدد خطوط آنے لگے اور زبانی سوال وجواب اور خطوط کے جواب میں اس مکتوب میں حضرت شیخ الحدیث نے ''مودودی صاحب اور انکی تحریک کے متعلق اپنے ابتدائی خیالات، احساسات اور پھر بعد میں جو تغیر وانقلاب اس میں پیدا ہوا ان کی وجوہات تحریر فرمائی ہیں اور آخر میں اس واقعہ کا تاریخی پس منظر تحریر فرمایا ہے جو بعد میں اجتماعی فیصلہ اور متفقہ فتوی کی صورت میں عوام کے سامنے لایا گیا تھا۔

۱۴/ صفحہ کا یہ خط مولانا شیخ الحدیث نے ۲۰/ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ بمقام مدینہ منورہ لکھا اور ادارہ اشاعت العلوم نے شائع فرمایا ہے۔

اک جام جہاں نما

روزنامچہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنیؒ

اجمالی تعارف اور چند مشتملات

مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی
(مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ)

تاریخ وسوانح کی تحقیق وترتیب کی کوشش ہو، یا کسی عالم یا ادیب و فاضل کے ذاتی احوال اوراس کے فکر ومزاج کی کڑیوں کی جستجو، اس معاملہ سے وابستہ اصحاب کی اپنی ذاتی تحریریں اور خودنوشت اطلاعات جس قدر مفید اور کارآمد ہوتی ہیں دوسری اطلاعات اور ثانوی مآخذ نہیں ہوسکتے۔ اس لئے جب کسی بھی نامور شخص کے احوال اور فکرومزاج کی تقسیم اور جستجو کی بات ہو، خصوصاً ایسے شخص کی جس کے اثرات وعمل کا دائرہ بہت متنوع، نہایت وسیع اور پہلودار ہو، ایسا کہ اس کے ہرایک زاویہ پر نظر رکھنا اوراس کے اثرات کا احاطہ بھی آسان نہ ہو، تو اس وقت ایسی تحریروں کی ضرورت واہمیت میں خاص اضافہ ہوجاتا ہے۔

برصغیر کی ہندوپاکستان بلکہ عالم اسلام کے قریبی دور کی ایسی گنی چنی شخصیتوں میں جن کے فضل وکمال، علم ونظر، معرفت الٰہی، خداپرستی، تصانیف ومؤلفات، نظریات وخیالات اور تلامذہ ومسترشدین کے اثرات تقریباً پوری دنیا میں پہونچے ہیں، اورانہوں نے دنیا کے بڑے حصے کو سیراب وفیضیاب کیا ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا

نام نامی ہے جو تعارف کا محتاج نہیں، حضرت شیخ کی تصانیف کی فہرست طویل ہے، جس میں عربی ،فارسی ، اردو میں دسیوں موضوعات وعناوین پر مفصل ومختصر تصانیف ومؤلفات موجود ہیں، ان میں سے اکثر شائع ہوکر پوری دنیا میں پڑھی جارہی ہیں، جن کے بیسیوں زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں، ان پر تحقیق وتعلیق کی گئی ہے، شروح وحاشیہ لکھے گئے ہیں، ان کی تحقیق وترتیب کا کام ہورہا ہے، اس کے علاوہ حضرت شیخ کے احوال وسوانح پر دس بارہ کتابیں اوران کے ترجمے چھپ گئے ہیں۔ حضرت شیخ کے علمی افادات اور مکتوبات کا خاصا حصہ شائع ہوگیا ہے، یہ سلسلہ جاری ہے اوراس میں طرح طرح کے اضافے ہورہے ہیں، لیکن تعجب ہے کہ حضرت شیخ کی تصانیف و مؤلفات کے وسیع علمی تعارف وفہرست سازی کی متعدد کوششوں کے باوجود، حضرت شیخ کے اہم تاریخی ورثہ، حضرت شیخ کے روزنامچہ کا ایک کام اور علمی یادگار کی حیثیت سے کہیں تذکرہ نہیں آیا۔ حضرت شیخ کا ذاتی مجموعۂ یادداشت (روزنامچہ) حضرت شیخ کی ایک نہایت اہم نہایت جامع اور وسیع تاریخی ،تحریری تصنیفی یادگار ہے، یہ روزنامچہ اپنے مندرجات خصوصیات اور جامعیت کے لحاظ سے اس عہد کا ایک بڑا تاریخی ورثہ اور نادر دستاویز ہے، مگر افسوس اور تعجب ہے کہ اس کا حضرت شیخ کی مؤلفات میں ذکر ہے نہ علمی باقیات میں، آئندہ صفحات میں اسی کا ایک اجمالی تعارف پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہمارے دور میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ روزنامچہ لکھنا یا روزآنہ کے واقعات کی ڈائری مرتب کرنا ان لوگوں کا کام ہے جنہیں کوئی اور مشغلہ نہ ہو، اور جو اپنا خاصا وقت اس شوق کی نذر کرسکتے ہوں، لیکن اگر غور کیجئے تو یہ خیال بالکل غلط اور سراسر بے بنیاد نظر آتا ہے، کیوں کہ کم سے کم برصغیر ہند میں سب سے بہتر جامع اور مفصل ترین معلوم روزنامچے انہی شخصیات کے لکھے ہوئے ہیں جن کی ہمہ وقت مشغولیت کا تذکرہ محفوظ اور عالم آشکارا ہے، اور جو اپنے وقت کا ایک ایک لمحہ سوچ سمجھ کر بہت احتیاط سے خرچ کرتے تھے۔ ان کی یہ مصروفیات ایسی غیر معمولی

گوناگوں ہوتی تھیں کہ آج کل کے مصروف اصحاب کو شاید اس کا سوواں ہزارواں حصہ نصیب نہیں۔

برصغیر ہند میں مرتب اہم ترین تاریخی روز ناچوں میں سب سے بڑا اور اہم ترین تاریخی علمی معلوماتی روز نامچہ نورالدین محمد جہانگیر کا ہے جو تزک جہانگیری کے نام سے شہرۂ آفاق ہے، اور خودنوشت سوانحات نیز روز نامچہ نویسی کے علاوہ تاریخ کی دنیا میں بھی ایک بڑے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مغل خاندان کے اور بادشاہوں نے بھی روز نامچہ لکھنے کا اہتمام کیا، کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر بھی اہتمام سے روز نامچہ لکھتے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے اکیاون سالہ عہد حکومت کی سب سے مفصل و معتبر تاریخ اورنگ زیب کا لکھا ہوا روز نامچہ تھا، جس کا اورنگ زیب کا خودنوشت نسخہ جو اکیاون جلدوں پر مشتمل تھا، سرسید احمد کے خاندان کے ایک ذی علم شخص، نواب سید مصلح الدین دہلوی کے پاس موجود تھا، جو ان کے یہاں سے چوری ہو گیا تھا، اس کے بعد آج تک اس کا سراغ نہیں ملا۔ (۱)

شاہ عالم کی خودنوشت یادداشتوں کا بھی تذکرہ ملتا ہے، اور خانوادۂ تیموری کے آخری نمائندے بہادر شاہ ظفر بھی اپنے شب و روز کی حکایتیں قلمبند کیا کرتے تھے۔ اس روز نامچہ کی آخری ایک دو جلدیں تقریباً ۱۳۹۵ھ (۱۹۷۵ء) تک دہلی کی نذیریہ لائبریری میں موجود تھیں، (۲) اس کے علاوہ اور بھی بادشاہوں اور حکمرانوں نے اپنے اپنے لیل و نہار کے احوال قلمبند کئے ہیں۔

---

(۱) اس روز نامچے کے تعارف پر نواب مصلح الدین دہلوی کا مضمون نامہ جامعہ دہلی میں چھپا تھا۔

(۲) نذیریہ لائبریری ۱۹۴۷ء سے پہلے دہلی کی ایک وقیع اور قابل قدر لائبریری تھی، جو مولانا سید نذیر حسین محدث کی یاد میں مولانا کے پوتے عبدالرؤف نے قائم کی تھی، اس میں عربی فارسی کے نوادر ومخطوطات کے علاوہ انگریزی کا بھی اعلیٰ درجہ کا علمی فنی ذخیرہ موجود تھا۔ یہ لائبریری بھوجلہ پہاڑی پر مسجد کے بڑے احاطہ میں تھی، میں نے اس کو اس کے آخری دور میں دیکھا، اس وقت ایک نہایت عمر رسیدہ شخص اس کے نگراں تھے، جو

اس کی خدمت اورنگرانی میں مخلص تھے مگران کی صدااورکوشش پرکسی نے کچھ توجہ نہیں کی ،ان کی وفات کے بعد اس میں لوٹ مچائی گئی ، یہ سرمایہ سنا ہے کہ آدھے سے بھی کم رہ گیا تھا جو بعد میں ہمدرد یونیورسٹی دہلی کی لائبریری میں منتقل ہوگیا۔

راقم سطور کئی مرتبہ اس ذخیرے کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ، وقتاً فوقتاً کئی کتابیں دیکھیں اوران کی یادداشتیں قلمبند کیں ، جن میں سنن اُبی داؤد کا ایک نسخہ جو چھٹی صدی ہجری کے اواخر کا مکتوبہ تھا یاد آرہا ہے ، متعدداور کتابوں کے بھی کچھ نقوش ذہن میں ابھر رہے ہیں۔وہیں بہادرشاہ ظفر کے اس روزنامچہ کی بھی ایک زیارت ہوئی تھی ، ناظم کتب خانہ سے کئی مرتبہ گذارش کے بعد موصوف نے ایک نظر دکھایا تھا ، موصوف نے ایک الماری کا تالا کھولا اورایک خانہ کی کتابیں نیچے اتاریں بلکہ گرائیں ، اس میں ایک خاصی ضخیم جلد بھی تھی وہی گوہر مقصود تھا ، یہ روزنامچہ موٹے کاغذ پر بہت تیز قلم سے لکھا ہوا تھا ، جس کو خط شکستہ تو نہیں کہہ سکتے ، جہاں تک یاد آتا ہے نسبتاً باریک قلم اورخاصے کشادہ اور بڑے بڑے حروف تھے ، جی چاہتا تھا کہ اس در بے بہا کو کسی قدر تفصیل سے دیکھنے کی اجازت ملے۔لیاقت تو اب بھی نہیں ...... مگر تمنا تھی کہ اس تحریر کو پڑھنے اور ظفر کے قلب حزیں کا مغموم نغمہ سننے کا موقع ملتا ، اس کے دل کے آہیں اور درد کی ٹیس محسوس کرتے ، لیکن لائبریرین صاحب بہت ضعیف اورمعذور تھے ، وہ جس وقت آتے تھے اس وقت پر میرے لئے پہونچنا دشوار تھا ، جس وقت میں حاضر ہوسکتا تھا اس وقت ان کا معمول نہیں تھا ، تاہم اس نسخہ کے چند نقوش آج بھی تازہ ہیں ، معلوم نہیں یہ روزنامچہ کہاں گیا......

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ او لئیم
تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کیئے

اس مناسبت سے بہادرشاہ ظفر کی تحریر سے مزین ایک دیوان کی یاد بھی دل کو آزردہ کررہی ہے۔یہ کسی فارسی شاعر کا دیوان تھا جس کا اکثر حصہ ایک مغل شہزادی کے قلم سے اورآخر آٹھ یا دس بارہ صفحات بہادرشاہ ظفر کے قلم سے تھے۔اس پر ظفر کے دستخط اورایک مہر بھی ثبت تھی ، عرصہ ہوا اس گوہر گراں مایہ کو دیکھنے کا موقع ملا تھا ، بعد میں سنا کہ یہ گراں قدر نسخہ غالباً دوسو روپیہ ''خطیر رقم'' کے عوض فروخت کردیا گیا۔افسوس: ہماری غفلت اور ناواقفیت نے کیسے کیسے انمول نسخے ضائع کردیئے۔ہائے ہائے۔

تو بھی رو اے خاک دلی ، داغ کو روتا ہوں میں

احوال قلمبند کرنے کا اس قدر اہتمام کرتے ہوں اور ضروری معمول سمجھ کر اس کی بہر حال پابندی کرتے ہوں، تو ان کے امراء، ماتحتوں اور سرکار دربار سے وابستہ افراد کو اس کا کس قدر شوق ہوگا محتاج وضاحت نہیں، یہی وجہ ہے کہ مغلیہ دور کے آخری عہد میں امراء اور مشائخ وعلماء ہر اک کی خودنوشت یادداشتوں اور روزنامچوں کا تذکرہ ملتا ہے، جو یقیناً اس دور کی تاریخ کا آئینہ اور ان ایام کی دیدہ وشنیدہ سچی سرگذشت تھی۔ یہ ذوق اور معمول عہد مغلیہ کے آغاز سے تقریباً ۱۸۵۷ء تک اسی طرح جاری رہا ۱۸۵۷ء کی بنیادی حوالوں میں ان روزنامچوں کی خاص حیثیت ہے جو اس حادثہ کے دنوں میں متعدد اصحاب نے قلم بند کئے تھے (۱) ان میں سے بعض کی حیثیت تو دستاویز کی ہوگئی ہے۔

اگرچہ ۱۸۵۷ء کے حادثہ نے ہندوستان کی پورے ملت اسلامیہ کو بے حیثیت و بے نشان بنا دیا تھا جس سے اور باتوں کے علاوہ علمی ماحول بھی غیر معمولی حد تک متأثر ہو گیا تھا بلکہ تباہ ہو گیا تھا، لیکن پھر بھی کہیں کہیں علم کی شمعیں فروزاں اور فکر و ذوق کی چنگاریاں روشن رہیں، جس کے اثر سے علم کا کارواں متحرک اور فکر وتحریر کی دنیا میں اجالا رہا، روزنامچہ نویسی کا سلسلہ بھی اسی کا ایک حصہ تھا اور علمی کاموں کے ساتھ اس کا سلسلہ بھی اک حد تک جاری رہا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد قریبی دور کے متعدد روزنامچوں کا تذکرہ ہماری تاریخ کا اہم حصہ شمار کیا جاتا ہے،

---

(۱) سنہ ۱۸۵۷ء کی قدیم بنیادی دستاویزی مآخذ میں اس عہد کے چند روزنامچوں کا امتیازی مقام ہے۔ سنہ ۱۸۵۷ء کے پرآشوب حالات میں متعدد روزنامچے لکھے گئے تھے، جن میں سے پندرہ سولہ چھپے ہیں، بعض ابھی تک غیر مطبوعہ مگر متعارف ہیں۔ بعض کا صرف تذکرہ ملتا ہے روزنامچے موجود نہیں۔ اس سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو اصحاب ایسے سنگین اور پرآشوب حالات میں بھی کاغذ و قلم سے عہد وفا نبھائے ہوئے تھے، وہ عام دنوں میں کیسے کیسے کارہائے نمایاں انجام دیتے ہوں گے۔

صبح تک وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے باد صبا!
یادگار رونق محفل تھی پروانہ کی خاک

جس میں مولانا نصر اللہ خاں خویشگی خورجوی (۱) اور مولوی مظہر علی سندیلوی کے روزنامچے بہت مفصل اور لمبے دور پر محیط تھے۔

مولانا خویشگی ممتاز عالم، مدرس، مصنف نامور شیخ و مرشد اور ۱۸۵۷ء سے پہلے سرکاری ملازمتوں سے وابستہ اور ڈپٹی کلکٹر رہ چکے تھے، مولانا کا کثیر اور ہمہ وقت مصروفیات کے ساتھ ساتھ روزنامچہ لکھنے کا بھی دائمی معمول تھا، یہ روزنامچہ خویشگی خاندان کے بعض افراد کی اطلاعات کے مطابق تقریباً پچاس سال کی یادداشتوں پر محیط تھا، جس کی دس بارہ متفرق جلدیں اب بھی موجود ہیں۔ (۲)

مولانا مظہر علی (۳) کا روزنامچہ چوالیس سال کی سرگذشت سناتا ہے ان کے علاوہ اور بھی متعدد چھوٹے بڑے روزنامچے، اہل ذوق اور ارباب فضل وکمال نے لکھے، ان میں سے چند ایک کے کچھ حصے موجود ہیں، لیکن اکثر گمنام و بے نشان ہو چکے ہیں۔

(۱) مولانا نصر اللہ خاں خویشگی ولادت تقریباً ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء (وفات ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء) اپنے عہد کے نامور عالم، مصنف، مترجم، نامور صاحب ارشاد و شیخ مدرس اور ڈپٹی کلکٹر تھے، نیز حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی کے پیر و مرشد حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی کے خاص دوست تھے۔ حالات کے لئے ملاحظہ ہو درفرید اور بیاض جانفزا۔

(۲) اس روزنامچے کی چند جلدیں صدر یار جنگ نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کے ذخیرہ (حبیب گنج کلکش مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں) اور چند جلدیں ذاکر حسین لائبریری جامعہ ملیہ دہلی میں موجود ہیں۔ مؤخر الذکر ذخیرہ کی تین چار جلدیں راقم نے دیکھی ہیں، ایک اندراج یاد آرہا ہے، لکھا ہے، آج میں نے شرح (ملا جامی بر کافیہ) بخط ملا خریدی، غالباً ڈیڑھ روپے قیمت لکھی تھی۔

(۳) مولانا مظہر علی (خلف سید مظہر علی) سندیلوی۔ ولادت ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۳۹ء وفات ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۱ء کا سنہ ۱۸۶۷ھ/ ۱۹۱۱ء وفات کے دن اور اپنے آخری احوال کے تذکرہ تک انتالیس سال کے وقائع پر مشتمل مفصل روزنامچہ جو تقریباً آٹھ ہزار صفحات اور پینتالیس جلدوں پر مشتمل ہے، ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی سندیلوی کے پاس محفوظ تھا، اس روزنامچہ کے تعارف پر ڈاکٹر نور الحسن کا ایک مفصل مضمون بھی چھپا تھا، مولوی مظہر علی کا مختصر تعارف مشاہیر سندیلہ، مولوی نبی احمد سندیلوی مرتبہ نور الحسن ہاشمی میں شامل ہے۔

حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (وفات ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۲۹ء) اور ان سے بھی پہلے (حضرت مولانا محمد الیاس اور حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کے جدامجد) مولانا محمد ساجد جھنجھانوی (ولادت ۱۱۲۰ھ/ ۱۷۰۸ء۔ وفات ۱۲۰۸ھ/۹۴-۱۷۹۳ء) کی دستیاب تحریروں میں ذاتی علاقائی واقعات کی یادداشتیں اور سنین وغیرہ لکھنے کا اہتمام نظر آتا ہے۔

لیکن یہ دونوں بزرگ روزنامچہ نویسی کے عادی نہیں تھے، اس خاندان کا جو علمی سرمایہ موجود اور جو روایات معلوم ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس خاندان کے آخری دور میں روزنامچہ نویسی کا سب سے پہلا مرتب اور مسلسل معمول مولانا نور الحسن کاندھلوی (ولادت ۱۲۲۷ھ وفات ۱۲۸۵ھ) کا تھا، مولانا کا پُر از معلومات روزنامچہ چند سال پہلے تک موجود تھا۔ مولانا نور الحسن کے بعد ان کے دونوں بیٹوں مولانا ضیاء الحسن صادق (م ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء) اور مولانا محمد ابرہیم کاندھلوی (م ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء) نے اس معمول کو باقی رکھا، دونوں پابندی سے روزنامچہ لکھتے رہے، ان دونوں کے بعد یہ علمی ورثہ اور ذوق ان دونوں کے بیٹوں اور بھتیجوں کے حصہ میں آیا، ان کے رہوار قلم نے بھی ان ہی سمتوں میں اپنا سفر جاری رکھا۔

یہ روزنامچے ایسے نہیں تھے کہ جن کو اہل خاندان نے بھلا کر طاق نسیان کی نذر کر دیا ہو، بلکہ خاندان کے تمام بڑے ان سے شغف رکھتے تھے، ان کو پڑھتے رہتے تھے، ان کے واقعات کا اعادہ و تذکرہ کرتے رہتے تھے، اور اپنے بچوں اور خوردوں کو ان کے واقعات سنا کر بزرگوں کے طریقوں پر چلنے کی ہدایت و فہمائش بھی کرتے رہتے تھے، اور اس کی کوششیں فرماتے رہتے تھے کہ ہمارے اخلاف اپنے اسلاف کا عکس اور مثنیٰ بنیں اور ان میں بزرگوں کے علم و فضل اور اخلاق و عمل کا کچھ اثر اور جھلک ضرور آجائے۔

خاندان میں علماء اور بزرگوں کے احوال و واقعات کے تذکرے چرچے رہتے تھے، خاندانی معلومات اور قصوں کی یادداشتیں رکھنے کا بھی اہتمام تھا، جس کی وجہ سے نئی نسلوں میں بھی

اس کا ایک شوق پیدا ہو جاتا تھا، حضرت شیخ کی نوجوانی کے زمانہ میں خاندان کے بڑوں اور عالم فاضل افراد میں سے دو صاحبان کا روزنامچہ لکھنے کا مستقل معمول تھا، ایک مولانا عزیز الحسن، دوسرے ان کے چھوٹے بھائی مولانا رضی الحسن (جو حضرت شیخ کے حقیقی پھوپھا، اور شیخ کے والد ماجد، مولانا محمد یحیٰ کے بچپن کے ہم جولی، ہم سبق اور حضرت گنگوہی کے یہاں بھی تعلیم و درس کے رفیق تھے)۔

مولانا عزیز الحسن کا روزنامچہ خاصا مفصل اور گوناگوں معلومات کا مرقع تھا، حکیم رضی الحسن کا نسبتاً مختصر اور ذاتی گھریلو اطلاعات پر منحصر ہوتا تھا۔

حضرت شیخ خاندان کے ممتاز باصلاحیت نوجوانوں میں سے تھے، ان کو بھی خاندانی روزنامچوں سے دلچسپی اور ان کے مطالعہ کا نہایت شوق تھا، حضرت شیخ نے پرانے خاندان کے پرانے تمام روزنامچوں کا بہت اہتمام اور توجہ سے مطالعہ کیا تھا، اور مکرر مطالعہ کے بعد ان سب کا مکمل خلاصہ جس میں ان کے تمام ضروری اندراجات شامل ہیں علٰحدہ نقل فرمالئے تھے، جس کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اگر (اللہ نہ کرے) یہ روزنامچے خستہ یا ضائع ہو جاتے ہیں، تو حضرت شیخ کے مرتب کئے ہوئے خلاصے ان کی بڑی حد تک نمائندگی کر سکتے ہیں۔ بہر حال خاندان کی اس قدیم روایت کی پاسداری اور متعدد روزنامچہ لکھنے والوں کی صحبت و معیت سے حضرت شیخ کو روزنامچہ لکھنے کا خیال اور تحریک پیدا ہوئی، حضرت شیخ نے ان بزرگوں کے معمول کے مطابق روزنامچہ نویسی کا سلسلہ شروع کیا اور اس معمول کو آخر تک خاصے اہتمام سے نبھایا۔

حضرت شیخ کا روزنامچہ اپنے عہد کی ایک وسیع تاریخ ایک ایسی دستاویز اور ایسا آئینہ ہے جس میں اس دور کی شخصیات، رجال کار، علماء، مشائخ، قائدین، سیاسین ہر ایک کی نقل و حرکات کا مشاہدہ اور ہر ایک کی مصروفیات اور کارگزاری کا عکس نظر آتا ہے۔ اگر اس کے مندرجات کو صحیح تاریخی پس منظر میں علٰحدہ علٰحدہ عنوانات کے تحت مرتب کر کے ضروری حواشی

کے ساتھ شائع کیا جائے تو یہ بھی ایک بڑا کام ہوگا، جس سے حضرت شیخ کے فکر ومزاج، وسیع کھلے دل، کھلے ذہن، جامعیت اور دوربین نگاہ کا اندازہ ہوگا، اور پتہ چلے گا کہ اہل نظر علماء، دیدہ ور مشائخ کیسے ہوتے تھے، ان کے ذہن میں کیسی کشادگی، نظر میں کس قدر وسعت اور فکر وخبر میں کیسی جامعیت ہوتی تھی۔

اس روزنامچہ سے سب سے پہلی اور اہم ترین جو بات معلوم ہوتی ہے وہ حضرت شیخ کی ذاتی زندگی کی جھلکیاں اور وہ اشارات ہیں، جن کے پس منظر میں بہت کچھ دیکھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔

حضرت شیخ کی زندگی کا مرکزی نقطہ آخرت کی فکر اور اس کے لئے متواتر عمل اور جدو جہد تھا، اس روزنامچہ کے آئینہ میں اس کا اچھا خاصا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ خاص طور سے حضرت شیخ کے تلاوت قرآن مجید کے شوق کا خوب مشاہدہ ہوتا ہے، حضرت شیخ کا رمضان المبارک کے اہتمام، شب قدر کی تلاش اور اس کے آثار وعلامت پر نظر رکھنے اور ان کی تفصیل قلمبند کرنے کا بھی کئی برس تک معمول رہا۔

رمضان المبارک میں قرآن شریف کی تلاوت کے اہتمام کا حضرت شیخ کا معمول خاص مشہور ومعروف ہے، لیکن حضرت کو قرآن پاک کی تلاوت سے دائمی شغف تھا، اپنی تمام درسی تصنیفی نجی مصروفیات کے ساتھ اکثر ایک منزل، کبھی کبھی دس پارے یومیہ، اور کبھی عام دنوں میں بھی ایک قرآن شریف روز تلاوت کرنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایک تبلیغی سفر میں جو صرف ایک رات دو دنوں کا تھا، تین قرآن شریف پڑھے، ایک مرتبہ سہارن پور سے راجستھان گئے تو جاتے وقت پینتالس پارے پڑھے اور واپسی پر بھی اسی قدر تلاوت کی، اس کے علاوہ اور بھی اوراد ومعمولات کا تذکرہ ملتا ہے۔

تلاوت میں حفظ و ناظرہ کے دو علٰحدہ دور اور ترتیبات ساتھ ساتھ چلتی رہتی تھیں،

ہر ایک سلسلہ تین سے دس دن کا ہوتا تھا، یہ ایک دائمی مشغولیت تھی جو غالباً زندگی کے آخری دور تک جاری رہی۔ حفظ و ناظرہ میں کس تاریخ سے تلاوت کا آغاز ہوا، کب اختتام ہوا، دونوں کی مختصر بلکہ اشارات میں یادداشت لکھتے تھے، رمضان المبارک میں اس معمول میں وسعت ہو جاتی تھی، رمضان شریف کے معمول کی تفصیل بھی موجود ہے جو ایسے اشارات و رموز میں لکھی ہے جس کو حل کرنے سے راقم قاصر ہے۔

اسی طرح بعض گھریلو باتیں اور معاملات بھی مخففات (Coods) میں رقم کئے ہیں، کہیں کہیں کچھ نشانات اور اشارات بھی بنے ہوئے ہیں، راقم سطور ان کے سمجھنے سے قاصر رہا ہے۔ رمضان المبارک کے بعض روحانی مشاہدات و واردات بھی لکھے ہیں جو اکثر عربی میں اور ایک دو اندراجات فارسی میں ہیں۔ اس کا سمجھنا بھی آسان نہیں، تاہم بعض مندرجات نہایت دلچسپ ہیں۔ اس روزنامچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ روزانہ کے ذاتی واقعات اور اطلاعات کے علاوہ، دنیا بھر کے احوال و کوائف سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے تھے اور اس مقصد کے لئے روزانہ ایک سے زائد اخبارات دیکھا پڑھا کرتے تھے، جس میں (۱۹۴۷ء تک) اس کا بھی خیال رہتا تھا کہ سب، بڑی سیاسی پارٹیوں کے ترجمان سامنے رہیں، اس لئے متفرق اخبارات خریدتے پڑھتے تھے، ان کی ضروری باتیں روزنامچہ میں درج فرماتے تھے اور جس اخبار کے حوالہ سے کوئی اہم بات یا اقتباس نقل کرتے، اس اخبار کو اپنے ذخیرہ میں محفوظ رکھتے تھے۔

روزنامچہ کے ۱۹۴۷ء سے پہلے کے اندراجات میں دس اخبارات کے نام مندرجات اور اقتباسات نقل ہیں، اخبارات یہ تھے: زمزم لاہور، الجمعیۃ دہلی، انجام دہلی، مدینہ بجنور، احسان دہلی، انصاری دہلی، منشور دہلی، پرتاب لاہور۔

یہ اخبارات کانگریس، مسلم لیگ، جمعیۃ علماء ہند، ہندو مہا سبھا، قوم پرست نظریات اور

متفرق جماعتوں اور افکار کے نمائندے اور ترجمان تھے۔ مگر جو نہیں جانتے اب ان کو کیسے بتایا جائے کہ منشور اور مدینہ اس وقت کس شان وشوکت کے اخبارات تھے، ان کی کس قدر پذیرائی اور اثر تھا، بہر حال ان اخبارات کے اقتباسات اور حوالوں سے حضرت شیخ کے مزاج کی جامعیت، ذوق کے تنوع اور باہمہ وبے ہمہ ہونے کا علم ہوتا ہے۔ یہ روزنامچہ کہہ رہا ہے کہ:

جہاں بینی مری فطرت ہے، لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

روزنامچہ میں حضرت شیخ کی متعدد تالیفات وتصنیفات کی تالیف کی تاریخ تکمیل اور طباعت کے مختلف مراحل کا بھی ذکر ہے، جس میں اوجز بھی شامل ہے۔ اور اس میں حضرت شیخ کے خیالات ومزاج کے تغیرات اور بعض معمولات ومصروفیات کی ترتیب کے فرق کو بھی واضح طور پر دیکھا پڑھا جاسکتا ہے۔

جن حضرات کو حضرت شیخ الحدیث کے نظام الاوقات کا علم ہے، یا جو حضرت شیخ سے کسی قدر واقف ہیں اور انہوں نے حضرت شیخ کے احوال کا مشاہدہ کیا ہے اور شیخ کو ہمہ وقت تھکا دینے والی مصروفیات میں گھرا ہوا دیکھا ہے، وہ شاید سوچ بھی نہیں سکتے کہ ایسا مصروف شخص، جس کی سحر صبح صادق سے ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے طلوع ہو جاتی ہو، اور جو اس وقت سے رات دیر گئے تک ایک ایک منٹ مشغول رہتا جو، جس کی اکثر مصروفیات دیکھنے والوں کی نگاہ میں ہوں، دیکھنے والے دیکھتے اور جانتے ہوں کہ حضرت شیخ اپنے اوقات کا ایک منٹ بھی ضائع کرنا پسند نہیں فرماتے، ان کے تمام کاموں کے لئے اوقات مقرر ہیں، ممکن حد تک ان کی بھرپور پابندی کی جاتی ہے، ذکر، اوراد واشغال، مطالعہ، تصنیف وتالیف، درس وافادہ، مراسلت ومکاتبت، مذاکرات وملاقات، ہر ایک کے لئے اوقات اور نظام مقرر ہے، جو موسم کے تغیرات وحوادث، مہمانوں کے ہجوم اور کسی چھوٹی بڑی شخصیت کے آنے جانے سے بھی بہت کم متأثر ہوتا ہے۔

ایسی متنوع اور مسلسل مصروفیات میں ان کو روز نامچہ لکھنے جیسے کام کے لئے کس طرح اور کب وقت ملتا ہے۔

جہاں تک راقم سطور نے دیکھا ہے اور اس کو معلوم ہے کہ یہ کام (آخری دور کے علاوہ) دن میں شاذ و نادر ہی ہوتا تھا، دن کی درس حدیث، ارشاد و تلقین اور تصنیف و تالیف کی مصروفیات میں اس کی کہاں گنجائش تھی۔ دیکھنے والوں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ حضرت شیخ رات میں بھی عشاء کے بعد دیر تک اپنے خاص مہمانوں متوسلین کے ساتھ بیٹھتے تھے، صبح اٹھنے کا بھی ایک وقت مقرر تھا جس میں کبھی تخلف نہیں ہوا، اس سب کے باوجود روز نامچہ کب اور کیسے لکھتے تھے۔ شاید اسی استقلال اور پابندی کو الاستقامة فوق الکرامة سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ نے اپنے اس مفید اور اہم تاریخی کارنامہ کا یکم محرم الحرام ۱۳۵۶ھ/ ۱۵ مارچ ۱۹۳۷ء کو دوشنبہ کے دن سے آغاز کیا تھا، اس وقت سے حضرت شیخ کی وفات (۲/شعبان ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء) سے تقریباً ایک مہینہ پہلے تک اس کا سلسلہ جاری رہا، یعنی حضرت شیخ نے متواتر چھیالیس سال تک پابندی سے روز نامچہ لکھا۔ یہ روز نامچہ ایسا نہیں ہے جو صرف اپنے واقعات، روزمرہ کی یادداشتوں، اطراف و جوانب کے سفر، دوستوں سے ملاقات، احباب و اکابر کے آنے جانے، یا خاندان کے عزیزوں کی پیدائش و وفات اور ان کی خوشی غمی کے احوال کے تذکرہ تک محدود ہو، بلکہ یہ ایک گنجینۂ عالم یا جام جمشید ہے، جس میں اس عہد کے اکثر اہم واقعات اور گردش زمانہ کی بہت سی ابھرتی ڈوبتی تصویریں صاف نظر آجاتی ہیں۔ اپنے بیوی بچوں، خاندان، عزیزوں، رشتہ داروں، دوست احباب، اکابر و اسلاف کے متعلقات و واقعات کے علاوہ بھی ایک عالم کی روداد قلمبند ہے، مدارس اسلامیہ میں کیا ہو رہا ہے، مظاہر علوم کے کیا احوال ہیں، دارالعلوم دیوبند کی کیا سرگرمی ہے، دوسرے مدارس کی کیا کیفیات ہیں، کس مدرسہ کی کب مجلس شوریٰ ہوئی، کب کس بات پر ہنگامہ ہوا، مجلس شوریٰ کے اجلاس کب کن تاریخوں میں منعقد

ہوئے، ارکان میں سے کون کون شریک ہوئے، کوئی اہم ممبر اجلاس میں شریک نہیں ہوا تو کیوں نہیں ہوا، اس کی بھی صراحت ہے۔

حضرت شیخ نے اس روزنامچہ کی محفل فل اسکیپ سے بڑے پیمائش کے کاغذ یا رجسٹر پر سجائی ہے، ہر صفحہ پر خود بدولت نے سطریں کھینچیں ہیں، پھر دائیں طرف تین علٰحدہ کالم بنائے ہیں، ہر ایک صفحہ کا پہلا کالم ہجری مہینے کی تاریخیں لکھنے کے لئے وقف ہے، دوسرے کالم میں شمسی مہینوں کی تاریخیں درج ہیں، تیسرے کالم میں دنوں کا اندراج ہے، شنبہ یک شنبہ سے جمعہ تک، اور جمعہ سے شنبہ تک، ہر ایک صفحہ میں تیس سطریں یا خانے ہوتے ہیں، اگر چاند انتیس کا ہوا تو ایک خانہ کم ہو جائے گا۔ اب اس میں معلومات و اندراج کی کیفیت ملاحظہ ہو، ہر ایک صفحہ پر سطریں بنائی گئی ہیں، وہ عموماً فل اسکیپ کے معروف پیمائش کے سطروں سے کسی قدر چوڑی ہیں مگر زیادہ امتیاز نہیں ہے، معمولی فرق ہے۔ ان سطروں کے بیچ میں باریک قلم سے تین تین سطریں لکھی جاتی تھیں، جو کبھی کبھی چار ہو جاتی ہیں اور چند اندراجات میں پانچ تک بھی پہونچ جاتی ہیں، حضرت شیخ ہمیشہ لکڑی کے قلم سے لکھتے تھے، کبھی کبھی ہولڈر بھی استعمال کرتے تھے، پین اور پنسل سے لکھنا پسند نہیں تھا، حضرت شیخ کی شاذ و نادر کوئی تحریر ایسی ہوگی جو ان کی مرہون منت ہو۔ باریک قلم اور کثیر الفاظ کی وجہ سے روزنامچہ کے ایک ایک صفحہ پر کئی صفحات کا مضمون آ گیا ہے، اگر اس کو سلیقے سے صاف کر کے لکھا جائے تو بعض صفحات کے اندراجات کی نقل اور تکمیل کے لئے پانچ صفحے بھی ناکافی ثابت ہوں گے۔

کاغذ کم سے کم ۱۳۸۰ھ (۱۹۶۰ء) کے آخر تک، ایسا ہی ہے جیسا حضرت شیخ عموماً استعمال فرمایا کرتے تھے، نہایت معمولی، کم قیمت کا کمزور اور ہلکے زرد رنگ کا کاغذ، جو ایسا معمولی اور ادنیٰ درجہ کا ہوتا تھا کہ آج کل کوئی اس کو شاید مفت لینا بھی پسند نہ کرے، اس پر لکھنے کا تو تصور ہی نہیں۔ کاغذ کی اس کم روئی کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس پر جو کام ہوا ہے وہ ایسا عمدہ

اوراعلیٰ درجہ کا ہے کہ اس نے اس ادنیٰ کاغذ کی قدر و قیمت اعلیٰ درجہ کے کاغذات سے کہیں زیادہ بڑھادی ہے۔شاید یہ کاغذ بھی کہتا ہوگا:

جمال ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

حضرت شیخ کا روزنامچہ نویسی کا معمول سبک رفتار سے آہستہ آہستہ آگے بڑھا ہے، شروع کے صفحات میں اندراجات کی کمی محسوس ہوتی ہے،معلومات میں بہت پھیلاؤ اورتنوع بھی نہیں ہے،لیکن قلم کا مسافر جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا اس کی رفتار میں تیزی،اس کی معلومات میں تنوع اورمشاہدات میں وسعت آتی چلی گئی۔پھراس نے ہرایک صفحہ پرایسے ایسے پھول بکھیرے ہیں اوریوں گل افشانی فرمائی ہے کہ:

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

روزنامچہ کا سب سے پہلا اندراج ایک سیاسی اطلاع پر مبنی ہے،حضرت شیخ نے لکھا ہے: ''۳/محرم الحرام ۱۳۵۶ھ ۱۷/مارچ ۱۹۳۷ء''۔دہلی میں تین دن بحث کے بعد کانگریس کے ارکان کے قبول وزارت کا فیصلہ''۔

اس کے بعد اپنے رائے پور سفر کی یادداشت لکھی ہے۔اسی صفحہ کی ابتدائی خبروں میں سے ایک خبر مظفرنگر شہر اوراس کے اطراف میں طاعون کی کثرت کی ہے،لکھا ہے:

''تقریباً ایک ماہ سے ضلع مظفرنگر میں طاعون کی کثرت ہے، بالخصوص ازمظفرنگرتا روڈ پورقاضی،سولہ سترہ کا روزآنہ کا اوسط ہے''(اندراج:۶/محرم ۱۳۵۶ھ/۲۰/مارچ ۱۹۳۷ء)پہلے مہینہ کی اطلاعات واندراجات میں یہ اطلاع بھی ہے کہ:

''پانی پت میں ہولی پرفساد، پولیس کے قہر سے ۷/مسلمان شہید اور ۴۰/مجروح''

اسی مہینہ کے مندرجات میں اپنی نومولود بچی صفیہ کے انتقال اورذخیرۂ آخرت بن جانے کا بھی

ذکر کیا ہے۔(۱)

۲۴رمحرم الحرام ۱۳۵۶ھ (۷راپریل ۱۹۳۷ء) کو دارالعلوم دیو بند میں شعبۂ ورزش کے افتتاح کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، جس میں حضرت مولانا مدنی اور مولانا قاری محمد طیب خود بھی شریک ہوئے۔ اور بھی کئی مدرسوں کے متعلق اطلاعات ہیں، کسی کے جلسہ کی کسی کی مجلس شوریٰ کی اور کسی کے کسی اور مسئلہ کی۔

حضرت شیخ کے معاصر اور مشہور بزرگوں میں سب سے پہلے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کا تذکرہ آیا ہے، حضرت مولانا کے رائے پور سے سفر اور رائے پور میں موجودگی دونوں کا اس میں تذکرہ ملتا ہے۔

آئندہ اندراجات بھی اسی کیفیت کا آئینہ ہیں، ان میں اپنے بیوی بچوں، خاندانی عزیزوں رشتہ داروں، دوست احباب، اکابر واسلاف، مدارس اسلامیہ، بالخصوص مدرسہ حسینیہ اجراڑہ، نیز اپنے علاقہ اور اطراف و جوار کے تیسوں مدرسوں کا ذکر ہے، مدرسوں کے سالانہ جلسوں میں اپنی شرکت، ان کے اندرونی معاملات ومسائل، ان کی مجالس شوریٰ، ان میں شریک ہونے والے اصحاب، کسی جلسہ میں کوئی ممبر اگر تشریف نہیں لائے تو اس کا انکشاف، ان جلسوں میں اپنی شرکت یا انکار و معذرت کی بات، اکابر علماء اور مشائخ میں سے ان مدارس کے جلسوں میں جو صاحبان تشریف فرمائے ہوئے اس کی یادداشت۔ اپنے بزرگوں اور خاص رہنماؤں میں سے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا محمد الیاس کا کثرت سے تذکرہ ہے، شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہو جس میں ان تینوں کی سرگرمیوں کی روداد متعدد مقامات پر درج نہ ہو۔

---

(۱) اس بچی کی وفات کے برسوں کے بعد اپنی ایک اور دختر کا نام بھی صفیہ رکھا تھا، جو بحمداللہ حیات ہیں۔

حضرت مولانا رائے پوری کے کہاں کہاں کے سفر ہوئے، ان کی خدمت میں کون کون ممتاز و معروف اصحاب تشریف لائے، انہوں نے سہارن پور میں کب قدم رنجہ فرمایا، حضرت شیخ ان کی خدمت میں کب کب کس قدر وقت کے لئے حاضر ہوئے، حضرت مولانا رائے پوری نے مدرسہ مظاہر علوم اور حضرت شیخ کو کب اپنے قدوم سے نوازا۔

یہی کیفیت حضرت مدنی کے احوال و تذکروں کی ہے، اس وقت کے مشاہیر علماء اور اکابر اولیاء اللہ میں سے حضرت مدنی کا حضرت شیخ کے یہاں بہت کثرت سے آنا جانا رہتا تھا، سہارنپور دیوبند کا بڑا اسٹیشن ہے، حضرت مدنی کے کثرت سے سفر ہوتے رہتے تھے، بہت سی گاڑیاں ایسی تھیں کہ ان کا دیوبند میں ٹھہرنا نہیں ہوتا تھا، اس لئے بیشتر اسفار کے لئے حضرت سہارن پور سے روانہ ہوتے تھے، آتے جاتے دونوں مرتبہ حضرت شیخ سے ملاقات ضروری تھی۔ اگر گاڑیوں میں اس قدر وقفہ ہوتا کہ اسٹیشن سے تانگہ سے جا کر صرف ملاقات کر کے وقت پر اسٹیشن واپسی ہو جائے تو حضرت مولانا مدنی اس کا اہتمام فرماتے تھے۔ دن ہو یا رات، کوئی موسم ہو سردی ہو یا گرمی یا برسات، بارش برس رہی ہو، ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہوں یا تیز دھوپ جھلسائے دے رہی ہو، حضرت مدنی کے اس معمول میں بہت ہی کم فرق آتا تھا۔ ان تمام ملاقاتوں سفروں کی یادداشتیں اس روزنامچہ کے سینہ پر رقم ہیں۔

حضرت مدنی کب آئے کب گئے، کہاں سے آئے تھے کدھر تشریف لے گئے ہیں، ہر ایک بات کا ذکر ہے، اپنے اطراف و نواح میں جن مقامات پر حضرت کی صدارت و نگرانی میں جلسے ہوتے ان کی تفصیل ہے، جن جلسوں میں حضرت مدنی تقریر و خطابت فرماتے تھے اس کا تذکرہ ہے، حضرت مولانا کے اہتمام میں جو دعوتیں ہوتیں ان کی یادداشت موجود ہے۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا کے سیاسی حیثیت سے جو سفر ہوتے رہتے تھے اور کن اجتماعات جلسوں نشستوں پروگراموں میں حضرت مولانا شریک ہوتے تھے ان سب کی بھی روداد

ہے، اگر دار العلوم دیو بند میں طلبہ یا کسی اور کی طرف سے حضرت کے حوالہ سے کوئی بات پیش آئی ہے اس کی بات ہے، حضرت مولانا دار العلوم کے لئے جو خدمت انجام دیتے تھے اور جن شعبوں میں حضرت کی برکت سے اضافہ یا تجدید ہوئی، اس کا اندراج ہے۔(۱)

سیاسی دنیا میں حضرت مولانا مدنی کی جو نہایت گہری اور وسیع خدمات ہیں اور اس ضمن میں جو نقل و حرکت ہوتی رہتی تھی یہ روزنامچہ ان کی تفصیلات کا بھی امین ہے۔ غرض ۱۳۵۶ھ سے حضرت مولانا مدنی کی وفات (۱۳۷۷ھ) تک کی اکثر اطلاعات تحریر ہیں، ان کے علاوہ حضرت مولانا کے برادر گرامی مولانا سید احمد فیض آبادی مہاجر مدنی، ان کے صاحبزادے سید حبیب صاحب اور خود حضرت مدنی کی اہلیہ اور صاحبزادگان کے متعلق بھی بہت کچھ اطلاعات مرقوم ہیں۔

---

(۱) مثلاً ملاحظہ ہو:

الف: روانگی مولانا مدنی، برائے شہادت کمیشن متعلقہ مدح صحابہ لکھنؤ۔ کہ پنج شش کس، مولانا و مفتی (کفایت اللہ صاحب و مولانا عبد الشکور، و سید سلیمان و نائب امیر شریعت بہار مولانا سجاد۔ ۷/صفر ۱۳۵۶ھ/۱۳/اپریل ۳۷ء۔

ب: نوٹس عدم داخلہ، دہلی شش ماہ، برا سٹیشن۔ ۸/ربیع الثانی ۵۶ھ/۱۸ جون ۳۷ء۔

ج: حضرت مولانا مقدمہ، جون، جولائی ۱۹۴۲ء جمادی الثانیہ، رجب ۱۳۶۱ھ کی روزانہ کی کاروائی کی تفصیلات مسلسل درج ہیں۔

د: فیصلہ مقدمہ حضرت مدنی ۱۸ ماہ قید بلا مشقت رے، کلاس پانسو روپئے جرمانہ، اپیل دائر کردیا گیا ضمانت کی سعی ناکام۔ ۱۰/رجب ۱۳۶۱ھ / ۲۴ جولائی ۱۹۴۲ء

ہ: جلسہ کانگریس سہارنپور، تقریر مولانا مدنی مولوی نور محمد.............. ۲۸/جمادی الاول ۵۶ھ بعد عشاء در سہارنپور۔

و: جلسہ کانگریس، لاہور۔ تقریر حضرت مدنی.............. ۵/ربیع الاول ۱۳۵۷ھ/۶ مئی ۱۹۳۸ء۔

ز: جلسہ اٹاوہ کانگریس زیر صدارت حضرت مدنی.......... ۲۸/ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ/۹/فروری ۱۹۳۹ء۔

ح: برقیہ حضرت مدنی از لکھنؤ جستھا بند کرد، صلح ہوگئی۔.......... ۹/صفر ۵۸ھ/۳۱ مارچ ۱۹۳۹ء۔

ط: جمعیۃ علمائے ہند کا بارہواں اجلاس جونپور میں، شرکت و صدارت حضرت مدنی......از ۹/ ۱۳۵۹ھ/۷/تا ۱۹۴۰ء

ی: مولوی ابوالکلام نے حضرت مدنی کو تار کے ذریعہ شملہ طلب کیا، کئی دن قیام رہا۔ داؤد غزنوی، مولوی حبیب الرحمٰن، احرار وغیرہ سب شملہ برطلب آزاد......

ک: روانگی حضرت مدنی شملہ بر خصوصی طلب مولوی ابوالکلام آزاد...........

حضرت مولانا محمد الیاس کے متعلق تمام چھوٹی بڑی باتیں، ان کی جماعت تبلیغ کی نقل و حرکت کی تفصیلات، کون سی جماعت کتنے افراد پر مشتمل کہاں گئی، کب آئی، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے کس جماعت کے ساتھ کتنے دن سفر کیا، تبلیغی جلسے کہاں کہاں ہوئے، اس میں علماء میں سے کون کون تشریف فرما تھے کس نے خطاب کیا اور کون کون صرف شریک رہا۔ ہر ایک کا اس روزنامچہ میں خاصا تذکرہ ہے، ایسا کہ اس کو مرتب کیا جائے تو شاید ایک مفصل کتاب ہو۔

اس وقت حضرت حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی بھی حیات اور تھانہ بھون میں تشریف فرما تھے اس لئے فطری طور پر حضرت سے متعلق معلومات کا تذکرہ بھی اس روزنامچہ کا ایک ضروری حصہ ہے۔ حضرت تھانوی کے اس زمانہ میں جو سفر ہوئے خصوصاً لاہور اور لکھنؤ وغیرہ کے، ان کی تاریخیں، مختصر اشارات، حضرت کے سہارن پور تشریف لانے واپس ہونے کے اوقات، سہارن پور کے حضرت تھانوی کے اور اسفار، حضرت سے ملاقات کے لئے حضرت کے چند ممتاز خلفاء یا مخلص احباب کے سہارن پور ہوتے ہوئے حضرت شیخ کے یہاں یا مظاہر علوم میں ٹھہرتے ہوئے تھانہ بھون جانے کا تذکرہ، حضرت کی لیگ اور مسلم سیاست کے حوالہ سے بعض مصروفیات کا ذکر، حضرت کے جمعیۃ علماء سے وابستگی کی بات، حضرت تھانوی کی مسٹر جناح اور مسلم لیگ سے روابط کے بعض اشارات، غرض کہ حضرت تھانوی کی وفات تک کے بیسیوں مندرجات اس میں شامل ہیں۔(۱)

---

(۱) مثلاً ملاحظہ ہو: روانگی ناظم مولانا عبداللطیف صاحب برطلب حضرت تھانوی، برائے شرکت شوریٰ تنظیم المسلمین، آمد تھانہ بھون مفتی کفایت اللہ صاحب اور سجاد صاحب۔ ۱۵/شعبان ۵۶ھ ۲۱/۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء۔

ب: آمد مولوی ظفر احمد صاحب و مولوی شفیق دیوبند صبح ۷/بجے از تھانہ بھون برائے شوریٰ وفد جناح۔ واپسی شب و روانگی، وصل (بلگرامی) و (مولوی) منفعت (علی وکیل سہارن پور) میرٹھ صبح۔

ج: آمد خواجہ عزیز الحسن و مولوی (مفتی) محمد حسن (امرت سری) بوقت ۱۰ بجے صبح۔ روانگی (تھانہ بھون) قبل مغرب۔ ۳۰/ربیع الاول ۵۶ھ / ۱۰ جون ۳۷۔

د: روانگی وفد تھانہ بھون برائے پٹنہ (برائے شرکت اجلاس ورکنگ کمیٹی اور آل انڈیا مسلم لیگ)۔
۲/ذی قعدہ ۵۷، ۲۴ دسمبر ۳۸۔

ہ: روانگی مولوی منفعت علی، لکھنؤ برائے اجلاس کونسل (مسلم لیگ) ۱۲/ذی قعدہ ۵۶، ۱۵ اجنوری ۳۸۔

و: ہدیہ از مولانا تھانوی، بہ راجہ محمود آباد۔ بوساطت مولوی منفعت علی قرآن پاک قلمی و رومال۔
۲۵/رجب ۵۶/ یکم اکتوبر ۳۷ء۔

ز: روانگی مولوی شبیر علی تھانوی پاکستان۔ ۶/جمادی الاول ۶۷/ ۷ مارچ ۴۹ء۔

اس روزنامچہ کی معلومات کی وسعت وثروت اور جامعیت کا یہ عالم ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کی سوانحات مؤلفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی اور سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی تالیف مولانا محمد ثانی حسنی و تذکرہ مولوی محمد ہارون کاندھلوی اور بعد میں حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی پر لکھی ہوئی کتابوں کا بنیادی سرمایہ، خصوصاً ان کی جہاں گشتی کی روداد، ان کے اسفار کی تفصیل، سب اسی روزنامچہ کی مرہون منت ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر حضرت شیخ کا یہ روزنامچہ نہ ہوتا تو مذکورہ سوانحات کا مرتب ہونا نہایت مشکل کام تھا، اور اگرچہ ان سوانحات کے لئے اس روزنامچہ سے بھرپور استفادہ ہوا ہے اور اس روزنامچہ کے مندرجات نے ان سوانح نگاروں کی بے حد مدد اور رہنمائی کی ہے واقعات کے صحیح ومستند تاریخیں فراہم کیں، نامعلوم گوشوں پر سے پردہ اٹھایا اور ان بزرگوں کے احوال کی درجہ بدرجہ مصروفیات وترتیب کو عیاں فرمایا، یہ سب صحیح ہے، لیکن یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ ان بزرگوں سے متعلق اس روزنامچہ کی جملہ معلومات ومندرجات ان کتابوں میں آگئی ہیں، اگر غور سے دیکھا جائے تو ابھی ایسی کئی باتیں ہیں جن کو یکجا کیا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ کاندھلہ کے خاندان کے تمام مردوں عورتوں بچوں کی تواریخ ولادت و وفات، خاندان کے اور معاملات، تقریبات ومسرت کے واقعات، حوادث وآفات ہر ایک کا ذکر ہے

حضرت شیخ کے جو دوست واحباب اور خاص متعلقین تھے ان کے متعلق خاصے اندراجات ہیں، حضرت شیخ کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی مہاجر مدنی اور حضرت مولانا گنگوہی کے خانوادہ کے افراد کے متعلق اطلاعات ہیں، حضرت شیخ سے ملاقات، ان کے سہارنپور یا حج وغیرہ کے سفر، ان کی شادی بیاہ، ان کے اور مسائل اور تواریخ وفات کا بھی تذکرہ ہے اور بھی ایسی معلومات ہیں کہ ان کا ملنا آسان نہیں۔

حضرت شیخ کی جن بزرگوں سے بہت زیادہ قربت، عقیدت اور ہمہ وقت رابطہ تھا ان

میں سے سب سے پہلے حضرت مولانا محمد الیاس نے رخت سفر باندھا، پھر حضرت مدنی مسافر آخرت ہوئے، آخر میں حضرت رائے پوری نے اس دنیائے فانی کو الوداع کہا، ان تینوں کے بعد ان کے جو اخلاف و جانشین تھے حضرت شیخ کے روزنامچہ میں ان کا حصہ بڑھ گیا، ان میں سے ہر ایک کا اہتمام سے تذکرہ ہوتا جس طرح ان تینوں بزرگوں کا ہوتا تھا، ان کی خوشی غمی، ان کے احوال و اطوار، ان کے سفر و حضر ہر ایک کی جھلکیاں بلکہ اچھی خاصی مکمل تصویر اس روزنامچہ کے صفحات پر دیکھی جاسکتی ہیں، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب ہوں یا مولانا انعام الحسن صاحب، مولانا اسعد مدنی صاحب ہوں یا حضرت رائے پوری کے جانشین کرام ہر ایک کے متعلق بہت کچھ موجود ہے۔(۱) اول الذکر دونوں کے متعلق نسبتاً زیادہ اور تفصیل سے اور بعد والوں کے متعلق کسی قدر کم اور اجمالی لیکن تذکرہ ہر ایک کا ہے۔

اسی روزنامچہ میں مولانا عبیداللہ سندھی کا ذکر ہے، جلاوطنی سے کب واپس آئے، کب دیوبند پہونچے، کب دہلی میں بیت الحکمت قائم کیا، اور کیا کیا کام کئے، کس تاریخ کو وفات پائی۔ (۲) اسی طرح مولانا شبیر احمد عثمانی کے متعلق بھی بعض اشارات و معلومات ہیں، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا ابوالمحاسن سجاد، مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا احمد سعید اور مولانا عبدالحلیم صدیقی وغیرہ جمعیۃ کے اکابر علماء کا بھی کہنا چاہئے تقریباً ہر جگہ تذکرہ ہے، ہر ایک کی سیاسی مصروفیات و بیانات اور گرفتاری اور سزا کی خاصی تاریخ اس روزنامچہ سے مرتب ہوسکتی ہے۔

---

(۱) آمد صاحبزادی صاحبہ مع محمد یعقوب چداے قدح چشم۔ ۲۷/محرم ۵۶/۱۰/اپریل/۳۷۔

ب: آمد صاحبزادی صاحبہ حضرت سہارنپوری از انبیٹہ بوقت صبح۔ ۲۹/ربیع الاول ۵۶/۶/مئی ۳۷۔

(۲) چند اندراجات ملاحظہ ہوں: الف: واپسی مولانا عبیداللہ سندھی از حجاز۔ از جہاز المدینہ صبح، ۷/بجے۔ از سنہ ۱۲، جلاوطن شدہ بود بعد۔ اکیس سال واپس شدند۔ ۲۵/محرم ۱۳۸۵ھ / ۷/مارچ ۳۹۔

ب: واپسی مولوی عبیداللہ صاحب سندھی، از دیوبند ۵/بجے شام۔ ۲/ربیع الاول ۵۸/۲۳/مئی ۳۹۔

ج: جامعہ ملیہ میں بیت الحکمۃ کا افتتاح۔ ۱۶/شوال ۵۹/ ۱۷/نومبر ۵۰۔

د: جمعیۃ مرکزیہ کا قیام، زیر صدارت مولوی عبیداللہ سندھی۔ ۵/ربیع الثانی ۵۸/ ۲۶/مئی ۳۹۔

ہ: حادثہ انتقال مولوی عبیداللہ صاحب سندھی، بمقام دین پور علاقہ بھاول پور، کہ اتفاقاً وہاں گئے ہوئے تھے۔ ۳/رمضان ۶۳/ ۲۳/اگست ۴۴۔

علامہ سید سلیمان ندوی کا بھی کئی جگہ حوالہ وتذکرہ ملتا ہے، حضرت تھانوی سے ملاقات کے لئے تھانہ بھون اور لکھنؤ کا سفر، مولانا محمد الیاس سے انسیت، تبلیغی کام میں شرکت، اور علامہ سے اپنی بعض مفصل ملاقاتوں اور علمی موضوعات پر مفصل گفتگو کا بھی اشارہ کیا ہے۔(۱)

علامہ کی ملازمت بھوپال سے سفر پاکستان اور وفات تک تمام واقعات کی تاریخیں درج ہیں۔ علامہ اقبال کا بھی تذکرہ ملتا ہے خاص طور سے ان کے حادثہ وفات کی اطلاع درج ہے، اس کے بعد پورے ملک میں جو یوم اقبال منایا گیا اور سہارن پور میں جو اس کا جلسہ ہوا اس کا بھی ذکر کیا ہے۔(۲)

---

(۱) الف: اعظم گڑھ میں شبلی کالج کا سنگ بنیاد بدست، (مولانا حبیب الرحمٰن) شیروانی و (علامہ مولانا) سید سلیمان ندوی۔ ۲۱ر صفر ۵۹/ ۳۱ر مارچ ۴۰۔

ب: آمد سید سلیمان ندوی بعد قیام ایک روزہ دیوبند، ۴ر بجے شام .... روانگی صبح چہار شنبہ ۲۷ر ذی الحجہ ۶۴/ ۳ر دسمبر ۴۵۔

ج: علامہ سید سلیمان ......کی طرف سے امیر الحجاج، شوال۔ ۶۸ر اگست ۴۹۔

(۲) الف: حادثۂ انتقال ڈاکٹر اقبال، مشہور بشاعر مشرق، بوقت صبح فجر۔ بعمر اکسٹھ سال غفر اللہ لہ۔

۱۹ر صفر ۱۳۵۷/ ۲۱ر اپریل ۱۹۳۸۔

ب: یوم اقبال در جملہ بلاد۔ جلسہ سہارن پور در ٹاؤن ہال۔

۱۹ر صفر ۵۸/ ۱۰ر اپریل ۳۹۔

اور بھی اہم ممتاز شخصیت کا تذکرہ ملتا ہے۔(۱) اعظم گڑھ کالج کے افتتاح کی تاریخ اور وہاں کے بعض ذمہ داروں سے ملاقاتوں کا ذکر، کالج کے پرنسپل بشیر احمد صدیقی کے سہارنپور آنے جانے اور آخر میں پاکستان جاتے وقت آخری ملاقات اور بعد میں ہندوستان آنے جانے کا بھی ذکر ہے۔

---

(۱) الف: انتقال شوکت علی، در دہلی از بندش حرکت قلب جنازہ کے جلوس کی تفصیل لکھی ہے۔

۵/شوال ۵۷/ ۲۷/نومبر ۳۸۔

ب: انتقال مولوی عرفان بمبئی جنرل سکریٹری خلافت اچانک حرکت قلب بند۔

۲۵/صفر ۵۸/ ۱۶/اپریل ۱۹۳۹ء۔

ج: یوم ٹیپو در ملک و بلاد ۔ ۲۷/ذی قعدہ ۵۹/ ۲۷ دسمبر ۴۰۔

د: نظام ڈے، منجانب اہل ہنود، بمخالفت نظام وفساد، در دہلی بدیلی وغیرہ۔ ۳۰/ذیقعدہ ۵۷/ ۲۲ جنوری ۳۹۔

ہ: بیان نظام صاحب۔ درباره مذمت اسعد علی والی عراق۔ ۱۷/مئی ۴۱ء ۔

ہ: ہندوستان فوج کا بلا اطلاع ریاست حیدرآباد پر حملہ ۱۱/ستمبر ۴۸ء ۔

ہ: آج ۵/بجے شام حیدرآباد سے جنگ بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ ۱۷/ستمبر

نظام نے حیدرآباد کے ہند یونین میں شرکت پر دستخط کر دیئے ۔ ۱۱/اکتوبر سنہ ۴۹ء ۔

بوقت سہ پہر، شاہ اودھ، واجد علی شاہ کے آخری بیٹے شہزادہ اکرم حسین کا انتقال، بعمر اکسٹھ سال، شادی نہیں کی۔

۱۲/رمضان ۱۳۵۹/ ۱۵/اکتوبر، ۴۰ ۔

انتقال خاں بہادر عزیز الدین دہلوی ۔ ۲۴/ذی الحجہ ۵۹/ ۲۳/جنوری سنہ ۴۰۔

انتقال سید سلیمان چیف جسٹس در دہلی۔ ۱۲/بجے شب پنج شنبہ و دفن نظام الدین ۲/بجے مقبرہ حسن نظامی۔

۱۴/صفر ۶۰/ ۱۳/مارچ ۱۹۴۱ء ۔

انتقال حکیم نابینا در دہلی، وصول تابوت نعش در گنگوہ شب دوشنبہ، فراغ از تدفین ڈھائی بجے۔

۶/۷/ربیع الثانی ۶۰ھ/ ۵/مئی ۴۱ ۔

حادثہ انتقال عالم جلیل القدر، مولانا محمد حسن خان صاحب مصنف معجم المصنفین ۔ ۹/شوال ۱۳۶۶ھ/ ۶/دسمبر سنہ ۴۷۔

قافلہ اکابر کے گذر جانے کے بعد جو حضرات نمایاں اور علم وعمل کے شہسوار بنے ان میں سے بھی اکثر کا خاصا احوال ملتا ہے خصوصاً ان صاحبان کا جن کا حضرت شیخ سے یا حضرت مولانا محمد الیاس سے، اکابر ثلاثہ سے بہت قریبی تعلق رہا، یا ان کا نظام الدین رائے پور یا سہارن پور کثرت سے آنا جانا تھا ان کا بھی تذکرہ ہے، جیسے جیسے وقت گذرتا رہا ان حضرات سے شیخ کا تعلق ان کی شیخ کی خدمت میں آمد و رفت میں اضافہ ہوتا گیا، اسی تناسب سے حضرت شیخ کے روزنامچہ میں ان سے متعلق معلومات واطلاعات کا دائرہ وسیع ہوتا رہا، ایسے حضرات میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی کا بطور خاص ذکر ہے۔ مولانا منظور نعمانی کا پہلا تذکرہ صفر ۱۳۵۹ھ اپریل ۱۹۴۰ء کے اندراج میں آیا ہے، جس میں سے مولانا کے مولانا ابوالحسن علی ندوی اور ماسٹر عبدالواحد صاحب کے ساتھ آنے اور مولانا نعمانی کے اس خیال پر کہ علماء اور انگریزی تعلیم یافتہ کی ایک تنظیم قائم کی جائے، مفصل گفتگو کا ذکر کیا ہے۔

مولانا علی میاں کا دوسرا اندراج ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ ۲۴ رمئی ۱۹۴۰ء کے ضمن میں ہے، جب حضرت شیخ مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم اور مولانا علی میاں گھاسیڑھ کے تبلیغی جلسہ میں ساتھ گئے تھے، اس کے بعد سے کثرت سے ان دونوں صاحبان کا خصوصاً مولانا علی میاں کا تذکرہ ملتا ہے، حضرت مولانا علی میاں کی نسبت سے اس خانوادہ گرامی کے اور اصحاب مثلاً محمد ثانی حسنی، مولانا محمد رابع صاحب مولانا محمد الحسنی، مولانا حمزہ وغیرہ متعدد اصحاب کے سہارنپور، رائے پور آنے، مختلف اسفار کی معلومات اور متعلقہ اصحاب کی مختلف مصروفیات کا بھی کہیں کہیں تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس روزنامچہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ مودودی صاحب نے مولانا محمد الیاس اور تبلیغی جماعت کے ساتھ مل کر کام کرنے کا خیال ظاہر کیا تھا اور اس کے لئے دہلی کا ایک خاص سفر بھی کیا تھا، مودودی صاحب نے اپنی رفاقت اور تعاون کے لئے مولانا منظور نعمانی اور علی میاں کو بھی بلوایا تھا، یہ دونوں صاحبان نظام الدین پہونچ گئے تھے، مودودی صاحب بھی دہلی

آ گئے تھے، مگر گفتگو اور ملاقات کے لئے نظام الدین نہیں پہونچے۔(۱)

اس کے علاوہ اس زمانہ کے مشاہیر علماء اور جو افراد دینی ملی دنیا میں سرگرم تھے ان میں سے بہت سوں کا خصوصاً ان افراد و جماعت اور اداروں (جن کا مذکورہ چار بزرگوں، خصوصاً پہلے تینوں سے تعلق تھا) کی کاروائیوں، سرگرمیوں کی بیشتر تفصیلات قلم بند کی گئی ہیں، اس میں جمعیۃ علماء کا بھی تذکرہ ہے، مجلس احرار کا بھی، جمعیۃ مرکزیہ کا بھی اور مولانا عبیداللہ سندھی کی جمنا نربدا سندھ ساگر پارٹی کا بھی، کانگریس کا بھی ہے اور مسلم لیگ کا بھی، ہندو مہا سبھا کی تفرقہ انگیز کاروائیوں پر بھی نظر رکھی گئی ہے اور بعد میں راشٹریہ سوئم سیوک سنگھ کی حرکتوں پر بھی۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے جو اہم سیاسی یا مذہبی تحریکات برپا ہوئیں مثلاً تحریک مدح صحابہ، تنظیم اہل سنت، مجلس دعوۃ الحق اور مجلس تنظیم المسلمین وغیرہ جن کو اب عموماً کوئی جانتا بھی نہیں، ان کی جدوجہد جلسے جلوس، جلسوں، نشستوں کے خاص شرکاء اور مقررین، ان کے جلسوں کے مقام انعقاد، ان کی تاریخیں، ان کی طے کردہ تجویزیں اور مشورے، بعد میں جو کچھ اختلاف و اتفاق ہوا اس کا تذکرہ بھی روزنامچہ میں شامل ہے۔(۲)

---

(۱) لکھا ہے: روانگی زکریا، برطلب چچا جان بمد آمد ابوالاعلیٰ مودودی، برائے تبلیغ جماعت خود۔

۷؍شوال ۱۳۶۰ھ/ ۲۸؍اکتوبر ۱۹۴۱ ۔

آمد مولوی منظور نعمانی ابوالحسن ندوی، نظام الدین ۹؍بجے صبح۔ ابوالاعلیٰ دہلی آ گئے مگر بعوارض نظام الدین (آنے کی) فرصت نہیں ملی۔ ۷؍شوال ۱۳۶۰ھ/ ۲۹؍اکتوبر ۔

(۲) گمنام مجلسیں اور تنظیمیں :

(الف) جلسہ سالانہ، انجمن سیف الاسلام دہلی — ۲۱؍اپریل ۳۹/ یکم ربیع الاول ۵۸۔

(ب) جلسہ انجمن سیف الاسلام، دہلی ساتواں — ۲۶؍صفر ۵۹/ ۵؍اپریل ۴۰ ۔

(ج) جلسہ انجمن اصلاح المسلمین، میرٹھ — ۱۷، ۱۸، ۱۹؍ربیع الاول ۵۹/ ۲۶، ۲۷، ۲۸؍اپریل ۴۰ ۔

(د) مسلم کانفرنس دہلی۔ — ۲۰؍ربیع الاول ۵۹/ ۲۸؍مارچ ۴۰۔

(ہ) مسلم لیگ کے مقابلہ میں مسٹر فضل الحق کی پروگریس مسلم لیگ کی ابتداء ۲۰؍جون ۴۲/ ۵؍جمادی الثانی ۶۱۔

(و) آل انڈیا مؤمن کانفرنس دہلی۔ — ۲۶/ ۲۸؍اپریل ۴۳۔

(ز) انجمن حمایت الاسلام کا بانواں جلسہ۔ — ۱۳؍ربیع الاول ۶۰/ ۱۱؍اپریل ۴۱۔

(ح) جلسہ تبلیغ الاحناف امرتسر — ۳/ ۶؍اپریل ۴۵/ ۱۹/ ۲۱؍ربیع الثانی ۶۴۔

حضرت شیخ جہاں جمعیۃ علماء کا تذکرہ فرماتے ہیں اور اس کی کارروائیوں پر نظر رکھتے ہیں اور اس کی نشستوں، جلسوں میٹنگوں کی تاریخیں اور بعض معلومات رقم فرماتے ہیں، وہیں مجلس احرار کی جدو جہد پر بھی خاص توجہ ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی گویا ایک ایک نقل وحرکت اور مجلس احرار کے خصوصاً سہارنپور اور اس کے نواح میں اس کی فرمائش پر بلائی گئی ہڑتالوں اور جلسوں کا بھی تذکرہ ہے۔(۱)

حضرت شیخ اگر ایک جانب اپنی تمام مذہبی تنظیموں پر نظر رکھتے ہیں تو دوسری طرف خاکسار تحریک جماعت اسلامی کی آغاز وابتداء اور اس قسم کی اور جماعتوں اور تنظیموں کے احوال سے بھی بے خبر نہیں، جماعت اسلامی کی پہلی نشست سے مودودی صاحب کی پاکستان میں آخری گرفتاری تک ہر ایک اطلاع اس روزنامچہ میں جگہ پائے ہوئے۔(۲) اسی طرح خاکسار تحریک

---

(۱) چند مندرجات ملاحظہ ہوں:

الف: ڈیرہ اسماعیل خاں میں سیرت النبی کے جلسہ میں شرکت کے لئے مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی روانگی، کمشنر نے اپنی حدود ضلع سے نکلنے کا مشورہ دیا۔ ۱۲/ربیع الاول سنہ ۵۶/۲۳/جنوری ۳۷۔

ب: اسارہ مولوی حبیب الرحمٰن صدر احرار کیلاش پور۔ ۵/صفر ۵۷/۳/اپریل ۳۸۔

ج: جلسہ متحدہ لیگ احرار در جبلی پارک شرکت رئیس الاحرار سہارن پور بسلسلہ پابندی قربان درگاؤں نزد گنگوہ۔ ۲۱/رجب ۶۴/۲/جولائی ۴۵۔

د: رہائی مولوی حبیب الرحمٰن صاحب سابق صدر احرار ساڑھے چار بجے اسارت کے بعد۔ ۱۱/صفر ۶۰/۱۰/مارچ ۴۱۔

ہ: میری اس تاریخ کو ہجری کے حساب پوری پچاس برس کی ہو جائے گی۔ مکتوب از منٹگری جیل۔

(۲) الف: مودودی صاحب جماعت اسلامی۔ یکم شعبان ۶۰/ ۲۵/اگست سنہ ۴۱۔

ب: لاہور میں ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی تحریک پر ۱۵۰/نفر کا اجتماع، اسلامی جماعت کی تشکیل۔

ج: روانگی زکریا دہلی، برطلب چچا جان، بمد آمد ابوالاعلیٰ مودودی برائے تبلیغ، جماعت خود۔ ۷/شوال ۶۰/ ۲۸/اکتوبر ۴۱

د: دارالاسلام پٹھان کوٹ میں مجلس تعلیمی کا اجلاس جس میں مستقل مرکز دارالاسلام کو قرار دیا گیا...... وغیرہ ترجمان القرآن رجب ۶۳۔

و: آج مودودی صاحب کی نظر بندی کی آخری تاریخ تھی حکومت پاکستان نے چھ ماہ اور اضافہ کر دیا، اب تک اضافات ہوتے ہوئے ایک سال گذر گیا۔ ۱۷/ذی قعدہ ۶۲/۱۳/اکتوبر ۴۷۔

ز: ابوالاعلی مودودی مولوی امین احسن اصلاحی کو ۴/اکتوبر ۴۸ کو نظر بند کیا تھا، آج رہائی کی تاریخ تھی کہ قید میں چھ ماہ کا اضافہ کر دیا۔

کی ابتداء، اس کی سیلاب وطوفان کی رفتار سے ترقی، اس کے جلسے جلوس، ارباب اقتدار اور پولس سے اس کا مقابلہ اور مزاحمت، اس معرکہ آرائی میں ہلاکت وزخمی ہونے والے افراد کی تعداد، اور عنایت اللہ مشرقی کے بارے میں متفرق معلومات سے ان کی وفات تک، ہر ایک قابل ذکر اطلاع نے اپنی جگہ بنائی ہے۔ علمائے اہل حدیث ان کے مدارس، ان کی دینی ملی جدوجہد، اہل حدیث تنظیموں کے اجلاس اور مختلف سرگرمیوں کا بھی تذکرہ ہے۔

دوسری طرف سیاسی جماعتوں کے قائدین کی پر ہنگام زندگی اور اسفار کا بھی تذکرہ کیا ہے، کانگریس کے اجتماعات میں، ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ ہو، یا کوئی احتجاج ومظاہرہ ان سب کا اس میں تذکرہ ملے گا، کانگریس کمیٹی کے جلسہ میں کون ممبران شریک ہوئے، کیا اختلاف اتفاق ہوا اس پر بھی نظر رکھی ہے۔(۱)

---

(۱) چند اندراجات اس طرح ہیں: کانگریس: فہرست ورکنگ کمیٹی منتخبہ یکم مئی سنہ ۳۹ بصدارت راجندر پرشاد۔ کانگریس کے جدید صدر مسٹر سوبھاش چندر بوس جلوس ۵۱/ ہری پور.................۱۱/ ذی الحجہ ۵۶/ ۱۳/ فروری ۳۸۔

جلسہ شوریٰ، وادھا، چاس گاندھی، بوس وعدم شرکت بوس موجہ بخاری ابوکلام عبدالغفار خاں میں تجویز استعفیٰ گاندھی۔
۱۳/ شوال ۵۷/ ۶/ دسمبر ۳۸۔

اجلاس ورکنگ کمیٹی اجلاس سبھاش بابو کی صدارت مگر ان کی بیماری کی وجہ سے صدارت ابوالکلام۔
۸/ ربیع الاول ۵۸/ ۲۹/ اپریل سنہ ۳۹۔

اجلاس ورکنگ کمیٹی کانگریس، وگاندھی در کلکتہ وباوجودشود......اور سبھاش وگاندھی تشد......وجدید ورکنگ کمیٹی قاضی لیاقت۔

جلسہ آل انڈیا کانگریس ورکنگ کمیٹی بمبئی۔ ۵/ جمادی الاول ۵۸/ ۲۴/ جون ۳۹۔

یوم اتحاد منجانب کانگریس بنا دیا گیا بجواب یوم نجات مسٹر جناح صدر ولیگ۔ ۱۰/ ذی قعدہ ۵۸/ ۲۲/ دسمبر ۳۹۔

واردھا میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ۱۷/ جون ۴۰/ ۱۰/ جمادی الاول ۵۹۔

کانگریس کی وائسرائے سے ملاقات کے بعد کانگریس ورکنگ کا اجلاس۔ ۲۶/ جمادی الاول ۵۹/ ۳/ جولائی ۴۰۔

سیواگرام سب کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا تھا بمبئی......مولانا آزاد، آصف علی، پنت گاندھی جی ریز وپیش کے مخالف ہیں جو.........متفق ہیں۔ ۱۴/ جولائی ۴۲.............۲۷/ جمادی الثانی ۶۱/ ۱۲/ جولائی سنہ ۴۲۔

کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اہم اجلاس، ۹/ دن کی بحث وتمحیص کے بعد انگریزوں کے چلے جانے کا ریز وپیش وسول نافرمانی۔ ۹/ اگست ۴۲/ ۲۵/ رجب ۶۱۔

ہندوستان چھوڑ وتحریک کا آغاز کانگریس رہنماؤں کی گرفتاری ...... گاندھی جواہر آزاد وغیرہ جملہ ممبران گرفتار...... ۶/ جولائی سنہ ۴۲۔ ۶/ جولائی کے......میں آل انڈیا کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اہم ترین اجلاس ۶/ سال صدارت کے بعد مولانا آزاد نے کرسی صدارت جواہر لال کے حوالہ کی۔

لاہور سے مسلمانوں کا احتجاج اور کمیٹی کو ہار کہ اس میں مولانا مدنی اور مولانا حفظ الرحمان، نام کیوں شامل ہیں۔

یوم تعلیم کانگریس جلسہ واجلاس طلبہ مدرسہ سرکاری.....ہڑتعطیل..........۲۳/ ذی قعدہ ۵۷/ ۱۵/ جنوری ۳۹۔

ادھر مسلم لیگ کی بھی تمام مصروفیات زیر نظر ہیں مسلم لیگ کے مقامی علاقائی جلسوں سے آل انڈیا کمیٹی کی نشستوں تک جو کچھ ہو رہا ہے یہ روز نامچہ اس کی روداد پیش کرتا ہے۔ جناح صاحب کیا کیا کر رہے ہیں، ان سے کس کس کی ملاقات ہوئی، کیا طے پایا، لیگ کے رفقاء وزعماء میں سے کون کون جناح سے ملا اور کیا فیصلہ ہوا، ہر ایک موضوع پر اس روز نامچہ میں قیمتی اطلاعات ہیں۔(۱)

---

(۱) جناح: مسٹر جناح کی وایسرائے سے ملاقات ساڑھے تین بجے سے شام ۶ ر بجکر ۵ منٹ تک۔

۲۰ر جمادی الاول ۵۹/ ۲۷ر جون ۴۰۔

چونسٹھویں سال گرہ مسٹر جناح صدر لیگ۔ ۲۵ر ذی قعدہ ۵۹/ ۲۵ر دسمبر ۴۰۔

جلسہ سالانہ آل انڈیا مسلم لیگ ۸۵ر اس میں ۱۳ر ربیع الاول ۶۰ / ۱۱ر اپریل ۴۱۔

حیدرآباد دکن میں مسٹر جناح کو سہا ستاعہ کے ساتھ ستر ہزار کی تھیلی پیش۔ سونے چاندی میں تولنے کو علماء نے ناجائز بتایا۔ ۱۵ر جولائی ۴۶/ ۱۴ر شعبان ۶۵۔

مسٹر جناح کا حادثۂ انتقال، مفصل اندراج ۱۱ر ستمبر ۴۸/ ۶ر ذی قعدہ ۶۷۔

مولانا داؤد غزنوی، کانگریس سے استفاء دے کر لیگ میں شریک۔ ۱۶ر جولائی ۴۶/ ۱۵ر شعبان ۶۵۔

دہلی میں آج صبح سے رات تک آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ اور آل انڈیا کونسل مسلم لیگ کے خفیہ اجلاس ہوتے رہے، جس میں اخباری نمائندوں کو آنے کی اجازت نہیں تھی، اسمبلی میں مسٹر جناح کا بیان اور رواک آؤٹ۔ ۴، ۵ر شوال، ۲۵، ۲۶ر اکتوبر ۴۱۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا تیسواں اجلاس، بیرون اجمیری دروازہ دہلی۔ ۲۳ر اپریل ۴۳/ ۱۷ر ربیع الثانی ۶۲۔

مرکزی اسمبلی چورانوے فی صد سے زائد مسلم لیگ کے ساتھ:

کل مسلم ووٹ: ۳۶۷۴۶۳

مسلم لیگ کے: ۳۴۵۸۶۱

مسلم لیگ کے خلاف: ۲۱۶۰۲

صدق ۱۴ر صفر سنہ ۶۵ / تفصیلات زمزم ۱۹ر مئی ۴۶۔

اسی طرح کانگریس کے رہنماؤں میں سے گاندھی جی، (۱) مولانا ابوالکلام آزاد (۲) جواہر لال نہرو، (۳) سردار پٹیل ہر ایک کے سیاسی بیانات کا اشارہ و خلاصہ، ان کی سیاسی اقدامات کی نشان دہی، ان لوگوں پر برٹش گورنمنٹ کے عتاب و گرفتاری، رہائی مقدمہ اور سزائیں، (۴) نظر بندی اور مختلف شہروں کی حدود میں داخلہ پر پابندی اور ان میں سے بعض کی طرف سے اس کی مخالفت، ہر ایک پہلو اس روزنامچہ کے اندراجات میں شامل ہے۔

---

(۱) گاندھی جی: ۷۸ر سالگرہ گاندھی انگریزی حساب سے ۲۵ر اکتوبر کو ہوئی مگر ہندی حساب سے اس وقت ہوگئی۔ ۲۷ر شوال ۶۵/ ۲۴ر دسمبر ۴۵۔

ملاقات گاندھی و جناح برمکاں جناح دریارھ رتی از کانگریس ورکنگ خفیہ از ساڑھے گیارہ بجے اودھ۔

۲۶ر صفر ۵۷/ ۲۸ر اپریل ۳۸۔

ورکنگ کمیٹی کانگریس کے کئی دن کے اجلاس کے بعد گاندھی کی باضابطہ کانگریس سے علیحدگی۔

۱۴ر جمادی الاول ۵۹/ ۲۱ر جون ۴۰۔

ساتویں ملاقات گاندھی و ویسرائے شملہ میں پہلی مرتبہ جو ساڑھے تین گھنٹے رہی۔ ۲۳ر شعبان ۵۹/ ۲۷ر ستمبر ۱۹۴۰۔

رہائی گاندھی از جیل بسلسلہ علالت ۶ر مئی ۴۴/ یکم جمادی الاول ۶۳۔

(۲) ابوالکلام آزاد: سزا مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس، قید میں ڈیڑھ سال ۹ر ذی الحجہ ۵۹/ ۸ر جنوری ۴۱۔

رہائی ابوالکلام آزاد چار بجے شام نینی تال جیل۔ ۱۴ر ذی قعدہ ۶۰/ ۴ر دسمبر ۴۱۔

گرفتاری رفیع احمد قدوائی برخلاف جناح۔ ۱۳ر ذی قعدہ ۵۹/ ۱۳ر دسمبر سنہ ۴۰۔

یک سالہ سزا بلا مشقت حافظ ابراہیم بجنوری۔ ۱۷ر شوال ۵۹/ ۸ر جنوری ۴۱۔

(۳) نہرو: جواہر لال نہرو در سہارنپور صبح ۹ر بجے جلسہ کانگریس، مجمع کثیر۔ یکم ذی الحجہ ۵۸/ ۱۲ر جنوری ۴۵۔

گرفتاری جواہر لال نہرو۔ ۸ر بجے شام اسٹیشن ۱۵ میل الہ آباد

سزا جواہر لال نہرو ۱۲ر بجے تین مقدموں میں، فی مقدمہ ایک سال جو ایک کے ختم ہونے کے بعد شروع ہوگی۔

۳ر شوال ۵۹/ ۳ر نومبر ۴۰۔

رہائی جواہر لال نہرو ۱۲ر بجے دوپہر دہرہ دون سے۔ ۴ر دسمبر ۴۱/ ۱۴ر ذی قعدہ ۶۰۔

(۴) شیخ عبداللہ: کشمیر ۴۷ سے پہلے آج کمیشن جج نے شیخ عبداللہ کو تین مقدموں میں تین تین سال کی قید بلا مشقت دیدی جو یک وقت شروع ہوئی......... جرمانہ ۱۳ر شوال ۶۵/ ۱۰ر ستمبر ۴۶۔

شیخ عبداللہ امرتسر معاہدہ کے خلاف بغاوت کے احترام میں گرفتار کشمیری مسلمانوں پر مظالم۔

شیخ عبداللہ کے بعد میر واعظ بھی گرفتار کشمیر میں گرفتاروں کی تعداد ۲۷۴ تک پہونچ گئی۔ ۲۴ر مئی سنہ ۴۶۔

سبھاش چندر بوس کی سرگرمیوں کا بھی خاصا مفصل تذکرہ ہے، کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں ان کی تقریروں کی تاریخیں لکھی گئی ہیں، کانگریس کے قائدین سے جوان کے اختلافات رہے اور کانگریس کے جن جلسوں میں وہ کسی خاص وجہ سے شریک نہیں ہوئے، اس کو عیاں کیا گیا ہے، بوس وغیرہ قائدین کے بعض خاص خاص فقرے جملے بھی محفوظ کر لئے ہیں، سبھاش چندر بوس کی گرفتاری کا بھی ذکر ہے اور ہوائی جہاز کے حادثہ میں موت کا بھی۔(۱) مولانا آزاد کب گرفتار ہوئے، پنتھ کو کب حراست میں لیا گیا، (۲) گاندھی جی کو کب جیل بھیجا گیا، کانگریس کے اور ممبر کب کب پکڑے گئے، کون سی بات ہے جس کا اس روزنامچہ میں اہتمام نہیں کیا گیا۔

یہ روزنامچہ یہ بھی بتاتا ہے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے انگریز کے خلاف تحریک اور جد و جہد کہاں کس رفتار سے آگے بڑھ رہی ہے، برٹش گورنمنٹ کیا کیا اقدامات کر رہی ہے، اور ملک کی سیاسی جماعت اس کے مقابلے اور توڑ کے لئے کن تجویزوں اور مشوروں پر غور کر رہے ہیں، کرپس مشن کب کراچی میں پہونچا، کرپس کی مولانا ابوالکلام آزاد سے کس تاریخ کو کتنی دیر تک ملاقات ہوئی، کرپس نے جناح صاحب سے کب ملاقات کی، کرپس مشن کب واپس ہوا۔ نیز ملک کی سیاسی زندگی میں جو تیز رفتار اتار چڑھاؤ آ رہے تھے ان کی بھی موقع بہ موقع روداد (۳)

---

(۱) سبھاش: سبھاش بابو کی گرفتاری ۲۵ر جمادی الاولیٰ ۵۹/۲ر جولائی ۴۰۔

اس رات میں نو بجے ہوائی جہاز میں آگ لگنے سے سبھاش چندر بوس کا انتقال ہوا۔ ۱۸ر اگست ۴۵/ ۹ رمضان۔

آج شاہنواز، سہگل، ڈھلوں کے...... انچیف نے رہا کر دیا۔ ۳ر جنوری ۴۶/ ۲۸ محرم ۶۵۔

(۲) زعمائے ہنود: گرفتاری وبجویت سابق وزیری ۲۳ر شوال ۵۹/ ۲۴ر نومبر ۴۰۔

گرفتاری سری کرشن وزیر اعظم بہار ۲۶ر شوال ۵۹/ ۲۷ر نومبر ۴۰۔

(۳) سر اسٹیفورڈ کرپس، ۴ بجکر ۵ منٹ پر ہوائی جہاز سے کراچی نزول۔ ۲۲ر مارچ ۴۲/ ربیع الاول ۶۱۔

ملاقات کرپس، ابوالکلام ۳ سے ۴ بجے تک...... ملاقات کرپس با جناح ۴ بجے سے ۵ بجے تک۔

۲۵ر مارچ ۴۲/ ۷ر ربیع الاول ۶۱۔

واپسی کرپس بنا کامی ۱۲ر اپریل/ ۲۳ر ربیع الاول۔

قلمبند کی گئی ہے، خصوصاً ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۷ء کے بعد تک واقعات وحوادث میں سے مشکل سے کوئی اہم بات ہوگی جس کا کم زیادہ تذکرہ اس میں نہ ہو۔

ہندوستان سے انگریزوں کے جانے کے اعلان اور ۱۹۴۷ء میں ہندو پاکستان دو علیحدہ ملک تسلیم کئے جانے کے منصوبہ کے بعد، ان دونوں ملکوں میں وحشت و بربریت کا جو طوفان برپا ہوا اور انسانیت کے دامن کو جس طرح تار تار کیا گیا، جس بے دردی سے انسانوں کا خون بہا اور نا کردہ گناہ لوگوں پر جو تباہی آئی، اس کا بھی خاصی تفصیل سے احوال بیان کیا گیا ہے۔

کہاں کب فساد ہوا، پولس نے کیا کارروائی کی، کتنے لوگ مقتول یا زخمی ہوئے، کس قدر مسلمان شہید ہوئے، اوران پر کہاں کہاں کیا آفت آئی۔ ہر ایک کی پر الم روداد اس روزنامچہ کے سینہ پر ثبت ہے۔(۱) ہندوستان سے پاکستان جانے والی ریلوں پر جو گذری اور جس طرح جانے والے افراد اپنے عزیزوں رشتہ داروں اور جگر پاروں کو قربان ہوتے دیکھتے رہے، اس کا بھی نظارہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۹۴۷ء کے بعد جب فساد کی لہر چلی تو اس وقت سے گاندھی جی کے قتل تک وحشت کا جو ایک عالم طاری رہا، اس کی اطلاعات بھی لکھی گئی ہیں، اور گاندھی جی کے قتل کے بعد سے

---

(۱) فساد اگست ۴۷ء سے پہلے:

کلکتہ میں یوم پاکستان پر زبر دست فساد دس ہزار مقتول پچیس ہزار مجروح ۱۸ر رمضان ۶۵/ ۱۰ر جولائی ۴۶۔

بمبئی میں فساد آج یکم ستمبر ۴۶/ ۴ر شوال ۶۵...... آج ۳۷ ہلاک، ۱۷۰ مجروح، پولس نے تین مرتبہ گولی چلائی۔

فساد کا پانچواں دن...... ۸ر شوال ۶۵ / ۵ر جولائی اب تک فوج نے ۳۵۳ مرتبہ گولی چلائی۔

بمبئی میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد آج ۲۴۵ تک پہونچ گئی۔ ۱۴ر شوال/ ۱۱ ستمبر ۴۶۔

......موضوع بردی ضلع بستی میں مسلمانوں کے مکانات کی آتش زنی، غارت گری، زخم، ہلاکت وغیرہ عیدالاضحیٰ سے ہو رہی ہے۔ کل مکان مسلم ۸۳...... عدد مسلم...... ۴۶ عدد ہنود...... ۳۷ محروقہ مسلم ۴ ہنود۔

حادثہ فاجعہ جے پور بر توسیع دروازہ جامع مسجد ایک ہزار گولیاں/ ۳۱ شہید۔ ۲۵۰ مجروح۔

۱۲ر مواضع پر فساد.. ۱۰ر محرم ۵۸/ ۲ر مارچ ۳۹۔

حضرت شیخ کی وفات کے آخری دور تک جہاں کہیں اس کے حادثات پیش آئے ان کی مفصل و مختصر بات ضرور لکھی گئی ہے۔

کس تاریخ کو کہاں فساد ہوا، اس میں مسلمانوں نے کیا نقصان اٹھایا، کتنے لوگ شہید ہوئے (۱) اور قتل کئے گئے، مسلمانوں پر حالات کا شکنجہ اور حکومت کی گرفت کب کہاں کس طرح بڑھی، گائے کی قربانی پر کہاں کب پابندی لگی، اردو کو کس کس طرح ذبح کیا گیا (۲) کن کن اداروں سے اس کو بے دخل کیا گیا، کون سے غیر مسلم تہوار کی چھٹی کب شروع ہوئی، زمیندارہ کا خاتمہ کس طرح ہوا، قومی اسمبلی میں مسلمانوں کے لئے مختص نشست کس کی سازش پر کب ختم کی گئی، دستور ساز اسمبلی میں ہندی قومی زبان بنانے کا فیصلہ کب ہوا، زمیندارے کے خاتمہ کا بل کب منظور کیا گیا، کونسی مسلم ریاست کب انڈین یونین میں ضم ہوئی، ریاست حیدر آباد پر کیا گذری۔ کس کس بات کا ذکر کیا جائے۔ اگر اس روزنامچہ کو شروع سے آخر تک توجہ سے پڑھا جائے (۳) تو اس کے ذریعہ سے برصغیر ہند کے مسلمانوں کے اس عہد ابتلاء کی خاصی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔

---

(۱) سارے پنجاب میں فرقہ وارانہ فساد کی کثرت ۲۷رمئی ۴۶/ ۲۴رجمادی الثانی ۶۵۔

کلکتہ، دہلی، الہ آباد، گیا، ڈھاکہ وغیرہ میں فسادات رمضان ۶۵/ اگست ۴۶۔

(۲) اردو ہندی: سمپورنا نند کی تحریک ہندی پر گاندھی کی تصدیق اور ہندی کے رواج کا پروانہ دیدیا ہے۔ کانگریس نے گذشتہ اجلاس دہلی میں ڈاکٹر اشرف کی تحریک زبان کو مسترد کردیا۔ سرورق روزنامچہ اول۔

زمینداری کا خاتمہ: ۲؍اکتوبر ۴۹/ ۸رذی الحجہ ۹۸۔

اسمبلی کی نشستوں کے لئے مسلمانوں کی تعیین کا قانون، پٹیل کی تجویز کے مطابق ختم کردیا۔

۲۷رجب ۶۸/ ۲۶رمئی ۴۹۔

(۳) روزنامچہ کے آغاز سے پہلے ضروری یادداشتوں کے لئے چند صفحات مختص کئے گئے ہیں اس میں مسلم لیگ کے متعلق معلومات واندراجات کے لئے تین صفحات ہیں، جمعیۃ علماء ہند کے لئے ایک۔

اس روزنامچہ کی اطلاعات میں بعض واقعات کا ایسا پس منظر یا اشارات بھی آ گئے ہیں جس کا ہماری معروف تاریخوں میں تذکرہ نہیں ملتا۔

یہاں یہ عرض کرنے کی بھی جسارت کر رہا ہوں کہ حضرت شیخ کے اس روزنامچہ کے مطالعہ سے نیز حضرت شیخ کی بعض اور تحریرات ومکتوبات سے جو راقم نے دیکھے پڑھے ہیں، جھلکتا ہے کہ حضرت شیخ ذہنی طور سے مسلم لیگ کے ساتھ تھے، لیکن زبان سے اس کا کبھی اظہار نہیں کیا، جس کی غالباً کئی وجوہات تھیں۔

(۱) علمائے مظاہر سیاسیات سے ہمیشہ الگ اور بالکل یکسو رہے۔(۱)

(۲) حضرت شیخ کے حضرت مدنی سے غیر معمولی روابط وانسیت تھی اور حضرت مدنی کی کانگریس سے گہری وابستگی عالم آشکارا ہے۔

(۳) حضرت شیخ ''الاعتدال'' جیسی اہم کتاب لکھ کر اعتدال وتوازن کی طاقتور دعوت دے چکے تھے۔

اندازہ یہ ہے کہ حضرت شیخ کا ۱۹۴۷ء تک یہی رجحان رہا، اس کے بعد اس میں کچھ تبدیلی آئی، اور حضرت مدنی کی وفات کے بعد گویا بالکل دوسری رائے ہوگئی تھی۔

---

(۱) یہاں ایک دلچسپ اندراج کا تذکرہ کرتا ہوں روزنامہ انصاری، دہلی نے ۲۳ محرم ۱۳۶۵ھ ۲۹/۴۵ کو مدرسہ مظاہر علوم کے ناظم (مولانا عبداللطیف صاحب) سے منسوب کر کے یہ بیان شائع کیا کہ: ''مقابلہ لیگ اور کانگریس کا نہیں، اسلام اور دہریت کا ہے''، مگر ناظم صاحب نے اس قسم کا کوئی بیان نہیں دیا تھا، اس لئے ضروری تھا کہ ناظم صاحب اور مدرسہ کی جانب سے اس کی تردید آئے، یہ تردیدی بیان، روزنامہ منشور دہلی میں ۶ر صفر ۱۳۶۵ھ/ ۱۱ر جون ۱۹۴۶ء کو چھپا، اس کے الفاظ یہ تھے کہ ناظم مظاہر علوم نے کہا ہے کہ: ''(یہ) مضمون میرا نہیں۔ اگرچہ فی نفسہ صحیح ہے'' اصحاب مظاہر علوم نے اپنی رائے اور اصول کو اس حد تک قائم رکھا کہ، مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوری نے جو حضرت تھانوی کے ممتاز خلفاء میں تھے، حضرت تھانوی کی مسلم لیگ کی حمایت اور حضرت کے متعدد خلفاء کی لیگ سے وابستگی کے باوجود، لیگ میں شرکت سے صاف انکار کر دیا تھا، جس پر مولانا شبیر علی ناراض بھی ہوئے تھے اور اس سلسلے میں مولانا اسعد اللہ کو خط بھی لکھا تھا۔ ۲۹ر شوال ۵۷/ ۲۲ر دسمبر ۳۸۔

اس روزنامچہ میں یہی نہیں کہ حضرت شیخ صرف اس ملک کے حالات کا تذکرہ فرماتے ہوں اس میں جا بجا عالم اسلام کے اہم واقعات کی بھی نقاب کشائی کی گئی ہے، حجاز وحرمین کے واقعات، عراق و فلسطین کے انقلابات، دوسری مسلم ملکوں کی شورشیں، سازشیں اور بغاوتیں، ان پر مغربی ملکوں کے یلغار کا تذکرہ بھی اس روزنامچہ میں شامل ہے۔

جب عالم اسلام کے واقعات کا تذکرہ ہے تو بین الاقوامی واقعات کا تذکرہ کیوں نہ ہو، اس لئے دوسری جنگ عظیم کے واقعات تاریخیں اور اس کے متعلقات کا اچھا خاصا ذکر ملتا ہے، جرمنی کا روس پر حملہ، جاپان کے خلاف جنگ کا اعلان، جاپان کی حکومت کا ہندوستان پر پیش قدمی ،کلکتہ پر گولہ باری، چرچل کا وزیر اعظم بننا، قیصر جرمنی کی موت، ہٹلر کی خودکشی، امریکہ یورپ میں حکومتوں کے تغیرات، دوسری جنگ عظیم کی ابتداء اور اختتام، ہر ایک کا حوالہ اس روزنامچہ میں موجود ہے۔(۱)

اسی پر بس نہیں، بلکہ اور بہت سی ایسی باتیں بھی مذکور ہیں کہ جن پر عموماً توجہ نہیں کی جاتی مثلا برطانوی ہندی حکومت کے خلاف ہڑتالیں، کرنسی کے متعلق گورنمنٹ کے اعلانات، مختلف

(۱) عالمی واقعات: استعفاء مسٹر چیمبرلین وزیر اعظم لندن وتقرر مسٹر چرچل وزارت عظمیٰ۔
یکم ربیع الاول ۵۹/۱۰/ مئی ۴۰۔

وزیر راجیہ عراق کی ملاقات ابن سعود صاحب سے۔	۱۹/ مئی ۴۱۔
معاہدہ ترکی جرمن برائے دس سال بابت عدم مخالفت مابین۔	۱۹/ جون ۴۱/ ۲۳/ جمادی الاول۔
اعلان جرمن کہ بحر اسود اور بحر منجمد میں سرنگیں بچھادی گئی ہیں۔ حملہ جرمنی بر روس بلا اطلاع باوجود معاہدہ۔	۲۶/ جون سنہ ۴۱۔
مسٹر چرچل سڑسٹھ سال گرہ۔	۱۰/ ذی قعدہ ۶۰/ ۳۰/ نومبر ۴۱۔
امریکہ اور برطانیہ کے خلاف جاپان کی جنگ کا اعلان وافتتاح۔	۷/ دسمبر ۴۱/ ۱۷/ ذی قعدہ ۶۰۔
ہٹلر کی شکست اور خودکشی۔	۱۷/ جمادی الاول ۶۴/ ۳۰/ اپریل ۴۵۔
کلکتہ پر جاپان کا پہلا دوسرا حملہ۔	۲۰، ۲۲ دسمبر ۴۲۔

سکوں کے جاری یا بند ہونے کے احکامات، گھڑی کے اوقات میں کمی زیادتی کی اطلاع، (۱) دمدار ستارہ ہونے کی خبر، مردم شماری کی تاریخیں اور اطلاعات، سرکاری تعطیلات کی تفصیلات ہر ایک نے روزنامچہ میں کم وبیش جگہ پائی ہے۔

مگر اس اہتمام اور کثرت معلومات کے باوجود اس روزنامچہ کی حیثیت ہمیشہ ایک گنج مخفی کی سی رہی، حضرت شیخ یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ یہ روزنامچہ ہر کس وناکس کی نظر سے گزرے، ایک عرصہ تک تو کسی کو بھی دکھانے کے حق میں نہیں تھے، غالباً پہلے فرد جنہوں نے اس کا بہ غور مطالعہ ومشاہدہ کیا حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی تھے، راقم سطور کو بھی یہ عزت وسعادت حاصل ہے کہ حضرت نے مجھے اس کے نہ صرف مطالعہ کی اجازت سے نوازا، بلکہ میری درخواست پر اس کے فوٹو اسٹیٹ کرانے کی بھی اجازت دیدی تھی، اسی اجازت کے تحت بیاض کبیر کا بھی فوٹو کرالیا تھا۔ اس لئے اس روزنامچہ اور شیخ کے ایک اور مجموعہائے یادداشت، بیاض کبیر کا مکمل فوٹو اسٹیٹ راقم سطور کے پاس موجود ہے۔ والحمد للّٰہ اولاً و آخراً۔

---

(۱) آج ۱۱ر رمضان/ جولائی ۴۶/ آج سے ڈاک کا سلسلہ شروع ہوا جو تقریباً ایک ماہ سے بند تھا۔

نظام الدین ڈاک خانہ بند ۲۹ر اگست ۴۷۔

مکمل ہڑتال صوبہ پنجاب ۲۶ر ربیع الاول ۶۰/ ۲۴ر اپریل ۴۱۔

حکومت ہند کا اعلان ضرورت سے زیادہ سکّے جمع کرنے ممانعت ریزور بنک اور بنک کے ایجینٹ کریں گے۔

۱۸ر جمادی الاول ۵۹/ ۲۵ر جون ۴۰۔

شملہ میں سرکاری اعلان کہ ۳۱ر مارچ کے بعد وکٹوریہ کا روپیہ اور اٹھنی نہیں چلے گی۔ ۱۶ر رمضان ۵۹/ ۹ر اکتوبر ۴۱۔

مکرر اعلان .... ۱۶ر رمضان ۶۲/ ۲۳ر مارچ ۴۳۔

اعلان گورنمنٹ اسٹینڈرڈ وقت کو گرین وچ کے وقت ساڑھے چھ گھنٹہ آگے کر دیا جائے رات ۱۲ر بجے سے گھڑی ایک گھنٹہ آگے۔

ظہور دم دار ستارہ ساڑھے نو بجے............ لاہور ۲۲ر جمادی الاول ۶۱/ ۸ر جون ۴۲۔

مراٹھی کا مشہور اخبار گیان پرکاش ایک سو تین سال کے بعد آج ۳۱ر دسمبر ۱۹۵۰ء کو بند ہوگیا۔

تولد دختر بخانہ حکیم یحیٰ سہارنپوری و قد حملت امها من اكثرا حدى عشر شهراً۔ ۲۳ر ذی الحجہ ۶۳/ ۹ر دسمبر ۴۴۔

تمام سال (۶۲ ۱۳ھ/ ۱۹۴۳ء) جنگ کی وجہ سے گرانی اشیاء بے حد رہی، گوشت عموماً بارہ آنہ سیر اور کہیں کہیں ایک روپیہ تک فروخت ہوا، گندم فی روپیہ تین سیر سے پانچ سیر تک، گھی (اصلی فی روپیہ) تین چار چھٹانک، دودھ آٹھ آنہ سیر چھالیہ تین روپئے سیر۔

دینی خدمات

حضرت شیخ الحدیثؒ کی دینی خدمات تبلیغی جماعت کے تناظر میں

(مفتی) فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
دارالسلام اسلامی مرکز مالیر کوٹلہ (پنجاب)

دین اسلام اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ اس کا تعلق نہ کسی نسل اور خاندان کے ساتھ ہے نہ کسی وطن اور خطۂ زمین کے ساتھ...... یہ عالم گیر دین ہے اور ساری نسل انسانی اس کی مخاطب ہے۔

نوعِ انسانی کا نقطۂ آغاز یعنی حضرت آدم اس دین کے پہلے داعی اور پیغمبر تھے اور حضرت محمد ﷺ اس سلسلے کی آخری کڑی خاتم النبین تھے۔

نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اللہ کا پیغام قرآن مجید اپنی اصلی شکل وصورت میں باقی ہے۔ قرآن وسنت کی بنیادوں پر کارنبوت یعنی دین کی دعوت وتبلیغ اب اس کی ذمہ داری ہے جس کے سر پر خیرِ امت کا تاج رکھا ہے۔ امت محمدیہ کا ہر ہر فرد اپنے اپنے دائرے میں اور اپنی اپنی حیثیت میں اس دعوت کو دوسروں تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم شرح مسلم میں لکھا ہے کہ:

”دین کی دعوت وتبلیغ ،قرآن وسنت کی تعبیر وتشریح زبان سے یہ علماء کی ذمہ داری ہے۔شریعت اسلامیہ کا نفاذ یہ حاکموں کی ذمہ داری ہے اور علماء کی تشریح وتعبیر کی روشنی میں دین کو ماننا اور دوسروں تک پہنچانا یہ عوام کی ذمہ داری ہے۔“

تو حاکم بھی دعوت وتبلیغ کے ذمہ دار ہیں.......... اپنے دائرہ اختیار میں

علماء بھی دعوت وتبلیغ کے ذمہ دار ہیں..........قول وعمل کے دائرہ میں

عوام بھی دعوت وتبلیغ کے ذمہ دار ہیں..........علماء کی تشریح وتعبیر کی روشنی میں

دین اسلام ایک مکمل دین ہے،اس میں عبادت بھی ہے،معاشرت بھی ہے،معاملات بھی ہیں،معیشت بھی ہے،سیاست بھی ہے،زندگی کا ہر گوشہ اور انسانی سرگرمیوں کا ہر حصہ دین اسلام کے دائرے میں داخل ہے۔اس میں حقوق اللہ بھی ہیں اور حقوق العباد بھی۔

اصطلاحی طور پر تبلیغ نام ہے اسلام کی دعوت ان لوگوں تک پہنچانے کا جو اس دعوت سے نا آشنا ہوں یا جن تک اسلام کی حقیقی دعوت صحیح طور پر نہ پہنچی ہو یا جو مسلمانوں کی بے عملی اور بدعملی کی بدولت اسلام کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہوں۔

رہے وہ لوگ جو نسلاً مسلمان ہیں مگر عملی کوتاہیوں میں اپنی جہالت کی وجہ سے مبتلا ہیں تو ان کو اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کرنے کا نام تذکیر ہے یعنی بھولی ہوئی بات کی یاددہانی لیکن اس زمانے میں لفظ ”تبلیغ“ تذکیر کے معنی میں بھی عام طور پر استعمال کیا جانے لگا ہے۔

﴿۱﴾

تبلیغی جماعت کا قیام

ڈاکٹر ایوب قادری اپنی کتاب ”تبلیغی جماعت کا تاریخی جائزہ“ میں تبلیغی جماعت کے قیام کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

”چونکہ مولانا الیاس سے میوات کے لوگوں کا گہرا تعلق تھا اس لئے مولانا کی صدارت

میں ۲؍اگست ۱۹۳۴ء کو قصبہ نوح میں ایک پنچایت کی گئی جس میں میوات کے علاقے کے چودھری، میاں جی، ذیل دار، انعام دار، نمبر دار، صوبے دار، منشی، سفید پوش اور دیگر سر برآوردہ لوگ جمع ہوئے جن کی تعداد تقریباً ایک سو سات تھی۔ اس پنچائیت میں سب سے پہلے اسلام کی اہمیت بیان کی گئی اور پھر عہد کیا گیا کہ اسلام کے ارکان کی پورے طور سے پابندی کی جائے۔ دین کی اشاعت و دعوت کا کام اجتماعی طور سے کیا جائے اور اس کام کے لئے پنچائیتیں کی جائیں اور مندرجہ ذیل امور کی پابندی کا عہد کیا گیا۔

(۱) کلمے کا صحیح یاد کرنا۔

(۲) نماز کی پابندی۔

(۳) تعلیم حاصل کرنا اور اس کی اشاعت ۔

(۴) اسلامی شکل وصورت۔

(۵) اسلامی رسوم کو اختیار کرنا اور رسوم شرکیہ کا مٹانا۔

(۶) عورتوں میں پردے کی پابندی ۔

(۷) اسلامی طریقے سے نکاح کرنا۔

(۸) عورتوں میں اسلامی لباس کا رواج ۔

(۹) اسلامی عقیدے سے نہ ہٹنا اور کسی غیر مذہب کو قبول نہ کرنا۔

(۱۰) باہمی حقوق کی نگہداشت وحفاظت ۔

(۱۱) ہر جلسے اور اجتماع میں ذمہ دار حضرات کا شریک ہونا۔

(۱۲) دینی تعلیم کے بغیر بچوں کو تعلیم نہ دینا ۔

(۱۳) دین کی تبلیغ کے لئے محنت اور کوشش کرنا۔

(۱۴) پاکی کا خیال رکھنا۔

(۱۵) ایک دوسرے کی عزت وآبرو کی حفاظت کرنا۔

(ملاحظہ ہو ڈاکٹر ایوب قادری کی کتاب تبلیغی جماعت کا تاریخی جائزہ ص ۹۲/۹۳)

ان امور کے علاوہ اس پنچائیت میں یہ طے کیا گیا کہ تبلیغ صرف علماء کا کام نہیں ہے بلکہ سب مسلمانوں کا فریضہ ہے اور ہم سب اس کو انجام دیں یہ ساری طے شدہ باتیں لکھی گئیں، پنچائیت نامہ مرتب کیا گیا اور اس پر شرکاء کے دستخط ہوئے۔ (سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ۱۴۱)

دراصل اس پنچائیت سے تبلیغی جماعت کا باقاعدہ آغاز ہوا اور مندرجہ ذیل طریقۂ کار وضع کیا گیا۔

(۱) اس دینی تحریک میں دین سیکھنے کا نبوی اور فطری طریقۂ کار ضروی قرار دیا گیا، ملت کے سارے طبقوں میں دینی دعوت کو عام کیا جائے اور سارے طبقوں کو اس کا حامل اور داعی بنانے کی کوشش کی جائے۔

(۲) دین کے لئے عملی جدو جہد کرنا، نقل وحرکت اور سعی وعمل کو فروغ دیا جائے۔

(۳) دین کے لئے تعلیم وتعلم اور خدمت و اشاعت دین کو مسلمانوں کی زندگی کا جز قرار دیا گیا۔

(۴) دین کے لئے عارضی ترک وطن کو لازمی قرار دیا گیا یعنی ہر مسلمان دین سیکھنے اور سکھانے کے لئے اپنے مشاغل اور ماحول کو چند دنوں کے لئے چھوڑ کر دوسری جگہ جائے اور بہتر ماحول میں یکسوئی سے دین سیکھے۔

اس کے لئے چھ مندرجہ ذیل اصول ضروری قرار دیئے گئے۔

(۱) کلمہ کی تصحیح ۔ (۲) نماز کو صحیح کرنا۔

(۳) علم وذکر۔ (۴) اکرام مسلم۔

(۵) نیت کو صحیح کرنا۔ (۶) تفریغ وقت یعنی وقت فارغ کرنا۔

اس طریقۂ کار اور اصولوں کے ساتھ حسب ذیل مطالبے رکھے گئے۔

(۱) ہر مہینے کچھ وقت میں اپنے ماحول میں ضروریات دین (کلمہ ونماز) کی تبلیغ کی جائے اور باقاعدہ جماعت بنا کر ایک نظام کے تحت قرب وجوار میں گشت کیا جائے۔

(۲) میواتی ہر مہینے میں تین دن کے لئے پانچ کوس کے حدود کے اندر دیہات میں جائیں اور شہری لوگ شہروں اور قریب کی آبادیوں میں جا کر تبلیغ کریں، اس سلسلے میں گشت واجتماع کیا جائے اور دوسروں کو نکلنے پر آمادہ کیا جائے۔

(۳) کم سے کم چار مہینے (تین چلے) دین سیکھنے کی غرض سے اپنے گھر اور وطن سے نکلیں اور ان مراکز میں جائیں جہاں دین اور علم زیادہ ہے، اس دعوتی سفر اور نقل وحرکت کے دنوں کا ایک مکمل نظام الاوقات مرتب کیا جائے جس کے تحت جماعتیں کام کریں، ایک وقت میں گشت، ایک وقت میں اجتماع اور ایک وقت میں ضروریات کا پورا کرنا ہو اور یہ تمام کام ترتیب وتنظیم کے ساتھ ہونے چاہئیں، اس طرح تبلیغی جماعت ایک چلتی پھرتی خانقاہ، متحرک دینی مدرسہ اور ایک اخلاقی اور دینی تربیت گاہ بن جاتی ہے۔ (سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص۱۴۲؍۱۴۳)

ایک موقع پر مولانا محمد الیاس صاحب نے فرمایا کہ ''ہماری اس تحریک کا اصل مقصد اسلام کے پورے علمی وعملی نظام سے امت کو وابستہ کرنا ہے، قافلوں کی چلت پھرت اور تبلیغی گشت اس کا ابتدائی ذریعہ ہیں، اس طرح کلمہ ونماز کی تلقین وتعلیم گویا ہمارے نصاب کی الف ب ت ہے، ہمارے کارکن ہر جگہ پہونچ کر اپنی جدوجہد سے وابستہ کردیں اور وہاں کے علماء وصلحاء کو عوام کی اصلاح پر لگادینے کی کوشش کریں۔'' (ملفوظات مولانا محمد الیاس مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی ص ۱۳۱)

تربیت وتذکیر کے لئے ایک مختصر سا نصاب بھی مقرر کیا گیا جس میں شروع میں پانچ کتابیں (۱) جزاء الاعمال (۲) راہ نجات (۳) فضائل نماز (۴) حکایات صحابہ (۵) چہل حدیث شامل تھیں، بعد میں فضائل قرآن، فضائل ذکر اور رسائل تبلیغ کا بھی اضافہ کردیا گیا۔

ان کتابوں کے علاوہ برکات ذکر، فضائل تبلیغ، حیات المسلمین، تعلیم الاسلام (مرتبہ مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی) اور علم الفقہ (مرتبہ مولانا عبدالشکور لکھنوی) کی بھی سفارش کی گئی، اسی طرح سیرت نبوی اور صحابہ کرام کے حالات پر بھی کتابیں پڑھی جائیں اور اس کے بارے میں حکایات صحابہ کی نشاندہی کی گئی۔ (نصرت دین واصلاح المسلمین کی ایک کوشش از مولانا محمد منظور نعمانی ص ۳۳)

تبلیغی جماعت کا یہ لائحہ عمل اسلام کے صرف شعبۂ عبادت تک محدود ہے لیکن مولانا محمد الیاس کی جو بات مولانا منظور نعمانی صاحب نے ملفوظات مولانا محمد الیاس ص ۱۳۱ پر نقل کی ہے اور جس کو اوپر کی سطروں میں نقل کیا جا چکا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا الیاس اس پروگرام کو حرف آخر نہیں سمجھتے تھے اور ان کا خیال یہ تھا کہ جیسے جیسے یہ تحریک پھیلتی جائے گی اسلام کا مکمل عملی نظام سامنے آتا جائے گا۔

بہرحال اوپر ذکر کئے گئے پنچائیت نامے کے اعتبار سے تبلیغی جماعت نے اپنی سرگرمیاں شروع کردیں اور اس کے لئے میوات کا علاقہ مناسب سمجھا گیا کیوں کہ شدھی کی تحریک کا تمام زور اسی علاقے میں رہا تھا۔ (ملاحظہ ہو تبلیغی جماعت کا تاریخی جائزہ ڈاکٹر ایوب قادری)

۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء میں مولانا احتشام الحسن صاحب نے مولانا الیاس صاحب کے ایما پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام ہے ''مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج'' اس رسالے میں وضاحت کی گئی ہے کہ:

(۱) تبلیغ دین کی ذمہ داری میں علماء کے ساتھ عامۃ المسلمین بھی شریک ہیں

(۲) نہی عن المنکر کی کوشش میں علماء کے ساتھ عامۃ المسلمین بھی شامل ہیں۔

(۳) جہاد (بالسیف) کے لئے اس وقت موقع نہیں ہے اور یہ تحریک اس کا بدل ہے۔

مولانا احتشام الحسن صاحب نے اپنے رسالے ''مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج'' میں جہاد کے متعلق تحریر فرمایا کہ:

’’اگرچہ آیت (النساء ۹۵/۹۴) میں جہاد سے مراد کفار کے مقابلے میں سینہ سپر ہونا ہے تاکہ اسلام کا بول بالا ہو اور کفر و شرک مغلوب و مقہور ہو لیکن بد قسمتی سے آج ہم اس سعادت عظمی سے محروم ہیں تو اس مقصد کے لئے جس قدر جدو جہد ہماری مقدرت و استطاعت میں ہے اس میں تو ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہیے پھر ہماری معمولی حرکت و عمل اور جدو جہد ہمیں کشاں کشاں آگے بڑھائے گی۔

اسی رسالے میں دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ:

’’حق تعالی نے ہم سے دو چیزوں کا مطالبہ کیا، اول یہ کہ ہم خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائیں دوسرے یہ کہ اپنی جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کریں اور اس کے بدلے میں دو چیزوں کی ہمیں ضمانت دی۔ آخرت میں جنت اور ابدی چین و راحت اور دنیا میں نصرت و کامیابی۔ پہلی چیز جو ہم سے مطلوب ہے وہ ایمان ہے ظاہر ہے کہ ہماری اس تبلیغ کا منشاء بھی یہی ہے کہ ہمیں حقیقی ایمان کی دولت نصیب ہو۔ دوسری چیز جو ہم سے مطلوب ہے وہ جہاد ہے۔ جہاد کی اصل اگرچہ کفار کی ساتھ جنگ اور مقابلہ ہے مگر درحقیقت جہاد کا منشاء بھی اعلاء کلمۃ اللہ اور احکام خداوندی کا نفاذ او را جراء ہے۔ اور یہی ہماری تحریک کا مقصد اصلی ہے۔

۱۳ر جولائی ۱۹۴۴ء کو حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی وفات ہوگئی۔ مولانا نے تبلیغی جماعت کو ایک مستحکم فعال ادارے کی صورت میں چھوڑا اور اپنی حیات میں یہ بات اچھی طرح واضح کر دی کہ:

(۱) تبلیغی جماعت کا پروگرام ابتدائی نوعیت کا ہے اور اس کا مقصد ہندی مسلمانوں میں احیائے دین ہے۔

(۱) امر بالمعروف نہی عن المنکر لازم ہے۔

(۳) جان سے جہاد کا سر دست موقع نہیں ہے۔

(۴) مقاصد بالا کے حصول کے لئے علماء صلحاء سے تعاون کیا جائے گا۔

(۵) تحریک کا اصل مقصد اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کرنا ہے۔

تبلیغی جماعت سے منسلک حضرات کے مطالعے کے لئے جن کتابوں کو ضروری سمجھا گیا اوران کے لئے جو نصاب مرتب کیا گیا ان کا ذکر پہلے آچکا ہے کچھ عرصے کے بعد کسی مرحلے پر مندرجہ ذیل کتابوں کا ایک مجموعہ ''تبلیغی نصاب'' کے نام سے مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کا مرتب فرمودہ ہے اوراس میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

(۱)	حکایات صحابہ	(۲)	فضائل تبلیغ
(۳)	فضائل ذکر	(۴)	فضائل نماز
(۵)	فضائل قرآن	(۶)	فضائل رمضان
(۷)	فضائل درود شریف	(۸)	مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج

۲

۲۱ ؍رجب المرجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳؍جولائی ۱۹۴۴ء حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے وصال کے بعد تبلیغی جماعت کی باگ ڈور ان کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحب نے سنبھالی۔

مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری اپنی کتاب ''حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ (مراد ہیں مولانا زکریا صاحبؒ) نے حضرت مولانا مرحوم (یعنی مولانا محمد الیاس صاحبؒ) کا عمامہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے سر پر باندھا اور برابر میں بیٹھ کر لوگوں کو موصوف سے بیعت کرایا۔ امیر دعوت و تبلیغ اور جانشین ہونے کی حیثیت سے آپ کی سب سے پہلی تقریر مسجد سے باہر نیم کے درخت کے پاس ہوئی جہاں ہزاروں لوگوں کا مجمع

(مولانا الیاس صاحبؒ کی) نماز جنازہ میں شرکت کے لئے سراپا انتظار تھا۔ (صفحہ۹۱)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی وفات کے بعد مولانا محمد یوسف صاحب کے ابتدائی دورِ امامت میں حضرت شیخ (مولانا زکریا صاحب) نور اللہ مرقدہ بہت کثرت کے ساتھ دہلی تشریف لے جا کر طویل طویل قیام فرماتے رہے اور اپنی خداداد قوت و جرأت کے ساتھ وہاں کے معاملات و مسائل کو حل فرماتے رہے۔ قدیم تبلیغی احباب کی دلداری اور ان کو مرکز اور کام سے وابستہ رکھنے کی فکر نئے آنے والے لوگوں کے جذبات و خیالات کا احساس اور ان کو کام سے جوڑنے کی تدبیر بڑی فراست اور دور بینی کے ساتھ فرماتے رہے۔ مرکز اور اہل مرکز کو کسی بھی طرح کے انتشار و خلفشار سے محفوظ رکھنے میں حضرت کی دعائے نیم شبی اور توجہات کو خصوصی دخل رہا کئی سال متواتر ماہ رمضان المبارک وہاں گذارے اور اعتکاف بھی کئے تاکہ مرکز میں کسی قسم کا ضعف نہ آنے پائے۔ (مولانا انعام الحسن کاندھلوی)

۲۹/ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲/اپریل ۱۹۶۵ء حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف صاحب وفات پا گئے۔ مولانا کی وفات لاہور میں ہوئی آپ کی میت بذریعہ ہوائی جہاز دہلی لائی گئی اور نظام الدین میں اپنے والد مولانا الیاسؒ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

مولانا یوسف صاحب کے فرزند مولانا محمد ہارون صاحب تھے اور ان کے فرزند مولانا محمد سعد صاحب ہیں۔ عین عالم شباب میں مولانا محمد ہارون صاحبؒ ۲۸/ستمبر ۱۹۷۳ء کو انتقال کر گئے۔

مولانا محمد یوسف صاحب کے انتقال کے بعد تبلیغی جماعت کے تیسرے امیر مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی ہوئے۔ مولانا شاہد لکھتے ہیں کہ (مولانا یوسف صاحب کی) تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد حضرت شیخ (مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے اکابر اور جماعتی احباب سے مشورے کے بعد حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کو تبلیغی و دعوتی امور کا ذمہ دار

اور امیر بنایا اور پھر عمومی اعلان ہو کر بحیثیت جانشین آپ نے لوگوں کو بیعت کی۔

(مولانا انعام الحسن ۲۷۴)

مولانا ابوالحسن ندویؒ سوانح حضرت شیخ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے انتقال کے بعد باوجود ایک حلقے کی خواہش و تقاضے اور جذباتی تعلق کے ان کے اپنے لخت جگر عزیز مولوی ہارون کو اپنے والد و دادا کا جانشین بنانے کے بجائے (جن سے اہل میوات کو جذباتی تعلق تھا) زمانے کی نزاکتوں اور وقت کے تقاضوں کے پیش نظر مولانا انعام الحسن صاحب کو جانشین بنایا جو مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے شروع کے شریک کار، دست راست اور مشیر و معاون تھے اور جو اپنے فہم و تجربہ، علم و عمر کی وجہ سے جماعت اور کام کی صحیح رہنمائی کر سکتے تھے۔ شیخ کے اس انتخاب اور فیصلہ پر ایک حلقہ نے احتجاج بھی کیا اور بعض عمائدین دہلی نے شیخ کی اس رائے کو تبدیل کرنے کی کوشش کی لیکن شیخ اس پر مضبوطی سے قائم رہے اور بعد کے تجربوں نے اور دعوت کی موجودہ ترقی، مقبولیت اور عالمگیر وسعت نے ثابت کر دیا کہ یہ فیصلہ و انتخاب صحیح اور حق بجانب تھا۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے کس طرح مختلف مرحلوں پر تبلیغی جماعت کی پشت پناہی کی، اس کو مستحکم کیا اور اس کو وسعت و ہمہ گیری دی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ ان کی علمی خدمات نہ صرف ہندوستان میں بلکہ عرب ملکوں میں بھی وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ ان کے نام کے ساتھ شیخ الحدیث کا لفظ اس طرح مقبول و معروف ہو گیا تھا کہ جب شیخ الحدیث بولتے ہیں تو ذہن ان ہی کی طرف منتقل ہوتا ہے جس طرح مہتمم صاحب کا لفظ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے ساتھ اس طرح چسپاں ہو گیا تھا کہ مہتمم صاحب بولتے ہی مولانا طیب صاحب کا ہی تصور آتا تھا اسی طرح شیخ الحدیث کا یہ لقب علمی اور عوامی حلقوں میں

مقبول و معروف بن چکا ہے۔

دارالعلوم کی طالب علمی کے زمانے میں بارہا حضرت شیخ الحدیث صاحب کے یہاں حاضری ہوتی تھی اکثر جمعرات کو شام کو سہارنپور جانا ہوتا تھا کیوں کہ جمعہ کی چھٹی ہوا کرتی تھی اس لئے جمعہ کا دن سہارنپور میں گذرتا تھا۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ میں جمعرات کی شام کو حضرت شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے حسب معمول رات کے کھانے کے لئے روک لیا اس روز دسترخوان پر غالباً مسور کی دال تھی۔ جس میں سرکہ پڑا ہوا تھا۔ مجھے اس زمانے میں سرکے سے کچھ زیادہ رغبت نہ تھی پہلا لقمہ لیا تو حلق سے اتارنا مشکل ہوگیا کیوں کہ سرکے کی ایک خاص مہک میرے دماغ کو چڑھنے لگی۔ شیخ الحدیث صاحب نے دیکھا تو کہنے لگے اور ان کے انداز میں بڑی بے تکلفی اور شفقت ہوا کرتی تھی۔ مولوی کے لفظ سے خطاب کرتے تھے۔ کہنے لگے کیوں بھئی مولوی کھاتا کیوں نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کھا رہا ہوں، کہنے لگے نہیں تو کھا نہیں رہا، کیا بات ہے؟ کیا تجھے ہمارے گھر کا کھانا اچھا نہیں لگا۔ میں نے جھجکتے ہوئے کہا کہ ذرا سرکے سے کم رغبت ہے کہنے لگے اوہو! یہ بات ہے تو یہاں میرے پاس آ، میری پلیٹ اپنے پاس رکھ لی اور مجھے اپنے پاس بٹھا کر خوب اچھی طرح سرکے میں لقمہ تر کر کے اپنے ہاتھوں سے لقمہ میرے منہ میں دیا اور کہنے لگے کہ تو کھا کے تو دیکھ، اب جو میں نے ان کے ہاتھوں سے لقمہ لیا تو واقعی بہت اچھا لگا پھر دوسرا لقمہ انہوں نے مجھے کھلایا تو واقعی بڑا ذائقہ آیا کہنے لگے کیوں مولوی کیسا لگا میں نے کہا جی بہت اچھا لگا کہنے لگے تو کھا میرے پاس بیٹھ کے۔ میں نے بڑا سیر ہو کر کھانا کھایا اور سرکے سے جو ایک طرح کی بے رغبتی تھی وہ جاتی رہی پھر تو میرا یہ عالم ہوگیا تھا کہ مدینہ طیبہ کے قیام میں خوب سرکہ کھایا کرتا تھا ہر سالن میں سرکہ ڈالتا تھا اور بڑی لذت آتی تھی۔ میں نے سمجھا کہ یہ شیخ الحدیث صاحب کی برکت تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک مرغوب چیز سے بے رغبتی ختم ہو کر مجھے بھی مرغوب ہوگئی۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت شیخ الحدیث کی شخصیت بڑی بھاری بھرکم تھی۔ علمی روحانی اوراخلاقی اعتبار سے ان جیسے چند ہی گنے چنے لوگ ان کے دور میں رہے ہوں گے۔ لوگوں کا ان کی طرف رجوع بہت زیادہ تھا ان کے حلقہ ارادت میں ہر طرح کے لوگ بڑی تعداد میں شامل تھے۔ان کی طبعی خصوصیات بھی بڑی منفرد تھیں۔ بذلہ سنج، خوش مزاج، بااخلاق اور بے تکلف قسم کے آدمی تھے ہر طرح کی بناوٹ سے ان کی زندگی پاک وصاف تھی۔ اللہ تعالی نے مقبولیت کا بڑا اونچا مقام ان کو عطا کیا تھا اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ تبلیغی جماعت کے وہ روح رواں تھے۔ان کی کتابوں نے کتنے ہی لوگوں کی زندگیوں کو بدل دیا ہے۔تبلیغی حلقوں میں تو ان کی کتاب اتنی پسند کی جاتی ہے کہ اس کے مقابلے میں کسی کتاب کو کتاب بھی نہیں سمجھا جاتا۔

شیخ الحدیث صاحب کی خدمات اور تبلیغی جماعت کے لئے ان کی جدو جہد نا قابل فراموش ہے۔اللہ تعالی ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور دین کی تبلیغ کا یہ کام صحیح خطوط پر آگے بڑھتا رہے۔ آمین

حضرت قطب الاقطاب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
کے
فیوضات علمی وروحانی امریکہ اور یورپ میں

عبداللہ کاپودروی
(مقیم حال ٹورنٹو کینیڈا)

حضرات گرامی! ہم سب سے پہلے تہ دل سے مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری حفظہ اللہ کے شکر گذار ہیں کہ موصوف نے عالم اسلام کے مصلح کبیر، محدث عظیم، برکۃ العصر حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ کی خدمات اوران کے علمی وروحانی کمالات کواجاگر کرنے اور ان کی مثالی شخصیت سے سبق حاصل کرکے ہمیں اپنی زندگی کو صحیح رخ پر ڈالنے کے لئے یہ سمینار منعقد فرمایا۔اورہم سب کواستفادہ کا موقع فراہم فرمایا۔فجزاھم اللہ أحسن الجزاء۔

بلاشبہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ اپنے زمانہ کے قطب، مصلح کبیر اور محدث عظیم تھے۔

حضرت اقدس کی ولادت باسعادت کی خبر سنتے ہی آپ کے جد امجد ولی کامل حضرت مولانا اسماعیل صاحب کی زبان سے جملہ نکلا تھا کہ ’’ہمارا بدل آگیا‘‘۔چنانچہ آپ کی تعلیم وتربیت اور نوعمری میں تدریس کی خدمات وغیرہ کی تفصیلات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت

اقدس کی ذات گرامی موہوب من اللہ اور آپ کی شخصیت خصوصی عنایات الٰہی کی پروردہ تھی۔
اور اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ اکناف عالم میں علمی اور روحانی فیوضات پہنچانا چاہتے تھے۔

برصغیر میں آپ کے فیوضات علمی و روحانی سے جو لوگ سیراب ہوئے ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ اور اہل علم اس سے بخوبی واقف ہیں۔ ناچیز اس مختصر وقت میں حضرت اقدس کے یورپ وامریکہ، کینڈا اور افریقہ میں جو روحانی فیض پہنچا اس پر گفتگو کرنا چاہتا ہے۔

امریکہ کے شہر بفیلو میں حضرت کے مسترشد محترم جناب ڈاکٹر اسماعیل میمن صاحب زیدمجدہ حضرت کے مجازین میں ان کا اسم گرامی معروف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے باوجود اس کے کہ ان کا پیشہ ڈاکٹری تھا اور ان کا کام لوگوں کے جسمانی امراض کی تشخیص اور اس کا علاج کرنا تھا۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی توجہات عالیہ نے ان کو روحانی طبیب بنادیا۔ سعودی عرب سے وہ کنیڈا تشریف لے گئے پر امریکہ میں قیام کرلیا۔ بفیلو (BUFFELO) میں ایک بڑے چرچ کو خرید کر ''مسجد زکریا'' کے نام سے نماز باجماعت کا انتظام کرایا، اور عربی مدرسہ کی بھی ابتدا کی گئی۔ الحمد للہ۔ آج وہاں درجات حفظ وقراءت اور درس نظامی درجہ ہفتم تک جاری ہو چکا ہے۔ اس تعلیمی کام کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا ہے۔ بہت سے تعلم یافتہ حضرات جن میں بعض اچھے ڈاکٹر بھی ہیں ڈاکٹر اسماعیل صاحب کی صحبت اور تربیت سے خلافت کے مستحق بھی ہو گئے ہیں۔

رمضان المبارک میں امریکہ کے علاوہ کینڈا اور بارباڈوز سے بھی بہت سے سعادت مند حضرات اپنی دنیوی مشغولیتوں کو چھوڑ کر بفیلو کی خانقاہ میں پورا ماہ گذار کر عبادت وذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ امریکہ جیسے ملک میں پچاس ساٹھ ذاکرین کا یہ مجموعہ حضرت شیخ الحدیث

رحمہ اللہ کے فیضان کا کھلا ثبوت ہے۔ اللہ تعالی مزید ترقی عطافر ما کر قبولیت نصیب فرمائے۔

ڈاکٹر اسماعیل صاحب کے فرزندان گرامی مولوی ابراہیم سلمہ مولوی منصور سلمہ اور مولوی مفتی محمد حسین سلمہ بھی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ میں پوری توجہ سے لگے ہیں۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء.

کینڈا :

امریکہ کی طرح کینڈا میں بھی ٹورنٹو میں ایک عمارت خانقاہ کے نام ہی سے ڈاکٹر اسماعیل صاحب اوران کے مسترشدین نے خریدی ہے۔ ہر جمعہ وہاں ڈاکٹر صاحب کے متوسلین ومریدین جمع ہوتے ہیں اور ذکر جہری، ختم خواجگان اور بزرگوں کی کتابوں میں سے کسی کتاب کا انتخاب کر کے پڑھی جاتی ہے۔ ہر ماہ میں ایک بار ڈاکٹر صاحب امریکہ سے تشریف لا کر اس مجلس میں شرکت فرماتے ہیں۔ ٹورنٹو کے علاوہ اطراف کے شہروں سے بھی ذاکرین شرکت کرتے ہیں، فلله الحمد و الشكر ۔

کینڈا کے ایک دوسرے شہر کون ویل میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے مجاز مسترشد مولانا مظہر عالم بہاری مظاہری مدظلہ العالی نے بھی عربی مدرسہ قائم فرما کر حفظ و تجوید اور ابتدائی عربی کتابوں کا درس جاری کر دیا ہے۔ نیز تعلیمی کاموں کے ساتھ صحبت وارشاد کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ اور الحمد للہ اس کا نفع عام ہوتا جا رہا ہے۔ مولانا مظہر عالم صاحب مدظلہ مظاہر العلوم کے فاضل ہیں۔ اس لئے وعظ و ارشاد کا سلسلہ بھی جاری ہے اور کون ویل کے علاوہ اٹاوہ وغیرہ اطراف کے مسلمان بھائی بھی مولانا کے ارشادات وتوجہات سے مستفید ہو رہے ہیں، حقیقةً یہ سب فیضان حضرت اقدس شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا ہے۔

برطانیہ :

برطانیہ (U.K.) میں حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ سے فیض یافتہ کئی علماء موجود ہیں جن میں حضرت مولانا یوسف متالہ مدظلہ، مولانا محمد ہاشم جوگواڑی مدظلہ اور مفتی اسماعیل کچھولوی مدظلہ، مولانا بلال مدظلہ معروف ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کو مولانا یوسف متالہ صاحب مدظلہ اور مولانا عبدالرحیم متالہ صاحب مدظلہ کے ساتھ بہت عجیب تعلق تھا۔ حضرت اقدس رحمہ اللہ کی خصوصی توجہ کے سبب اللہ تعالی نے دونوں بھائیوں کو دین کی عظیم خدمت کی توفیق بخشی ہے۔ مولانا عبدالرحیم صاحب مدظلہ نے زامبیا (افریقہ) کے شہر چیپاٹا میں دارالعلوم کی بنیاد ڈالی اور الحمد للہ دورۂ حدیث شریف تک تعلیم ہورہی ہے اس کے ساتھ بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ لوسا کا اور دیگر مقامات کے بہت سے نوجوان اور دین کی طلب رکھنے والے مولانا سے اصلاح کا تعلق قائم کئے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا یوسف متالہ صاحب مدظلہ نے شہر بولٹن (BOLTON) کے قریب برمی میں عالیشان دارالعلوم قائم کردیا ہے جو برطانیہ کا سب سے معروف ومشہور دینی درسگاہ ہے۔ تعلیم کے ساتھ طلباء کی تربیت کا بھی خصوصی نظام ہے۔ ہفتہ واری اعتکاف اور لباس وبودو باش میں اتباع سنت کا مزاج وہاں کا طرۂ امتیاز ہے اس کے ساتھ ساتھ خانقاہی نظام اور مجالس ذکر کا سلسلہ بھی برابر جاری ہے۔ رمضان المبارک میں بھی بہت سے سعادت مند دارالعلوم برمی کی مسجد میں اعتکاف فرماتے ہیں برطانیہ جیسے ملک میں جب ہم اس دارالعلوم اور خانقاہ کو دیکھتے ہیں تو دل کی گہرائیوں سے ہمارے اکابرین اور خصوصاً حضرت اقدس شیخ الحدیث کے بلند درجات کے لئے کلمات دعا نکل جاتے ہیں۔

لڑکوں کے دارالعلوم کے علاوہ بریڈفورڈ میں طالبات کے لئے بھی عظیم دارالعلوم قائم ہے مسلم بچیاں وہاں رہ کرعلم دین سے سیراب ہورہی ہیں۔امریکہ، کینڈااور یورپ کے دیگر ملکوں سے بھی طالبات فیضیاب ہورہی ہیں۔

دارالعلوم برمی کے فضلاء مولانا یوسف صاحب کے مشورہ اورنگرانی میں کئی شہروں میں اکیڈمیاں قائم کرچکے ہیں اوروہاں سے مفید ماہ نامے کتابیں انگریزی زبان میں شائع ہوتی ہیں، اللہ تعالی مزید ترقیات عطافرمائے۔

بریڈفورڈ میں مفتی اسماعیل کچھولوی مدظلہ نے دارالارشادوالافتاءنامی مفیدادارہ شروع فرمایاہے اوراصلاح باطن کا کام بھی جاری ہے، الحمدللہ بہت سے مسلمان منتفع ہورہے ہیں۔

مولانا محمد ہاشم جوگواڑی مدظلہ دارالعلوم برمی میں استاذ حدیث شریف ہیں کئی سال سے ابوداؤدشریف کادرس دیتے ہیں۔دوسری طرف سے بیعت وارشادکا بھی سلسلہ جاری ہے۔ رمضان المبارک میں گجرات تشریف لاکرجوگواڑ میں خانقاہی نظام قائم کرتے ہیں۔

یہ ہے مختصر جائزہ حضرت شیخ الحدیث کے فیوضات کا جوامریکہ،کینڈااور برطانیہ میں جاری ہے۔اللہ تعالی حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ اور ہمارے جملہ مشائخ عظام کے درجات بلند فرمائے اوران کے فیوضات کوہمیشہ جاری وساری رکھے ؎

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

و صلی الله علی سیدنا محمد و علی آله و أصحابه أجمعین۔

ادبی خدمات

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

اور

اردو ادب

مولانا ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی
(جامعہ نگر، نئی دہلی)

حضرت شیخ الحدیثؒ بیسوی صدی عیسوی کی ان ممتاز و جامع الصفات شخصیتوں میں سے تھے جہنوں نے امت کے ہر حلقہ میں بڑے گہرے، دوررس اور ہمہ گیر اثرات چھوڑے ہیں، انہوں نے مسند درس سے لے کر مسند ارشاد و ہدایت کو تو زینت بخشی ہی، تصنیف و تالیف، تحقیق و ریسرچ، اور فکر و ادب میں عروج و کمال بھی حاصل کیا جس کی مثال اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، اپنی غیر معمولی صلاحیتوں بلکہ کرامتوں سے تنہا اتنے تاریخ ساز کارنامے انجام دیئے جو اکادمیاں، مجامع اور مجالس پایۂ تکمیل کو پہونچاتی ہیں اور عموماً کام ادھورے یا تشنہ رہ جاتے ہیں، کوئی ایک کام تو اعلیٰ معیار کا ہوتا ہے اور دوسرا کمزور و شکستہ نظر آتا ہے مگر حضرت شیخؒ کی تمام ہی خدمات مثالی و اعلیٰ درجہ کی ہیں، درس و تدریس ہو، تعلیم و تربیت ہو، رشد و ہدایت ہو،

امت کے گونا گوں، زندگی کے ہر شعبہ کے مسائل وتقاضے ہوں، تحقیق وجستجو ہو، یا اصلاحی ودعوتی یا فکری وادبی کاوش ہو، ہر ایک میں آپ کا ذہن بیدار، افکار تازہ، خیالات پاکیزہ، حافظہ پختہ اور قلم رواں دواں اور متحرک رہتا تھا، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ اس جامعیت کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''عام طور پر جو لوگ علمی اور تحقیقی طرز کے عادی ہوتے ہیں، وہ خالص دعوتی واصلاحی اور عام فہم طرز پر تصنیف وتالیف کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے، اور جو دوسرے طرز کے عادی ہوجاتے ہیں، وہ پہلے طرز میں اس کے آداب ومعیار کو قائم نہیں رکھ سکتے، لیکن شیخ کی دونوں طرز کی تصنیفات مؤثر اور کامیاب ہیں، پہلے طرز کا نمونہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ''اوجز المسالک''، ''مقدمہ لامع الدراری''، حجۃ الوداع وعمرات النبی ﷺ'' اور علمی وتدریسی رسائل ''جزء اختلاف الصلاۃ''، ''جزء اختلاف الأئمۃ'' اور ''جزء المبہمات فی الاسانید والروایات'' ہیں، دوسرے طرز کا نمونہ ''حکایات صحابہؓ'' اور فضائل کے رسائل وکتابیں ہیں، اور ان دونوں ''طرزوں کی جامع شمائل ترمذی کا ترجمہ وشرح خصائل نبوی ہے'' اس طرح شیخ بیک وقت مصنف ومحقق بھی نظر آتے ہیں، شارح حدیث اور مورخ بھی معلوم ہوتے ہیں، اور خالص داعی، مذکر اور مختلف طبقات امت کے ان کی زبان میں مخاطب کرنے والے مصلح بھی نظر آتے ہیں، و ذلك فضل الله یوتیه من یشاء''۔

حضرت مولاناؒ کا آخری جملہ اس جانب بھی اشارہ کرتا ہے کہ وہ ادیب اور ہنرمند صاحب قلم بھی تھے جو اپنی بات کو خود اس کی زبان میں اس تک پہونچانے کی قدرت ودستگاہ بھی رکھتے تھے، وہ جھنجھانہ اور کاندھلہ کے جن خانوادوں کے چشم وچراغ تھے وہ اپنے صلاح وتقوی، علم وفضل، رشد وہدایت، للّٰہیت وخشیت اور ایثار وقربانی، تصنیف وتالیف اور ہمہ جہت وہمہ گیر نفع

رسائی میں تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے جس کا فیض اب بھی جاری ہے، حضرت شیخؒ اسی ماحول میں پلے بڑھے اور امت کا درد اور شفاف و پاکیزہ ادبی ذوق رکھتے تھے، زمانہ کی رفتار، حالات کے تقاضے اور امت کے عصر حاضر کے بازیگروں کا شکار ہونے کا خطرہ محسوس کر رہے تھے اس لئے بھی کہ بیسوی صدی مسلمانوں اور اسلام کے لئے خلاف توقع بڑی آزمائش و ابتلاء والی ثابت ہوئی، اٹھارہویں صدی کے آخری دہے میں یورپ صنعتی انقلاب اور سائنسی انکشافات سے روشناس ہوا، جس کے مبادی واصول، شعور وآگہی اور تاریکیٔ فکر سے تفکر و تدبر کے نور کی جانب رخ ور جحان، مسلم دانشوروں، اوراس کے دانشور فراخ دل وکشادہ ذہن اساتذہ سے حاصل ہوا، انہوں نے انیسوی صدی میں اپنے ملکوں میں شدید ترین کشمکش اور مخاصمت وعداوت کے زیر سایہ غیر معمولی کامیابیاں حاصل کرلیں، تاہم ان کے قلب وذہن کے بند دریچے اسلامی حقائق اور نور ایمانی کے لئے وااور ربانی اقدار سے بیگانگی کے شکار ہو گئے، ان افکار ونظریات نے مسلم دنیا کو متاثر بھی کیا اور اہل حق کو متفکر و پریشان بھی کر دیا، ان علماء اور بزرگوں نے اس سم قاتل کے تریاق کے لئے مختلف طریقے اور طرز اپنائے اور اپنی ان کوششوں اور مبارک مساعی سے مسلم جمہور کو راہ حق اور صراط مستقیم کی رہنمائی فرمائی۔

حضرت شیخ الحدیثؒ ان بزرگوں میں تھے جوان حالات سے تڑپ اٹھے اور اپنی تمام تر حدیث نبوی کی تدریسی، تحقیقی اور تصنیفی خدمات کے پہلو بہ پہلو اپنے سیال قلم اور موثر ادبی نگارش سے مسلمانوں کی نجات وترقی کا واحد راستہ وہی قرار دیا جسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کے سفر کے دوران اختیار فرمایا، واقعہ بیان کرتے ہوئے اپنے ادبی اسلوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”حقیقتاً مسلمانوں کے لئے اصل عزت اللہ کے یہاں کی عزت ہے، دنیا اور دنیا

والوں‘‘ کے نزدیک اگر ذلت ہوئی بھی تو کیا اور کے دن کی ؎

لوگ سمجھیں مجھے محروم و قار و تمکیں
وہ نہ سمجھیں کہ میری بزم کے قابل نہ رہا

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ’’جو شخص اللہ کی نافرمانیوں کے ساتھ‘‘ لوگوں میں عزت تلاش کرتا ہے، اس کی تعریف کرنے والے اس کی مذمت کرنے والے بن جاتے ہیں اس لئے مسلمانوں کی ترقی کی راہ، عزت کی راہ، زندگی اور دنیا میں آنے والے کی غرض صرف اللہ کی رضا اس کی مرضیات پر عمل ہے، اس کے سوا کچھ نہیں، اگر عزت ہے تو یہی ہے، منفعت ہے تو یہی ہے، حیرت ہے کہ مسلمانوں کے لئے اللہ کا پاک کلام اور اس کے رسول کے سچے ارشادات میں علوم و حکمت، دارین کی فلاح و ترقی کے اسباب اور خزانے بھرے ہوئے ہیں، لیکن وہ ہر بات میں دوسروں پر نگاہ رکھتے ہیں، دوسروں کا پس خوردہ کھانے کے درپے رہتے ہیں، کیا یہ چیز انتہائی بے عزتی اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اجنبیت اور مغایرت کی نہیں ہے، کیا اس کی مثال اس بیمار کی سی نہیں جس کے گھر میں ایک مرجع خلائق حکیم ایک حاذق ڈاکٹر موجود ہو اور وہ کسی اناڑی ڈاکٹر سے علاج کرائے‘‘۔ (ص ۲۶۶)

شیخؒ کی نثری تحریر کا یہ ایک نمونہ تھا، جب وہ فضائل تحریر فرماتے ہیں تو ان کا ادبی رنگ اور نمایاں اور ان میں نکھار، زور، کشش، اور تاثیر پیدا ہو جاتی ہے، ان کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ بالکل برمحل اور برجستہ اشعار لکھتے ہیں اور یہ سلسلہ ان کی تمام تحریروں میں جاری رہتا، قاری پڑھتے پڑھتے جب موقع کے مطابق و برمحل شعر دیکھتا ہے تو جھوم اٹھتا ہے اور اسے یقین کرنے کے لئے ایک لمحہ ٹھہرنا پڑتا ہے کہ ایک اتنا عظیم محدث، مربی، اور برمحل اشعار کیسے لکھ سکتا ہے جس سے تحریر میں شگفتگی اور جاذبیت پیدا ہو جاتی ہے دراصل حضرت شیخؒ کو بچپن ہی سے یہ ذوق وشوق

حاصل ہو گیا تھا، خلاق ازل نے اعلی، پاکیزہ، اور ستھرے ذوق وشعر سنجی اور سخن فہمی کے ساتھ غیر معمولی حافظہ عطا فرمایا تھا، ابتداء سے ہی گھرانہ میں یہ ماحول بھی ملا، شعر وشاعری کے ساتھ بیت بازی کا بڑا رواج تھا، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت شیخ کے متعلق (جنہوں نے ایک خالص ثقہ ومتین علمی ودینی ماحول میں'' پرورش پائی تھی اور جن کا شعار ودثار درس وتدریس حدیث کا مشغلہ تھا) مشکل سے باور کیا جا سکتا ہے کہ ان کا شعری وادبی ذوق نہایت پاکیزہ اور لطیف تھا، اور ان کو بلا مبالغہ سینکڑوں عربی، فارسی، اور اردو کے اشعار یاد تھے، اور وہ اپنے خطوط، رسائل وتصنیفات میں ان کا نہایت برمحل استعمال فرماتے تھے، خود بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ (آغاز جوانی میں) ایک دوسرے قصبہ میں شب کو جانا ہوا، جہاں کچھ بے تکلف دوست جمع تھے وہاں عشاء کے بعد بیت بازی شروع ہوئی، (جو اس زمانہ کے مہذب وزندہ دل نوجوانوں اور قصبات کے شرفاء کا محبوب ومفید مشغلہ تھا) اس میں ایسا انہماک ہوا کہ کچھ پتہ نہ چلا کہ رات کتنی گئی، اچانک اذان کی آواز آئی تو خیال ہوا کہ کسی نے بے وقت اذان کہہ دی، ابھی تو بیٹھے ہی تھے، معلوم ہوا کہ صبح صادق ہو گئی اور یہ فجر کی اذان تھی''۔

حضرت مولاناؒ نے اپنے نام کے خطوط اور کچھ آپ بیتی'' سے منتخب کر کے ۳۵ ؍اشعار درج فرمائے ہیں، چند شعر ملاحظہ ہوں:

وہ لکھیں گے تجھے خط کا جواب اے داغ کیا　　یہ تو نے خواب دیکھا یا کہ مضمون خیالی ہے

پھر وہی کنج قفس اور وہی صیاد کا گھر　　چار دن اور ہوا باغ کی کھا لے بلبل

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں　　واں ایک خامشی مرے سب کے جواب میں

میں گو رہا رہین ستمہائے روزگار　　لیکن تمہاری یاد سے غافل نہیں رہا

رفتہ رفتہ راہ ورسم دوستی کم ہو تو خوب　　ترک کرنا خط کتابت یک قلم اچھا نہیں

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں | تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل
شب وصال میں خوف سحر ابھی سے ہے | صبح ہے دور میرا رنگ فق ابھی سے ہے
ان کے خط کی آرزو ہے ان کی آمد کا خیال | کس قدر پھیلا ہوا ہے کاروبار انتظار
رہ گئی بات کٹ گئی شب ہجر | تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی
وصل کی بنتی ہیں ان باتوں سے تدبیریں کہیں | آرزؤں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں
التفات یار تھا اک خواب آغاز وفا | سچ ہوا کرتی ہیں تقدیریں کہیں
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں | محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے | جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے
دکّان مے فروش پہ سالک پڑا رہا | اچھا گذرگیا رمضان بادہ خوار کا
وہی قاتل وہی خنجر وہی منصف | اقربا میرے کریں خون کا دعوی کس پر
گرے میری نظروں سے خوبان عالم | پسند آگئی تیری صورت کچھ ایسی
دیر وحرم میں روشنی شمس وقمر سے ہوتو کیا | مجھ کو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں
گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی | اے ابر کرم بحر سخا کچھ تو ادھر بھی
کسی کی شب وصل سوتے کٹے ہے | کسی کی شب ہجر روتے کٹے ہے
ہماری بھی شب کیسی شب ہے الٰہی | نہ روتے کٹے ہے نہ سوتے کٹے ہے
مت آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی | جس طرح کٹا روز گذر جائے گی شب بھی

یہ تو صرف چند وہ اشعار ہیں جو حضرت شیخؒ کے عظیم سوانح نگار مولانا علی میاںؒ نے بطور مثال اپنے نام کے خطوط اور ''آپ بیتی'' سے نقل کئے ہیں، لیکن حضرت شیخؒ کی ساری تصنیفات خصوصا اردو کی تصانیف برمحل اور برجستہ اشعار سے آراستہ ہیں، مذکورہ اشعار کو جمع وتحقیق کر کے

شائع کر دیا جائے تو اہل علم وادب کے لئے ایک خاصہ کی چیز ہوگی۔

حضرت شیخ نے ’’آپ بیتی‘‘ علی گڑھ میں آنکھ کے آپریشن کے زمانہ میں ہلکا پھلکا اور بیکاری کے ازالہ کے طور پر املا کرانا شروع کیا تھا لیکن اس میں جتنی بے تکلفی سادگی، پرکاری اور دل کو چھوجانے والی عبارات ونگارشات ہیں وہ ایک خوشنما ادبی گلدستہ ہے یہی وجہ ہے کہ کئی ممتاز ادیبوں اور انشاء پردازوں نے اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور تحسین آمیز خطوط لکھے ایک اقتباس پیش ہے:

’’تقریبا بیس پچیس سال سے ماہ مبارک میں یہاں ذاکرین کا مجمع ہوجاتا ہے جو ہر سال بڑھتا رہتا ہے ان میں غیر ذاکر مہمان بھی آتے رہتے ہیں، ماہ مبارک کے بعد کئی ماہ تک بہت ہی رنج وقلق کے خطوط آتے رہتے ہیں کہ عبادت میں اورادمیں، اور ذکر میں تلاوت میں جولذت وہاں آتی تھی اب نہیں رہی، میں اس کا جواب یہی لکھوایا کرتا ہوں کہ یہ ماحول کا اثر ہوتا ہے، اس وقت میں یہاں اللہ کے نام لینے والے بہت جمع ہوجاتے ہیں ان کے ماحول کا اثر ہوتا ہے تم بھی اپنے یہاں چند دینی احباب کو جمع کر کے دین کا ماحول بنالو تو یہ اثرات ان شاء اللہ پھر پیدا ہوجائیں گے‘‘۔

’’آپ بیتی‘‘ جلد ۶ کا ایک اقتباس اور ملاحظہ ہو لکھتے ہیں:

’’اس ناکارہ نے اپنی زندگی میں اس عجب و پندار کے بہت ہی نقصانات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور چھوٹوں کی اور نادانوں کی زبان کی بدولت بڑے بڑے اکابر کو پریشانیوں میں مبتلا ہوتے دیکھا، واقعات تو بہت ہی کثرت سے اس ناکارہ پر او اس کے سامنے گذرے ہین، اس وجہ سے میں تو اس سے بہت زیادہ ڈرنے لگا، ہمارے مدرسہ مظاہر علوم کی ۸۲ھ کی ناکام اسٹرائک اسی عجب و پندار کے ثمرات کا نتیجہ تھا، مدارس میں طلبہ کا اخراج ہوتا ہی رہتا ہے روزمرہ

کے واقعات ہیں، لیکن اس عجب کی نحوست نے ایک معمولی طالب علم کے اخراج کو اسٹرائک تک پہونچا دیا اس سیہ کار کو سوچنے کا مرض بہت ہے اور خالی پڑا پڑا واقعات کا ایک دوسرے سے جوڑ پیدا کرتا رہتا ہے، اس ہنگامہ کی بنیاد تو اس سیہ کار کی نگاہ میں حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نوراللہ مرقدہ کا سایہ سرپرستی مدرسہ سے اٹھنا تھا کہ حضرت قدس سرہ کا وصال لاہور میں ۱۴ ربیع الاول ۸۲ھ پنجشنبہ کو ہوا اور مدرسہ پر خس وخاشاک گرنے شروع ہوئے، اسی وجہ سے میرا ہمیشہ سے یہ خیال رہا کہ مدرسہ کے ممبران میں اہل الرائے، اہل تجربہ محاسب، دنیا کے حالات سے واقف جتنے بھی ہوں لیکن ہر مدرسہ کی حیثیت کے موافق اس کے ممبران کی ایک مقدار اللہ والوں کی ضرور ہونی چاہئے، اہل مدارس کو بھی میں ہمیشہ یہی مشورہ دیتا رہا۔

پرکاری، سادگی اور بے تکلف نویسی حضرت شیخؒ کی تحریروں کی خصوصیت ہے اوران کے درمیان برمحل اشعار اس انداز سے جگہ لیتے ہیں کہ لطف دوبالا ہوجاتا ہے، اور جب حضرتؒ فضائل کے مجموعہ کو پیش کرتے ہیں تو ان کی زبان واسلوب میں کیف وسرور اور طرب ونشاط کی ایسی باد بہاری چلتی ہے کہ مشام جان کو معطر کرتی چلی جاتی ہے، خاص طور سے ’’فضائل حج‘‘ کا تو ایک ایک حرف اور ہر لفظ شیرینی ومٹھاس۔ لذت آفرینی، حب وعشق، سوز وگداز اور وارفتگی میں اپنی آپ مثال ہے، حج کے دو منظر پیش کرتے ہوئے لکھا کہ: ایک نمونہ ہے موت کا اور مرنے کے بعد کے حالات کا، دوسرا نمونہ ہے عشق اور محبت کے اظہار کا اور روح کو حقیقی عشق اور حقیقی محبت سے رنگنے کا، اس دوسرے نمونہ کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ’’حق تعالی و تقدس کے ساتھ دوسرا تعلق محبت وعشق کا ہے کہ وہ مربی ہے، منعم ہے، محسن ہے، اور جمال وکمال کے جتنے اوصاف ہوسکتے ہیں ان سب کے ساتھ متصف ہے، ادھر ہر آدمی میں فطری طور پر عشق و محبت کا مادہ موجود ہے:

ازل سے حسن پرستی لکھی تھی قسمت میں ۔۔۔ مرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا
پیدا ہوئے تو ہاتھ جگر پر دھرے ہوئے ۔۔۔ کیا جانیں ہم ہیں کب سے کسی پر مرے ہوئے
مری طفلی میں شانِ بازی آشکار اتھی ۔۔۔ اگر بچپن میں کھیلا کھیل تو آنکھیں لڑانے کی
جو چشم کہ بے نم ہو وہ ہو کور تو بہتر ۔۔۔ جو دل کہ ہو بے داغ وہ جل جائے تو اچھا
ترے فراق میں جینا بشر کا کام نہیں ۔۔۔ ہزار شکر کہ اس عمر کو دوام نہیں
شاید بزم ازل نے اک نگاہ ناز سے ۔۔۔ عشق کو اس انجمن میں مسند آرا کردیا

اسی تعلق کا مظہر حج ہے کہ سفر کی ابتداء ہی سب تعلقات کو ختم کرکے، سب عزیز و اقارب، گھر باہر سے منہ موڑ کر کوچہ ٔیار کی طرف جانا ہے اور جنگلوں، گلی کوچوں میں مارے مارے پھرنا ہے کہ یہی دو چیزیں عاشقوں کا کام ہے ؎

نیا رنگ لائی میری بے بسی ۔۔۔ چھٹا دیس جنگل کی دھن ہوگئی
چمن سے مجھے شوق صحرا ہوا ۔۔۔ نئے رنگ کا مجھے سودا ہوا
حسرت و یاس وتمنا تمہیں وحشت کی قسم ۔۔۔ بھیڑ چھوڑو مجھے جنگل کو نکل جانے دو

اور یہ ساری وحشت اور اشتیاق کیوں ہے، یہ اضطراب اور بے چینی آخر کیوں مسلط ہوئی، اس لئے کہ محبوب کے در پر عشاق کے اجتماع کا ایک وقت مقرر ہے وہ قریب آ گیا ہے:

اجازت ہو تو آ کر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں ۔۔۔ سنا ہے کل ترے در پر ہجوم عاشقاں ہوگا

فضائل حج ہی سے ایک اقتباس اور ملاحظہ کرلیں:

''اس سب کے بعد منٰی میں شیاطین کے پتھر مارنا اس جنون و وحشت کے آخری حصہ کا نظارہ ہے جو عشاق کو پیش آتا ہے، عاشق کا جنون جب حد سے تجاوز کرتا ہے تو وہ ہر شخص کے پتھر مارا کرتا ہے جس کو وہ اپنے کام میں مخل سمجھتا ہے: ؎

میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

اورسب سے آخرقربانی جوحقیقۃً اپنی جان کی قربانی ہے اللہ جل شانہ نے اپنی غایت رحمت اوررافت سے اس کوجان کی قربانی سے بدل دیا ہے یہی عشق کا منتہی ہے اورآخری حال ہے ؎

موت ہی کچھ علاج درد فرقت ہوتو ہو　　　غسل میت ہی ہمارا غسل صحت ہو تو ہو

سسکتا چھوڑکر جاتا ہے وہ مجھ نیم بسمل کو　　　خدارا بڑھ کے اے شوق شہادت روک لے اس کو

حضرت شیخ ؒ کی تصنیفات سے چند ادبی شہ پارے اور منتخب اشعار پیش کرتے وقت اس عاجز کو یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ اگر یہ ادبی محفل کچھ اور دراز ہوتی تو شرکاء محفل کہیں زیادہ محظوظ ہوتے لیکن اس جیسے سمیناروں میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہوتی، تاہم ان مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ حضرتؒ کا ادبی ذوق کتنا اعلی، ستھرا، شیریں اور مؤثر تھا، انہوں نے اپنی تصنیفات سے نہ صرف اردوادب کے فروغ وترقی میں حصہ لیا اور نثر ونظم کا اس حلقہ میں ذوق پیدا کیا جسے ادبی روایت سے کورا سمجھا جاتا ہے، بلکہ انہوں نے اپنی عربی کتابوں سے عربی زبان وادب کی بھی خدمت کی ہے، اورعربی زبان میں بھی انہیں قدرت اور دستگاہ حاصل تھی۔

یقین ہے کہ اللہ تعالی نے انہیں ان عظیم خدمات کے صلہ میں جس طرح دنیا میں مرجع خلائق بنایا تھا وفات کے بعد بھی اپنی نعمتوں ومرضیات سے سرفراز فرمایا ہوگا۔

ولله الأمر من قبل و من بعد۔

''آپ بیتی''
کی تاریخی اور ادبی حیثیت

مولانا محمد علاء الدین ندوی
(دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو)

تمہید:

یہ اس یگانہ ہستی کی آپ بیتی ہے جو امت کی فیض رسانی کے لئے ابر کرم بن کر آئی تھی۔ یہ اس کے جادۂ علم اور قافلۂ عزیمت کا تذکرہ ہے جس کا علم وعمل اور فضل وکمال چراغ راہ تھا۔ یہ اس کا ذکر خیر ہے جس کے فیوض و برکات کی سبیل لگی ہوئی تھی اور جس پر الطاف ربانی کی بارش ہوتی تھی، وہ جس کے متوسلین ومتعلقین لاکھوں میں تھے، جو اسے آنکھوں میں بٹھاتے تھے، اور دل کے طاق میں سجاتے تھے۔ جو ان کے رنج وخوشی میں ان کا شریک سفر رہا اور ان کی تربیت باطنی اور اصلاح حال کے لئے مشقتیں اٹھائیں۔ یہ اس عظیم انسان کی کہانی ہے جو حصول علم کی راہوں سے، زہد وتقوی کی منزلوں سے، اخلاص وللّٰہیت کے پل صراط سے اور سلوک ومجاہدات کی وادیوں سے گزرا اور بصد شوق گذرا، جس نے اپنے اخلاص کی برکت کا انعام دنیا میں بھی پایا اور تا قیامت صالحات کی دولت چھوڑ کر اور پائندہ ہو کر یہاں سے سدھار گیا۔ للّٰہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین۔

کہا جاتا ہے کہ ”جس آدمی نے جتنی عظیم شخصیات کا مطالعہ کیا گویا اس نے اتنی عمریں حاصل کیں“۔

شیخ نے نہ صرف یہ کہ قدسی صفات بندگان خدا اور عظیم شخصیات کا مطالعہ کیا بلکہ ان کے آغوش تربیت سے حصہ پایا، ان کی روحانیت کے فیض سے سرشار ہوا، ان کی سیرت و کردار کی پاکیزہ تصویر کو اپنی ذات کے آئینہ میں اتار لیا، اور ان کی زندگی کو اپنے لئے چراغ راہ بنایا۔ فرماتے ہیں: ”مجھے اکابر کی سوانح پڑھنے کا ساری عمر سے شوق ہے، شروع کرنے کے بعد چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا، عشا کے بعد شروع کرتا تھا اور اکثر صبح بھی کردی“۔(۱)

آپ بیتی کی تالیف سے پہلے:

۲۶؍جمادی الثانیہ ۱۳۹۰ھ مطابق ۱؍اگست ۱۹۷۰ء چہارشنبہ کو آپ بیتی املا کرانے کی ابتداء ہوئی، اس مبارک آغاز سے قبل کی زندگی کے مکمل ۷۵ سال تعلیم و تربیت، سلوک و طریقت، تالیف وتصنیف، بیعت وارشاد، دعوت وتبلیغ، اصلاح باطن اور تزکیہ نفس اور احیائے اسلام کی مجاہدانہ کوششوں میں گزرے، یہ اقبال منداور بابرکت بچہ جو ۱۳۱۵ھ میں پیدا ہوتا ہے دو ڈھائی سال کا ہوتا ہے تو حضرت گنگوہی کی محبتوں، شفقتوں اور دلداریوں سے شادکام ہوتا ہے، تین سال کی عمر ہوتی ہے تو باپ کے ہاتھوں محبت سے لبریز وہ تھپڑ کھاتا ہے جبکہ چوٹ کی لذت دنیا کی لذتیں ہمیشہ کے لئے بھلادیتی ہے، بڑے والہانہ تخیل کے ساتھ واقعہ کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:

”میری ماں نے ایک خوبصورت تکیہ چھوٹا سا سیا تھا، ا بالشت چوڑا اور ڈیڑھ بالشت لمبا اس کی ہیئت بھی کبھی نہ بھولوں گا، اس کے اوپر گوٹہ، ٹھپہ، گھوگھرو، کرن بنت وغیرہ سب کچھ جڑا ہوا تھا، نیچے لال قند کا غلاف اور اس پر سفید جالی کا جھالر ہمیشہ ہی خوشنما، وہ مجھے محبوب تھا، کبھی اس کو پیار کرتا، کبھی اس کو سینے سے چمٹایا کرتا، والد صاحب نے آواز دے کر فرمایا: ”مجھے تکیہ دے

دے'' مجھ میں محبت پدری نے جوش مارا، میں نے کہا'' میں اپنا تکیہ لے آؤں؟'' فرمایا:'' ورے آ'' میں نیاز مندی میں دوڑا ہوا آیا، انھوں نے بائیں ہاتھ سے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر اور داہنے ہاتھ سے منہ پر ایسا زور سے تھپڑ رسید کیا کہ آج تک اس کی لذت بھولا نہیں، اور مرتے وقت تک امید نہیں کہ بھولوں گا۔

'' کہتا ہے کہ اپنا لاؤں''۔اس کے بعد جب بھی یہ واقعہ یاد آجاتا ہے تو دل میں یہ مضمون پختہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس دنیا میں کوئی مال نہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ دن بدن یہ مضمون پختہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

بارہ سال تک کا پورا عرصہ گنگوہ کی روحانی فضا اور بصائر و معارف کے گھوارے میں گزرا، تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری تھا، بچپن ہی سے یکسوئی اور عزلت پسندی کا رجحان غالب تھا، جوں جوں علمی انہماک بڑھتا گیا یہ رجحان ترقی کرتا رہا، بچپن کے معصوم دور میں شرارتیں بھی کیں۔لڑکپن میں شوخیاں بھی دکھائیں، مگر جب علم وعمل کا مزہ پایا تو کچھ ایسے عزلت گزیں ہوئے کہ چھ چھ مہینے تک مدرسے کی مسجد سے باہر قدم نہ نکالا فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ میرا جوتا اٹھ گیا تھا، تو جہاں تک یاد ہے چھ ماہ تک دوسرا جوتا خریدنے کی نوبت نہیں آئی، اس لئے کہ جمعہ بھی مدرسہ قدیم میں ہوتا تھا۔۔اس لئے مجھے چھ ماہ تک باہر نکلنے کی نوبت نہیں آئی''۔

۱۳۳۵ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت ہوئی نہیں کہ مدرس ہو گئے، ازدواجی زندگی سے منسلک ہوئے، مکمل خاندانی زندگی برت کر دکھایا۔کئی طرح کے نشیب وفراز بھی آئے۔اعزہ، اقرباء، والدین، زوجۂ ثانی اور اپنے روحانی مربین کے انتقال کے صدمات بھی جھیلے، مگر شیخ کے لئے تو سب سے زیادہ صبر آزما، ہمت شکن اور دل آزار گھڑی وہ تھی جب ان ہی کی تعبیر میں چند سور ماؤں نے (طلباء نے مظاہر میں اسٹرائیک کر دی، یہاں سے شیخ کا اعتماد ایسا زخمی ہوا جو بعد

تک مندمل نہ ہو سکا، ایک جگہ فرماتے ہیں: ”حدیث کے اسباق پڑھانے کا سلسلہ ۴۰ھ سے شروع ہو گیا تھا اور یہ ناکارہ حدیث کے طلباء کو ہر سال بار باران کا مقام، ان کی حیثیت اور یہ کہ تم عنقریب مقتدائے قوم بننے والے ہو، تمہارا قول اور فعل امت کے لئے اسوہ بننے والا ہے۔۔۔ مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب آہستہ آہستہ یہ تحقیق ہوتا رہا کہ دورہ کی تو پوری جماعت الا ما شاء اللہ اس میں پیش پیش ہے، اور زیادہ قلق اس کا ہوا کہ مجھ سے خصوصی تعلق رکھنے والے اس اسٹرائک میں در پردہ شریک رہے۔

آپ بیتی کا تعارف:

آپ بیتی کے سات اجزاء منظر عام پر آئے ہیں جن کے صفحات کی مجموعی تعداد ۱۳۶۶ بنتی ہے، پہلے عرض کیا گیا کہ اگست ۱۹۷۰ء میں اس کام کا آغاز ہوا تھا اور فروری ۱۹۸۱ء کو اس کام کا اختتام ہوا۔ یہ آپ بیتی پون صدی کی ایک جیتی جاگتی اور منہ بولتی تصویر ہے۔ کہنے کو تو یہ آپ بیتی خودنوشت سوانح حیات ہے اور خودنوشت سوانح حیات یا سرگذشت حیات اظہار ذات کا بیانیہ ہوتی ہے مگر یہاں یہ اظہار ذات اس قدر ہمہ جہت پہلو رکھتا ہے کہ یہ طالبان علوم دینیہ، مریدین باصفا، علماء و اساتذہ، مشائخ و پیران طریقت اور اولیاء اور اتقیاء کے تذکروں کا گنج گراں مایہ بن گیا ہے۔ اگر یہ آپ بیتی ایک طرف شیخ کے افکار و اعمال، جذبات و احساسات، عمل اور ردعمل کا وہ شفاف آئینہ ہے جس میں جھانک کر مصنف کے نہاں خانۂ دل میں جھانکا جاسکتا ہے اور جس میں داخلی کیفیات اور خارجی معاملات کا عکس جمیل نمایاں نظر آتا ہے تو دوسری طرف روحانی پیشواؤں کے سلوک و طریقت کے حکیمانہ اسالیب، علماء و مشائخ کی علمی، دینی اور تعلیمی نقطۂ نظر اور سیاسی رہبران قوم کی زندگانی کے مسلسل جدوجہد کا خاکہ بھی ہے۔

یہ آپ بیتی ان آدم گروں اور مردم سازوں کے عاشقانہ تذکروں سے معمور و مخمور ہے جن کے دم سے ہر دور میں دل کی دنیا آباد رہی ہے، یوں اس کے مطالعے سے قلب و وجدان کو جلا

پہنچتی ہے اور سعید روحیں عبرت وموعظت کے موتی چنتی ہیں شیخ خود ارشاد فرماتے ہیں: آپ بیتی میرے گلے کا کچھ ایسا ہار بن گیا ہے۔۔۔کئی بار تمت کر چکا ہوں مگر کچھ تو دوستوں کا اصرار حد سے بڑھ جاتا ہے اور بعض اوقات بعض اکابر کے واقعات کے متعلق اپنا بھی سر کھجانے لگتا ہے کہ یہ کہیں محفوظ ہو جاتے تو اچھا تھا''۔

آپ بیتی پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ؒ ارشاد فرماتے ہیں:

(آنکھ کے آپریشن کے زمانہ میں علی گڑھ میں) ''جب بولنے کی اجازت ہوتی تو اپنی زندگی کے سبق آموز حالات، اپنے اساتذہ ومشائخ کے کمالات اور طرز زندگی، ایثار و اخلاص کے واقعات خدام کو سناتے، جس کو قلم بند کرنے کا انہوں نے سلسلہ شروع کر دیا، اس سے آپ بیتی کا وہ مبارک اور مفید سلسلہ شروع ہوا جو بالآخر سات حصوں میں مکمل ہوا اور جو دور ماضی کی ایک بولتی ہوئی تصویر اور جیتا جاگتا نمونہ بن گیا، جو علماء واساتذۂ مدارس اور تازہ واردان بساط علم کے لئے خاص طور پر چشم کشا اور بصیرت افروز ہے''۔

(الف) آپ بیتی کی سرشت میں تاریخ کی روح

حضرت شیخ کے ذوق علم وفن کا اصل میدان حدیث اور علوم حدیث تھا، مگر تاریخ وتحقیق کے ذوق آشنا اور رمز شناس رہے، چند مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تالیفات اس دعوی کی بین دلیل ہیں، نظام مظاہر العلوم، مشائخ تصوف، رسالہ مجددین ملت، الوقائع والدھور، المؤلفات والمؤلفین، احوال مظاہر العلوم، مشائخ چشتیہ اور حکایات صحابہ آخر الذکر کے علاوہ ساری تصنیفات غیر مطبوعہ ہیں اور فن تاریخ سے کم وبیش ہم آہنگ ہیں۔

تاریخ اگر انسانی کاوشوں اور سرگرمیوں کی داستان، اور ماضی کے واقعات کا تاریخی

تیقن کے ساتھ بیان ہے تو پھر آپ بیتی میں تاریخ کی روح پیوست ہے، اگر تاریخ عظیم انسانوں کے کارہائے نمایاں کی یادداشت ہے تو پھر شیخ کی آپ بیتی اس یادداشت کا دلکش نمونہ اور ایک قیمتی سرمایہ۔

واقعہ یہ ہے کہ شیخ نے اپنے مشائخ واکابر کے سایۂ عاطفت وشفقت میں رہ کر جن روحانی فضاؤں کا مشاہدہ کیا، راہ سلوک ومجاہدات میں جن تجربات سے گزرنا ہوا، انہی مشاہدات وتجربات کو دیانتدارانہ اسلوب میں کبھی تاریخی پیرایۂ بیان میں اور کبھی قصہ گوئی کے رنگ وآہنگ میں بعد کی نسل کے لئے منتقل کر دیا کہ بساط علم کے نوآموز طلباء کے لئے اسلاف کا طریقہ مشعل راہ قرار پائے، ان کا حوصلہ بڑھے، اور ان کے ایمان کو غذا ملتی رہے۔ آپ بیتی ہمیں آگہی دیتی رہتی ہے کہ علمائے حق ہی انبیاء کے روحانی وارثین ہیں، اسلام کی تاریخ دراصل انہی نفوس قدسیہ کی مصلحانہ کوششوں کی رہین منت ہے، اور آپ بیتی ایک عہد کے ماحول اور اصلاحی کوششوں پر کافی روشنی ڈالتی ہے، حضرات انبیاء کے علاوہ دنیا کی تمام بڑی شخصیتیں ماحول کی دین رہی ہیں اگرچہ وہ ماحول ساز بھی رہے ہیں، آپ بیتی میں اپنے عہدو ماحول کا مفصل بیان موجود ہے۔

اگر پروفیسر شیخ علی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ انسان کو انسان سمجھنے میں مدد دینا تاریخ ہے تو پھر یہ کہنا بھی بجا ہوگا کہ شیخ الحدیث نے اسلاف کے اوصاف وکمالات کو آپ بیتی کے آئینہ میں محفوظ کر کے طالبان حق وصداقت کو باکمال بنانے کی دعوت دی ہے۔ ہر چند کہ فن تاریخ نویسی کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر اگر آپ بیتی کی تالیف عمل میں نہیں آئی ہے تاہم اس میں تاریخی صداقت اور دیانتدارانہ واقعات نگاری کا التزام موجود ہے جس میں کہیں کہیں ادبی شوخیاں اور سادہ مگر فطری حسن کا جلوہ نمایاں ہوگیا ہے۔

تاریخ نویسی ہو یا آپ بیتی، بنیادی چیز مقصد کی تلاش ہے۔ اگر مقصدیت کا فقدان ہو تو تاریخ نویسی اور آپ بیتی محض واقعات کا ڈھیر ہیں، شیخ کی آپ بیتی کی شان یہ ہے کہ

مقصدیت اور روحانیت دونوں شیر وشکر ہیں۔ پھر چونکہ آپ بیتی کا مؤلف حقیقت نواز بھی ہے اور دیانتدار بھی۔ باغ نبوت کی نکہتوں سے معطر بھی ہے اور چشمۂ قرآن سے فیض یاب بھی، صاحب دل بھی ہے اور شمع عشق سے جلوہ افگن بھی اس لئے اس کی مقصدیت میں عشق ووارفتگی کی تجلی پھوٹ پڑتی ہے، عشق کی طاقت ہی دراصل وہ طاقت ہے جو تحریر میں تاثیر پیدا کر کے مرنے والے کے پیچھے اس کو جاوداں بنا جاتی ہے۔ پروفیسر محسن عثمانی ندوی نے بڑی پتے کی بات فرمائی ہے:

سوانح عمریاں خودنوشت سوانح نگار کے خلوص فن کے بقدر زندہ رہتی ہیں، ورنہ زمانہ کا ''رولر'' ناموں اور کاموں کو مٹاتا ہوا آگے بڑھتا جاتا ہے، وقت کا سیلاب لوگوں کے بنائے ہوئے نقوش کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جاتا ہے، وقت کے سیلاب کو روکنے کے لئے اسی کے بقدر ایک دوسرے طاقتور سیلاب کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سیلاب ہے خلوص عشق کا سیلاب اس چنانچہ اقبال نے کہا ہے ؎

عشق خود ایک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

واقعہ نگاری اور تاریخی صداقت:

آپ بیتی کے مؤلف چونکہ خود تاریخ ساز شخصیت ہیں اس لئے آنے والی نسل کے لئے تاریخ کا ماخذ ہیں، واقعہ نگاری میں تاریخی صداقت اور اس تاریخی صداقت کو حال کی کیفیات کے لئے تمثیل بنا دینے کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

شمرد ایک فرانسیسی تھا، اس کی ایک بیگم تھی جس کا امراء میں بڑا درجہ تھا، یہاں تک کہ اس کے پاس مثل والیان ملک کے فوج بھی تھی، میرٹھ میں جو بیگم کا پل مشہور ہے وہ بھی اسی کا بنوایا ہوا ہے، اس کی ایک کوٹھی تھی جو فرانسیسی وضع پر بنی ہوئی تھی وہ اپنے ملازموں کی بڑی قدرداں تھی، وہ کہا کرتی تھی کہ میں تمہیں ایسا کر کے چھوڑوں گی کہ کہیں کے نہ رہوگے، تمہیں کوئی بھیک بھی نہ

دے گا وہ کہتے کہ حضور اتنی عنایت کرتی ہیں اور حضور کے یہاں کے ہم تعلیم یافتہ ہیں تو ہمیں ملازمت کی کیا کمی، وہ کہتی کہ دیکھ لینا، چنانچہ یہ دیکھا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے ملازم کسی اور کی ملازمت نہ کر سکے، نہ ویسا کوئی قدرداں ملا، نہ وہ کوئی نوکری کر سکے، اس کے مرنے کے بعد تو لوگ واقعی بھوکے ہی مرے۔ ہمارے بزرگوں نے بھی ہمیں اسی طرح نکما کر دیا اب کوئی پسند ہی نہیں آتا۔

جہاں اور جب کبھی تاریخ نویسی اور سیرت وسوانح نگاری پہ جوش بیانی، خطیبانہ رنگ، فلسفیانہ تیور، منطقیانہ لب ولہجہ اور جذبات کا عنصر غالب آیا وہاں نثر کو اعتبار ووقار تو ضرور مل گیا مگر تاریخ کا ذوق لطیف مجروح اور حقیقت نگاری داغدار ہوئی، شیخ کی آپ بیتی کا بنیادی وصف واقعیت پسندی، دیانت داری، بے تکلفی، سادگی، بے ساختگی اور بے جا اہتمام سے پاک اسلوب میں مضمر ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اپنے محبوبین (ہیروز) کے تذکرے اور عشق بزرگاں کے اظہار میں کہیں کہیں درازتر حکایات کا رجحان سامنے آجاتا ہے جو ظاہر ہے عشق ومستی اور کیف وسرور کا نتیجہ ہے جس کی گرفت بے جا ہے ؎

بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات　　عبارت کیا، اشارت کیا ادا کیا

حضرت شیخ الہند کے سانحۂ انتقال پہ شیخ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ آپ بیتی کے چار صفحات پر مشتمل ہے، اس میں تاریخی صداقت کے ساتھ ساتھ سرور ودردمندی اور کرشمۂ خداوندی کا اظہار ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ شیخ الہند کے سانحۂ ارتحال کے موقع پر حضرت مدنی باہر سفر پہ تھے، تیسرے دن دولت کدہ پہ حاضری ہوئی مجلس کا نقشہ کچھ یوں کھینچا گیا ہے۔

”مولانا مدنی حضرت شیخ الہند کے مردانہ مکان کے سامنے کی سہ دری پہ جا کر دوزانو بیٹھ گئے اور چپ، دو چار حاضرین بھی گھر میں موجود تھے، وہ بھی جمع ہو کر مولانا کے پاس بیٹھ گئے

اور میں قدرت کا کرشمہ سوچتا رہا کہ جو شخص سفر وحضر میں کسی وقت بھی جدا نہ ہوا وہ انتقال سے ایک دن بعد قبر پر حاضر ہوا اور جس کو حاضری کی نوبت کبھی نہ آئی، وہ دہلی سے لے کر تدفین تک جنازے کے ساتھ ساتھ رہے ؎

عجب نقش قدرت نمودار تیرا

مگر جب ان ہی تاریخی صداقتوں کو ایجاز واختصار کے اسلوب میں پیش کیا گیا تو دریا کو کوزے میں بند کرنے کا محاورہ صادق آیا ایک اقتباس ملاحظہ ہو :

۱۴؍دسمبر ۷۷ء کو مولوی اکبر علی سہارنپوری کا کراچی میں انتقال ہوا، ۱۱؍نومبر کو جمعہ کی نماز کے بعد ملک خالد کی طرف سے تمام مملکت میں دوشنبہ کو صلاۃ الاستسقاء کا اعلان کیا گیا، اعلان کرنے والے نے لمبی تقریر میں استسقاء کی اہمیت اور صدقہ وتوبہ کی فضیلت بیان کی، ۱۴؍نومبر کو نماز استسقاء پڑھی گئی۔

۱۴؍ذی الحجہ ۹۷ھ کو ٹیلی ویژن وغیرہ پر اعلان ہوا کہ تاریخ بدل گئی ہے اب حج بجائے ۲۰؍نومبر کے ۱۹؍نومبر کو ہوگا۔

ذی الحجہ کے پہلے ہفتے میں جنوبی ہند حیدرآباد دکن، میسور، آندھرا پردیش میں طوفانی ہوا ایک ہفتے تک بڑے زور پر رہی، سمندر کی لہریں آسمان سے باتیں کرتی تھیں، پانی اچھل کر آبادیوں میں آتا تھا۔ سمندر میں ہزاروں لاشیں مچھلی کی طرح تیر رہی تھیں، لاکھوں آدمی اور حیوانات ضائع ہوئے، اخبارات والے لکھتے ہیں کہ ایسا طوفان کبھی سننے میں نہیں آیا إنا لله وإنا إليه راجعون، آندھی کے ساتھ زلزلہ بھی تھا۔

(ب) شیخ کا ادبی ذوق

حضرت شیخ الحدیث شعروادب کا پاکیزہ ذوق اور لطیف احساس رکھتے تھے، یہ ذوق

طالب علمی ہی کے زمانے میں منظر نامے پر ابھرنے لگتا تھا، فرماتے ہیں۔

نحو پڑھنے کے زمانے ہی سے مجھے عربی لکھنے اور بولنے کی مشق ہوگئی تھی، میں نے اس زمانے میں اپنے ایک ساتھی کو دیوبند خط لکھا تو اس میں عربی کے (اپنے) چند اشعار بھی لکھے جس میں سے ایک شعر یاد ہے ؎

أنـــا مـــا ر أ يتك مــن زمـن　　فـــازداد فـي قـلـبـى الشـجـن

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

معلقہ بالخصوص امرؤ القیس کا قصیدہ پڑھنے ہی کے زمانے سے یاد تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ مجھے معلقہ جتنا یاد تھا مقامات اتنی یاد نہ تھی۔

تدریس کے ابتدائی دور میں آپ نے معلقہ پڑھائی، اس دور میں آپ کی ادب شناسی کا چرچا تھا، چنانچہ ان کے ایک عزیز ان کی اس صلاحیت کو دیکھ کر علی گڑھ یونیورسیٹی تک پہنچانا چاہتے تھے مگر حضرت والا اپنے انکار پر مصر رہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رقم طراز ہیں:

شعری ذوق نہایت پاکیزہ اور لطیف تھا، ان کو سینکڑوں عربی فارسی اور اردو کے اشعار یاد تھے۔

ہر چند کہ آپ نے شعوری طور پر فن کے تقاضوں اور جمالیاتی قدروں کو سامنے رکھ کر آپ بیتی مرتب نہیں کی مگر جا بجا اس میں جمالیاتی کیفیات کا اظہار موجود ہے، اظہار ذات کے حوالے سے جو معنوی ادراکات اور تکوینی حقائق سامنے آئے ہیں اس کے بیان میں اثر آفرینی اور کہانی پن کا اسلوب اور بے ساختگی کا رنگ و روپ نمایاں ہے، اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ قوت ترسیل کے سادہ اور فطری اسلوب نے شعور و وجدان کو ہلکی ہلکی آنچ پہنچایا ہے، جو ہزاروں دلوں کے لئے انقلاب کا باعث ہے۔

آپ بیتی کی ادبی شان:

یہ آپ بیتی زندگی کے وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی ہے، اس پھیلاؤ کو آپ بیتی کے صفحات میں سمیٹا گیا ہے، آپ کو حق ہے کہ فن اور ادب کی روایتی تعریف کے نقطۂ نظر سے جو رائے چاہیں قائم کریں مگر یہ نہ بھولیں کہ ادب کی اصل قوت اور تاثیر کا راز بے آمیز سچائی اور عشق کی لگن میں پوشیدہ ہے، اس بے آمیز سچائی کے تجرباتی تعامل سے ادیب گزرتا ہے تو اس کے نور کے انجذاب کے بعد بھی اپنے ادب میں روشنی کی کرنیں بکھیر پاتا ہے، صوفیاء کے دل حقیقت میں اس بے آمیز سچائی کے انجذاب سے مستفید ہو کر صاف وشفاف شیشے کی طرح تھے، جو زندگی بھر نور ربانی کے انعکاس کو منتقل کرتے رہے، آپ بیتی کے صفحات اس نور کی تابانی سے درخشاں ہیں، یہ قوت ترسیل اور اظہار بیان کی تاثیر کا نتیجہ ہے کہ آپ بیتی سے ایک شخصیت ایک کارواں کی تصویر ابھر آتی ہے، پڑھنے والے کو گرفت میں لے لیتی ہے، حوصلہ افزا، ہمت آفریں، اور ایمان افروز قصے سناتی ہے، کبھی ماضی کی سرگذشت کہتی ہے، کبھی حال کے دینی، دعوتی، اور حج کے اسفار کی روداد عزیمت آموز اسلوب میں پیش کرتی ہے، آن واحد میں ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچاتی ہے۔ کبھی علماء وصلحاء اور مدارس و خانقاہ کی فضاؤں کی سیر کراتی ہے، کبھی طریقت و معرفت، اخلاص وللّٰہیت اور عشق ومستی کے خم خانے کے جام لنڈھاتی ہے، کبھی اکابر ومشائخ کے ملفوظات سے دلوں کو صیقل کرتی ہے، کبھی باتوں ہی باتوں میں علم کے موتی لٹاتی ہے، شک وارتیاب کے کانٹے چنتی ہے گویا آپ بیتی کا سفر عطیہ الٰہی کی طرح جاری رہتا ہے، مصلحین و مربین کی تاریخ کے دریچے کھلتے ہیں، خاندانی پس منظر کے دھندلکے نقوش تاباں ہوتے ہیں، دل جو جلوہ گاہ عشق ہے شمع بن کر جلتا ہے، پروانے ادراک کر پاتے ہیں تو آکر لپٹ جاتے ہیں۔ مگر اس کے لئے عرف عام میں ادب کے کسی مخصوص صنف کے دائرہ میں رہ کر اپنی فکر وشعور اور احساس ووجدان کی طاقت کو محصور نہیں کرتا بلکہ کبھی سرگذشت نگاری کرتا ہے، کبھی سوانح نگاری کا رنگ اپناتا ہے۔

کبھی قصہ گوئی کی بزم سجاتا ہے، کبھی مؤرخ کی زبان میں بات کرتا ہے، کبھی عشق ومحبت اور درد وسوز کی پنکھڑیوں سے ہیرے کے جگر کو کاٹتا ہے، کبھی عقلی استدلال کی تلوار کھینچ لیتا ہے، اور کبھی آنکھوں کے نور سے دلوں کو منور کرتا ہے۔

آپ بیتی میں ادبی اسالیب کا رنگ:

کسی نے کہا ہے نثر سیدھی راہ پر سیدھے چلنے اور شاعری پیچدار طریقے سے چلنے اور رقص فرمانے کا نام ہے۔

شیخ خود چونکہ کاروان صدق وصفا اور اہل عشق ووفا کے میر اور شاہراہ فضل وکمال کے مینارہ ہیں اس لئے ان کا نثر سیدھی شاہراہ پر چلتا ہے، وہ شاعر نہیں نہ شاعرانہ فکر وشعور کے سرور آشنا ہیں پھر ان کا نثر رقص کیوں کرے؛ لیکن چونکہ ان کا سینہ عشق کا خزینہ اور نور علم ویقین کا گہوارہ ہے اس لئے قاری کا دل ان کے عشق کی حرارت سے گرم ہوتا ہے۔

(۱) استطراد: نزول قرآن کا مقصد ہدایت ہے اور اس کے جملہ مضامین، موضوعات، اسالیب کلام اور طریقہائے تفہیم کی غرض وغایت اس ہدایت کی سمت دعوت دینا ہے، قرآن کریم کا طالب علم جانتا ہے کہ وہ عام انسانی طریقۂ تصنیف سے جداگانہ ایک الگ تھلگ ہی کتاب ہے، یہاں متعین موضوع کے مطابق نہ ابواب ہیں، نہ فصول کی تقسیم" یہاں وہ دیکھتا ہے کہ اس زندگی سے لے کر آخرت تک سے تعلق رکھنے والے بے شمار موضوعات ایک دوسرے کے بعد چلے آرہے ہیں ایک مضمون کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا... بلکہ ایک مضمون کے بیچ میں دوسرا مضمون آجاتا ہے، مخاطب اور متکلم باربار بدلتے ہیں.... تاریخ ہے تو تاریخ نگاری کے انداز میں نہیں، فلسفہ اور مابعد الطبیعات ہیں تو منطق اور فلسفہ کی زبان میں نہیں... اور اسے یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ ایک غیر مرتب، غیر مربوط اور منتشر کلام ہے جو اول سے آخر تک بے شمار چھوٹے بڑے مختلف شذرات پر مشتمل ہے"۔

مگر جب طالب علم قرآن کے بنیادی موضوع، اس کے مرکزی مضمون اوراس کے بعد مدعا کا ادراک کر پاتا ہے تو اسے نظر آتا ہے کہ ''اول سے آخر تک اس کے مختلف النوع مضامین اس کے مرکزی مضمون کے ساتھ اس طرح جڑے ہوئے ہیں جیسے ایک ہار کے چھوٹے بڑے رنگ برنگ جواہر ہار کے رشتے میں مربوط ومنسلک ہوتے ہیں''۔

یوں سارا بیان دعوت کے محور پر گھومتا ہے، یہی قرآنی اسلوب رسول اللہ ﷺ کے طریق دعوت وتعلیم وتربیت اورتزکیہ قلب میں نمایاں ہے، ایک ہی سلسلۂ کلام میں ایک موضوع کے بعد دوسرا موضوع چھیڑ دینا قرآن وسنت کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت ہے جسے استطر ادکا نام دیا جاتا ہے اس اسلوب کی خوبی یہ ہے کہ قاری پر اکتاہٹ طاری ہونے نہیں پاتی۔تحریر کے گراں باراور بوجھل ہونے کا احساس نہیں ہوتا۔آپ بیتی میں یہ رنگ خاصا نمایاں ہے، موضوعات کے تنوع میں بھی قرآن وسنت سے محاکاۃ (Resemblence) نظر آتی ہے، پھر جیسے اسلوب قرآنی میں قصص وحکایات کا عنصر غالب ہے آپ بیتی میں بھی قصص وحکایات حاوی ہیں، اور جیسے قرآنی قصص کی غرض وغایت عبرت پذیری اور بصیرت افروزی نتیجۃً تزکیۂ نفس اورعرفان ذات ہے، آپ بیتی اس مقصد میں بھی ہم رنگ کتاب الٰہی ہے آپ بیتی نمبر۱ میں اولیاء وصلحاء کے ورع وتقوی، زہد واستغناء وغیرہ کے واقعات وحکایات سنانے کے بعد مقصدیت کا اظہار فرماتے ہوئے خاتمۂ کلام میں یوں فرماتے ہیں۔

''ان حضرات اکابر نے حضور ﷺ کے پاک ارشادات کو دل میں جگہ دے رکھی تھی اور ان پر عمل کر کے دکھلایا، ہم لوگوں کو نہ حضور کے ارشادات پر عمل کی توفیق، نہ ان اکابر جن کے قول وفعل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، کی اتباع کی امنگ اورشوق، فإلى الله المشتكى۔

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم — اذا جمعتنا یاجریرا لمجامع
خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے — نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر | انہیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
ان ہی کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے | انہی کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں | پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں، تو جلوت کا مزہ آئے | اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

لکھنے کو تو بہت جی چاہتا ہے مگر اس کے لئے بڑے دفتر چاہئیں''۔

(۲) **تداخل قصص**: عالمی شہرت یافتہ ادب کی کتاب'' کلیلہ ودمنہ'' جاحظ کی'' البیان و التبیین''اور اس سے بڑھ کر'' حیاۃ الحیوان''میں تداخل موضوعات، یا تداخل قصص کے سب سے زیادہ نمونے ملتے ہیں، خود قرآن کریم تداخل موضوعات کے نمونوں سے بھرا ہے، بات یہ ہے کہ جب مقصد وعظ وتذکیر، تعلیم وتربیت، رشد وہدایت، تطہیر قلب اور تزکیہ نفس ہو تو پھر اس مقصد کی راہ میں جو طریقۂ کار معاون اور سودمند ہیں وہ کام میں لایا جاتا ہے، تداخل قصص پہ روشنی ڈالتے ہوئے شیخ فرماتے ہیں:

بات میں بات نکلتی رہتی ہے، ایک قصہ پہ دوسرا قصہ یاد آتا رہتا ہے، اگر علی گڑھ کے قیام میں کچھ وسیع وقت مل جائے تو ایک'' الف لیلۃ و لیلۃ '' میں بھی لکھوادوں ایک جگہ فرماتے ہیں:

''عزیزو! تم نے بھی کیا کیا پرانے مردے اکھڑوانے شروع کردئے، اگر علی گڑھ کا قیام کچھ لمبا ہو گیا تو کیا کیا عجائب قدرت لوگوں کے کان میں پڑیں گے''۔

ایک جگہ اس آپ بیتی کو کشکول سے تعبیر کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

یہ آپ بیتی کوئی مستقل تصنیف نہیں، یہ کئی دفعہ لکھوا چکا ہوں کہ کشکول ہے، کوئی بات یاد آجائے اور طبیعت کا تقاضا ہو جائے تو بے جوڑ بھی لکھوا دیتا ہوں''۔

ایک جگہ مزید وضاحت یوں فرماتے ہیں:

یہ رسالہ کوئی تالیفی چیز نہیں ہے، خالی پڑے پڑے کچھ بے ترتیب واقعات یاد آ جاتے ہیں تو جوڑ بے جوڑ ان کے لکھوانے کی نوبت بھی آ جاتی ہے۔اس لئے اعجاب کے مضمون کو لکھتے لکھتے اسٹرائیک کا منظر سامنے آ گیا ورنہ اصل چیز تو اعجاب چل رہی تھی‘‘۔

حرکت اور وصف نگاری:

آپ بیتی کے فطری مگر شیریں، شگفتہ سلیس اور جذب و مستی میں ڈوبے ہوئے وضاحتی اسلوب کی شان اور آن بان وہاں دیکھی جا سکتی ہے جہاں شیخ اپنے مشاہدے اور ماجرے کو جزئیات اور کلیات سمیت بے ساختہ اور زندہ و متحرک اسلوب میں پیش کرتے ہیں، حضرت شیخ الحدیث چاہے زندگی کے سفر کے آخری ایام میں قطعی طور پر معذور ہو گئے ہوں مگر ان کی زبان، ان کا شعور، ان کا قلم آخری وقت تک توانا و طاقت ور اور مصروف عمل رہا اور زندگی کی ہر ساعت رواں دواں اور ہر دم جوان رہی، اس رواں دواں، اور زندگی کی فعالیت و حرکیت کو ذیل کے اقتباس میں ملاحظہ فرمائیے۔

ایک مرتبہ دوپہر کا وقت، گرمیوں کا زمانہ، میں سونے کے لئے لیٹا، سرہانے کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو دیکھا حضرت اقدس مدنی کھڑے ہیں، میں نے جلدی سے اٹھ کر مصافحہ کیا، اور پہلا سوال یہ کیا کہ حضرت کھانا؟ ارشاد فرمایا اگر کھانا کھا لیتے تو تمہارے یہاں کیوں آتے، حضرت کے پیچھے ایک لمبی لائن تھی، بعد میں معلوم ہوا کہ بارہ تھے حضرت تو کچے گھر میں آ گئے، اور پیچھے پیچھے جملہ رفقاء اور میں ننگے پاؤں اندر گیا اور بچیوں سے پوچھا کہ حضرت کئی آدمیوں کے ساتھ ہیں، کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ روٹی کا ٹکڑا ہے اور یہ کچھ سالن، جس کی وجہ یہ تھی کہ کھانے کے وقت بے اطلاع آٹھ دس مہمان عین وقت پر پہنچے تھے، بلکہ بچیوں نے بھی آدھی بھوک کھائی تھی.....میں نے ان سے کہا جلدی ایک آٹا گوندھے، اور ایک جلدی سے دیگچی میں مصالحہ بھونے، اور میں باہر ننگے پاؤں گیا، حضرت مدنی کی کرامت کہ سڑک پر پہنچتے ہی دیکھا کہ

میرا اقدیمی قصاب صوفی کرم الٰہی جو ہمیشہ سے میرے یہاں گوشت لاتا ہے اور مجھے بھی اس سے محبت و تعلق ہے، اس کے سوا کسی کا گوشت پسند نہیں آتا، بہت آہستہ آہستہ دور سے آرہا ہے، میں ننگے پاؤں اس کی طرف بھاگا، اور اس کو آواز دی کہ جلدی آ، وہ جلدی سے آیا، میرے سوال پر اس نے کہا کہ گوشت بھی ہے اور قیمہ بھی ہے، میں نے کہا کہ قیمہ مجھے دے اور جلدی سے دونوں ہاتھوں میں سارا قیمہ جو تین سیر کے قریب ہوگا لے کر گھر پہونچا تو دونوں چولہوں میں آگ جل چکی تھی، ایک پر توا رکھا تھا اور ایک پر مصالحہ بھن رہا تھا، میں نے جلدی سے وہ گوشت مصالحہ میں ڈال کر کہا کہ جلدی سے پکاؤ، اور دو بچیوں سے کہا کہ توے پر بیٹھو، ایک پیڑے بنا کر روٹی بنائے اور دوسری سینکے، وہ بجائے دو کے تین بیٹھ گئیں، ایک گوشت بھون رہی تھی، اور اس وقت چار ہی گھر میں تھیں، اور میں نے باہر آکر شور مچایا کہ بھائی کسی نے دسترخوان نہیں بچھایا ارے بھئی دسترخوان بچھاؤ اور ہاتھ دھلاؤ، حضرت قدس سرہ سمجھے کہ کھانا تیار ہوگا، سب کے ہاتھ دھلائے اور ترتیب سے بیٹھنے اور دسترخوان بچھانے میں دو تین منٹ لگ گئے، میں اندر گیا تو دس بارہ روٹیاں تیار ہوچکی تھیں، اور قیمہ بھی نیم برشت ہوچکا تھا، میں اطمینان سے تین رکابی میں قیمہ لایا اور تین جگہ روٹیاں رکھیں، ایک دم حضرت کو خیال ہوا کہ پہلے کا کچھ نہیں حال ہی کا پکا ہوا ہے، حضرت کو تو تعجب نہیں ہوا کہ بارہا حضرت کو سابقہ پڑ چکا تھا، لیکن علامہ ابراہیم مرحوم جو فن معقول کے مشہور امام تھے فرمانے لگے: کیا آپ کو ہمارے آنے کا پہلے سے علم تھا، یا آپ کو کشف ہوگیا تھا، میں نے کہا کہ جناب کے یہاں بیٹھنے کے بعد یہ گوشت قصاب کے یہاں سے خریدا گیا ہے، فرمانے لگے بات عقل میں نہیں آتی، میں نے کہا کہ ہر بات معقول نہیں ہوتی کچھ عقول سے بالاتر ہوتی ہیں، حضرت مدنی نے فرمایا کہ مناظرہ نہ کرو جلدی سے کھالو دیر ہورہی ہے۔

تمثیلات:

اصناف ادب میں تمثیلات کی اثر انگیزی کسی سے مخفی نہیں ہے، قرآنی اور نبوی ادب

نے تو اس سے بڑا مفید کام لیا ہے، تمثیل کے پیرایہ بیان میں جو بات کہی جاتی ہے وہ لمحوں میں تیر بہدف ہوتی ہے، وجدان وشعور بڑی آسانی کے ساتھ تمثیل کے پیرایہ بیان میں حقیقت نفس الامری کو تسلیم کر لیتے ہیں، علاوہ ازیں ذوق جمال اہتزاز وفرحت کی لذت سے سرشار ہوتا ہے، عقل ومنطق کا معاملہ الم نشرح ہو جاتا ہے، آپ بیتی کے وہ واقعات یکجا کئے جائیں جو تمثیلات کے اسلوب میں سامنے آئے ہیں تو ایک عمدہ ادبی مرقع تیار ہو سکتا ہے مثال کے لئے ذیل میں ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے....اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت کے ماموں جو علی گڑھ میں ڈیڑھ ہزار روپئے پر پروفیسر تھے ایک دن حضرت والا کے یہاں جمعہ کے دن تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت کے خدام آپ کو غسل کرا رہے ہیں، پھر کھانے کے بعد دیکھا کہ ایک شخص ہاتھ دھلانے کے لئے پانی ڈال رہا ہے، دوسرا صابن سے ہاتھ دھو رہا ہے، تیسرا جلدی تو لئے سے منہ پوچھ رہا ہے، کہنے لگے مولوی زکریا! خدا کی قسم تنعم کی بھی کوئی حد ہو، تم سے اپنا ہاتھ بھی نہیں دھلتا، وہ بھی خدام ہی دھوتے ہیں، شیخ نے کہا ماموں جی! میں تو فقیر آدمی ہوں، میری تو ڈیڑھ ہزار تنخواہ بھی نہیں میری ضابطے میں صرف ۳۵ روپئے تنخواہ وہ بھی کبھی ملتی ہے کبھی نہیں، اس کے بعد تفہیم و تقریب ذہن کے لئے شیخ نے اللہ کے ایک وفادار بندے کے لئے جو تمثیل بیان کی ہے اسے ملاحظہ فرمایا جائے۔

آپ ہی سوچئے ایک کتا آپ کے دروازے پر پڑ جائے، آپ کے مکان کی حفاظت کرے اور ہر آنے والے پر بھونک کر متنبہ کرے تو کیا آپ کی غیرت تقاضا کرے گی کہ اس کو کوئی ٹکڑا نہ ڈالے، آپ مجبور ہونگے کہ دستر خوان کی بچی ہوئی روٹی ہڈی اس کو ضرور ڈالیں، تو مالک الملک رب العالمین جس کے ایک لفظ کن میں دنیا کے سارے خزانے ہیں، اس کے دروازے پر کوئی شخص اس کے کام کی نیت سے اخلاص سے بغیر خود غرضی کے اس کے دین کی خدمت کے واسطے پڑ جائے کیا وہ اپنے خدمت گاروں کو بھوکا ننگا رکھ سکتا ہے، حضور اقدس ﷺ

فرماتے ہیں۔ میں ساری دنیا سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالی مجھ سے زیادہ غیرت مند ہیں، میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ آپ کی غیرت تو تقاضا نہ کرے کہ وہ کتا بھوکا رہ جائے اور اللہ جل جلالہ کی غیرت اس کا تقاضا کرسکتی ہے کہ اس کے دین کی خدمت کرنے والا بھوکا رہ جائے، یہ ناممکن ہے۔

تشبیہات:

شیخ کا لطیف ادبی وفنی مذاق ان تشبیہات سے بھی عبارت ہے جو آپ بیتی کی زینت ہیں، حضرت گنگوہی کے یہاں ناشتے کے معمولات کے تذکرہ کے ضمن میں انڈا فرائی کرنے کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں ''البتہ صبح کے وقت دوتین بیضوں کا نیم برشت ایک تکیہ بنا کرتا تھا، وہ بہت ہی عجیب چیز ہوا کرتی تھی، اور بہت اہتمام سے بنا کرتا تھا، مولانا (سید احمد صاحب) تین بیضوں کو تقریبا آدھ گھنٹے پھرکی سے اس قدر پھینٹتے کہ وہ پھول کر (بڑا پیالہ) ہو جاتا پھر اس کو پکتے ہوئے گھی میں فریدان (فرائی پان) میں ڈالتے جس سے وہ بلا مبالغہ پھول کر ایک چھوٹے نان کے برابر ہو جاتا، پھر جلدی جلدی اس کو بستر کی طرح لپیٹتے جس سے وہ گاؤ تکیہ معلوم ہونے لگتا، جو اندر کی طرف سے بالکل کچا اور اوپر سے چلی کی طرح سے پکا ہوا، بہت ہی لذیذ ہوتا، اس سے ایک دو چمچے تو حضرت اقدس قدس سرہ نوش فرمایا کرتے، باقی وہ سارا گاؤ تکیہ اس حقیر فقیر زاہد عن الدنیا کے حوالے ہو جاتا''۔

ایجاز واختصار:

بلاغت کا حسن اور ادب کا جلال و جمال کبھی ایجاز واختصار کے اسلوب میں پنہاں ہوتا ہے، ایسے موقعوں پر اطناب کچھ زیادہ موثر نہیں ہوتا، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد سے مسلسل اصرار کے ساتھ شیخ کے لئے بلاوے پہ بلاوا آرہا تھا، خطوط، ٹیلی گرام، ایک سلسلۂ لامتناہی تھا، شیخ نے

ایک کارڈ میں صرف ذیل کا مصرعہ لکھ کر بھیج دیا اور ہمیشہ کے لئے اصرار اور گفت وشنید پر قدغن عائد کردی ؎

مجھ کو جینا نہیں بندۂ احساں ہوکر

اسلامی لٹریچر میں تصوف ایک معرکۃ الآرا موضوع بحث رہا ہے۔اور ہر دور میں اہل فکر ونظر اپنے مثبت ومنفی رویے کا اظہار کرتے آئے ہیں، شیخ نے جس خوبصورتی اور ایجاز واختصار کے ساتھ اس کی حقیقت و ماہیت بیان کردی ہے کہ کوئی بھی دین پسند اس کا انکار نہ کر سکے گا،فرمایا:

إنما الأعمال بالنيات سارے تصوف کی ابتداء ہےاور أن تعبد الله كأنك تراه سارے تصوف کا منتہا اسی کو نسبت کہتے ہیں،اسی کو یادداشت کہتے ہیں،اسی کو حضوری کہتے ہیں۔

حضوری گر ہمی خواہی ازو غافل مشو حافظ

متى ما تلق من تهوى دع الدنيا و أهملها

عصر حاضر میں دعوت وتبلیغ دین کا تحریکی مزاج رکھنے والے مفکرین نے جاہلیت اور طاغوت کی تشریح میں صفحات کے صفحات سیاہ کئے ہیں،اس بارے میں ان کی مثبت فکر کا انکار نہیں ،مگر شیخ نے حقائق و معارف کے بحر بیکراں کو عربی کے ایک جملے میں سمو دیا ہے،فرماتے ہیں،طالب حق کو چاہئے کہ اللہ جل جلالہ کے سامنے حضور در حضور کے سوا کچھ اور کسی کا طلبگار نہ ہو،كل ما يشغلك عن الله فهو صنمك ،جو چیز تمہیں اللہ سے مشغول کردے وہی تمہارا بت ہے“۔

ظریفانہ تعبیرات:

آپ بیتی کے اسلوب میں بے تکلفی اور بے ساختگی کا چاؤ تو ہے ہی،سنجیدہ ظرافت ،

بذلہ سنجی، اور ایسی شگفتگی بھی ہے جس سے تحریر میں حلاوت اور طراوت پیدا ہو جاتی ہے، بسا اوقات سنجیدہ ظریفانہ اسلوب کی خوشبو بین السطور میں محسوس تو کی جاسکتی ہے حواس اربعہ سے ادراک نہیں کی جاسکتی، ہم دو نمونوں سے آپ کی شگفتہ تحریر پر روشنی ڈالیں گے، یہ بات تو سبھوں کے علم میں ہے کہ شیخ سے حضرت مدنی کے تعلق خاطر اور محبت و شفقت درجۂ انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، اسی محبت و اپنائیت کا نتیجہ تھا کہ شیخ کے جسم پر کھدر کے علاوہ کسی دوسرے کپڑے کا کرتہ دیکھتے تو پھاڑ دیتے، اس خوف اور لحاظ میں شیخ نے ہمیشہ کھدر کا کرتہ پہنا، ایک مرتبہ سہارنپور سے دیوبند تشریف لاتے ہوئے حضرت مدنی نے عطر کی شیشی کھولی اور پوری شیشی ہتھیلی پر انڈیل کر شیخ کے میلے کھدر کے کرتے پر مل دی، اس پر شیخ نے فرمایا:

''حضرت کھدر کے میلے کرتے پر یہ بڑھیا عطر کیوں ضائع فرما رہے ہیں، حضرت نے فرمایا: کھدر پر عطر خوب مہکتا ہے میں نے عرض کیا ؎

کما ضاع عقد علی خالصة

حضرت ہنس پڑے، دونوں ہاتھوں سے عطر ملتے جاتے تھے اور بار بار فرماتے تھے، نائی دولہا کے عطر ملا کرتا ہے۔

اس مصرعہ میں جو خوبصورت تلمیح اور حسین التفات پوشیدہ ہے، اہل ذوق سے مخفی نہیں، بھوپال سے کرنل اقبال جو ایک فوجی افسر تھے، نہایت لحیم شحیم قدآور پہلوان، نہایت حسین و خوبصورت رائے پور جاتے ہوئے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، دوسرے دن واپسی میں مصافحہ کے لئے حاضر ہوئے، شیخ نے جلدی جلدی ان کے کھانے کا نظم کیا، کھانے میں بھنا ہوا گوشت، باسی روٹی، اور کہیں سے آیا ہوا اتفاقیہ پلاؤ و زردہ تھا، آپ نے مہمان کے سامنے پیش کر دیا: اس واقعہ کا تذکرہ آپ نے یوں کیا ہے۔

میں نے باسی روٹی، بھنا ہوا گوشت، اور پلاؤ زردہ لے کر ان کے پاس رکھا اور میں

نے کہا: اب تمہارا کام ہے جتنی جلدی کھاؤ گے تمہیں سہولت رہے گی، وہ ماشاء اللہ بایں جلالت و شان فوجی بھی تھے سالن کی رکابی پلاؤ کی رکابی پر ڈال کر دو تین منٹ میں نمٹا دی، باسی روٹی البتہ نہیں کھائی اور بہت خوش ہوئے۔

اس وقت آپ کی عمر ۱۵ سال سے زیادہ نہ ہوگی، رائے پور گوجراں کے ایک سفر میں شیخ کو گھڑ سواری کا شوق ہوا، اس کی روداد شیخ کچھ اس انداز سے سناتے ہیں کہ وصف نگاری اور ظرافت کے شگفتہ انداز سے قاری محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا فرماتے ہیں۔

پچاس ساٹھ گھوڑیاں بہت خوبصورت جواب تلک نگاہوں میں پھر رہی ہیں، ان کو دیکھ کر اس لالچی کے منہ میں پانی بھر گیا کہ گھوڑی پر بیٹھیں گے، چڑھنا آتا نہیں تھا، ایک نہایت اونچی گھوڑی، نہایت سفید، جس پر کالے دھبے، اس قدر خوشنما اور قریب قریب گویا چتکبری اس پر ایں جناب علیہ الرحمۃ والغفر ان نے بیٹھتے ہی ایڑ ماردی، وہ ایسی بے تحاشہ دوڑی کہ ایں جناب تو چار جامہ کے اوپر سر بسجود ہو گئے، مگر اس نے دریا کا رخ کرلیا مگر اللہ رے پنجابی نوجوان بیس پچیس شہسوار ایک دم انہوں نے اپنی گھوڑیوں پر چڑھ کر میری گھوڑی کا سامنا روک لیا...اللہ نے زندگی مقدر میں لکھی تھی ورنہ تو ہم نے تو اپنے ڈوبنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی"۔

حضرت شیخ الحدیثؒ

اور

عربی زبان وادب

مولانا سید جاوید احمد ندوی
(جامعہ اسلامیہ، مظفر پور، اعظم گڑھ)

کسی بھی انسان کی شخصیت سازی میں اس کے سرپرستوں کی تعلیم وتربیت کا بڑا اہم رول ہوتا ہے اور تعلیم وتربیت کا انتظام بالعموم والدین کی طرف سے ہی کیا جاتا ہے، بعض اہم اور استثنائی صورت میں دوسرے اہل خاندان بھی اس کا انتظام کرتے ہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی درحقیقت اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ کی تعلیم وتربیت ہی کے حسین پرتو تھے، جہاں اللہ نے انہیں ہر طرح کی ذہنی، فکری، عقلی اور فطری صلاحیتوں سے نوازا تھا، وہیں انہیں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ جیسا مربی ومشفق باپ بھی میسر ہوا، جس کی وجہ سے آپ کی جملہ صلاحیتیں روشن ستاروں کی مانند جگمگا اٹھیں، اور آپ کی ذات گرامی آسمان علم ومعرفت پر آفتاب و ماہتاب بن کے نمودار ہوئی، جس سے نہ صرف یہ کہ خطۂ برصغیر مستفید ہوا بلکہ ایشیا سے باہر افریقہ و یورپ تک بھی آپ کا فیض عام ہوا۔

حضرت شیخ کی تعلیم قدرے تاخیر سے شروع ہوئی، جس کا تذکرہ اپنی خودنوشت سوانح ''آپ بیتی'' میں یوں کرتے ہیں: ''ہمارے خاندان میں عموماً چوتھے یا پانچویں برس بچہ پڑھنے بیٹھ جاتا ہے، مگر میں سات برس کی عمر یا اس سے زائد پر بھی پڑھنے نہیں بیٹھا، میری دادی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا میرے والد صاحب پر خوب خفا ہوتیں، مجھے ان کی خفگی کے الفاظ بھی خوب یاد ہیں، یحییٰ! اولاد کی محبت سب کو ہوا کرے، مگر اولاد کی محبت میں اندھے نہیں ہو جایا کرتے'' (۱) ۔

مگر جب تعلیم کی ابتداء ہوئی تو پھر زندگی میں کبھی اس کی انتہا نہ ہوئی، اسی کے ہو کے رہ گئے اور پوری زندگی علم کے لئے وقف کردی، آپ نے وقت کے چوٹی کے علماء سے کسب فیض کیا جن میں خصوصیت کے ساتھ خود ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے نام لئے جا سکتے ہیں، یوں تو آپ نے وقت کے جلیل القدر محدث کی حیثیت سے شہرت پائی، اور ''شیخ الحدیث'' آپ کے نام کا "جز و لا ینفك" ثابت ہوا، لیکن آپ گوناگوں صلاحیتوں کے حامل، ایک جامع کمالات شخصیت کے مالک تھے، اگر آپ کو عجوبۂ روزگار اور اپنی ذات میں ایک انجمن کا نام دیا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔

حضرت شیخ الحدیث کی تالیفات اور ان کا مقام

آپ نے بے شمار کتابیں لکھیں، آپ کی تالیف کردہ چھوٹی بڑی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابوں کی مجموعی تعداد سو سے متجاوز ہے (۲)، بیشتر ان میں سے تو اردو زبان میں ہیں، جو مختلف موضوعات پر لکھی گئیں، لیکن آپ نے عربی زبان میں بھی متعدد گرانقدر اور مایۂ ناز کتابیں تصنیف کیں، جو آپ کی تحقیقی، تالیفی اور علمی حیثیت کی آئینہ دار ہیں، اور جو درحقیقت اپنے اپنے موضوعات پر شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔

حضرت شیخ کا دور طالب علمی اور عربی زبان وادب سے دلچسپی

لیکن شاید معروف معنوں میں ہمیں عربی زبان کے اندر حضرت شیخ کی کوئی ادبی کاوش نظر نہیں آتی، جس سے کوئی عجلت پسند آدمی یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ حضرت شیخ کو عربی زبان وادب سے دلچسپی نہیں تھی اور انہوں نے اس رخ پر محنت نہیں کی، یا انہیں محنت کرنے کا موقع نہیں ملا، لیکن ایسا فیصلہ کرنا حقیقت پر مبنی نہ ہوگا، کیونکہ اگر ہم حضرت شیخ کے دور طالب علمی کا مطالعہ کریں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ حضرت شیخ نے باقاعدہ تعبیر وانشاء کی مشق بھی کی، شعر وادب سے دلچسپی بھی رکھی، چنانچہ خود ہی اپنی خودنوشت سوانح ''آپ بیتی'' میں لکھتے ہیں: ''مولانا (ظفر احمد تھانوی) سے میں نے صرف نحو میر ہی کے چند سبق پڑھے اور کچھ پڑھنے کی نوبت نہیں آئی، اس لئے کہ میرے والد صاحب زیادہ تر خود ہی پڑھایا کرتے تھے'' (۳)، اور اپنے والد صاحب کے طرز تدریس کی بابت لکھتے ہیں: ''میرے والد صاحب اپنے خاص شاگردوں کے پڑھانے میں مجتہد تھے، کسی نصاب کے پابند نہیں تھے............... ادب کے درمیان میں بہت زور تھا، نحو میر کے ساتھ ہی عربی سے اردو، اردو سے عربی بنوانے کا اہتمام تھا، ادب میں چہل حدیثوں کا بہت دستور تھا'' (۴)، پھر لکھتے ہیں: ''ادب کی کتابوں میں وہ محشیٰ کتابوں میں پڑھانے کے مخالف تھے، میں نے مقامات جو پڑھی وہ کلکتہ کی مطبوعہ میرے لئے خاص طور سے وی پی منگائی گئی تھی، جس میں نہ کوئی حاشیہ تھا نہ اعراب، سبعہ معلقہ انہوں نے اپنے دست مبارک سے لکھ کر پڑھایا، اس لئے کہ موجودہ سبعہ معلقہ سب محشیٰ تھے، اسی طرح متنبّی بھی ان کے دست مبارک کی لکھی ہوئی پوری موجود ہے'' (۵)۔

حضرت شیخ بحیثیت ایک مدرس ادب

حضرت شیخ الحدیث اپنی تدریس کے ابتدائی سالوں میں مدرسہ مظاہر علوم میں استاد ادب بھی رہے، سبعہ معلقہ اور دوسری کتابیں بھی پڑھائیں، اور حیرت تو یہ ہے کہ ایک ابتدائی

مدرس ہونے کے باوجود اپنی ادب شناسی کا سکہ بٹھا دیا، جگہ جگہ آپ کے چرچے ہونے لگے، اور طلبہ نے آپ کے درس ادب کو بہت پسند کیا اور جوق در جوق آپ کے درس میں شرکت کی درخواستیں آنے لگیں، حضرت شیخ اپنے اس درس کے بارے میں لکھتے ہیں: ''............اس پر اور بھی طلبہ میں شوق وذوق پیدا ہوا، اور معلقہ کی شرکت کی درخواستیں بڑھ گئیں'' (۶)۔

ایک جگہ لکھتے ہیں: ''سبعہ معلقہ کے سارے ہی اشعار عشقیہ مضامین کے تھے، بالخصوص امرؤ القیس کا قصیدہ خوب یاد تھا'' (۷) دوسری جگہ لکھتے ہیں: '' معلقہ بالخصوص امرؤ القیس کا قصیدہ پڑھنے کے زمانے ہی سے یاد تھا اور یہ واقعہ تھا کہ مجھے معلقہ جتنا یاد تھا مقامات اتنی یاد نہیں تھی، اوراس معلقہ کے ہنگامے نے

خدا شرّے برانگیزد دروخیرے نہاں باشد

میری ادب دانی کو اتنی شہرت دی کہ......(۸)، پھر آگے اپنے ایک رشتہ دار مولانا بدرالحسن صاحب کا واقعہ لکھا ہے کہ: ''انہوں نے نہایت خفیہ، میری تحقیقات خوب کیں، اللہ جزاء خیر دے اور جب ہر شخص کی زبان سے میری ادب دانی سنی تو مرحوم کو بہت ہی مسرت ہوئی، اور مجھ سے ازراہ شفقت فرمایا کہ تیرے ادب کی بہت تعریف سنی ہے، تیرے لئے مولوی فاضل کا امتحان دینا بہت آسان ہے، جلد از جلد امتحان کا فارم بھیج دے، اس میں تیری کامیابی یقینی ہے، اس کے بعد میں تجھے اپنے ساتھ لکھنؤ لے جاؤں گا اور چند مہینہ انگریزی پڑھا کر زبان کا امتحان بی۔اے کا دلوادوں گا، اس کے بعد علی گڑھ کالج کی ناظم دینیات کی ملازمت جو صرف میری ایک تحریر پر مل سکتی ہے، تین سو روپے تنخواہ ہے، تجھے مل جائے گی'' (۹)۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک شہادت

مذکورہ بالا اقتباسات کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کو عربی زبان وادب سے نہ صرف یہ کہ غیر معمولی دلچسپی تھی بلکہ اس میں

مہارت تامہ بھی حاصل تھی، اور عربی زبان وادب کا پاکیزہ اور نفیس ولطیف ذوق بھی رکھتے تھے، عربی زبان کے ماہر اور مایۂ ناز ادیب، عرب وعجم کی ہر دلعزیز شخصیت، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں: ”حضرت شیخ کے متعلق (جنہوں نے ایک خالص ثقہ ومتین علمی و دینی ماحول میں پرورش پائی تھی اور جن کا شعار و دثار درس وتدریس حدیث کا مشغلہ تھا) مشکل سے باور کیا جاسکتا ہے کہ ان کا شعری وادبی ذوق نہایت پاکیزہ اور لطیف تھا اور ان کو بلا مبالغہ سینکڑوں عربی، فارسی، اردو کے اشعار یاد تھے“ (۱۰) ۔

حضرت شیخ کا عربی زبان وادب سے عشق ومحبت

حضرت شیخ کو عربی زبان سے والہانہ عشق ومحبت تھی اور اس کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ کتاب وسنت کی زبان ہے، پیارے نبی ﷺ کی زبان ہے، شریعت کے مآخذ اور اسلامی علوم کے تمام ہیرے اور جواہرات اسی بحر ذخار میں پائے جاتے ہیں اور یہی وہ زبان ہے جسے قرآن اور اس کے مضامین کے تحمل کا شرف حاصل ہوا، اور جسے اس کے صلہ میں حیات جاودانی عطا ہوئی، چنانچہ حضرت شیخ نے اردو میں ایک رسالہ ”فضائل عربی زبان“ کے نام سے تالیف کیا جو چھپ چکا ہے، اس میں عربی زبان کی فضیلت اور اس کے سیکھنے کی اہمیت قرآن واحادیث کی روشنی میں واضح کی گئی ہے، یہ رسالہ بظاہر ہے تو بہت مختصر، لیکن اپنی کیفیت، قوت، تاثیر اور مضمون کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس رسالہ میں عربی زبان کی اہمیت اور ضرورت کے حوالہ سے بہت سے علماء ومحدثین کے اقوال بھی نقل کئے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربی زبان وادب سے کوئی رسمی اور عرفی تعلق نہیں بلکہ گہری محبت اور عشق رکھتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا ایک قول نقل کیا ہے، لکھتے ہیں: ”حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ”لا یقبل الرجل بنوع من العلوم ما لم یزین علمه

بالعربية'' آدمی کوکسی علم میں مقبولیت حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کو علم عربیت سے مزین نہ کرے، (المدخل إلی العربیۃ ص۶) فرمایا کہ:'' أنفقت في الحديث أربعين ألفاً و في الأدب ستين ألفاً وليت ما أنفقت في الحديث أنفقته في الأدب قيل له ، كيف ، قال لأن الخطأ في الأدب يؤدي إلى الكفر۔'' یعنی فرمایا کہ میں نے علم حدیث حاصل کرنے میں چالیس ہزار خرچ کئے اور علم عربیت کو حاصل کرنے میں ساٹھ ہزار خرچ کئے اور کاش جو میں نے علم حدیث میں خرچ کئے علم ادب میں خرچ کرتا۔ لوگوں نے کہا یہ کیسے؟ تو فرمایا کہ اس وجہ سے کہ عربیت کی غلطی کفر تک پہنچا دیتی ہے'' اور ان کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے، کیونکہ جب علم ادب عربی میں وہ غلطی کرے گا تو حدیث پاک میں بھی اس سے غلطی ہوگی اور پھر اندیشہ ہے کہ حضور پاک کے ارشاد:'' من كذب عليّ متعمداً الخ '' ۔الحديث۔ کی وعید میں داخل ہو جائے، نیز ابوالزناد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ:'' ما تزندق من تزندق بالمشرق إلا جهلاً بكلام العرب'' (المدخل ص ۲) مشرق میں جتنے زندیق ہوئے وہ کلام عربی سے ناواقفیت کی وجہ سے ہوئے (۱۱) ۔

حضرت شیخ کا ذوق ادب اور اعلیٰ معیار انتخاب

اسرار فصاحت و بلاغت اور رموز اسلوب و بیان کی گہری شناخت، تسلسل کلام کے زیر و بم، اور نشیب و فراز سے پیدا ہونے والی تاثیر کا شعور و ادراک کوئی عربیت کا معمولی ذوق رکھنے والا انسان کما حقہ نہیں کرسکتا ہے، بلکہ اس کے لئے غیر معمولی پاکیزہ ذوق اور وسیع مطالعہ کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح ادبی شہ پاروں اور نصوص کا انتخاب ایک بڑا نازک اور اہم کام ہے، ادبی انتخاب وہ کسوٹی ہے جس پر صاحب انتخاب کے معیار ادب اور پاکیزگیٔ ذوق کا کھرا اور کھوٹا ظاہر ہوجاتا ہے، حضرت شیخ نے اس وادیٔ پرخار میں بھی بڑی چابک دستی اور مہارت کے ساتھ اپنی ادبی سلیقہ مندی اور نفاست ذوق کا ثبوت دیا ہے، اپنے اسی رسالہ'' فضائل عربی

زبان'' کے اندر حضور ﷺ کے کمال فصاحت و بلاغت اور مہارت لسانی کو واضح کرنے کے لئے علامہ سیوطی کی کتاب ''المزہر'' کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے، لکھتے ہیں: ''علامہ سیوطی نے اپنی کتاب ''المزہر'' میں ایک روایت ذکر فرمائی ہے جس سے حضور اقدس ﷺ کا نہایت فصیح و بلیغ ہونا اور بھی زیادہ ظاہر ہوتا ہے، أخرج البيهقي في شعب الإيمان من طريق يونس بن محمد بن إبراهيم بن الحارث التيمي عن أبيه قال قال رسول الله ﷺ في يوم دجن ،كيف ترون بواسقها؟ قالوا ما أحسنها وأشدّ تراكمها ، قال كيف ترون قواعدها؟ قالوا ماأحسنها و أشدّ تمكنها، قال كيف ترون جونها؟ قالوا ما أحسنه و أشدّ سواده، قال كيف ترون رحاها استدارت ؟ قالوا نعم، ما أحسنها و أشدّ استدارتها، قال كيف ترون برقها؟ أ خفياً أم وميضاً أم يشقّ شقّاً؟ قالوا بل يشقّ شقّاً، فقال : الحياء، فقال رجل يا رسول الله ما أفصحك، ما رأينا الذي هو أعرب منك، قال حق لي فإنما أنزل القرآن عليّ بلسان عربي مبين، (المزهر للسيوطي ص ٣٥)

ترجمہ: بیہقی نے شعب الایمان میں یونس بن محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی کی روایت نقل کی ہے، انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز جب کہ آسمان پر ابر تھا، فرمایا کہ تم کو اس کے پھیلے ہوئے اور سفید قطعے کیسے نظر آتے ہیں، لوگوں نے عرض کیا، بہت خوشنما اور خوب تہ بتہ، فرمایا تم کو اس کے مرکزی اور بنیادی حصے کیسے نظر آتے ہیں، انہوں نے کہا بہت خوشنما اور خوب سیاہ، فرمایا کہ تم کو اس کی چکی کیسی گھومتی ہوئی نظر آتی ہے، انہوں نے کہا بہت خوشنما اور خوب گھومتی ہوئی، فرمایا اس کی بجلی کیسی نظر آتی ہے، کیا ہلکی یا چمکتی ہوئی، یا کوندتی کاٹتی ہوئی، انہوں نے کہا کہ کوندتی کاٹتی ہوئی، فرمایا کہ یہ ہے شادابی اور زرخیزی، اس پر ایک صاحب نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ! آپ کس قدر فصیح و بلیغ ہیں! ہم نے آپ سے زیادہ عربیت کا

حامل نہیں دیکھا، فرمایا کہ میرے لئے حق ہے، بے شک مجھ پر قرآن فصیح عربی زبان میں اتارا گیا'' (۱۲)، آگے چند جملوں میں اپنا تأثر لکھتے ہیں: ''فی الحقیقت اس سے حضور اکرم ﷺ کا عربیت کے اندر کمال اور انتہائی درجہ فصیح و بلیغ ہونا معلوم ہوتا ہے، عربی سے ذوق رکھنے والے اس حدیث پاک کا لطف اٹھا سکتے ہیں کہ ایک ابر کو کتنی تفاصیل سے دریافت فرمایا'' (۱۳)۔

حضرت شیخ کی شاہکار عربی تصانیف ان کے کمال عربیت کی دلیل

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے جو کتابیں، شروحات اور حواشی عربی میں لکھی ہیں وہ تمام ہی اپنے موضوع پر اپنی مثال آپ ہیں اور علمی حلقوں میں ان کی مقبولیت بھی محتاج بیان نہیں، مثال کے طور پر:

(۱) أوجز المسالك إلى موطأ مالك ۔

(۲) حواشی الکوکب الدری ۔

(۳) حواشی الفیض السمائي ۔

(۴) حواشی لامع الدراری ۔

(۵) حواشی بذل المجهود ۔

(۶) مقدمہ لامع الدراری ۔

(۷) جزء عمرات النبی ۔

(۸) الأبواب والتراجم للبخاری وغیرہ ۔

جہاں ایک طرف اپنے مؤلف کے علمی و تحقیقی اور تصنیفی کمال کا لوہا منواتی ہیں، وہیں دوسری طرف صاحب تصنیف کے زبان و بیان، معیار ادب وانشاء اور کمال فی العربیت کے دلائل بھی فراہم کرتی ہیں، ظاہر ہے کوئی علمی اور ادبی کاوش کسی غیر معیاری اور گھٹیا زبان واسلوب میں منظر عام پر آ کر اپنا جادو نہیں چلا سکتی، موضوع اور مضمون کا معیار و مزاج خود ہی اپنے لئے

زبان و بیان کا معیار بھی متعین کر دیتا ہے، لہذا اگر متعلقہ مضمون کو اس کے فطری اور حقیقی معیار سے فروتر کسی زبان واسلوب میں پیش کیا جائے تو شاید مخمل میں ٹاٹ کا پیوند ہوگا یا دوسرے لفظوں میں سیاہ فام چہرے پر غازہ ملنے کے مرادف ہوگا، طلوع آفتاب وجود آفتاب کی دلیل ہے، خارج سے وجود آفتاب کو ثابت کرنے کے لئے نظری دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اسی طریقہ سے حضرت شیخ الحدیث کی عربیت اور اس میں مہارت تامہ کو ثابت کرنے کے لئے ہمیں خارج سے کسی ادبی کاوش یا ادبی کسی تخلیق کو۔ معروف معنوں میں۔ پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، انہوں نے جو عربی تالیفات وتصنیفات یادگار چھوڑی ہیں، وہ دلیل کے لئے کافی ہیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی عربی تصانیف کا عالم عربی میں خیر مقدم

حضرت شیخ نے عربی زبان میں جو چھوٹے بڑے رسالے اور کتابیں لکھی ہیں ان میں سے مطبوعہ وغیر مطبوعہ کی مجموعی تعداد کم وبیش دو درجن سے زائد ہے (۱۴)، لیکن ان میں سے بیشتر فن حدیث سے متعلق ہیں، اور کچھ ان میں سے سیرت وتاریخ اور متفرق علوم سے بھی، شیخ کا سیال قلم اردو ہی کی طرح عربی میں بھی خوب جولانی دکھاتا ہے، آپ کی عربی زبان بہت ہی شستہ اور پختہ ہے، اس کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ آپ کی جو عربی کتابیں طبع ہوکر منظر عام پر آئیں تو انہیں عالم عربی میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی، اور مصنف کو چوٹی کے عرب علماء و محدثین کے خطوط اور تہنیت نامے ایک زمانے تک پیہم موصول ہوتے رہے، پھر ان میں سے بعض کتابیں عالم عربی میں بھی بڑے آب وتاب کے ساتھ شائع ہوئیں، ''اوجز المسالک'' مصر و بیروت سے ۱۵؍ جلدوں میں طبع ہوئی، اور حال ہی میں حضرت شیخ کے نامور شاگرد رشید حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری دامت برکاتہم کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ بیروت سے ۱۸؍ جلدوں میں شائع ہوئی ہے، اور اس کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا

جاسکتا ہے کہ اس کی طباعت کا صرفہ متحدہ عرب امارات کے نائب وزیر اعظم ''شیخ سلطان بن زاید آل نہیان نے اٹھایا، اسی طرح حضرت شیخ الحدیث کی دوسری شاہکار تصنیف ''حجۃ الوداع وجزء عمرات النبی'' بھی حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری کے خلف الرشید اور نامور صاحب زادہ جناب مولانا ڈاکٹر ولی الدین صاحب ندوی کی تخریج وتعلیق کے ساتھ چند سال قبل ''وزارت اوقاف'' ابوظبی کی جانب سے بڑے اہتمام اور شان وشوکت کے ساتھ طبع ہوئی، اس سے قبل بیروت سے چھپ چکی ہے۔

حضرت شیخ کا کمال عربیت اور ادب شناسی، ایک تجزیہ

یہ تو ایک حقیقت ہے کہ حضرت شیخ کی تالیف کردہ کتابوں کا موضوع عام طور سے خالص علمی اور تحقیقی ہے، جن میں اگر ہم عرفی اور اصطلاحی ادب کی نیرنگیاں اور بوقلمونیاں ڈھونڈنا چاہیں تو شاید ہمیں زیادہ کامیابی نہ مل سکے، ہمیں یقیناً ان میں گل وبلبل کی داستان، چشم وابرو کے خدوخال، اور لیلی ومجنوں کے سوز وساز نہیں مل سکتے، اس لئے کہ حضرت شیخ نے اپنے موضوع ومضمون کو اس کے مناسب حال لسانی غذا فراہم کی ہے، بایں ہمہ ارباب ادب نے جہاں ادب کی عرفی اور اصطلاحی تعریف کی ہے وہیں اس کو توسع دیتے ہوئے یہ بھی کہا ہے: "وقد يطلق الأدب على جميع ما صنّف في كل لغة من البحوث العلمية و الفنون الأدبية، فيشمل كل ما أنتجته خواطر العلماء و قرائح الكتاب و الشعراء" (۱۵)،

ترجمہ: ''کسی بھی زبان میں ادب کا اطلاق ان تمام تصنیفات پر بھی ہوتا ہے جو ادبی وعلمی مضامین کی حامل ہوں، اس اعتبار سے گویا لفظ ادب ان تمام تصنیفات پر صادق آتا ہے جو علماء ومحققین کی تحقیقات وانکشافات، مضمون نگاروں کے مضامین وافکار، شاعروں کے حسین تخیلات اور نازک تصورات پر مبنی ہوں''، عالم عربی کے مایہ ناز ادیب وناقد ڈاکٹر شوقی ضیف لکھتے ہیں:

"ولا نصل إلى ابن خلدون المتوفىٰ سنة ۸۰۸ھ حتى نجدها تطلق على

جميع المعارف دينية و غير دينية ، فهي تشمل جميع ألوان المعرفة و خاصة علوم البلاغة و اللغة" (١٦)، ترجمہ: جب ہم علامہ ابن خلدون (۸۰۸ھ) کے عہد کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ ادب کا اطلاق تمام ہی دینی و غیر دینی علوم پر ہوتا ہے، اس طرح گویا ادب علم کے جملہ اقسام پر حاوی ہے، خاص طور سے علم بلاغت و لغت سے اس کا سر رشتہ زیادہ گہرا ہے''، ڈاکٹر شوقی ضیف مزید لکھتے ہیں:" وأخذت الكلمة منذ أواسط القرن الماضي تدل على معنيين، معنىٰ عام يقابل معنىٰ كلمة ''Litterature'' الفرنسية التي يطلقها الفرنسييون على كل ما يكتب في اللغة، مهما يكن موضوعه و مهما يكن أسلوبه ، سواء أكان علماً أم فلسفةً أم أدباً خالصاً، فكل ما ينتجه العقل والشعور يسمىٰ أدباً ، ومعنىٰ خاص هو الأدب الخالص الذي لايرادبه مجرّد التعبير عن معنىٰ من المعاني ، بل يرادبه أيضاً أن يكون جميلاً بحيث يؤثر في عواطف القارئ والسامع على نحو ما هو معروف في صناعة الشعر و فنون النثر الأدبية مثل الخطابة و الأمثال و القصص و المسرحيات والمقامات " (١٧)، ترجمہ: لفظ ''ادب'' کے، گذشتہ صدی کے نصف دہے سے دو معنیٰ سامنے آئے، ایک تو اس کے معنیٰ عام جو فرانسیسی لفظ ''Litterature'' کے ہم معنی ہیں، جس کا اطلاق فرانسیسی ارباب علم و ادب ہر اس تحریر پر کرتے ہیں جو کسی زبان میں لکھی جائے، خواہ اس کا موضوع اور اسلوب جو بھی ہو، خواہ علمی ہو یا فلسفیانہ یا خالص ادبی، اس طرح گویا انسانی عقل و شعور سے تعلق رکھنے والی ہر کاوش کو ادب کا نام دیا جا سکتا ہے، دوسرے معنیٰ خاص جسے ہم ''ادب خالص'' کا نام دے سکتے ہیں، جس کا مقصد صرف سادے انداز میں کسی حقیقت کا اظہار کر دینا ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ طرز ادا و بیان ایسا خوبصورت اور موثر ہو کہ سننے اور پڑھنے والے کے دل پر اس کا قابل لحاظ اثر ہو، یہی چیز ہمیں ادب منثور و منظوم میں نظر آتی ہے، اس کے خاص میدان خطابت، امثال و

کہاوت، افسانے، ڈرامے اور مقامات ہیں۔

ان اقتباسات کی روشنی میں ہم حضرت شیخ کے زبان و بیان اور اس اسلوب کے بارے میں جسے انہوں نے اپنی کتابوں میں اختیار کیا ہے، بآسانی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس کا سر رشتہ ادب سے جڑا ہوا ہے، اور وہ بھی ادب کا ہی حصہ ہیں، جو ادب خاص تو نہیں ادب عام کے زمرے میں آتے ہیں، تاہم حضرت شیخ کی مشہور زمانہ کتاب ''موطا مالک'' کی شرح ''اوجز المسالک'' کا مقدمہ جو کہ کم وبیش ۲۰۸ رصفحات پر مشتمل ہے(۱۸)، اور بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ: ''جس میں فن حدیث کے تعارف و تاریخ اور تدوین حدیث پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، پھر کتاب وصاحب کتاب ''امام مالک'' کا مفصل تعارف اور ان دونوں کی خصوصیات و امتیازات کا مفصل تذکرہ ہے، نیز اس کے شروح اور عہد بہ عہد خدمات، اس کے ساتھ امت کے اعتناء کا ذکر ہے، پھر اپنے مشائخ اور سلسلۂ ولی اللہی کے اسانید کی تفصیل ہے، پھر اس سب کے بعد امام ابوحنیفہؒ کا تذکرہ اور ان کی محدثانہ حیثیت و درجہ اور ان کے اصول و مسلک کا تذکرہ ہے(۱۹)۔

اس پورے مقدمہ کی زبان اپنے اندر ادبی خصوصیات اور لسانی امتیازات کے جملہ اوصاف لئے ہوئے ہے، اس میں ادیبانہ تعریف و تعارف کا رنگ بھی ہے اور تاریخ و سیرت نگاری کا ڈھنگ اور آہنگ بھی، اسلوب بیان حسین بھی ہے اور متین بھی، اس طرح پورے مقدمہ کی زبان عربیت وادبیت اور بحث و تحقیق کے حسین ہالہ کے بیچ صدر نشیں نظر آتی ہے، سچ تو یہ ہے کہ نہیں لگتا کہ یہ کسی ہندوستانی نژاد کی تصنیف ہے، آج بھی بڑے بڑے عرب علماء اس کے علم و تحقیق اور زبان و اسلوب کے طلسماتی حسن کی وجہ سے اسے رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور دیکھتے رہیں گے۔

ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

فہرست مآخذ ومراجع:

(۱) آپ بیتی نمبر۲ ج۱رص ۸۹ ازمولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

(۲) فہرست تالیفات شیخ ج۱رص ۱۳ ازمولانا محمد شاہد سہارنپوری

(۳) آپ بیتی نمبر۲ ج۱رص ۱۰۰ ازمولانا محمد زکریا کاندھلوی

(۴) آپ بیتی نمبر۲ ج۱رص ۱۰۲ ازمولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

(۵) آپ بیتی نمبر۲ ج۱رص ۱۰۲ ازمولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

(۶) آپ بیتی نمبر۲ ج۱رص ۱۳۳ ازمولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

(۷) آپ بیتی نمبر۲ ج۱رص ۱۳۴ ازمولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

(۸) آپ بیتی نمبر۲ ج۱رص ۱۳۵ ازمولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

(۹) آپ بیتی نمبر۲ ج۱رص ۱۳۵، ۱۳۶ ازمولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

(۱۰) سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ ص ۲۳۷ ازمولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(۱۱) فضائل عربی زبان، ص۲۳، ۲۴ ازمولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

(۱۲) فضائل عربی زبان، ص۱۹، ۲۰ ازمولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

(۱۳) فضائل عربی زبان، ص۲۰ ازمولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

(۱۴) دیکھئے فہرست تالیفات شیخ ج۱ص ۱۰ ازمولانا محمد شاہد سہارنپوری

(۱۵) مقدمہ تاریخ الأدب العربی ص۳ ازاحمد حسن زیات

(۱۶) تاریخ الأدب العربی ج۱ص ۱۰ ازڈاکٹر شوقی ضیف

(۱۷) تاریخ الأدب العربی ج۱ص ۱۰ ازڈاکٹر شوقی ضیف

(۱۸) اوجز المسالک ازمولانا محمد زکریا کاندھلویؒ تحقیق وتعلیق حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی

(۱۹) سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ ص ۲۴۳ ازمولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مکتوبات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ

کا

ایک جائزہ

حضرت مولانا عبدالحفیظ رحمانی
(شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند)

حضرت شیخ الحدیث کی شخصیت اور آپ کے معارف علمیہ، تبلیغی و دعوتی کارنامے، اصلاحی جدوجہد اور بلند پایہ تصنیفات محتاج تعارف نہیں ہیں، عوام وخواص میں اس طرح یکساں مقبولیت کم کسی کے حصہ میں آتی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الحدیث کو جو شرف قبولیت عطا فرمایا اس کی نظیر اس دور میں نظر نہیں آتی، اپنے وقت کے نامور اہل علم آپ کے علمی کارناموں پر سر دھنتے ہیں، تو اصحاب درس وتدریس اور تلامذہ لطائف ونکات علمیہ پر محو حیرت ہیں، بالغ نظر مصنفین بلند پایہ تصنیفات دیکھ کر انگشت بدنداں ہیں تو محققین دائرہ علم کی وسعت کے سامنے سرنگوں ہیں، مشائخ اور اہل تصوف نے نظر اٹھائی تو بحر طریقت کا غواص وشناور پایا، اہل الرائے قریب ہوئے تو ژرف نگاہ اور صائب الرائے دیکھا، عوام نے قدم لئے تو مونس وغمخوار پایا، معاصرین نے پرکھنے کی کوشش کی تو تواضع وخاکساری کا پیکر نظر آیا۔

ایسی ہمہ جہت مجموعۂ صفات شخصیت کہاں نظر آتی ہے؟ اس لئے بجا ہے کہ درس و تدریس دیکھ کر شیخ الحدیث کہئے، حدیثی تصنیفات دیکھ کر محدث کہئے، اصلاحی ودعوتی کتابیں دیکھ کر داعی و مصلح کہئے، مجال تحقیق و تفحص دیکھ کر محقق کہئے، فقہی بحث ونظر دیکھ کر فقیہ کہئے، اتباع سنت دیکھ کر متبع سنت کہئے، دائرہ طریقت کی وسعت دیکھ کر ولی و شیخ کہئے، سب کچھ کہئے بجا ہے۔

آنچہ خو باں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس لئے ایسی ہشت پہل شخصیت کے کسی ایک پہلو پر روشنی ڈالنے کا حوصلہ تو کیا جا سکتا ہے، ہر پہلو کو اجاگر کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے، چونکہ علمی وادبی اور اصلاحی شخصیات کے مکتوبات کو علمی دنیا میں ایک اہم مقام حاصل ہے اور ان کے مکتوبات سے اس دور کے معاشرہ، علمی شخصیات، گھریلو حالات، علمی مباحث، سیاسی افکار ونظریات اور بہت سی چیزوں کی عکاسی ہوتی ہے بلکہ اہم شخصیات کے مکتوبات ایسے بے غبار آئینہ ہوتے ہیں جن میں اس دور کی ہر چیز بے کم وکاست نظر آتی ہے، مکتوبات کا یہ سلسلہ کوئی نیا نہیں بلکہ بہت قدیم ہے، اس کی ابتدا کب ہوئی اور اس سلسلہ کا آغاز کس نے کیا؟ تاریخ اس کی تعیین کرنے سے قاصر ہے، اندازہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے ہاتھ میں جب سے قلم آیا ہے اسی وقت سے مکاتبت ومراسلت کا سلسلہ جاری ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے مکتوبات علوم ومعارف کا خزانہ ہیں۔ شیخ کے مطبوعہ مکتوبات کو آسانی کے ساتھ تین خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) مکتوبات علمیہ (۲) مکتوبات تصوف (۳) گھریلو مکتوبات۔

مکتوبات علمیہ کا دائرہ بہت وسیع ہے ان میں معاصر علماء اور تلامذہ کے علمی اشکالات کا حل، علمی استدراک، احادیث کی تشریح وتفہیم، فقہی اور حدیثی مباحث، افکار نو کی خامیاں، جدید تحریکات کا جائزہ وغیرہ ان مکتوبات کے جلی موضوعات ہیں، انہی کے ضمن میں دیگر علمی مباحث بھی آگئے ہیں، ہم ذیل میں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے چند مکتوبات کے اقتباسات

پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں، اس کا آغاز حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے نام ارسال کردہ اس مکتوب علمی سے کررہے ہیں جو ایک تحفہ کے ساتھ مکتوب الیہ کو پہنچا تھا، مکتوب یہ ہے:

بخدمت اقدس ادام اللہ ظلال برکاتکم ....بعد ہدیۂ سلام و نیاز آنکہ ایک نہایت مختصر ہدیہ پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ احادیث میں ایک چیز تلبینہ کے نام سے وارد ہوئی ہے، جس کے اجزاء ملاعلی قاری نے آٹا، دودھ، شہد لکھے ہیں، ذرا سے زعفران کا، خوشبو کی مد میں اضافہ میں نے کردیا۔ ایک مرتبہ تجربۃً عرصہ ہوا پکوائی تھی تو بہت لذیذ معلوم ہوئی تھی۔ بے اختیار اس وقت دل چاہا کہ شاید حضرت والا کو بھی پسند آئے۔ اس وقت اس کی کیا صورت ہوگی، یہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے مگر اجزاء کو جوڑ دیا۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے " تقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول إنّ التلبينة تجم فؤاد المريض و تذهب ببعض الحزن .... و في أخرى للبخاري عن عائشةؓ أنها كانت تأمربالتلبينة و تقول هو البغيض النافع، قال الحافظ ابن حجرؒ في الفتح و قع عند أحمد و ابن ماجه عن عائشةؓ مرفوعاً عليكم بالبغيض النافع التلبينة يعني الحساء، وأخرجه النسائي من وجه اٰخر عن عائشةؓ و زاد، والذي نفسُ محمد بيده إنها لتغسل بطن أحدكم كما يغسل أحدكم الوسخ عن وجهه بالماء۔

اس کی اصل تو روایات سے رقیق ہونا معلوم ہوتا ہے، مگر معلوم ہوا کہ حضرت کو شاید جامد پسند ہو کہ فیرینی کا رغبت سے نوش فرمانا معلوم ہوا، اس لئے جامد کروادیا، حکیم خلیل احمد صاحب سے اجزاء لکھ کر اس کا استفسار بھی کرلیا کہ حضرت کے لئے مضر نہیں۔

زکریا کاندھلوی

(آپ بیتی جلد اول ص:۴۵۵)

مکتوب گرامی کا مضمون پیچیدہ نہیں بالکل صاف اور واضح ہے، معمولی توجہ سے یہ باتیں سطح ذہن پر ابھر کر آجاتی ہیں کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کو نبی اخرالزماں ﷺ کی ذات گرامی سے بے پناہ محبت اور اعمال نبوی کو برتنے کے عقیدت مندانہ جذبات تھے، جذبۂ اتباع و محبت کی حد ہے کہ کھانے میں بھی وہ چیزیں استعمال کر لی جائیں جن کا ثبوت حضور سرور عالم ﷺ سے بہم پہنچتا ہے۔ ورنہ بظاہر تلبینہ کوئی ایسا پکوان نہیں تھا جس کا اہتمام ہدیہ کے لئے بھی کیا جاتا، وہ بھی عصر حاضر کے حکیم الامت کے لئے۔

اس کے علاوہ مکتوب گرامی سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ کھانے پینے کی جو چیزیں ہدیہ میں بھیجی جائیں ان کی کیفیت واضح کر دی جائے تا کہ ہدیہ قبول کرنے والا مطمئن ہو جائے۔ یہ نکتہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ہدیہ پسندیدہ ہو اور طبیعت کی رعایت سے ہدیہ پیش کیا گیا ہو۔

اس وضاحت کے بعد حضرت حکیم الامتؒ کا مکتوب گرامی ملاحظہ فرمائیے۔

مجی ومحبوبی دام ہم ....السلام علیکم

ایسا متبرک ہدیہ کس کو نصیب ہوتا ہے، مگر غلبۂ محبت سے اس میں تدبر سے کام نہیں لیا گیا جیسا کہ عشق کے لئے لازم ہے، ورنہ عقل کا فتویٰ یہ تھا کہ مجھ کو بتلایا نہ جاتا کہ کیا ہے؟ جب خلوئے ذہن کی حالت میں اس کی پسندیدگی ظاہر کرتا اس وقت اس کی حقیقت ظاہر کر دی جاتی۔

اب میں اس سوچ میں ہوں کہ استعمال نہ کرنا موہم اعراض ہے اور استعمال کے بعد رغبت طبعیہ کا نہ ہونا محتمل تو ہے مگر یہ احتمال واقع ہو تو اس سے بے رغبتی کا اظہار موہم اعتراض ہے اور یہ دونوں امر موہم صورۃ نہایت سوء ادب ہے، اب آپ کا تبرک اس انتظار میں رکھ لیا ہے کہ آپ اس مضیق سے مجھ کو نکالئے۔

والسلام

اشرف علی (آپ بیتی جلد اول :۴۵۶)

اللہ اکبر! کس قدر اہتمام تھا انتہائی ادب واحترام کا ہر اس چیز سے جو سرور عالم ﷺ سے منسوب ہوگئی ہو، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس نسبت سے ششش و پنج میں پڑ گئے کہ اگر کھانے کے بعد بے رغبتی کا احساس بھی ہوگیا تو سوءِ ادب میں شبہ نہیں جس میں سراسر نقصان ہے اور اگر استعمال نہ کیا جائے تو سرور عالم ﷺ سے نسبت معلوم ہونے کے بعد اس چیز سے اعراض سمجھا جائے گا، یہ بھی بے ادبی ہے، جی ہاں یہ وہی عظیم المرتبت عاشق رسول شخصیت ہے جس کو رضا خانی فرقہ آج بھی گستاخانِ رسول کی صف میں کھڑا کر کے تکفیر کا ڈھول بجا رہا ہے، کیا اس ادب واحترام اور احتیاط کی نظیر آسانی کے ساتھ مل سکتی ہے؟ چنانچہ اس مخمصہ سے نکالنے کے لئے حضرت شیخ الحدیثؒ سے بلا تکلف سوال کیا گیا، یہ بھی بحر سنت کے غواص تھے، جواب سطحی نہیں تحقیقی دیا گیا ایسا کہ عقل و خرد سرِ تسلیم خم کر دے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے تحریر فرمایا:

بحضرت اقدس ادام اللہ برکاتکم ومتعنا بافاداتکم وفیوضکم!

بہت ہی اچھا ہوا کہ حضرت والا نے ایک اشکال کی طرف تنبیہ فرمائی، جس کی طرف اس وقت التفات نہیں ہوا تھا مگر پہلے بسا اوقات بعض اشیاء کے متعلق اس نوع کے اشکالات پیش آجاتے تھے۔ اب اِن شاءاللہ حضرت کی برکت سے اس کے حقیقی جواب کی طرف رہنمائی ہوجائے گی، اس لئے اپنا ناقص خیال پیش کر کے استصواب اور حضرت والا کے ذہن میں کوئی اور جواب ہو تو استفادہ چاہتا ہوں، چند امور بندہ کے ناقص خیال میں ہیں۔

(۱) اس خاص موقع پر تو حضرت خود حدیث کے الفاظ میں البغیض النافع سے اس کو تعبیر کیا گیا ہے جس میں مریض کے ناپسند ہوجانے پر گویا تصریح ہے۔

(۲) بندۂ ناکارہ نے اپنے پہلے عریضہ میں یہ عرض کیا تھا کہ اس وقت اس کی کیا حقیقت ہوگی یہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے، اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کو بعینہ وہ شئی کہنا تو ممکن ہی نہیں اور ترکیب و

کیفیت کے تغیرات سے لذت وغیرہ امور میں تغیر ہو ہی جاتا ہے، اس لئے ناپسندیدگی کو اس ترکیب کی طرف منسوب کرنا بہت اقرب معلوم ہوتا ہے۔

ایک سالن کو ہم لوگ ہر وقت مشاہدہ کرتے ہیں کہ پکانے والیاں ایک ہی نوع کا سب مسالہ ڈالتی ہیں، لیکن ایک کا پکا ہوا لذیذ ہوتا ہے اور وہی سالن انہیں اجزاء سے دوسری کا پکایا ہوا لذیذ نہیں ہوتا۔ یقینی چیز ہے کہ صحابیات جیسی پکانے والیاں اب کہاں نصیب ہوسکتی ہیں؟ حافظ یعقوب صاحب گنگوہی کی والدہ جیسا سالن پکاتی ہیں ہمیشہ میری اہلیہ مرحومہ نے کوشش کی کہ ویسا پک جائے مگر ویسا نہ پک سکا۔ زکریا

(آپ بیتی جلد اول آپ بیتی نمبر۴ ص:۴۵۶)

مکتوب کی نوعیت بالکل نجی ہے، اس وقت مکتوب نگار کے خیال میں بھی نہ آیا ہوگا کہ یہ خطوط منظر عام پر آئیں گے اور دنیا ان کو دیکھے گی، اس لئے مکتوب نگار خالی الذہن ہو کر اپنا مافی الضمیر ادا کرتا ہے، اس میں کسی قسم کی عبارت آرائی اور تکلف نہیں ہوتا بلکہ جو بات ذہن میں آئی وہ بلا تصنع زبان قلم پر آگئی، اس کے باوجود جب ہم ان مکتوبات کے اجزائے ترکیبی پر نظر ڈالتے ہیں تو حیرت کی انتہا نہیں رہتی کہ ایک ایسا شخص جس نے ادب اردو کی جولان گاہ میں قدم نہ رکھا ہو اور ایسے نفوس قدسیہ کی صحبتوں میں زندگی گزاری ہو جن کے یہاں ادبی سرگرمیوں کو بہ نظر استحسان نہ دیکھا جاتا ہو، اس کی مکتوب نگاری میں حقیقت بیانی کے ساتھ ادبی چاشنی کہاں سے در آئی اور عصر حاضر کے فنی اسلوب کی داد کیوں کر دی گئی؟ بجائے خود ایک اہم موضوع ہے، یہاں صرف زیر نظر مکتوب پر ایک سرسری نظر ڈالنی ہے۔

دیکھئے مکتوب کا موضوع خالص علمی اور بہت نازک ہے، اس میں کسی قسم کی عبارت آرائی بھی مضمون پر اثر انداز ہوسکتی ہے، اس کے باوجود اس خط میں مکتوب نگاری کے فنی و ادبی محاسن اول وہلہ ہی میں نظر آجاتے ہیں۔

(۱) مکتوب کی زبان بالکل سادہ اور سلیس ہے۔

(۲) علمی مضمون کو اصطلاحات کے سہارے وقیع بنانے سے اجتناب کیا گیا ہے۔

(۳) مکتوب مختصر اور جامع ہے۔

(۴) اسلوب نگارش دلچسپ اور بے تکلف ہے۔

یہ وہ عناصر ہیں جو مکتوب کو ادبی دائرہ میں وقیع اور جاذب توجہ بناتے ہیں، ان ادبی محاسن کے ساتھ ایک اور چیز قابل توجہ ہے، وہ ہے مکتوب نگاری کی تواضع اور علماء کرام کا حد درجہ احترام کہ اس سے زیادہ کا خیال بھی مشکل ہے، اور یہ قدر مشترک تو دونوں بزرگوں میں قابل صدرشک ہے ہی کہ دونوں کو نبی اخر الزماں ﷺ سے والہانہ عقیدت ومحبت ہے، آپ کا ایک ایک عمل زندگی کی کثافتوں کو دور کرنے کا خدائی نسخہ ہے، اس لئے زندگی اسی وقت روشن اور کامیاب بن سکتی ہے، جب اس میں اتباع سنت کی نوارنی شعاعیں جلوہ گر ہوں، اس میں بھی ایسی احتیاط کی ضرورت ہے کہ کسی زاویہ سے احترام میں کمی اور کم رغبتی کا وہم وگمان بھی نہ ہو، یہی رغبت و احترام ان دونوں بزرگوں کا موضوع بحث ہے، دیکھئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ شیخ الحدیثؒ کے مکتوب گرامی کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

السلام علیکم !

نمبر۲ تو میرے ذہن میں نہیں تھا، مگر نمبر ا تو میرے بھی ذہن میں آیا تھا، لیکن اپنے ضعف عقل کے سبب اس لئے اس سے شفاء نہ ہوئی کہ حضور اقدس ﷺ کو اپنی تجویز کے بغیض فرمانے کا حق ہے مگر حضورؐ کے غلاموں کو اس کی ہمت نہیں ہوسکتی اور نمبر۲ میں بھی ایک گونہ نسبت پھر بھی ہے، اس لئے وہ کم ہمتی مشترک ہے، ان سب مقدمات میں غور کرنے سے یہ فیصلہ قرار پاتا ہے کہ اقویاء وسیع النظر کے مناسب آپ کی تحقیق ہے اور ضعفاء قاصر النظر کے لئے میرے احتمالات، وأنا من الضعفاء عسى أن أتقوى فيما بعد و حسبنا اللّٰه و نعم الوكيل۔ (آپ بیتی جلد اول آپ بیتی نمبر۴ ص:۴۵۷)

قربان جایئے اس عقیدت ومحبت پر کہ صحیح تاویل اورنکتہ کے باوجود انشراح نہیں ہوا، یہی کیا کم ہے کہ عقیدت ومحبت اورشراب الفت کے متوالے نے دیگر عشاق کے لئے یہ نکتہ قبول کیا، یہ تھا مکتوبات گرامی کا اصل موضوع، اسی کے ساتھ یہ گوشہ بھی قابل اعتناء ہے کہ بحث وتحقیق میں تلخی تو کیا آتی؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے احترام میں جھکے ہوئے ہیں اور مقصود کی تلاش میں سراسر نیک نیت ہیں ورنہ بحث ومباحثہ میں تعلی اپنا راستہ ڈھونڈھ لیتی ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کے مکتوبات کا ایک اہم عنوان ’’مکتوبات تصوف‘‘ ہے۔ یہی تصوف قرآن مجید کی زبان میں تزکیۂ نفس اورحدیث پاک کی زبان میں احسان ہے، قرآن مجید میں جہاں تعلیم کا ذکر آیا ہے اسی جگہ تزکیہ کی صراحت بھی ہے، تعلیم کے لئے اگر معلم کی ضرورت ہے تو تزکیہ کے لئے مزکی بھی ناگزیر ہے، ازخود نہ تعلیم ہوتی ہے نہ تزکیہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارے اکابر علماء دیوبند تعلیم وتزکیہ کے مردان کار تھے، ایک طرف مسئلہ تدریس سے کتاب وسنت کا چشمۂ فیض جاری تھا تو دوسری طرف خانقاہیں روحانی امراض کا علاج کر کے قلوب کو احسانی کیفیات سے سرشار کررہی تھیں۔

ان میکدہ ہائے معرفت کے ایک پیر مغاں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، آپ کا میکدۂ معرفت اپنی فیض رسانی میں ممتاز تھا، سینکڑوں مسترشدین حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کے دامن رشد وہدایت سے وابستہ تھے، ان میں خاصی تعداد نامور علماء کرام کی تھی، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، حضرت مولانا عبدالجبار اعظمیؒ، حضرت مولانا عبیداللہ بلیاویؒ، حضرت مولانا محمد عمر پالنپوریؒ وغیرہ کے ناموں سے تو دنیا واقف ہے، یہ حضرات اس میکدۂ معرفت کے ان بلانوشوں میں سے تھے جنہوں نے اپنے میکدوں سے ہزارہا افراد کی روحانی تشنگی بجھائی۔ حضرت شیخ کے خلفاء ومجازین کی تعداد کم وبیش ایک سو دس ہے، اکثر علماء کرام کی ہے، برصغیر ہند وپاک کے علاوہ برما، افریقہ، سعودی عرب، انگلینڈ، امریکہ، بنگلہ دیش میں بھی آپ

کے خلفاء ومجازین اور مسترشدین کی خاصی تعداد ہے جو اپنی اپنی جگہ رشد وہدایت کی مشعل جلائے ہوئے دنیا کو منور کررہے ہیں۔

ہزاروں تلامذہ اور مسترشدین کے مختلف النوع خطوط بڑی تعداد میں روزانہ ہی آتے تھے، ان خطوط میں ہر طرح کے مسائل ہوتے تھے، بہت سے خطوط کا تعلق صرف باطنی تزکیہ سے ہوتا تھا، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے جو مکتوبات اپنے مسترشدین کے جواب میں تحریر فرمائے ہیں، ان میں تصوف کے مسائل، باطنی امراض کی دوا، تزکیہ کا طریقہ، ذکر واذکار کی حیثیت، بیعت واسترشاد کے فوائد اور دیگر نکات جا بجا نظر آتے ہیں۔ جس طرح دیگر مرشدین کے مکتوبات بیمار قلوب کے لئے داروئے شفا ہیں، اسی طرح حضرت شیخ الحدیثؒ کے مکتوبات تصوف بھی اپنی زود اثری اور اصلاح وتربیت کے میدان میں منفرد ہیں، مکتوبات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کو روحانی امراض کے مریضوں سے غیر معمولی ہمدردی تھی اور ان کی نفسیات سے اچھی طرح واقف تھے، حقیقت یہ ہے کہ باطن کی اصلاح علم النفسیات پر دسترس کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی، یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مکتوبات میں شیخ نے مخاطب کے مبلغ علم کو سامنے رکھ کر خطوط لکھے ہیں ورنہ مکتوب مخاطب کے لئے چیستاں بن کررہ جاتا اور اصلاح کا مقصد پورا نہ ہوتا، یہ حضرت شیخ الحدیث کے کمال علم وفن کا واضح ثبوت ہے کہ وہ مخاطب کو تصوف کی اصطلاحات میں الجھانا پسند نہیں فرماتے، مقصد اصلاح وتزکیہ ہے نہ کہ فن تصوف پر عبور کا ثبوت فراہم کرنا، البتہ جن مسترشدین نے اصطلاحات کا سہارا لیا ہے ان کو اسی زبان میں جواب بھی عنایت ہوا ہے۔

مکتوبات پیش کرکے ہم کوشش کریں گے کہ مکتوبات کے محاسن کی نشاندہی بھی کردیں، تاکہ اوپر جو خوبیاں بیان کی گئی ہیں وہ محتاج ثبوت نہ رہیں لیجئے، ملاحظہ فرمایئے مدرسہ شاہی مرادآباد کے نامور سابق شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب۔

مخدومنا المعظم والمحترم حضرت شیخ مدظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ بخیریت ہے، اور آج کل تعلیم کا بہت زور ہے، ابوداؤد شریف دو گھنٹے ہو رہی ہے، بقیہ اہم گزارش یہ ہے کہ ایک مرض پیدا ہو گیا ہے، جس کے لئے نسخہ مرحمت فرمائیں، مرض یہ ہے کہ نماز میں احادیث کی توجیہات کی جانب خیالات چلے جاتے ہیں، گاہے اس میں انہماک بھی ہو جاتا ہے، میں خود کوشش کروں گا، انشاء اللہ العزیز یہ مرض دور ہو جائے لیکن درخواست ہے کہ کوئی تدبیر تحریر فرمادیں جس کے باعث آسانی ہو، کئی مرتبہ خط لکھنے کا ارادہ کیا لیکن کارڈ ہاتھ میں لے کر رکھ دیا، متحیر ہو گیا کہ کیا لکھوں سوچا انما شفاء العي السوال۔

فقط

(مکتوبات تصوف ص:۲۸)

مکتوب نگار کا سادہ وسلیس خط آپ نے ملاحظہ فرمایا، اب شیخ کا جواب سماعت فرمائیں ۔

بخاری شریف میں باب المصلی یناجی ربہ نکال کر اس حدیث کو بار بار پڑھیں اور ہر نماز کے قبل اس کا استحضار کر لیا کریں، نماز میں بھی اگر خیال کہیں جاوے تو اس مضمون کا تصور کر لیا کریں۔ فقط محمد زکریا

۱۲/ربیع الثانی ۶۵ھ

(حوالہ بالا ص ۲۸)

اس نہایت مختصر مکتوب گرامی میں اول ہی وہلہ میں نظر اس کے اختصار پر جاتی ہے جو مکتوب کا پہلا حسن ہے، دوسری خوبی مکتوب نگار کی نفسیات پر گرفت ہے کہ وہ ایک معروف مدرسہ کے بلند پایہ شیخ الحدیث ہیں، اس لئے ان کو اطمینان حدیث کے حوالہ سے ہوگا اور اس عقیدت میں اضافہ ہوگا کہ ہمارے اکابر تصوف میں کتاب وسنت سے قدم باہر نہیں نکالتے، اور

یہ الزام بالکل بے بنیاد کہ تصوف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز ہے۔ تیسرا حسن اس مکتوب گرامی کی سلیس اور رواں زبان ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے کتنے خطوط لکھے ان کی تعداد کا اندازہ کرنا مشکل ہے، صرف حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام جو خطوط ارسال فرمائے ہیں ان کی تعداد (۶۵۱) ہے، یہ وہ مکتوبات ہیں جو محفوظ تھے، ضائع ہو جانے والے خطوط کی تعداد کتنی ہوگی، نہیں کہا جاسکتا ہے۔

ان مکتوبات میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ بالکل سادہ اور روزمرہ کی زبان ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آمنے سامنے بے تکلفی کی باتیں ہو رہی ہیں، اسی میں ہر طرح کے علمی نکات اور تصوف کے اسرار و رموز اور اس کے دقیق مسائل بھی حل کئے گئے ہیں، جی چاہتا ہے کہ دو ایک مختصر مکتوبات جو حضرت شیخ الحدیثؒ نے حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی خدمت اقدس میں ارسال فرمائے ہیں پیش کر دئے جائیں، ملاحظہ فرمایئے:

مخدومی و مطاعی حضرت اقدس ادام اللہ ظلال برکاتہ

بعد سلام مسنون و استدعائے توجہ و دعا یہاں بحمد اللہ خیریت ہے، حضرت والا کی خیریت اور حالات کا انتظار رہتا ہے، رائے پور سے مہمانوں کی اور مقامی حضرات کی بھی کثرت سے آمد و رفت رہتی تھی، اس لئے اکثر خیریت معلوم ہو جاتی تھی، مگر اب تو بجز والا نامہ کے اور کوئی ذریعہ خیریت کے معلوم ہونے کا نہیں ہے، یہ بھی اندازہ نہیں کہ مکان کے قیام کا ارادہ کب تک کا ہے، پہلے عریضہ میں متولی محمد خلیل صاحب کے انتقال کی خبر لکھ چکا ہوں، میاں انعام الحسن ایک ہفتہ سے سہارنپور ہی مقیم ہیں، سلسلۂ علالت چل ہی رہا ہے، ان کو یہ خیال بھی ہے کہ یہ جسمانی مرض نہیں کوئی روحانی مرض ہے، حضرت دعا اور توجہ سے دستگیری فرمائیں، مولوی عبدالرحمٰن صاحب شاہ پوری کل شب میں یہاں تشریف لائے تھے، آج صبح واپس گئے ہیں، بخیریت ہیں۔

بگرامی خدمات مولانا جلیل صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب، مولوی وحید صاحب، مولوی عبدالمنان صاحب، بھائی الطاف، بھائی خلیل صاحب کوسلام مسنون۔

فقط والسلام

زکریا

مظاہرعلوم ۲۶؍محرم ۱۳۶۶ھ

(مکاتیب شیخ الحدیث ص:۸۹-۹۰)

یہ مکتوب ایک شیخ کا دوسرے شیخ کی خدمت میں ہے جو اپنی سادگی اور بے تکلفی کی نظیر آپ ہے۔ نہ کوئی تکلف اور نہ تصنع، عبارت آرائی کا تو سایہ بھی نہیں پڑا، نجی خطوط کو جو اسلوب ملنا چاہئے اس کا یہ بہترین نمونہ ہے، اسی اسلوب میں علوم و معارف کا خزانہ بھی ملتا ہے۔ مولانا عبدالجلیل صاحب مرحوم حضرت رائے پوری قدس سرہ کے برادر خورد تھے، حضرت شیخ الحدیثؒ سے تعلقات اور بالخصوص اصلاحی تعلقات کی وجہ سے اصلاح حال کے لئے خطوط لکھا کرتے تھے ایسا ہی ایک خط انہوں نے لکھا تھا، اس کے جواب میں حضرت شیخ نے ایک طویل مکتوب ارسال فرمایا ہے۔ اصلاح سے متعلق تحریر ملاحظہ فرمایئے :

تم نے اپنے متعلق جتنے الفاظ لکھے، تم کو اب اپنے کو ایسا ہی سمجھنا چاہئے بلکہ ان سے بھی زائد، اپنی نااہلیت کا تصور اب زیادہ ضروری بن گیا اور یہی ترقی کا راستہ ہے، ورنہ ذرا بھی شائبہ اہلیت کا آ گیا تو ترقی کا راستہ مسدود ہے، اور زیادہ آجانے میں تنزل کا اندیشہ، مبتدی کے لئے اتنی مشکلات اس راستہ میں نہیں، جتنی منتہی کے لئے رسوخ سے قبل ہیں، معصیت کا بشری تقاضا اور چیز ہے اور اس سے محبت اور چیز ہے، خدا نہ کرے کہ اس سے محبت ہو، تمھیں تعبیر میں اشتباہ ہوا یہ لفظ کہ مجھے تو حضرت سے نفع نہیں ہے، بڑا سخت ہے، اس سے فی الفور توبہ کیجئے، دو رکعت نماز نفل پڑھ کر توبہ کیجئے اور اپنے کو یہ سمجھائیں کہ حضرت کی ذات سے نفع بہت ہوا مگر میں گندہ ہی

اتنا ہوں کہ باوجود دھوبی کے بہت کچھ صاف کرنے کے بھی جتنا میل رہ گیا وہ بہت ہے، اچھا ہوا کہ آپ نے یہ لفظ لکھا نہیں ورنہ بڑی بے ادبی تھی۔آپ کی دعاؤں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

(مکاتیب شیخ الحدیث ص:۱۰۵)

مکتوب گرامی کی سادگی اور سلاست تو اپنی جگہ پر، قابل توجہ تو یہ ہے کہ تصوف کی روح اس مکتوب کی جان ہے، نہایت سادہ الفاظ میں تواضع وانکسار، انابت الی اللہ اور احترام شیخ کا درس دیا گیا ہے، یہی تصوف کی روح ہے کہ سالک ''انا'' کو دفن کر کے قلب وروح کو خود پرستی سے پاک وصاف کر لے، اپنی عبادتوں اور اعمال واخلاق پر عجب نہ پیدا ہو ورنہ یہ عبادتیں اور اچھے اعمال واخلاق ضائع ہو جائیں گے۔

اس مکتوب سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سالک کو اپنے حالات کی اطلاع شیخ کو بہم پہنچاتے رہنا چاہئے، شیخ سے فائدہ اسی وقت ہوگا جب شیخ سالک کے حالات سے باخبر ہو، شیخ سے رابطہ اور اس پر اعتماد کے بغیر صرف ضابطہ کی خانہ پری سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اسی نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے، یہ چند مکتوبات تصوف جو آپ نے ملاحظہ فرمائے، ان میں کئی خصوصیات ہیں جن کی طرف ہم نے واضح اشارات کر دئے ہیں، میں تو سمجھتا ہوں کہ جن اہل علم کو بہ یک وقت تفسیر وحدیث، فقہ وتصوف دیکھنا پسند ہو وہ حضرت شیخ کے مکتوبات تصوف پر نظر ڈال لے اس کو سب کچھ مل جائے گا، افادہ کا تقاضہ تو یہ تھا کہ تصوف کے دیگر مکتوبات پر بھی نظر ڈالی جاتی لیکن حسن تو بسیار است کہہ کر گھریلو مکتوبات سے بھی لطف اندوز ہونا ضروری ہے، ان مکتوبات کو معاشرتی پہلو سے بہت اہمیت حاصل ہے، ان سے نہ صرف یہ کہ گھر کی معاشرت کی تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے بلکہ یہ مکتوبات پورے سماج کے آئینہ دار ہوتے ہیں، سماج میں قدیم روایات کی پاسداری، روایات سے انحراف کی آہٹیں، سماج میں نئی روایات کا استقبال وغیرہ جتنی بھی چیزیں سماج سے تعلق رکھتی ہیں، گھریلو مکتوبات میں وہ سب کچھ

ملتا ہے۔

خود حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی گھریلو زندگی اور اس کا معیار، خاندانی روایات سے انحراف اور اسلامی قدروں کی درآمد، خواتین کا روایتی رہن سہن، اندرون خانہ نئے ماحول کی دستک، اسلامی تہذیب کو اجاگر کرنے کی فکر ان گھریلو مکتوبات کی خصوصیات ہیں، حضرت شیخ الحدیثؒ نے ''آپ بیتی'' میں جو گھریلو حالات بیان کئے ہیں وہ بھی ان مکتوبات میں ہر جگہ نظر آتے ہیں، ذیل میں چند مکتوبات نقل کئے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

التبہ مکتوب سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے ایک شاگرد دوست مولانا عادل قدوسی گنگوہی دائرۃ المعارف حیدرآباد میں شعبۂ تصحیح کے ملازم تھے، مطبع کے اکابر ان کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، دائرہ میں بیہقی کے اسماء الرجال کی تالیف مشورہ میں طے ہوئی، انتخاب کی نظر دو گرامی شخصیات پر پڑی، ایک تو محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ پر اور دوسری شخصیت تھی حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی، لیکن عمر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترجیح حضرت شیخ کو حاصل تھی، تنخواہ آٹھ سو روپئے ماہوار، سرکاری بنگلہ، سرکاری موٹر مع ڈرائیور اور دیگر اخراجات، ملازمت صرف چار گھنٹوں کی، باقی آزادی اور خود مختاری، دائرہ اور کتب خانہ آصفیہ کے دروازے ہمہ وقت استفادہ کے لئے کھلے ہوئے، ان سب مراعات پر مشتمل ایک خط مولانا عادل قدوسی نے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ارسال کیا، اور منظوری کے لئے پرزور سفارش کی، اس طویل مکتوب کا جواب صرف اس قدر، وہ بھی ایک پوسٹ کارڈ پر، نہ القاب وآداب اور نہ کوئی تکلف، فقط یہ مصرع ؎

مجھ کو جینا ہی نہیں بندۂ احساں ہو کر

فقط زکریا

(آپ بیتی جلد اول نمبر ا ص:۷)

اس مختصر ترین مکتوب کو پڑھ کر آپ ۵۷ سال پیچھے لوٹ جائیے اور یہ بھی دیکھئے کہ یہ دور حضرت شیخ الحدیث کی خوشحالی کا نہیں تنگ دستی کا تھا، پھر دائرہ المعارف حیدرآباد کی تنخواہ اور دیگر سہولیات پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوتا ہے کہ دولت کی کوئی وقعت دل میں ہرگز نہیں تھی، توکل تھا تو صرف اللہ کی ذات پر، زندگی کے پیچ وخم توکل کی راہ میں اثر انداز نہیں ہوتے، سب سے اہم تو یہ کہ آزادی وخودمختاری اپنے نجی کاموں میں کوئی رکاوٹ نہ خلل، لیکن جس خانوادۂ تصوف سے حضرت شیخ الحدیث وابستہ تھے، اس میں فقر کو غنا پر ترجیح حاصل تھی، مال ودولت سے بے اعتنائی، مرفہ الحالی سے وحشت اس دائرہ احسان کا مزاج ہے، حضرت شیخ الحدیث دولت کے فریب میں کیوں مبتلا ہوتے، انہوں نے اپنے اکابر کی زندگی کو انہی مادی آنکھوں سے دیکھا تھا، ان کے سامنے فقیہ وقت حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے نمونے تھے، انہوں نے کب دولت کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا، کب اس طرح کی پیشکش کو گوارا کیا تھا؟ اپنی خستہ حالی میں مگن اور بارگاہ خداوندی میں صابر وشاکر تھے، ایسا ہی ایک نمونہ ماضی قریب میں اسی خانوادۂ تصوف سے وابستہ، محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ پیش کر گئے ہیں، آپ کو نہ سعودی حکومت کی جامعات لبھا سکیں اور نہ عراق وغیرہ کی یونیورسٹیاں ڈورا ڈال سکیں، ہر پیشکش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ جو خدمت بھی ہو سکے اپنے گھر مئو ہی میں بیٹھ کر کروں گا، اللہ اکبر! کس مقام بلند پر یہ حضرات فائز تھے؟ وہاں تک تو ہماری نگاہوں کی رسائی بھی نہیں ہے، اور اس مادی دور میں تو یہ واقعات قرین قیاس بھی نہیں رہے، آیئے حیرت و استعجاب کی اس دنیا سے باہر نکل کر ایک نظر بعد کی زندگی میں حضرت شیخ الحدیث کا اس پیشکش کو رد کر دینے پر تاثر دیکھیں ۔

حیدرآباد کے بعد چاٹگام یا ڈھاکہ کے مدرسہ عالیہ کے لئے شیخ الحدیث کے منصب کی ۱۲؍سو روپئے ماہوار پر پیشکش کی گئی، حضرت شیخ نے معذرت فرمادی، ان واقعات کو ذکر کرنے

کے بعد اپنا تاثر ان الفاظ میں فرماتے ہیں :

بجز حیدرآباد والے واقعہ کے اور سب پر اللہ کا بہت ہی شکر ادا کیا کہ اللہ نے بہت ہی کرم و احسان فرمایا، اگر ان میں سے کسی ایک میں پھنس جاتا تو صورۃً جو ایک ڈھونگ بنا رکھا ہے یہ بھی نہ رہتا، البتہ حیدرآباد والے واقعہ میں یہ ضرور خیال آتا ہے کہ شاید لامع، اوجز خوب اچھی لکھی جاتی، اور چونکہ مدرسہ کا قصہ نہ ہوتا اس لئے فراغت بھی خوب ملتی اور جلدی لکھی جاتی، لیکن الخیر فیما وقع ۔ (آپ بیتی جلد اول نمبرا ص:۸)

یہ ہے وہ تاثر جو ایک مدت کے بعد منظر عام پر آیا، اس میں تأسف اس نقصان پر نہیں کہ ۸سو روپئے اور ۱۲سو روپئے تنخواہ والی جگہوں کو خیر باد کہہ دیا اور مصاف زندگی میں اس کے اثرات مرتب ہوئے، افسوس کا اظہار ہے تو اس پر کہ احادیث نبویہ کی جو خدمت کر رہا تھا اگر یہی خدمت حیدرآباد میں کرتا تو کام اچھا اور جلدی ہوتا، یہاں مواقع زیادہ تھے، مدرسہ جیسی کوئی ذمہ داری سر پر نہیں تھی، اس کو ذات نبوت سے والہانہ عقیدت و محبت اور عشق نہ کہئے تو کیا کہئے ....قدرے تصرف کے ساتھ .... ہر ایک بن مو سے ابلتی ہے محبت، اس محبت کا دائرہ گھریلو زندگی میں بہت وسیع دکھائی دیتا ہے، سنتوں کا اہتمام ہر موقعہ پر، گفتار میں، رفتار میں، نشست میں، برخاست میں، ضیافت میں، عیادت میں، ہمدردی میں، غمگساری میں، خبر گیری میں، دست گیری میں، سلوک میں، معاملات میں اور عبادات میں ہر جگہ حکمرانی سنت رسول کی اس سے بڑھ کر محبت رسول کی کوئی علامت ہو ہی نہیں سکتی، محبت و عقیدت کا اظہار اور وہ بھی عملاً ان موقعوں پر بھی جہاں معاشرتی روایات کے بندھن ٹوٹتے ہوں، جہاں خاندان کی روایات پر حرف آتا ہو، لیکن اتباع سنت میں سر مو فرق آجائے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، یہ سب کچھ گھریلو خطوط میں نظر آتا ہے، حضرت شیخ الحدیثؒ کی شادی، صاحبزادے اور صاحبزادیوں،

نواسے اور نواسیوں کی شادیاں کس طرح ہوئیں، کسی عزیز وقریب اور خاندان کو کانوں کان خبر ہوئی یا نہیں؟ اس کی تفصیل دلچسپ تو ہے ہی، اس میں ہر جگہ سنتوں کی نورانی شعائیں نظر آتی ہیں حضرت شیخ الحدیثؒ کی ''آپ بیتی'' پڑھئے تو سنتوں کی چلتی پھرتی تصویروں سے لطف اٹھاتے جایئے، مکتوبات کو دیکھئے تو وجد آجائے......... یہ حقیقت ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کے جلو میں چلتے ہوئے روح بالیدہ ہورہی ہے لیکن صفحات کی قدغن راستہ روکے کھڑی ہے، ورنہ ابھی تو گھریلو مکتوبات کی ورق گردانی ہی نہیں ہوئی اور نہ ان کے آبدار موتیوں کی جلوہ نمائی کا موقعہ ہی میسر آیا، اس حسرت کو لئے ہوئے رخصت ہوتا ہوں کہ حالات نے مساعدت کی تو گھریلو مکتوبات لے کر حاضری دوں گا۔

ہاں ایک درخواست اہل علم حضرات کی خدمت میں یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کے مکتوبات اور آپ بیتی میں متعدد موضوعات پر بکھرے ہوئے مضامین ہیں، ہر موضوع کو علیٰحدہ مرتب کردینا یقیناً ایک بیش بہا علمی کارنامہ ہوگا، اہل ہمت آگے بڑھ کر یہ کارنامہ سرانجام دیدیں تو علمی دنیا اس سرمایہ سے تادیر مستفید ہوتی رہے گی۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین ۔

بعض

اہم مسترشدین

حضرت شیخ الحدیث اور مولانا علی میاں
(مکتوبات کی روشنی میں)

مولانا محمود حسن حسنی ندوی
(معاون مدیر ''تعمیر حیات''، لکھنؤ)

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدا لمرسلين و خاتم النبيين محمد و على آله و صحبه أجمعين و بعد!

دین وملت کی خدمت کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ ہر زمانہ میں ایسے لوگوں کو کھڑا کرتا رہا ہے جو اپنے علم وبصیرت سے دین کی چادر پر جمتی گرد کو صاف کریں، اللہ تعالی تقوی وخشیت اور یقین وتوکل کی صفات سے متصف ایسے اشخاص کو اس کے لئے منتخب فرماتا رہا ہے، جنہوں نے دین میں کسی قسم کی کتر بیونت ہونے کے خلاف ایک محاذ کھڑا کردیا، اور وہ خطرات اور چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے پورے طور سے کمر بستہ ہوگئے، چودھویں صدی ہجری کا زمانہ اسلام کے لئے فتنوں اور چیلنجوں کا زمانہ تھا، دین کے نام پر تحریکیں اٹھ رہی تھیں اور نئی نسل کو اپنی طرف کھینچ رہی تھیں، نئی نئی ایجادات اور اختراعات ذہن و دماغ کو مسموم کررہے تھے اور مسلمان قائدین و مفکرین بھی نئی نسل کو گرفت میں لینے کے لئے تجدد وعقلیت کو اختیار کررہے تھے، اور وہ اس میں اتنا آگے بڑھنے لگے تھے کہ صحابہ بھی ان کے نزدیک معیار نہ رہے، حدیث سے انکار کی نوبت

آنے لگی، قرآن کا سائنس کے ذریعہ سے مطالعہ کیا جانے لگا، یہ ایسا خطرہ تھا کہ اگر اس سے بے توجہی کی جاتی تو آئندہ کے لئے وہ دروازہ کھل جاتا کہ جس سے دین کے سلسلہ میں اپنی رائے و مشورہ دینے کے لئے ہر ایک داخل ہونے کی کوشش کرتا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کو اپنے معاصرین پر وسعت مطالعہ اور اس میں تعمق کے باعث اور پھر یہ کہ علم حدیث میں وہ ایسا بلند پایہ رکھتے تھے جس میں دوسرے ان کے ہم پلہ نظر نہیں آتے تھے اور مزید یہ کہ حالات پر اور خطرات پر ان کی مسلسل نگاہ تھی امتیاز و فوقیت رکھتے تھے اس کا نتیجہ تھا کہ امت کے مختلف طبقات کے لوگ ان کی طرف ایسا ٹوٹتے تھے جیسے روشنی پر پتنگے گرتے ہیں، اور اس چشمۂ صافی سے دور دراز جگہوں سے لوگ آ آ کر اپنی پیاس بجھاتے اور اپنے ذہنی خلجان کو دور کرتے، چونکہ حضرت شیخ الحدیث کو سفروں سے عدم مناسبت تھی اور تعلیم و تصنیف میں انہماک ان کو اس کی اجازت نہیں دیتا تھا، اس کی وجہ سے انہیں، دین کی اس اہم خدمت کے کام میں مراسلت کے اہم ذریعہ کو پوری بیدار مغزی سے اختیار کرنا پڑا، شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے خطوط کی جو بڑی تعداد محفوظ رہ گئی وہ کم کسی عالم و شیخ طریقت اور مصلح کی محفوظ رہی ہوگی، آپ کے خطوط میں سادگی، بے تکلفی حالات سے باخبری، خطرات سے آگاہی، علمی رجحان، سلامت فکر، ذکاوت، قوت حافظہ، علمی ذخیرہ پر گہری نظر، اور ذوق شعر و ادب نظر آتا ہے، آپ کے مکتوبات کئی حصوں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں، تربیتی، علمی، فکری، اصلاحی، توجیہی، اور یہ خطوط آپ کی فراست و بصیرت کو بھی ظاہر کرتے ہیں جو منجانب اللہ آپ کو عطا ہوئی تھی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے نام جو خطوط کا ذخیرہ محفوظ ہے صرف اسی کو سامنے رکھا جائے تو آپ کی شخصیت پر ایک مستقل تصنیف صرف انہی خطوط کی روشنی میں سامنے آسکتی ہے، چونکہ شیخ کو اپنے معاصر علماء میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے زیادہ مناسبت تھی اس لئے وہ خطوط دوسرے مکاتیب سے زیادہ ممتاز نظر آتے ہیں، ایک بڑے عالی مرتبت شیخ کی نقل نعش کا مسئلہ علماء میں زیر بحث تھا آخر مفتیان

کرام نے نبش قبر کا فتوی دے دیا تو حضرت شیخ نے مولانا علی میاں صاحب کو خط لکھ کر اس پر اور ان لوگوں پر جو فتوی لینے گئے تھے افسوس ظاہر کیا، اور اپنی کھلی رائے دی کہ یہ عمل درست نہیں ہے، ان کی نگاہ اس حدیث پاک پر گئی کہ " إن الله حرم على الأرض أن تاكل أجساد الأنبياء'' وہ اپنے مکتوب میں مولانا علی میاں صاحب قدس سرہ کو اپنا مسلک واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بات انبیاء کے جسموں کی ہے نہ کہ اولیاء کے'' چنانچہ شیخ ہی کی رائے صائب قرار پائی اور اسی پر عمل ہوا، اسی طرح بعض باتوں کے روکنے کے سلسلہ میں کسی اہل تعلق کے خواب کا چرچا ہوا جس میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی تھی اور یہ بات کہی جانے لگی کہ اس خواب میں موعظت ونصیحت ہے اس لئے مجمع میں بیان کر دیا جاتا، شیخ کی اس کی شدید مخالفت ان کے ایک مکتوب میں جو انہوں نے مولانا علی میاں ندوی کو تحریر کیا ظاہر ہوتی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ مجمع کیا خواص میں سنانا بھی صحیح نہیں، کیا ارشادات رسول ﷺ ہمارے لئے کافی نہیں ہیں'' شیخ نے اس چیز کو اس نزاکت سے لیا کہ کیا احادیث مبارکہ کے ذخیرہ میں کوئی کمی رہ گئی کہ خواب سے وہ کمی دور کی جائے؟ بدعات وخرافات کے سد باب کے لئے بھی شیخ نے اس کو ضروری سمجھا، اور رویائے صالحہ کی لوگوں میں بے وقعتی پیدا ہونے کا خدشہ بھی محسوس کیا، کہ اس سے کوئی نتیجہ تو سامنے آئے گا نہیں، مزاق اڑایا جائے گا، خط میں اس کی طرف بھی اشارے ملتے ہیں۔

اسی طرح اخبار الجمیعۃ نے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی جنتری کا اشتہار اپنے اخبار میں شائع کرتے ہوئے اس میں حضرت مدنیؒ کی تصویر کی مدح سرائی کی، شیخ الحدیث صاحب نے اپنے انہی محرم راز سے شکوہ کیا، جسے سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مصنفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ "یہ حضرات تصویر کشی کی تقبیح نہ کریں تو کم از کم مدح سرائی تو نہ کریں۔"

اور جب حکومتی سطح پر ملت کے نونہالوں کے لئے تعلیمی مسائل اور ان کے ایمانی مستقبل

کوخطرہ درپیش ہوا تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے جبریہ تعلیم کے سلسلہ میں اپنی تشویش کا اظہار ایک خط میں اس طرح کیا:

''روزافزوں احوال سے یہ فکر سوار رہتا ہے کہ کوئی شخص اگر مسلمان رہنا بھی چاہے گا تو شاید نہ رہ سکے، اوراس کا کوئی حل نہیں ملتا، آج کل مجھ پر جو چیز زیادہ مسلط ہے وہ مکاتیب کا مسئلہ ہے، ہر جگہ سے جبریہ تعلیم کے سلسلہ میں مکاتیب کے بچوں پر لوگوں کا زور ہے، اوراس سلسلہ میں اگرکسی سے کچھ کہا جائے تو سمجھ میں نہیں آتا، کہ کس سے کہا جائے؟ اور کیا کہا جائے؟ جن سے امیدیں وابستہ ہوسکتی تھیں ان سے جب اس کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ بہترین لچھے دار اور زوردار تقریر سے یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مکاتیب کا یہ سلسلہ محض اضاعت اوقات ہے، بچوں کا وقت ضائع ہوتا ہے، قومی تعلیم، بالخصوص ہندی پڑھنے کی دینی ضرورت اس درجہ بتائی جاتی ہے جس درجہ سرسید کے خیال میں انگریزی کی بھی نہیں ہوگی''۔(مکتوب ۶/اپریل ۴۹ء)

مسلک صحیح کی حفاظت کا ان کو جس درجہ خیال تھا اس کے لئے بھی ان کے خطوط شاہد عدل ہیں، انہوں نے مظاہر علوم کے اپنے ایک رفیق تدریس کو جماعت اسلامی کے فکر ونظام کے تعلق سے خط لکھا تھا کہ یہ جماعت غلبۂ دین کے تصور کے ساتھ سامنے آئی ہے، مگر سیاست و تنظیم کو اس نے اتنی اہمیت دے دی کہ دین کی اصل بنیاد و حقیقت تعلق باللہ وعبودیت، فکر آخرت اورایمان واحتساب پرلوگوں کے ذہنوں میں دین کا سیاسی و تنظیمی تصور غالب آرہا ہے۔ شیخ کا یہ مکتوب ایک رسالہ کے طور پر شائع کیا گیا، بعض لوگوں نے اس کو فتنۂ مودودیت کے نام سے شائع کیا، مگر شیخ نے تنقید کے باب میں اس عنوان کو غلو پر محمول کیا، اور بعد میں یہ رسالہ ''جماعت اسلامی ایک لمحہ فکریہ'' کے نام سے شائع ہوا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کے نام مکتوبات میں بھی اس کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے، اسے مولانا ندوی کے نام شیخ الحدیث صاحب کے مکتوبات کے ذخیرہ میں جو مجلس تحقیقات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ میں محفوظ

ہے اس کا شوق رکھنے والے ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

حضرت شیخ کو مولانا علی میاں صاحب ندویؒ سے جو تعلق خاطر تھا، اس کا مشاہدہ کرنے والے بڑی تعداد میں موجود ہیں اور آپ بیتی نے تو شنید والوں کے لئے بھی دید بنا دیا، لیکن مکتوبات جن کا سو سے زائد خطوط کا ذخیرہ محفوظ ہے کے ہر خط سے وہ تعلق جھلکتا ہے، جس کی مشائخ کے یہاں کم نظیر ہے، محبت و تعلق کے ساتھ قدر و منزلت کا پورا لحاظ، اشعار کا برمحل استعمال، کئی کئی خطوط کا بھیجنا جواب نہ پاسکنے پر پھر خط لکھنا، کبھی مولانا اکثر سفروں میں ہوتے تھے، یا خط ملنے میں تاخیر ہوتی تھی، ادھر ابلتی محبت کہاں انتظار کرسکتی تھی، خط پہ خط چلے آتے، ایک خط میں لکھتے ہیں:

''سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ کے پاس خط و کتابت کی کیا صورت اختیار کی جائے اول تو ماشاءاللہ ڈاک اور پھر حضور کی علوشان ؂

ایک جا رہے نہیں عاشقِ بدنام کہیں
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

آپ کو رائے بریلی خط لکھا جائے تو بعد میں لکھنؤ کے خط سے معلوم ہو کہ آپ تو یہاں آ چکے، لکھنؤ لکھا جائے تو جواب میں معلوم ہو کہ آپ رائے بریلی جا چکے''۔

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی دام مجدہ کو جن کا ان دونوں بزرگوں سے گہرا اور یکساں والہانہ تعلق تھا ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: ''بعد سلام مسنون میں نے علی میاں کے خط کے جواب میں پانچ خط لکھے انہوں نے ان میں صرف ایک خط رسید کی اور پہونچنا بتایا، جو آپ کے واسطے سے تھا...... اس لئے پھر آپ ہی کو واسطہ بناتا ہوں، براہ کرم ایک تکلیف تو یہ فرمادیں کہ یہ خط جب آپ کے پاس پہونچ جائے تو ایک کارڈ سے مجھے مطمئن کریں کہ یہ خط آپ تک پہونچ گیا، پھر ان شاءاللہ علی میاں تک پہونچ جائے گا۔ (مکتوب ۲۴ / ربیع الاول ۸۶ھ)

شیخ کے خطوط سے قارئین کو ان کے مزاج وصفات وخصوصیات کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے، یہ خطوط صرف خیریت و مزاج تک محدود نہیں ہوتے تھے ان میں اللہ سے تعلق جوڑنے والوں، دین وعلم کے کام میں لگنے والوں کے لئے سامان نصیحت بھی ہوا کرتا ہے۔

اسی طرح دینی کوششوں، علمی کاموں کی قدر دانی اور ہمت افزائی فرمانے میں شیخ کا ممتاز ہونا بھی خطوط سے معلوم ہوتا ہے، کہیں "نزهة الخواطر" کے سلسلہ میں فرما رہے ہیں:

"میرا خود دل چاہتا ہے کہ نزہۃ کی تکمیل میں جو بھی خدمت ہو سکتی ہو وہ موجب سعادت ہے"

کہیں ارکان اربعہ کے سلسلہ میں شوق کا اظہار کہیں تاریخ دعوت وعزیمت کو اہتمام سے سننے کا ذکر اور اس کی تکمیل پر مبارک باد اور خوب دعائیں دینا مثلاً اللہ آپ کو تا دیر زندہ سلامت رکھے، مجموعۂ تقاریر "نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں" کے متعلق فرمانا کہ "آپ کی امریکہ کی تقریریں بہت پسند آئیں، بڑے غور سے سنا...... جتنی زیادہ سے زیادہ اس کی انگریزی، عربی میں طباعت کی صورت ہو سکے بہتر ہے، اس کی اشاعت کی بہت زیادہ ضرورت ہے، سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب کی کتاب بزم صوفیہ سامنے آئی تو اس پر بھی مولانا کو لکھا کہ "سید صاحب کی کتاب "بزم صوفیہ" کے تعارف سے دل خوش ہوا، اسی طرح مولانا کی برادرزادی کے فرزند مولانا سلمان حسینی ندوی کا ماجسٹر کا مقالہ (جو کہ ریاض میں "جامعه الإمام محمد بن سعود" میں پیش کیا گیا) ملاحظہ فرمایا اور پھر تشجیعاً ایک مکتوب میں تحریر فرمایا کہ "عزیز سلمان کی کتاب میں نے سرہانے رکھی ہے، اور جب بھی وقت ملتا ہے ایک دو ورق سنتا ہوں اور ارادہ ہے کہ مکمل سنوں گا، میری طرف سے عزیز موصوف کو ضرور مبارک باد فرما دیں" خطوط میں سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی، اور حیات خلیل کے تعلق سے شیخ کا فکر وشوق اور اس سلسلہ میں ہمت افزائی اور قدر دانی کا اظہار خاصا ملتا ہے، اسی طرح سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کتاب "مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت" کے سلسلہ میں شیخ کی رہنمائی اور تعاون کا پتہ چلتا ہے،

شیخ کی عربی کتابیں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مقدموں کے ساتھ ندوے کے پریس سے شائع ہوئیں تو اس سلسلہ میں بھی شیخ کا مزاج جستجو و تحقیق، عالی حوصلگی، خورد نوازی جذبۂ شکر اور اپنے معاونین کا لحاظ وخیال ظاہر ہوتا ہے خاص طور پر بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد جو کہ ان کے استاد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی کتاب تھی، اور اوجز المسالک جو کہ خود ان کے قلم سے مؤطا کی مبسوط شرح کے طور پر آئی، اور ''لامع الدراری'' اور ''الکوکب الدری'' جو کہ ان کی محبوب شخصیت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے امالی ہیں جسے ان کے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ ضبط تحریر میں لائے تھے کی اشاعت کی فکر میں ان کا جذبہ اور شوق، بے چینی کی حد تک ظاہر ہوتا، اور اس سلسلہ میں ہدایات اور ان پر عمل کے نتیجہ میں تشکر و احسان مندی دل سے نکلے جملے اور دعائیں ان مکتوبات کے قاری میں ایک جذبہ اور امنگ پیدا کرتی ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کے نام ان کے خطوط میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی، مولانا معین اللہ صاحب ندوی، مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی کا خاص طور پر جا بجا ذکر ملتا ہے، جب کہ مظاہر علوم سہارنپور کے لوگوں میں مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث، مولانا سید محمد عاقل صاحب صدر المدرسین، مولانا محمد سلمان صاحب حال ناظم مظاہر علوم سہارنپور کا ذکر حدیث شریف کی خدمت کے تعلق سے ان کی مساعدت و معاونت کے شیخ کے لئے باعث تقویت ہونے کے اظہار سے ہوتا، نظام الدین مرکز کے تعلق سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمہما اللہ کے متعلق یہ خطوط اچھا مواد فراہم کرتے ہیں، جس طرح تربیت و تزکیہ کے تعلق سے حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری سے شیخ کی عقیدت و تعلق نمایاں ہوتا ہے ملی مسائل کے تعلق سے مسلم مجلس مشاورت و جمعیۃ العلماء اور دینی مراکز کے سلسلہ میں ندوۃ العلماء کے مسائل سے دلچسپی اور دارالعلوم دیوبند و مظاہر علوم کے

تعلق سے فکرمندی ظاہر ہوتی ہے، شیخ کا معمول املا کرا کر خط لکھنے کا تھا اس لئے اس میں معاونین کے طور پر مولانا عبدالرحیم متالہ صاحب، مولانا حبیب اللہ صاحب چمپارنی اور مولانا سید محمد شاہد صاحب (نواسۂ حضرت شیخ) خاص طور پر نظر آتے ہیں، بعض خطوط شیخ کے بیمینہ رقم کردہ ہیں۔

چونکہ شیخ کے خطوط کا اتنا بڑا ذخیرہ آج افادۂ عام وخواص کے لئے محفوظ ہوگیا ہے کہ مختصر وقت میں نہ ہی اس پورے ذخیرہ کا مہیا ہونا ممکن ہے اور نہ ہی اس کا جائزہ لینا آسان ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ جو حضرت شیخ کے صرف محبوب ومنظور نظر ہی نہ تھے بلکہ یہ تعلق اس درجہ تھا کہ شیخ کی ان سے عقیدت تک جھلکنے لگتی ہے اور اسی وجہ سے شیخ نے اپنی کتابوں کی اشاعت میں نہ صرف ان کو شامل کیا بلکہ ان سے ان پر مقدمہ لکھوانے کا اہتمام فرما کر انہیں ان میں حصہ دار بھی بنایا اس لئے ان کے نام مکتوبات کا جائزہ لے کر شیخ کی شخصیت کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے، ان خطوط میں جو شیخ کے آپ کے نام ہیں آپ کے افراد خاندان سے شیخ کا خصوصی تعلق ظاہر ہوتا ہے، خصوصاً مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتھم، مولانا سید محمد الحسنی ندویؒ، مولانا سید محمد واضح رشید ندوی اور مولانا سید طاہر منصور پوری سے کہ ان حضرات کو شیخ سے استفادے کا موقع بھی ملا، اور شیخ کی نظر عنایت انہیں حاصل رہی، ان ہی خطوط سے شیخ کے اس خاندان کی مستورات اور بچوں کے لئے دعاؤں کے اہتمام اور مدینہ طیبہ کے قیام میں ان کی طرف سے صلاۃ وسلام پیش کرنے کا حال بھی معلوم ہوتا ہے، جب کہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی ہمشیرہ صاحبہ (والدہ ماجدہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی) کے نام خطوط سے جن کی خود ایک بڑی تعداد محفوظ ہے خواتین کی تربیت اور ان کا سلوک طے کرانے میں شیخ کا منفردانہ طرز ونہج کھلتا ہے کہ اس سلسلہ میں شیخ کو اللہ نے کیسی حکمت وبصیرت عطا کی تھی۔

حضرت شیخ الحدیث

اور

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری

مولانا فیروز اختر ندوی
(جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ)

''مولانا! حضرت شیخ نے آپ پر اسی طرح اعتماد کیا ہے جس طرح حضرت شیخ کے استاذ و مربی حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے حضرت شیخ پر کیا تھا''۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ جب بذل المجہود کی طباعت کے سلسلہ میں (جس کا تفصیلی تذکرہ آگے آرہا ہے) مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ کو مصر روانہ فرمارہے تھے تو اس موقع پر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ایک خاص انداز میں مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری کو ہدایت دیتے ہوئے مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا تھا۔

حضرت شیخ الحدیث اور مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کے گہرے تعلق اور استاذ و شاگرد کے پُرخلوص رشتہ کو سمجھنے کے لئے یہ جملہ ایک تاریخی اور دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث کی شخصیت دراصل ایک جامع کمالات اور ہشت پہل شخصیت تھی،

آپ کی پوری زندگی در کفے جام شریعت اور در کفے سندان عشق کی مکمل تفسیر وتشریح تھی، آپ کے علمی و دینی فیض سے عرب وعجم جس طرح مستفید اور سرشار ہوئے اور لاکھوں بندگان خدا نے جس طرح آپ کے میخانۂ دین وعلم سے نہ صرف جرعہ کشی کی بلکہ اپنی سرمستی وفیض رسانی سے ایک عالم کو سرشار رکھا، وہ تاریخ کا ایک ناقابل تردید حصہ ہے، نصف صدی تک مظاہر علوم سہارنپور کی مسند حدیث کو آپ نے زینت بخشی جہاں ہزاروں طالبان علوم حدیث آپ سے فیض یاب ہوتے رہے اور حدیث کے لعل و جواہر سے اپنے دامن مراد کو بھرتے رہے، پھر پچاسوں نامور خلفاء وتلامذہ آپ کی نگاہ کیمیا اثر سے صیقل ہو ہو کر نکلے اور اشاعت علم ودین اور اصلاح و ارشاد کا مقدس فریضہ انجام دیا۔

آفتاب حدیث سے مستفید ہونے والے ہزاروں ستاروں کی جھرمٹ میں حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی کی حیثیت ایک بدر منیر کی ہے کہ آپ نے نہ صرف حضرت شیخ الحدیث کے علوم سے استفادہ اور کسب فیض کیا بلکہ آپ کے علوم و معارف کو محققانہ اور تقاضائے زمانہ کے موافق اسلوب میں وسیع پیمانہ پر دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہونچانے کی سعی جمیل کی، جس پر حال میں شائع ہونے والی حضرت شیخ الحدیث کی شاہکار تصنیف ''اوجز المسالک اِلی موطأ مالک'' کی دیدہ زیب اٹھارہ جلدیں شاہد عدل ہیں، جو حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی کی تحقیق وکوشش سے ابوظبی سے شائع ہوئیں اور بہت تیزی کے ساتھ عالم عرب میں پھیل رہی ہیں اور علمی حلقوں میں مقبول ہو رہی ہیں۔

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری نے عام روایتی انداز اور دیگر طالبان حدیث کی طرح حضرت شیخ سے استفادہ کرنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ زمانہ قدیم کے محدثین عظام کے طرز پر باضابطہ حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کر کے خصوصی طور پر کسب فیض کیا، یہ کسب فیض سرسری نہیں بلکہ غائرانہ اور محققانہ تھا جب کہ یہ حقیقت مسلم ہے کہ فن حدیث کو اگر

سرسری طور پر حاصل کیا جائے تو بہت آسان اور سہل ہے لیکن اس فن کو غائرانہ نگاہ اور گہرے رسوخ کے ساتھ حاصل کیا جائے تو جوئے شیر لانے سے کم نہیں، خود حضرت شیخ الحدیث مولانا کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں ''حدیث پاک کا فن سرسری حیثیت سے انتہائی آسان اور مہارت کی حیثیت سے انتہائی مشکل ہے، استاذ کے سامنے صحاح کا پڑھ لینا تو سرسری کی بھی ابتدا ہے، مہارت کی ابتدا یہ ہے کہ صحاح پڑھ لینے کے بعد کسی واقف فن کی ماتحتی میں اس کے پاس رہ کر ایک دو سال مطالعہ کرے، اس کے بعد وہ اپنی جگہ رہ کر اپنی بساط کے موافق ترقی کر سکتا ہے''

مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی کی ہمت بلند نے مہارت حاصل کرنے کی حیثیت سے حدیث پاک کے فن کو حاصل کرنا چاہا اور فراغت کے بعد حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں پورے ایک سال قیام کر کے اس فن کے رموز و اسرار اور اشارات و کنایات سے واقف ہوئے اور اس طرح واقف ہوئے کہ اخیر زمانہ میں فن حدیث کی حریم ناز کے محرم خاص قرار پائے۔

حضرت شیخ الحدیث سے مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی کے تعلق کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب آپ پہلی بار ندوہ کے بجائے مظاہر علوم داخلہ کے لئے تشریف لے گئے اور حضرت شیخ نے جب اس کی وجہ پوچھی تو مولانا نے فرمایا تھا کہ ندوہ میں داخلہ تو آسان تھا لیکن وظیفہ کی گنجائش نہیں تھی، اس کے جواب میں حضرت شیخ نے عرض کیا کہ پیارے: یہاں روٹی کا سوال نہیں لیکن ہمارا تمہارا جوڑ کیسے بیٹھے گا، لیکن قدرت کی کرشمہ سازی اور مولانا کی قسمت دیکھئے کہ پھر ایسا جوڑ بیٹھا کہ مولانا کے بیان کے مطابق حضرت شیخ مولانا کی نہ صرف آرام و راحت اور کامیابی کی فکر رکھتے بلکہ ہر طرح کی علمی، دینی، اصلاحی اور معاشی فکر رکھتے تھے، مولانا خود اپنے ایک مضمون بعنوان ''مولانا طاہر منصور پوری'' میں تحریر فرماتے ہیں: اس ناچیز کا حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ سے تعلق ۱۹۵۲ء سے قائم ہوا تھا جو آخری دم تک رہا، طالب علمی میں حضرت

کے یہاں قیام وطعام بھی اکثر رہتا تھا۔(الشارق ج۵ش۲) پھر جب ندوہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کا خیال ہوا تو حضرت شیخ نے مولانا کو لکھا، یہ ناکارہ اس کے سوا کیا کرسکتا ہے کہ اللہ جل شانہ سے تمہارے لئے دارین کی ترقیات کی دعا کرے، مالک اپنے فضل وکرم سے اپنی رضا اور مرضیات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور نامرضیات سے حفاظت فرمائے ،علی میاں کی خدمت میں رہنے کی کوئی صورت پیدا ہوسکے تو بہت ہی بہتر ہے،............ میں نے آج ہی ان کی خدمت میں آپ کے حکم کے موافق زوردار سفارش لکھ دی ہے، (الشارق ج۶ش۲) پھر جب ندوہ میں مولانا حدیث کی بڑی کتابوں کا درس دینے لگے تو بھی حضرت شیخ مستقل طور پر آپ کی دینی واصلاحی وعلمی تربیت کا پورا خیال رکھتے تھے اور مختلف خطوط کے ذریعہ بیش بہا نصیحتوں سے نوازتے ،ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: تمہارے لئے میرے نزدیک بہت آسان طریقہ یہ ہے کہ لکھنؤ کے دوران قیام تو مستقل طور سے کوئی وقت علی میاں کے پاس یا مولوی منظور صاحب کے پاس گزارا کرو اور کم ازکم تعطیل کا زمانہ نظام الدین میں مولوی یوسف صاحب کے پاس گزارا کرو کہ ان کی ہر تقریر میں نہایت اہتمام سے شریک رہو، جب ارادہ کرو میرا خط ان کے نام لیتے جاؤ تو اس میں لکھ دوں گا کہ وہ تمہیں باہر نہ چلتا کردیں، کچھ دن اپنے پاس رکھیں۔ (الشارق ج۶ش۵)

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری نے ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے نام ایک خط میں اپنے ایک خواب کا تذکرہ فرمایا جس میں حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے قبور کی زیارت اور ہاتھ میں حدیث پاک کی کسی کتاب کے موجود ہونے کا تذکرہ تھا، تو حضرت شیخ نے جواب تحریر فرمایا ”خواب ان شاء اللہ مبارک ہے، علم حدیث اور وحی منزل سے ان شاء اللہ کسی وقت خصوصی مناسبت کا اشارہ ہے“۔

مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری کو ایک بار بعض معاشی پریشانیوں کے تحت طب پڑھنے کا خیال ہوا اور حضرت شیخ سے مولانا نے اس سلسلہ میں مشورہ کیا اور رائے مانگی

تو حضرت شیخ نے خط لکھا۔

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ.................. بعد سلام مسنون !

عنایت نامہ پہونچا، جس سے بجائے مسرت کے قلق ہوا، تم نے لکھا کہ عربی پڑھنے سے معاشی حالت تو درست نہیں ہوتی، اول تو یہ چیز بالکل غلط ہے میرا تو ذاتی تجربہ یہ ہے کہ بعض عربی پڑھنے والوں کی معاشی حالت ایسی بہتر ہے کہ اگر وہ عربی نہ پڑھتے تو بظاہر احوال ایسی اچھی حالت ان کی معاشی حیثیت سے کہیں بھی نہ ہوتی، وہ اپنے ہم جنس رئیسوں سے معاشی حالت میں بہت زیادہ بڑھے ہیں، دوسرے اگر اس کو مان ہی لیا جائے تو یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دینی علوم حاصل کرنے کا موضوع ہی معاشی حالت کا درست کرنا نہیں ہے۔ احمق اور پاگل ہیں وہ بیوقوف جو علم دین کو معاشی حالت درست کرنے کے لئے سمجھتے ہیں، اس کا موضوع تو معادی حالت درست کرنا ہے، کسی چیز سے اس کے موضوع کے خلاف کی توقع ہی لغو ہے، یہ سوچنے کی چیز ہے کہ موت ہے جو ہر حال میں آنے والی ہے کسی حال میں ٹلنے والی نہیں اور معادی حالت اگر خراب ہوگئی تو اس کی ہلاکت اور بربادی دائمی ہے جس کا نہ کوئی حل نہ منتہا، درحقیقت ہم لوگوں کو عموماً یہ خبط سوار ہو جاتا ہے کہ ہم ان پاگلوں کی نگاہ میں ذلیل ہونے کو اہم سمجھنے لگتے ہیں جن کی نگاہ میں ذلت وعزت کا مدار دنیوی ترقی ہے اور فروغ ہے حالانکہ اگر اللہ جل شانہ ہمیں عقل سلیم عطا فرمائے تو ہم اس دنیا میں منہمک لوگوں کو اس سے زیادہ ذلیل سمجھنے لگیں جتنا وہ ہمیں سمجھتے ہیں ؎

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکیں
وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا

مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری کا حضرت شیخ سے یہ تعلق بڑھتا ہی گیا اور پھر حضرت شیخ الحدیث کے اعتماد واعتبار کا وہ درجہ آپ نے حاصل کرلیا جو بہت سے خدام

ومسترشدین کے لئے باعث رشک اور مولانا کے لئے سرمایۂ سعادت ہے، اس تعلق کا نتیجہ تھا کہ حضرت شیخ نے بذل المجہود کی تصحیح وطباعت کے لئے باضابطہ مولانا کو بلایا، مولانا اس وقت گجرات میں شیخ الحدیث تھے، چھٹی لے کر مولانا ایک سال کے لئے صرف اسی کام کی غرض سے حاضر ہوئے، پھر دوسرے سال اوجز المسالک اور بذل المجہود کی طباعت کے لئے مصر بھیجا جہاں بذل المجہود زیور طبع سے آراستہ ہوئی، اوجز المسالک رہ گئی تھی جس کی طباعت نئی تحقیق کے ساتھ انتہائی دیدہ زیب شکل میں اب ہوئی۔

ایک خط میں حضرت شیخ الحدیث نے مولانا تقی الدین ندوی پر اعتماد کرتے ہوئے یہاں تک لکھا ''ایک بہت ضروری کام تمہارے حوالہ کرتا ہوں، حیات خلیل مصنفہ عزیز محمد ثانی کو بہت غور سے دیکھو، میرے تو دل ودماغ بالکل ساتھ چھوڑ چکے ہیں، تمہارے نزدیک بے تکلف قابل اصلاح، قابل اضافہ کچھ امور ہوں تو ایک پرچہ پر لکھ کر مزید مجھے دو، تنقید اور اصلاح اگر اخلاص سے ہو اور دوستوں کو اس پر متنبہ کر دیا جائے تو میرے نزدیک محمود ہے بشرطیکہ اس سے تنقیص یا اپنی بڑائی مقصود نہ ہو، .... یہ میری درخواست ہی نہیں بلکہ اصرار ہے''۔

امارات یونیورسٹی میں مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری دامت برکاتہم کے لئے حدیث پاک پڑھانے کی جب صورت نکل آئی تو حضرت شیخ الحدیث بہت ہی خوش ہوئے اور درج ذیل خط تحریر فرمایا۔

''اس سے بہت مسرت ہوئی کہ حدیث پاک پڑھانے کی مستقل صورت ہوگئی، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، اس کو آپ کے لئے ترقیات کا ذریعہ بنائے، یہ آپ کا اصل میدان ہے، میں تو ہمیشہ سے دعا کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے وہاں حدیث پاک کے درس وتدریس کا مستقل ذریعہ بنائے اور آپ کے ذریعہ سے وہاں خوب فیض پہونچے''۔

ایک خط میں تحریر فرمایا ''میرے ذہن میں تمہارے متعلق ایک بڑی اہم حدیث کی

خدمت ہے......کوکب اور لامع کی طرح اپنے والد صاحب کی تقریر ابوداود بھی جس کا نام عرصہ سے میرے ذہن میں ''الدر المنضود علی سنن أبي داود'' ہے، طبع کرانے کا خیال ہے، میں تو اس قابل رہا نہیں کہ اس کا واہمہ بھی کرسکوں کہ میں کروں گا، ......تم چونکہ بذل کے حواشی نقل کر چکے ہو، بذل سے تم کو مناسبت بھی ہے اس لئے میرے ذہن میں اندر ہی اندر یہ خیال پک رہا تھا کہ اپنے والد صاحب کی تقریر ابوداود آپ ہی کے حاشیہ سے طبع کرادوں، ......بسم اللہ کر کے ملتزم پر دعا کر کے حطیم میں اس کی بسم اللہ کر دیجئے کہ آپ کو ابوداود کے حواشی سے مناسبت بھی خاص ہو گئی''، اسی خط میں آگے تحریر فرمایا ''ان شاء اللہ، اللہ جل شانہ نے اگر مدد فرمائی تو حدیث پاک کا مشغلہ رہے گا''۔

مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب مدظلہ پر حضرت شیخؒ کی عنایت و توجہ اور شفقت و محبت کا اظہار اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے جو خود مولانا نے احقر کو بتایا کہ حضرت شیخؒ کی آخری علالت کے زمانہ میں حضرت جب ہندوستان تشریف لائے، پھر شدت علالت کی بنیاد پر مدینہ واپسی ہو رہی تھی، اس وقت آپ کا قیام دہلی میں بھائی کرامت کے مکان پر تھا، کسی کو مصافحہ کی اجازت نہیں تھی، حضرت شیخؒ کے خلیفہ مولانا منور صاحب کے پاس مولانا تقی الدین صاحب حاضر ہوئے اس وقت مولانا کے نامور فرزند مولانا ڈاکٹر ولی الدین صاحب ندوی بھی ساتھ تھے، شیخؒ نے مولانا تقی الدین صاحب کی صورت دیکھتے ہی کہا کہ مولوی تقی کو بلاؤ، مولانا قریب گئے تو حضرت شیخؒ نے فرمایا: مولوی صاحب! مجھے تمہارا بڑا انتظار تھا اور پوچھا کہ کتاب ''الزہد الکبیر'' کہاں ہے؟ مولانا اس وقت کتاب اپنے ساتھ لے کر حاضر ہوئے تھے، ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ میرے ہاتھوں میں ہے، مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی سے حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ علی میاں کا مقدمہ پڑھو، مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب نے آخری سطروں کی طرف اشارہ کیا اور

مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی مدظلہ وہ عبارت پڑھ کر حضرت شیخ کو سنانے لگے، لیکن مرض کی شدت اور ضعف کی وجہ سے حضرت شیخ پر غشی طاری ہوگئی جس پر مولانا عبدالحفیظ صاحب نے پڑھنا بند کردیا۔

اس واقعہ سے مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری دامت برکاتہم پر حضرت شیخ کی عنایت وشفقت کا پورا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ساتھ ہی حضرت شیخ کے حدیثی اور تصنیفی ذوق کا بھی پتہ چلتا ہے اس موقع پر مولانا ڈاکٹر ولی الدین صاحب ندوی بھی حاضر تھے، جس کی برکت یہ ہوئی کہ مولانا کو حضرت شیخ کی تصنیف ''جزء حجۃ الوداع وعمرات النبی'' کی تحقیق وتعلیق کی سعادت نصیب ہوئی جو حکومت ابوظبی کی وزارت اوقاف کی طرف سے بڑی تعداد میں شائع ہوئی، مولانا ولی الدین صاحب ندوی نے حضرت شیخ پر عربی زبان میں ایک مقالہ بھی لکھا جو عرب اہل علم میں بہت مقبول ہوا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کی ہر کامیابی پر بہت خوشی محسوس کرتے اور دعاؤں سے نوازتے، چنانچہ جب مولانا کی پہلی اور مقبول عام تصنیف ''محدثین عظام'' پائے تکمیل کو پہونچی تو حضرت شیخ نے خلاف معمول اس کتاب کے لئے شاندار تحسینی کلمات لکھے جو آج بھی کتاب مذکور کی پیشانی کی زینت ہیں حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں ''عزیز محترم مولانا الحاج مولوی تقی الدین صاحب ندوی مدرس حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے متفرق علمی مضامین جو وقتاً فوقتاً رسائل میں شائع ہوتے رہے، اکثر سنتا رہا، ان کی کتاب ''محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے'' کے مضامین جو بعض رسائل میں شائع ہوئے ہیں کبھی کبھی سنے اور معلوم ہوا کہ یہ سب مضامین کتابی صورت میں شائع ہو رہے ہیں، اس

سے بہت مسرت ہوئی، یہ ناکارہ دل سے دعا کرتا ہے اللہ جل شانہ ان مضامین سے اہل علم کو زیادہ سے زیادہ متمتع فرمائے اور مولانا موصوف کے لئے دارین کی ترقیات کا ذریعہ بنائے، مولانا موصوف کے علوم وفیوض سے طلبہ کو زیادہ سے زیادہ متمتع فرمائے اور کتاب کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے، اس ناکارہ کو اس قسم کے مضامین کی عادت نہیں، لیکن دعا سے دریغ نہیں، دل سے دعا کرتا ہوں۔

ایک خط میں تحریر فرمایا ''تمہاری ہر تالیف کی قبولیت کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے دین ودنیا، دونوں میں ذخیرۂ خیر بنائے''۔

حضرت شیخ الحدیث سے مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کے تعلقات اور نیازمندیوں کا تذکرہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے خطوط میں جا بجا فرمایا ہے، حضرت شیخ الحدیثؒ نے جب بذل المجہود کی خدمت کے لئے مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کا انتخاب فرمایا اور ایک سال اپنی خدمت میں سہارن پور رکھا اور دوسرے سال اوجز و بذل کی طباعت کے سلسلہ میں قاہرہ بھیجنا طے کرنا چاہا، اس وقت مختلف متعلقین وعلماء جو حضرت شیخ الحدیث سے وابستہ تھے، انہیں خیال ہوا کہ کیا صرف مولانا تقی الدین ندوی ہی ہندوستان میں اس کام کے لئے ہیں؟ اور یہ احساس بھی انہیں ستانے لگا کہ اولیت کا سہرا ان کے سر نہ ہو جائے، ان لوگوں نے حضرت شیخ کے پاس ایسے خطوط لکھے جن کی وجہ سے حضرت شیخ کی غیر معمولی عنایت میں کمی آجائے، اور جو کچھ بھی خدمت کی گئی اس پر پردہ پڑ جائے، اس پس منظر میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے پوری کوشش سے مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کا دفاع کیا اور ایک خط میں یہ تحریر فرمایا ''آپ (حضرت شیخ) نے اپنی شفقت سے ان کتابوں کی برائے نام خدمت میں جس طرح شریک فرمایا وہ محض محبت اور خردنوازی کا نتیجہ تھا، ورنہ ''کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل''

اسی وجہ سے خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزی مولوی تقی الدین کی محنت کو ضائع نہ فرمائے گا، کہ ان کا ''بذل'' کی اشاعت وتصحیح میں بڑا حصہ ہے''۔

ایک خط میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے حضرت شیخ کو لکھا، ''مولوی تقی الدین کی آمد پر ان شاء اللہ ہم لوگ بیٹھیں گے، ایسی غلطیوں سے بچنے اور زیادہ سے زیادہ صحیح چھپنے کے متعلق پورا منصوبہ اور اسکیم بنالیں گے'' اس خط سے مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی پر حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی اور حضرت شیخ الحدیثؒ دونوں حضرات کے کلی اعتماد کا پتہ چلتا ہے۔

ایک خط میں مولانا علی میاں تحریر فرماتے ہیں جو انہوں نے حضرت شیخ کی خدمت میں ارسال کیا تھا کہ مولوی تقی الدین ندوی کے دو خط میرے پاس آئے، کوئی خاص مشغولیت نہ ہونے کی انہوں نے شکایت کی ہے، جناب والا نے ان کے لئے جو مشغولیت[۱] تجویز کی ہے، ان کی خوش قسمتی ہے کہ بار بار ان پر نظر پڑتی ہے، وہ چاہیں تو اس سے بہت کچھ تلافی مافات کر سکتے ہیں'' اس خط سے بھی مولانا تقی الدین صاحب ندوی پر حضرت شیخ الحدیث کے اعتماد واعتبار کا پورا پورا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اور سب سے اخیر میں ہم حضرت شیخ الحدیث کا وہ جملہ نقل کرنا چاہتے ہیں جو مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ کا فن حدیث سے خصوصی مناسبت کی دلیل اور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی طرف سے آپ کے لئے شہادت واعتراف اور ایک مکمل سند ہے، حضرت شیخ الحدیث نے سنن أبي داود کی شرح بذل المجہود کے خاتمہ پر جہاں اپنے معاونین ورفقائے کار کا تذکرہ فرمایا ہے ان میں سرفہرست مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کا تذکرہ فرماتے ہوئے مندرجہ ذیل

---

[۱] یہ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری کے مکہ مکرمہ میں قیام کا زمانہ تھا، حضرت شیخ نے حضرت گنگوہی کی ابو داود کی تقریر کا فوٹو ان کے پاس بھجوایا تھا کہ اس کی تصحیح وتعلیق کریں۔

کلمات تحریر فرمائے:

العالم المحدث و الشيخ الفاضل تقى الدين الندوي المظاهري

اسی طرح ایک خط میں جو حضرت شیخ نے حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ کے نام لکھا تھا، تحریر فرمایا ''اللہ جل شانہ نے میرے کام کی ہمیشہ مدد فرمائی، میری نا اہلیت کے باوجود، میں نے تو سارے حالات سن کر سوچا کہ شاید منجانب اللہ جیسے ''بذل'' کی طباعت مولوی تقی کے مقدر میں تھی ''اُوجز'' کا سہرا بھی ان کے مقدر میں ہو ۔ (مکتوبات شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی، مرتبہ ڈاکٹر اسماعیل میمن مدنی ص١٨٦)۔

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری کے قیام قاہرہ کے دوران جب کہ وہاں بذل کی طباعت میں دشواری پیش آرہی تھی اور مولانا تقی الدین صاحب اور ان کے ساتھی بہت فکرمند اور پریشانی کی حالت میں تھے تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے مولانا تقی الدین صاحب کے نام ایک خط میں درج ذیل شعر بھی تحریر فرمایا ؎

أوري بسعدى و الرباب و زينب

و أنت الذي تعنى و أنت المؤمل

(سعدی، رباب اور زینب کے نام تو میں لیتا ہوں لیکن ان ناموں سے میری مراد آپ ہی ہیں اور آپ ہی سے میری امیدیں بھی وابستہ ہیں)۔

بذل المجهود شرح سنن أبی داود

تحقیق وتعلیق: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ

''أوجز المسالک إلی موطأ مالک'' کی شاندار اشاعت کے بعد ''سنن أبي داود'' کی مشہور ومقبول شرح ''بذل المجهود'' حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہ کی تحقیق وتعلیق اور فہارس کے ساتھ بیروت سے چودہ جلدوں میں نہایت شان اور خاص توجہ سے طبع ہو کر بہت جلد منصۂ شہود پر آ رہی ہے۔

أوجز المسالک إلی موطأ مالک

شروح حدیث میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کا سب سے مہتم بالشان اور مایۂ ناز کارنامہ أوجز المسالک ہے، جو امام مالکؒ کی موطأ کی ضخیم ومبسوط شرح اور حضرت شیخ کی تمام تصنیفات میں ممتاز اور نمایاں درجہ رکھتی ہے، الحمدللہ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مدظلہ کے حواشی وتعلیقات سے مزین اس کے بیروت ایڈیشن کو غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی، ہندوستان میں اب اس کے طبع جدید کی تیاری ہے، جس سے ہندوستانی شائقین کو انشاءاللہ حصول میں آسانی ہوگی۔

اجمالی مرقع

حضرت شیخ الحدیثؒ کی حیات وخدمات

ایک نظر میں

محمد الیاس الاعظمی

نوٹ:۔ اس مرقع کی تیاری میں حضرت شیخ کی آپ بیتی، مفکر اسلام علی میاں کی سوانح شیخ الحدیث اور الفرقان کے شیخ الحدیث نمبر سے مدد لی گئی ہے۔

اسم گرامی: محمد زکریا

والد ماجد کا اسم گرامی: مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ

۱۳۱۵ھ ۱۱/رمضان المبارک کو کاندھلہ میں ولادت ہوئی، ۷ برس کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا۔

۱۳۲۵ھ حفظ قرآن کی دولت سے بہرہ ور ہوئے۔

۱۳۲۸ھ اردو، فارسی کی تعلیم کا آغاز ہوا بہشتی زیور وغیرہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے پڑھی، اسی سنہ میں درس نظامی کی ابتداء ہوئی۔

۱۳۳۲ھ دور طالب علمی میں اردو میں مسلم کی شرح لکھی اور اشکال اقلیدس پر اضافہ بھی کیا، اور مشکوٰۃ کی تعلیم کی ابتداء ہوئی۔

۱۳۳۳ھ دورۂ حدیث کا آغاز ہوا، اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری سے بیعت ہوئے۔

۱۳۳۴ھ والد ماجد مولانا محمد یحیٰؒ کاندھلوی نے ۴۶ سال کی عمر میں وفات پائی ان کی نماز جنازہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے پڑھائی۔

۱۳۳۵ھ تحصیل علم سے فراغت پائی، اساتذہ وشیوخ کے نام یہ ہیں۔

(۱) والد ماجد مولانا محمد یحیٰ کاندھلویؒ (۲) چچا مولانا محمد الیاسؒ (۳) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ (۴) حافظ رحیم بخش صاحب (۵) حافظ محمد صالح صاحب (۶) مولانا عبداللطیف صاحب (۷) مولانا عبدالوحید سنبھلی صاحب (۸) مولانا ثابت علی صاحب (۹) مولانا ظفر احمد تھانوی صاحب وغیرہ۔

اسی سال مظاہر علوم میں استاذ مقرر ہوئے، مولانا رؤف الحسن کاندھلوی کی صاحبزادی امۃ المتین سے نکاح بھی اسی سال ہوا، مشائخ چشتیہ اور احوال مظاہر علوم اسی سال سپرد قلم فرمائی۔

۱۳۳۶ھ شرح الفیہ اردو کی ابتداء فرمائی۔

۱۳۳۷ھ صاحبزادی زکیہ پیدا ہوئیں۔

۱۳۳۸ھ ۱۹۲۰ء پہلا سفر حج کیا، صاحبزادی ذاکرہ پیدا ہوئیں۔

۱۳۴۱ھ ۱۹۲۳ء تقریر مشکوٰۃ قلم بند کی اور حجۃ الوداع والعمرات تالیف فرمائی اور ملتقط المرقاۃ لکھنے کی ابتداء ہوئی۔

۱۳۴۲ھ الوقائع والدہور کی ابتداء ہوئی۔

۱۳۴۳ھ صاحبزادے محمد موسیٰ پیدا ہوئے، خصائل نبویؐ شرح شمائل ترمذی کا آغاز فرمایا۔

۱۳۴۴ھ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے ساتھ سفر حجاز پر گئے،

(دوسرا سفر حج)، اسی سال صاحبزادہ محمد موسیٰ نے انتقال کیا، تقریر مشکوٰۃ اردو دوبارہ قلم بند کی اور خصائل نبویؐ شرح شمائل ترمذی پایہ تکمیل کو پہونچی۔

۱۳۴۵ھ اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک کی تصنیف کا آغاز ہوا، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے چاروں سلسلوں میں بیعت و ارشاد کی اجازت مرحمت فرمائی، صاحبزادی شاکرہ پیدا ہوئیں، قراء سبعہ اور ان کے رواۃ کے مختصر حالات قلم بند فرمائے اور تحفۃ الاِخوان کا ترجمہ بھی اسی سال کیا۔

۱۳۴۶ھ سفر حجاز سے واپس تشریف لائے۔

۱۳۴۷ھ المؤلفات والمؤلفین لکھنے کی ابتداء ہوئی، صاحبزادی راشدہ پیدا ہوئیں۔

۱۳۴۸ھ فضائل قرآن پایہ تکمیل کو پہونچا، جس کا بعد میں دس زبانوں میں ترجمہ ہوا۔

۱۳۴۹ھ صاحبزادے محمد ہارون پیدا ہوئے، اسی سال فضائل رمضان قلمبند کی جس کا گیارہ زبانوں میں ترجمہ ہوا۔

۱۳۵۰ھ رسالہ قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم قلمبند فرمایا، صاحبزادی خالدہ پیدا ہوئیں، جن کا شیر خوارگی ہی میں انتقال ہوا، اسی سال فضائل تبلیغ تحریر کی جو بے حد مقبول ہوئی اس کا چودہ زبانوں عربی، فارسی، برمی انگریزی، ہندی، مدراسی، ملیالم، تمل، گجراتی، ملائی، بنگالی، تیلگو، سہالی اور فرانسیسی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

۱۳۵۲ھ ۱۹۳۴ء الکوکب الدری کی تکمیل فرمائی، بیٹی شاہدہ پیدا ہوئیں۔

۱۳۵۴ھ صاحبزادے محمد یحییٰ پیدا ہوئے، بیٹی ذاکرہ کا مولانا انعام الحسن صاحب سے نکاح ہوا، مولانا زبیر صاحب انہی کی اولاد ہیں، اسی سال دوسری صاحبزادی زکیہ کا مولانا یوسف صاحب سے نکاح ہوا

۱۳۵۵ھ ۱۹۳۷ء بیٹی صفیہ پیدا ہوئیں، پہلی بیوی امۃ المتین نے وفات پائی۔

۱۳۵۶ھ ۱۹۳۷ء صاحبزادے محمد یحییٰ پیدا ہوئے، اور کچھ ہی دنوں میں انتقال کیا، صفیہ کا انتقال بھی اسی سنہ میں ہوا، اور اسی سال حضرت شیخ الحدیث کا دوسرا نکاح حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی صاحبزادی عطیہ سے ہوا۔

۱۳۵۷ھ حکایات صحابہ مکمل ہوئی، جس کا تیرہ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، اسی سال الاعتدال فی مراتب الرجال سپردِ قلم فرمائی۔

۱۳۵۸ھ صاحبزادے عبدالحئی پیدا ہوئے اور ایک ماہ زندہ رہ کر انتقال کیا، حضرت شیخ مشاغل عالیہ کی وجہ سے ولادت و وفات کی خبر پر گھر نہ پہونچ سکے

۱۳۶۰ھ اسی سال فضائل نماز لکھی جس کا چودہ زبانوں میں ترجمہ ہوا، صاحبزادے مولانا محمد طلحہ پیدا ہوئے۔

۱۳۶۵ھ ۱۹۴۶ء صاحبزادی شاکرہ کا مولوی احمد حسن کاندھلوی سے نکاح ہوا۔

۱۳۶۶ھ فضائل حج لکھنے کی ابتداء ہوئی، صاحبزادی زکیہ نے وفات پائی۔

۱۳۶۷ھ فضائل حج تکمیل کو پہونچی جس کا چار زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

۱۳۶۸ھ فضائل صدقات سپردِ قلم کی، جس کا چھ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

۱۳۶۹ھ ۱۹۵۰ء بیٹی شاکرہ نے انتقال کیا، راشدہ کا دوسرا نکاح مولانا محمد یوسف صاحب

سے ہوا۔

۱۳۷۰ھ رسالہ فتنہ مودودیت قلم بند کیا، صاحبزادی خدیجہ پیدا ہوئیں۔

۱۳۷۵ھ اوجز المسالک پایہ تکمیل کو پہونچی۔

۱۳۷۶ھ لامع الدراری کی تالیف کی ابتداء ہوئی۔

۱۳۷۹ھ پہلا سفر برطانیہ (دس روز قیام رہا)۔

۱۳۸۱ھ صاحبزادی صفیہ کا مولانا محمد عاقل سے نکاح ہوا، حافظ محمد جعفر، حافظ محمد عمر، محمد عادل، محمد عاصم انہیں کے بیٹے ہیں۔

۱۳۸۳ھ تیسرا سفر حج مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ۔

۱۳۸۴ھ فضائل درود رقم فرمایا جس کا چار زبانوں میں ترجمہ ہوا۔

۱۳۸۶ھ ۱۹۶۷ء چوتھا سفر حج کیا، صاحبزادی خدیجہ کا مولانا انعام الحسن صاحب سے نکاح ہوا، حافظ محمد عثمان اور حافظ محمد نعمان ان سے پیدا ہوئے۔

۱۳۸۸ھ سفر حجاز، حواشی بذل المجہود لکھے، لامع الدراری پایہ تکمیل کو پہونچی، اسی سال اسٹرائک بھی سپردِ قلم کیا اور نزول الماء کی وجہ سے مشغلہ تدریس کو خیر باد کیا۔

۱۳۸۹ھ ۱۹۶۹ء پانچواں سفر حجاز، یہ سفر روزہ اور وضو کے ساتھ کیا۔

۱۳۸۹ھ ۱۹۷۰ء اسی سال سفر حجاز سے واپسی ہوئی اور علی گڑھ میں آنکھ کا آپریشن ہوا۔

۱۳۹۰ھ آپ بیتی کا آغاز ہوا، حجۃ الوداع میں جزء العمرات کا اضافہ فرمایا، چھٹا سفر حجاز۔

۱۳۹۱ھ ۱۹۷۲ء مدینہ منورہ میں دوسری آنکھ کا آپریشن ڈاکٹر منیر الحق نے کیا۔

۱۳۹۲ھ تاریخ مظاہر علوم شائع ہوئی۔

۱۳۹۳ھ ۱۹۷۳ء مشائخ چشت شائع ہوئی ، مرتبہ مولانا محمد شاہد صاحب اسی سال مدینہ منورہ میں مستقل قیام کے لئے سفر کیا۔

۱۳۹۴ھ ۱۹۷۴ء مدینہ منورہ سے پاکستان تشریف لے گئے ایک ماہ کے قیام کے بعد ہندوستان تشریف لائے ، اور تقریباً ۵ ماہ کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے۔

۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵ء ہندو پاک کے تبلیغی اسفار ہوئے۔

۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء ہندو پاک کے مختلف مقامات پر وعظ و نصیحت کی اور سیکڑوں افراد نے بیعت کی ، انگلینڈ تشریف لے گئے متعدد افراد نے بیعت کی ، رسالہ فضائل عربی زبان لکھوانا شروع کیا۔

۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء رمضان پاکستان میں گذارا اور ہزاروں افراد نے بیعت کی۔

۱۴۰۱ھ ۱۹۸۱ء ری یونین افریقہ کا سفر کیا جس سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔

۱۴۰۲ھ ۱۹۸۱ء انگلینڈ کا دوسرا سفر ، اسی سال آخری بار ہندوستان تشریف لائے ہولی فیملی اسپتال میں زیر علاج رہے افاقہ کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے۔

۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲ء یکم شعبان کو مدینہ منورہ میں وفات پائی انا للہ و انا الیہ راجعون ، جنت البقیع میں آسودہ خاک ہوئے۔

اولاد (پہلی بیوی سے) (۱) زکیہ زوجہ مولانا محمد یوسف صاحب (۲) ذاکرہ زوجہ مولانا انعام الحسن صاحب (۳) شاکرہ زوجہ مولوی احمد حسن صاحب (۴) راشدہ زوجہ مولوی سعید الرحمٰن صاحب (۵) شاہدہ زوجہ حکیم محمد الیاس صاحب

(دوسری بیوی سے) (۱) مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ (۲) صفیہ (۳) خدیجہ

خلفاء : حضرت شیخ الحدیث سے بے شمار لوگوں نے کسب فیض کیا، ان کے خلفاء کی تعداد ۱۰۹ ہے۔

تصانیف: حضرت شیخ نے ۱۰۰ سے زائد کتابیں اور رسائل قلم بند فرمائے، اہم کتابوں اور رسائل کے نام یہ ہیں۔

تصانیف: (۱) شرح الفیہ اردو تین جلد (۲) اردو شرح مسلم (۳) اضافہ براشکال اقلیدس (۴) تقریر مشکوٰۃ (۵) تقاریب کتب حدیث (۶) مشائخ چشت (۷) احوال مظاہر علوم (۸) تلخیص البذل (۹) شذرات الحدیث (۱۰) جزء حجۃ الوداع و العمرات (۱۱) خصائص نبویؐ شرح شمائل ترمذی (۱۲) حواشی بذل المجہود (۱۳) تحفۃ الاخوان (۱۴) شرح عربی جزری (۱۵) رسالہ در احوال قراء سبعہ (۱۶) اوجز المسالک شرح موطأ امام مالک چھ جلدیں (۱۷) فضائل قرآن (۱۸) فضائل رمضان (۱۹) قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم (۲۰) فضائل تبلیغ (۲۱) الکوکب الدری (۲۲) حکایات صحابہ (۲۳) الاعتدال فی مراتب الرجال (۲۴) مقدمات کتب حدیث (۲۵) فضائل نماز (۲۶) فضائل ذکر (۲۷) فضائل حج (۲۸) فضائل صدقات (۲۹) لامع الدراری ۳/ جلد (۳۰) فضائل درود شریف (۳۱) رسالہ اسٹرائک (۳۲) آپ بیتی (۳۳) اصول حدیث علی مذاہب الحنفیہ (۳۴) الوقائع والدہور (۳۵) المؤلفات و المؤلفین (۳۶) تلخیص المؤلفات و المؤلفین (۳۷) جزء المعراج (۳۸) جزء وفاۃ النبی ﷺ (۳۹) جزء افضل الاعمال (۴۰) جزء روایات الاستحاضۃ (۴۱) جزء رفع الیدین۔

(۴۲) جزء الاعمال بالنیات (۴۳) جزء اختلافات الصلوٰۃ (۴۴) جزء اسباب اختلاف الأئمۃ (۴۵) جزء المبہمات فی الاسانید والروایات (۴۶) رسالہ التصویر (۴۷) سیرت الصدیق (۴۸) رسالہ فرائد حسین (۴۹) حواشی کلام پاک (۵۰) حواشی الاشاعہ (۵۱) حواشی و ذیل التہذیب (۵۲) حواشی اصول الشاشی (۵۳) حواشی مسلسلات (۵۴) جزء مکفرات الذنوب (۵۵) جزء ملتقط المرقاۃ (۵۶) جزء ملتقط الرواۃ عن المرقاۃ (۵۷) معجم المسند للامام احمد (۵۸) جزء المناط (۵۹) رسالہ مجدد دین ملت (۶۰) جزء صلاۃ الاستسقاء (۶۱) جزء صلاۃ الخوف (۶۲) جزء صلاۃ الکسوف (۶۳) جزء ماقال المحدثون فی الامام الأعظم (۶۴) جزء تخریج حدیث عائشہ فی قصۃ بریرۃ (۶۵) تقریر نسائی شریف (۶۶) جزء امراء المدینۃ (۶۷) جزء طرق المدینہ (۶۸) جزء مایشکل علی الجارحین (۶۹) جزء الجہاد (۷۰) جزء أنکحتہ ﷺ (۷۱) مشائخ تصوف (۷۲) اولیات القیامہ (۷۳) مختصات المشکوٰۃ (۷۴) رسالہ ردمودودیت (۷۵) مشرقی کا اسلام (۷۶) میری محسن کتابیں (۷۷) نظام مظاہر علوم (۷۸) جامع الروایات (۷۹) معجم رجال تذکرۃ الحفاظ للذھبی (۸۰) تبویب تاویل مختلف الاحادیث لابن قتیبہ (۸۱) تبویب مشکل الآثار (۸۲) معجم الصحابہ التی أخرج عنہم أبوداؤد الطیالسی فی مسندہ (۸۳) تبویب احکام القرآن للجصاص۔